ملفوظاتؑ

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۳

دیباچہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بابرکت تصانیف اس سے قبل رُوحانی خزائن کے نام سے ایک سیٹ کی صورت میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ایک عرصہ سے نایاب ہونے کی وجہ سے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس رُوحانی مائدہ کو دوبارہ شائع کر کے تشنہ روحوں کی سیرابی کا سامان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا بیحد احسان ہے کہ اسکی دی ہوئی توفیق سے خلافت رابعہ کے بابرکت دور میں اب ان کتب کو دوبارہ سیٹ کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔ یہ کتب اکثر چونکہ اُردو زبان میں ہیں اور اُردو دان طبقہ کی اکثریت پاکستان میں ہے اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان کتب کی اشاعت بھی پاکستان میں ہوتی۔ لیکن ناگزیر مشکلات کی وجہ سے مجبوراً بیرون پاکستان سے ہی ان کی اشاعت کا فیصلہ کرنا پڑا۔

اس ایڈیشن کے سلسلہ میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

ا۔ قرآنی آیات کے حوالے موجودہ طرز پر (نام سورۃ : نمبر آیت) نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں۔

ب۔ سابقہ ایڈیشن سے محض کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے۔

ج۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی انگریزی عبارات کو صاف TYPE میں پیش کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سعید روحوں کو ان رُوحانی خزائن کے ذریعہ راہِ ہدایت نصیب فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو قبولیت بخشے۔ آمین

خاکسار

الناشر

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء

مبارک احمد ساقی ایڈیشنل ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(از نومبر ۱۹۰۱ء تا ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظاتِ طیّبہ کی یہ تیسری جلد ہے جو نومبر ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک کے ملفوظاتِ طیبہ پر مشتمل ہے۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ضرورت اور اُن کی اہمیت سے متعلق ملاحظہ ہو پیش لفظ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل۔ اِس کی ترتیب و تدوین بھی زیادہ تر جناب چوہدری احمد جان صاحب وکیل المال کی مساعی کی رہینِ منّت ہے۔

اِتباعِ مسیحِ موعودؑ اللہ تعالیٰ کا محبوب بناتی ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس قدر انبیاء یا مامورین آئے اُن کی اتباع اور اطاعت کئے بغیر اُن کی قوم کا کوئی فرد محبوبِ الٰہی نہیں بن سکتا تھا۔ اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کہ سب قوموں اور سب ملکوں اور سب زمانوں کے لئے بھیجے گئے تھے اتباع کرنا اور آپؐ کے نقشِ قدم پر چلنا محبوبِ الٰہی بننے کے لئے ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:- قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔ یعنی اے رسولؐ تو اعلان کر دے کہ اے اللہ سے محبت کے دعویدارو اگر تم فی الحقیقت اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو اور میرے نقشِ قدم پر چلو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔ "فَاتَّبِعُوْنِیْ" میں اس طرف اشارہ کیا گیا کہ آپؐ کے حالات آپؐ کے اخلاق اور آپؐ کی اللہ تعالیٰ سے محبت اور آپؐ کی بنی نوع سے ہمدردی وغیرہ سب امور اوراقِ تاریخ میں محفوظ کئے جائیں گے تا ہر زمانہ کے لوگ آپؐ کے نقشِ قدم پر چل سکیں لیکن امتدادِ زمانہ سے جب مسلمان بھی آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے کامل بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تا آپؐ کا

بقیہ صفحہ ا: سے زنو آپ عملی رنگ میں زندہ کریں۔ چونکہ ظلی طور پر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کے وارث ہوئے اس لئے آپ پر بھی اللہ تعالےٰ نے یہی آیت بطور الہام نازل کر کے اِس طرف اشارہ فرمایا کہ اِس زمانہ میں اگر کوئی خدا تعالیٰ کا محبوب بننا چاہتا ہے تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ محبتِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ کے اظہار کے لئے آپ کے نقشِ قدم پر چلے اور اشاعت اور ترقی اسلام کیلئے ہر قسم کی قربانی پیش کرے اسلئے ضروری تھا کہ آپ کی سیرت کے مختلف پہلو اور آپ کے ملفوظات اور نصائح اہلِ دنیا کی ہدایت کیلئے محفوظ رکھے جاتے۔ سو اللہ تعالےٰ نے آپ کی زندگی ہی میں جرائدِ سلسلہ کے ذریعہ اس مقصد کو باحسن طریق پورا کر دیا جو اب الشرکۃ الاسلامیہ کتابی صورت میں شائع کر رہی ہے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ اِن ملفوظاتِ طیّبہ کو بغور پڑھیں اور ان کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"جو لوگ ایمان میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور جب اُن کو مخاطب کر کے کچھ بیان کیا جاتا ہے تو غور سے اس کو نہیں سنتے اُن کو بولنے والے کے بیان سے خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا مفید اور مؤثر کیوں نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ کان رکھتے ہیں مگر سُنتے نہیں۔ دل رکھتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ پس یاد رکھو جو بیان کیا جاوے اُسے توجہ اور بڑے غور سے سُنو۔"

اور فرماتے ہیں:۔ "جب خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں مامور کر کے بھیجتا ہے تو اُس وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اُن کی باتوں پر توجہ اور کان دھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اُسے پورے غور سے سُنتے ہیں۔ یہ فریق وہ ہوتا ہے جو فائدہ اُٹھاتا ہے اور سچی نیکی اور اُس کے برکات و ثمرات کو پا لیتا ہے۔ دوسرا فریق وہ ہوتا ہے جو اُنکی باتوں کو توجہ اور غور سے سُننا تو ایک طرف رہا اُن پر ہنسی کرتا اور اُن کو دُکھ دینے کیلئے منصوبے سوچتا اور کوشش کرتا ہے۔" (ملفوظات جلد ہذا ص۱۴۲ و ص۱۴۳)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اوّل فریق میں سے بنائے جو مامور من اللہ کی باتوں کو پورے غور سے سُنتے اور اُن سے فائدہ اٹھاتے اور اُن کی برکات اور ثمرات کو پاتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں ملفوظات جلد سوم کا خلاصہ مطالب کے طور پر انڈکس لکھتے ہیں۔

خاکسار
جلال الدین شمس

یکم اگست ۱۹۶۱ء

اِنڈیکس مضامین

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از نومبر ۱۹۰۱ء تا ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(مرتبہ مولوی جلال الدین صاحب شمس)

الف

اللہ تعالیٰ

آدم اور شیطان

آریہ مذہب

آیاتِ قرآنیہ

آیات اللہ

آیات اللہ کو اگر جمع کیا جائے اور قدر کی جائے اور نشانات کو یکجائی طور پر دیکھا جائے تو وہ روحانی سیری کا موجب ہو جاتی ہیں۔

آیات مبین

آیات مبین وہ ہوتی ہیں جن کے مقابلہ سے مخالف عاجز ہو جاوے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ جس کا مخالف باوجود تحدی کے مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہریگا۔ ص ۲۰۸

ابتلاء

ا۔ مامورین الہٰی کے ساتھ ابتلاء ضرور ہوتے ہیں اور اس کی مثالیں۔ غرض ابتلاء کا آنا ضرور ہے۔ مگر سچا مومن کبھی ان سے ضائع نہیں ہو سکتا ص ۷۵-۷۶

ب۔ تکمیل ایمان کیلئے ابتلاء کا آنا ضروری ہے۔ ص ۲۰۸ و ص ۳۸۷

ج۔ ابتلاء نفسانی لذتوں پر موت وارد کرتے ہیں۔ ص ۴۰۲

د۔ ابتلاء سے رضا بالقضا اور صبر کی توفیق بڑھتی ہیں۔ ص ۲۰۰

ھ۔ انسان کی تکمیل اور تربیت ابتلاؤں کو چاہتی ہے۔ ص ۲۰۰

و۔ ابتلاء تمحیص کیلئے آتے ہیں۔ ص ۲۷۶

ز۔ خدا سے ابتلاء کی حالت میں روٹھنا نہیں چاہیئے ص ۳۷۳

ح۔ نبیوں اور صادقوں پر ابتلاء آئے مسیح پر بھی آیا اور ایلی ایلی لما سبقتانی کہنا پڑا۔ ص ۳۷۳

ابتلاء اور ہمّ و غمّ

ا۔ جن کو ہمّ و غم نہیں پہنچتا وہ اللہ تعالےٰ کے بہت سے اسرار و حقائق سے ناآشنا رہتے ہیں۔ وہ بدقسمت ہیں وہ ناز و نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ص ۱۹۹-۲۰۰

ب۔ جن کو ہمّ و غم پہنچتا ہے خدا اس کو پیار کرتا ہے۔ ص ۲۰۱

ابدال

اُمت میں ابدال وہ ہوتے ہیں جن کی فطرت کو بدلا دیا جاتا ہے۔ یہ تبدیلی اتباع سنت اور دعاؤں سے ملتی ہے۔ ص ۱۰

ابوبکرؓ

ابوبکرؓ شام کے سفر سے واپس آئے۔ راستہ میں آنحضرتؐ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو وہیں تسلیم کر لیا۔ ص ۴۶

ابوجہل

ابوجہل اس امت کا فرعون تھا۔ ص ۲۷۲

نیز دیکھو "فرعون"

ابناء اللہ

آدمؑ کو بھی شجرۂ ابناء میں داخل کیا گیا ہے۔ اسرائیل کو نخست زادہ۔ غرض ابناء اللہ کا استعمال بائبل میں بہت عام ہے۔ ص ۱۳۱

احسن بیگ (مرزا)

مرزا احسن بیگ کی درخواست بیعت پر فرمایا۔ اگلے جمعہ کر لینا اور بیعت کی حقیقت بیان فرمائی ص ۲۲۹-۲۴۱

نیز دیکھو "بیعت"

احکام الہٰی

احکام الہٰی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مستقل اور دائمی اور بعض آنی اور وقتی۔ ص ۴۲

احمد جان صاحب (مولوی)

میری جماعت میں بھی ایک مولوی احمد جان صاحب دجودی تھے جو اب فوت ہو چکے ہیں۔ مگر مجھ سے اس مسئلہ پر کبھی گفتگو نہ کی۔ ص ۲۳۲

احمدیہ سلسلہ

دیکھو "سلسلہ احمدیہ" "جماعت احمدیہ"

احیائے میت

(ا) مُردہ میں شعور باقی نہیں رہتا یہ ایک سِرّ الٰہی ہے۔ جس کی تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا مغربی دنیا انسانی حدود کو چھوڑ کر بے فائدہ آگے قدم رکھنا چاہتی ہے ص ۱۴۸

(ب) مُردوں کو زندہ کرنے کا مفہوم فیمسکُ التی قضٰی علیہا الموت کے خلاف ہے اور اس قرآن میں تناقض لازم آتا ہے۔ ص ۱۷۱

(ج) اگر مسیح سچ مُردے زندہ کرتے تھے تو ان کے حق میں بھی المتوفّٰی کے لفظ آتے۔ ص ۱۷۱

(د) مقبورین مُردوں کے متعلق فیمسکُ التی قضٰی علیہا الموت کا قرآنی فتویٰ ہے۔ مگر برنگ دیگر غیر حقیقی موت میں احیا بھی ہوتا ہے۔ خدا قادر ہے مگر اپنی صفات قدیمہ کے خلاف نہیں کرتا ص ۲۹۰

اخلاق

دیکھو "خلق"

اذان

اذان کے وقت مضمون وغیرہ پڑھنا جائز ہے ص ۲۷۳

اسباب پرستی

(ا) اسباب سے جائز فائدہ حد اعتدال تک ضرور اٹھانا چاہیئے۔ مگر شرک فی الاسباب نہ ہونے پائے ص ۳۷۴

(ب) اسباب پرستی پتھر پرستی سے بڑھ کر ہے پتھروں کی پوجا آگ محرقہ ہے تو یہ تپ دق ہے جو اسباب میں دل لگاتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے ص ۲۷۵

نیز دیکھو ص ۸۰ - ۸۳ و ص ۲۸۷ - ۲۸۸

استغفار

استغفار انسان کی طبعی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ خدا تعالیٰ کے دو نام الحیّ اور القیوم ہیں۔ الحیّ چاہتا ہے اس کی عبادت کی جائے اور القیّوم کہ اُس کا سہارا طلب کیا جائے اور یہی استغفار ہے۔ جو اس کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریہ ہے، ص ۲۱۷

الاستفتاء من ندوۃ العلماء

مولوی ابو یوسف مبارک علی کا عربی قصیدہ جو انہوں نے سُنایا۔ ص ۳۹۷

اسلام

۱ - اسلام اور عیسائیت میں فرق - عیسائیوں کا اب انجیل میں ایمانداروں کی مذکورہ علامات کا ثبوت نہ دے سکنا۔ اور عدم قبولیت دعا ایک سخت حربہ اور حجت ہے۔ اور ثبوت ہے کہ اُن میں زندگی کی رُوح اور تاثیر نہیں رہی اور یہ کہ انہوں نے نبی کا طریق چھوڑ دیا برخلاف اسلام کے کہ وہ پہلے سے خوارق اور نشان دکھاتا ہے۔ ص ۹۰

۲ - سچا اسلام اور سچی توحید جو مدار نجات ہے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک دل دھوئے نہ جائیں۔ اور حجب ظلمانیہ دُور نہ ہوں۔ اور ان کے دُور کرنے کا آلہ خدا تعالیٰ کے نشان ہیں۔ ص ۶۸

۳ - فضیلت - اسلام ایک ایسا دین ہے جو کیا باعتبار توحید اور اعمال حسنہ اور کیا تکمیل مسائل سب سے بڑھ کر ہے۔ ص ۸۵

۴ - مفید نسخہ - ارکانِ اسلام کے نسخہ نے ایک دفعہ

علاج مریضوں کو اچھا کیا۔ پس نسخہ غیر مفید نہیں مریض کی استعمال میں غلطی اور بد پرہیزی عدم فائدہ کی وجہ ہے۔ ص ۸۸

۵ - وظائف اور کافیاں۔ نبیؐ کے طریق کو چھوڑ کر اپنے طریق ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے وظائف اور کافیاں پڑھنا وغیرہ لذت رُوح کے لئے نہیں بلکہ لذت نفس کی خاطر ہے۔ ص ۸۸

۶ - مخالفت۔ اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خروج ہو چکا ہے اور اب وہ بالغ ہو کر پورے جوش اور قوت میں ہے۔ ص ۹۳

۷ - تین زمانے۔ اسلام پر تین زمانے گذرے (۱) قرونِ ثلاثہ کا زمانہ (۲) اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ جس کے متعلق فرمایا لیسوا منی ولست منھم (۳) تیسرا مسیح موعود کا زمانہ جو حقیقت میں رسول اللہ کا زمانہ ہے جیسا کہ آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم سے ظاہر ہے۔ ص ۹۴

۸ - برکات۔ اسلام کی برکات کا نمونہ ہر زمانہ میں موجود رہا۔ ص ۹۴

۹ - اسلام پر اعتراضات کرنے کیلئے ایک شرط

(ا) - وہ یہ کہ اعتراض کرتے وقت یہ لحاظ رکھا جائے کہ وہ ایسے ہوں کہ معترض کی مسلّمہ کتب سابقہ میں اس قسم کے اعتراضوں کا نشان نہ ہو۔ عیسائیوں کے اسلامی جنگوں پر اعتراضوں کی مثال کا ذکر۔ ص ۹۹ نیز دیکھو "جنگ"

(ب) قرآن شریف کی اس تعلیم پر کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ضلالت اور ہدایت ہے اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ شریر جہنم کیلئے بنائے۔ فرعون کا دل سخت کر دیا۔ ص ۲۲۴

(ج) ان پادریوں کا کوئی اعتراض نہیں جو تورات اور انجیل کے ورق ورق پر نہ آتا ہو۔ ایسا ہی رِگ وید اور فارسیوں اور سناتنیوں کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ ص ۲۲۴

۱۰ زندہ مذہب۔ اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے جو اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں۔ جسے ابھی تک اس میں شک ہو وہ میرے پاس آوے۔ ص ۱۲۹

۱۱ - اسلام اپنی اشاعت میں تلوار کا ہرگز محتاج نہیں بلکہ اس کی تعلیم کی ذاتی خوبیاں اس کے حقائق و معارف اس کے حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات اور اس کا ذاتی جذب ہمیشہ اس کی ترقی و اشاعت کا موجب ہوئیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو میرے پاس رہ کر دیکھ لے ص ۱۷۶

۱۲ - بڑا اعتراض (ا) اسلام پر یورپین ممالک کا سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ وہ جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے۔ اور در اصل یہ ملاؤں نے جو اسلام کے نادان دوست ہیں یہ فساد ڈالا ہے۔ ص ۱۷۷

(ب) لا اکراہ فی الدین۔ اس امر کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلا اللہ تعالیٰ نے

(٦) انجیل نویس لکھتا ہے یسوع کے کام اگر لکھے جاتے تو دنیا میں نہ سما سکتے۔ بھلا جو کام تین برس میں ہو سکتے ہیں وہ امکانی طور پر کیوں محدود نہیں ہو سکتے
ص ١٧٠

٧۔ پادری عماد الدین کا کہنا ہے کہ انجیل میں تالاب والا واقعہ الحاقی ہے۔ ص ١٧٣

٨۔ قرآنی تعلیم کا مقابلہ۔ انجیل کی تعلیم بے حقیقت بچوں کا کھلونا ہے۔ وہ ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے بالمقابل قرآن شریف تمام قوتوں کا مربی ہے۔
عفو و انتقام کی مثال۔ ص ٢٤١ - ٢٤٢

٩۔ انجیل کی ایک تمثیل کی تشریح۔ انجیل متی ١٣/٣٣ میں آسمانی بادشاہت کی تمثیل خمیر کی مانند جسے کسی عورت نے تین پیمانے آٹے میں ملا دیا کی تعبیر کہ عورت سے مراد دنیا۔ مسیح سے لیکر اسوقت تک تین ہی پیمانے ہیں۔ مسیح۔ آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ۔
ص ٤١٤ - ٤١٥

انسان

١۔ معنی۔ اصل میں اُنسان یعنی دو محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اُنس وہ خدا سے کرتا ہے دوسرا انسان سے۔ ص ٦

٢۔ دو وجود۔ دراصل انسان کے دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک وجود جو ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے دوسرا وہ جو صادق کی صحبت میں تیار ہوتا ہے اور اس کی تفصیل۔ ص ٦

٣۔ نئی پیدائش۔ جلالی آگ سے گناہ جلایا جاتا ہے اور جمالی آگ سے نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی قوت عطا ہوتی ہے۔ اُسوقت انسان کو ایک نئی پیدائش ملتی ہے اور اُس کی تفصیل سورۃ دہر میں۔ کافوری اور زنجبیلی شربت کی لطیف تشریح
ص ٨ - ٩

٤۔ اصل مقصود۔ خدا تعالیٰ نے راستبازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی انسان کی اصل مقصود قرار دی ہے۔ ص ٩

٥۔ فطری اختلاف۔ پیدائش انسان ایک قسم کی نہیں۔ بعض انسان فطرتاً ایک قسم کے گناہ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور بعض کسی اور قسم کے گناہ سے۔ ہم کسی قوم کی بابت مغربی ہو یا مشرقی نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل گناہ سے بچی ہوئی ہے۔ صرف یہ مانینگے کہ وہ فلاں گناہ نہیں کرتی۔
ص ٢٠

٦۔ انسانی پیدائش کی غرض۔ ہر مومن باللہ اقراری ہے کہ انسان خدا کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور خوشیوں کی انتہا اور غایت یہی ہے کہ وہ سارے کا سارا خدا کے لئے ہو جائے۔ ص ٢٣ و ص ٧٩

٧۔ خدا کی صورت۔ انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ ص ٣٢

٨۔ مخلوقات کی مجموعی صورت۔ انسان کل مخلوقات کی مجموعی صورت ہے۔ جسقدر مخلوق دنیا میں ہے جیسے بھیڑ بکری وغیرہ موجود ہے انسانی قوٰی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مصنف کتاب

خدا نے کچھ چھپایا ہے کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا۔ اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے۔ ص ۱۴۷-۱۴۸ و ۱۴۹

ب۔ ایمان اس وقت تک ایمان نہیں جب تک اُس میں کوئی پہلو اخفاء کا نہ ہو۔ ص ۲۰۹

ب

باجا

آتشبازی اور تماشہ وغیرہ یہ بالکل منع ہیں۔ اور باجا بجانا بھی اس صورت میں جائز ہے جب صرف نکاح کا عام اعلان کرنا مقصود ہو۔ ص ۴۰۳

بادشاہ

میری رائے میں نوجوان بادشاہ کی نسبت بوڑھا بادشاہ رعایا کیلئے بہت ہی مفید ہوتا ہے ص ۳۲۸

بچپن

بچپن میں دو قوتیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ اوّل ہر ایک چیز اندر چلی جاتی ہے۔ دوم خوب یاد رہتی ہے۔ ص ۲۳-۲۴

بدظنی

بدظنی سے بچنے کی نصیحت اگر ہر بات میں بدظنی کرنے لگے تو شاید ایک دم بھی دنیا میں نہ گذار سکے۔ ص ۴۳

بدھ مذہب اور اسلام

بدھ مذہب دراصل سناتن دھرم ہی کی شاخ ہے بدھ نے اوائل میں جو بیوی بچوں کو چھوڑا اور قطع تعلق کر لیا شریعت اسلام نے اسے جائز نہیں رکھا۔ اسلام نے توجہ الی اللہ اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض نہیں بیان کیا۔ ص ۳۱۲

بدی

بدی ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور دل بے اختیار ہو ہو کر قابو سے نکل جاتا ہے آجکل بدی کا زور ہے۔ ص ۱۷

براہین احمدیہ

اس کے مسودے میاں شمس الدین لکھا کرتے تھے ص ۳۶۲

بروزِ محمدؐ

غیرۃ اللہ اور اس کی رحمت اور وعدۂ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہؐ کے بروز کو آپؐ کی نبوت کو ازسرنو زندہ کرنے کے لئے پھر نازل کرے اس لئے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔ ص ۹۲

بڑھاپا

پیرانہ سالی کا زمانہ برا ہے اسوقت عزیز بھی چاہتے ہیں کہ مر جاوے اور مرنے سے پہلے قویٰ مر جاتے ہیں ص ۴۲۲

بشپ

لاہور کے بشپ کا حضرت مسیح موعود کے مقابلہ سے باوجود پاؤنیر اخبار کے شرمندگی دلانے کے فرار ص ۱۹۵

بلقیس (ملکہ)

بلقیس کے پانی دیکھ کر پنڈلی سے کپڑا اُٹھانے کے واقعہ میں سلیمانؑ نے یہی تعلیم دی تھی کہ جیسے یہ پانی شیشے کے اندر چل رہا ہے دراصل اوپر شیشہ ہی ہے اسی طرح پر آفتاب کی روشنی اور ضیاء بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے۔ ص ۳۰۷

(ج) آنحضرتؐ کی پیشگوئی ایک آگ نکلنے کے متعلق جو سبزہ کو چھوڑے گی اور پتھر کو گلائیگی ص ۱۱۸

(د) جو شخص آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا وہ آنحضرتؐ کی بھی عزت نہیں کرتا۔ ص ۳۶۰

(ھ) پیشگوئیوں کیلئے ایک اصل۔ پیشگوئیوں کے وہ معنے ہوتے ہیں جو واقعات کے رُو سے صحیح ثابت ہوجائیں۔ ص ۴۵۱

ت

تبلیغ سے متعلق ہدایات

(ا) تین قسم کے آدمی۔ عوام متوسط درجہ کے اور امراء۔ عوام عموماً کم فہم اور امراء نازک مزاج ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں سمجھانا مشکل ہوتا ہے امراء سے ان کی طرز کے موافق مختصر مگر پورا مطلب اداکرنیوالی کلام ہونی چاہیئے اور عوام کے لئے تقریر صاف اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ متوسط درجہ کے لوگوں کو سمجھانا بہت مشکل نہیں ہوتا ص ۲۱۸-۲۱۹

(ب) مبلّغ کون ہو؟ تبلیغ ہر ایک کا کام نہیں دین کی بات کرنے کے لئے پہلے خود متقی ہوتا چاہیئے۔ اور منطقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ ص ۴۰۵

تثلیث

(ا) تثلیث اور توحید میں فرق۔ ص ۸۵

(ب) تثلیث اور الوہیت مسیح کا ردّ

(۱) یہود و مسلمان بالاتفاق توحید پر ایمان لاتے ہیں۔ اگر تثلیث حق ہوتی تو اس کا تورات میں کیوں کوئی نشان نہیں۔ خود عیسائیوں میں بھی یونیٹرین فرقہ موحّد ہے۔

(۲) دوسری دلیل باطنی شریعت میں اس کا کوئی نمونہ نہیں۔ وہ توحید چاہتی ہے۔ پادری فنڈر نے لکھا ہے۔ جہاں تثلیث نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کا مطالبہ ہوگا۔ ص ۱۰۴-۱۰۵

(۳) تیسری دلیل تمام عناصر اللہ تعالیٰ نے کروی بنائے ہیں مثلث نما نہیں۔ ص ۱۰۴-۱۰۶ و ص ۱۲۴، ص ۱۲۸-۱۲۹

(۴) تثلیث یا الوہیت مسیحؑ کے متعلق جو تورات سے پیشگوئیاں پیش کی جاتی ہیں اُن کے متعلق یہ امر قابلِ غور ہے:-

(ا) یہود نے جو اصل وارث کتاب ہیں ان سے تثلیث یا مسیح کا خدا ہونا سمجھا؟

(ب) کیا مسیح نے خود ان پیشگوئیوں کو نقل کرکے انہیں اپنی الوہیت کی دلیل قرار دیا؟ لفظ بیٹے کے استعمال کا ذکر وغیرہ

(۵) معجزات بھی الوہیت کی دلیل نہیں پیشگوئیاں بہت معمولی تھیں۔ انجیل میں سے تالاب کا قصہ۔ باپ کے سوا کسی کو قیامت کا علم نہیں صرف باپ کو نیک ٹھہرانا۔ یہ اختلاف باپ بیٹے کی عینیت کے خلاف ہے، پھر مسیح کے چال چلن

کا ذکر۔ ص ۱۲۸-۱۳۳

(۶) انجیل سے توحید کا ثبوت۔ یہودیوں کے اس الزام پر کہ تو ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مسیح کا جواب بتاتا ہے کہ وہ ایک خدا مانتے تھے۔ ص ۱۲۵

(۷) تدبیر عالم اور جزا سزا کیلئے عالم الغیب ہونا ضروری ہے مسیح عالم الغیب نہ تھے۔ قیامت کا علم نہ تھا۔ انجیر کے درخت کے پاس انجیر کھانے جانے کا واقعہ۔ یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اس پر انجیر نہیں ہے۔ ص ۱۲۶

(۸) تثلیث پر عماد الدین کی ایک لغو دلیل کہ وضو کرتے وقت تین دفعہ دھونا تثلیث کا نشان ہے اور اس کا جواب۔ ص ۱۴۱-۱۴۲

(۹) صلیب پر موت اس کی ساری خدائی اور نبوت پر پانی پھیر دیتی ہے جب مصلوب ہو کر ملعون ہُوا تو کاذب ہونے میں کیا باقی رہا۔ ص ۱۴۴

تحفۃ الندوہ

تحفۃ الندوہ کی اشاعت کا ذکر ص ۳۹۴
و ص ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۸

تحفہ غزنویہ

۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء کو تحفہ غزنویہ بھی شائع ہو گیا ص ۳۹۴

تصویر

حرمت دو قسم کی ہوتی ہے حقیقی اور اضافی تصویر کی حرمت اضافی ہے۔ لغو طور پر تصویر رکھنا اور بنانا حرام ہے۔ اگر خدمت اسلام کیلئے کوئی تصویر ہے تو جائز ہے اگر خونی ڈاکو کی تصویر اس غرض سے لیں کہ اسے شناخت کر کے گرفتار کیا جائے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ فرض ہو گا
ھوالذی یصورکم فی الارحام ص ۲۳۱-۲۳۳

تفسیر

(۱) آیت ان الابرار یشربون من کأس کان مزاجہا کافورًا کی لطیف تفسیر۔ کہ کامل ہونے کے لئے پہلے کافوری پیالہ پینا چاہیئے تا دنیا کی محبت سرد ہو جائے اور گناہ کا زہر دبا دیا جائے۔ پھر زنجبیلی پیالہ اسلئے تا نیکی کی قوت اور توفیق ملے ص ۸-۹

(۲) ولکم فی القصاص حیاۃ یعنی تمہارے تمدن کے قیام کے لئے قصاص کا ہونا ضروری ہے۔ ص ۲۵

(۳) من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی کی لطیف تفسیر۔

(الف) خدا کو دیکھنے کی آنکھیں اور اس کو دریافت کرنے کے حواس جو آئندہ کی تمام راحتوں اور خوشیوں کی کلید ہے اسی جہان سے انسان اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسی دنیا سے ہم عذاب اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور گناہ کی حقیقت۔ ص ۲۶

(ب) خدا اور دوسرے عالم کے لذات کے دیکھنے کے لئے اسی جہان میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں ان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دوسرے عالم میں بینا اٹھے۔ ص ۱۵۴

(ج) اندھا وہی ہے جس کو اس دنیا سے خدا پر پورا یقین حاصل نہیں ہُوا۔ ص ۴۲۸

۴ - انّ الحسنٰت یذھبن السیّاٰت -
(ا) یعنی بدی میں ہلاکت کی زہر ہے - نیکی میں زندگی کا تریاق - بدی کی زہر کو دُور کرنے کا طریقہ نیکی ہی ہے - ص ۲۷

(ب) حسنات سے مراد اس آیت میں نماز ہے - ص ۴۴۵

۵ - وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت انّ لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھار کی تفسیر کہ اس میں ایمان کو باغ سے اور اعمال کو نہروں سے تشبیہ دیکر فرمایا ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ میں وہی رشتہ اور تعلق ہے جو باغات اور نہروں میں ہے - ص ۲۸ و ۱۵۴

۶ - ھٰذا الذی رزقنا من قبل واتوا بہ متشابھا میں قبل سے مُراد دنیا کی جسمانی نعمتیں نہیں بلکہ اعمال صالحہ کا پھل ہے جو روحانی طور پر دنیا میں کھا چکے ہونگے - ص ۲۹

۷ - تفسیر سورۃ فاتحہ - الحمد للّٰہ

(ا) اس میں بتایا کہ قرآن کریم کا پیشکردہ خدا تمام نقائص سے منزہ اور تمام صفات کاملہ سے موصوف ہے اور حسن و احسان دونوں قسم کے کمال اس میں پائے جاتے ہیں - اس کے مقابلہ میں عیسائیوں اور آریوں نے جس غیر منزہ از نقائص خدا کو پیش کیا اس کا ذکر - ص ۴۸ - ۴۹

(ب) سورۃ فاتحہ میں ایمان باللہ کے تین ذرائع حسن و احسان اور مغضوب علیھم سے بچنا بیان کئے ہیں ص ۲۱۲ - ۲۱۳

ربّ العالمین - پہلی خوبی احسان کی ربّ العلمین ہے یعنی جس کے ذریعہ سے کل مخلوق فیض ربوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے - آریہ اور عیسائی وغیرہ اس صفت کے بھی منکر ہیں - برہمو سماج بھی ربوبیت تامہ کے منکر ہیں - ص ۵۰ اس سے شرک کی تردید - ص ۴۳۲

الرحمٰن اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اُس کی دُعا یا التجا کے بغیر اور بدون کسی عمل عامل کے عطا کرتا ہے دوسرے مذاہب والے جیسے آریہ عیسائی بلا مبادلہ فضل یا رحم کے قائل نہیں - ص ۵۱

الرحیم محنت اور کوشش کو ضائع نہیں بلکہ ان پر ثمرات اور نتائج مرتب کرتا ہے - یہ دُعا کو چاہتی ہے - یہ صفت بھی مذاہب باطلہ کو ردّ کرتی ہے - بعض مذاہب اباحت کی طرف مائل ہیں آریہ بھی اس صفت کے فیضان کے منکر ہیں - سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی دُعا کا انکار کیا - ص ۵۱ - ۵۲

مالک یوم الدّین اس میں منکرین قیامت کا ردّ ہے - رحیمیت میں کامیابی کی راہ دُعا اور عبادت کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے مگر مالکیت حق اور ثمرہ ادا کرتی ہے - ص ۵۲

ایاک نعبد اس میں تمام باطل معبودوں کی تردید اور مشرکین کا ردّ کیا ہے - ص ۵۲

ایاک نستعین میں دُعا اور اس کی قبولیت کے منکرین کا ردّ ہے - ص ۵۳

اس آیت میں ادعونی استجب لکم اور ولنبلونکم بشیء من الخوف الخ کو ملا دیا ہے - ص ۳۸۹

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم

(ا) اس میں ان مولویوں کا ردّ ہے جو سب روحانی فیوضات اور برکات کو ختم مانتے ہیں جو پہلے منعم علیہ گروہ کو ملتے تھے۔ یہ لوگ قرآن شریف کے فیوض کو بے اثر مانتے اور آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی کے قائل نہیں ص ۵۳-۵۴

(ب) اگر یہ آیت نہ ہوتی تو سالک جو اپنے نفس کی تکمیل چاہتے ہیں مر ہی جاتے۔ ص ۵۴

(ج) اگر آنحضرتؐ کے بعد معجزات اور برکات کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اس دُعا کے سکھانے کے کیا معنی؟ ورنہ لازم آئیگا کہ ہمارے سب اعمال بے فائدہ ہیں۔ ص ۵۹-۶۰

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

(ا) مراد یہود ہیں۔ اور امت پر ایک وقت آنیوالا ہے جب وہ یہود سے تشابہ پیدا کریگی۔ وہ زمانہ مسیح موعود کا ہی ہے یعنی یہود کی طرح مسیح موعود کی توہین اور تکفیر سے نہیں بچا۔ ص ۲۲۷

(ب) سورۃ فاتحہ میں منعم علیہ، مغضوب اور ضالین تین گروہوں کا ذکر ہے کیونکہ یہ تینوں گروہ امت میں مسیح موعود کے وقت میں ظاہر ہونے تھے۔ ص ۳۱۶

(ج) سورۃ فاتحہ میں اخلاقِ عالیہ کا ذکر ص ۳۴۵

۸ - سورۃ الفلق کی مختصر تفسیر ص ۲۲۹

۹ - ادعونی استجب لکم میں اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لئے دُعا کرو تو قبول نہیں کرونگا۔ ص ۹۶

۱۰ - انّ یوماً عند ربک کالف سنة مما تعدون گذشتہ ہزار سال روحانی طور پر ایک تاریک رات تھی جو گذر گئی۔ جس میں دنیا پر ایک خطرناک ظلمت چھائی ہوئی تھی۔ خدا تعالیٰ کا یہ ایک دن ہے۔ ص ۱۴۵

۱۱ - وما ارسلنٰک الّا رحمة للعٰلمین یعنی دنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اس لئے آپ رحمۃ للعٰلمین بن کر آئے۔ ص ۱۵۰

۱۲ - ظھر الفساد فی البر والبحر۔ بحر سے مُراد وہ لوگ جنہیں شریعت اور کتاب ملی۔ جنگل سے مراد وہ جن کو اس سے حصّہ نہیں ملا تھا۔ یعنی اہل کتاب بھی بگڑ گئے اور مشرک بھی۔ ص ۱۵۰

۱۳ - اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا یعنی زمین سب کی سب مرگئی تھی۔ اب خدا تعالیٰ نئے سرے سے اُسے زندہ کرتا ہے۔ ص ۱۵۱-۱۵۲

۱۴ - نار اللہ الموقدة التی تطلع علی الافئدة -

مطلب یہ کہ عذاب الٰہی اور جہنم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنم کا ایندھن ہے۔ ص ۱۵۴

۱۵ - ولمن خاف مقام ربه جنتان - بدیوں کی طرف دوڑنا دل میں ایک اضطراب پیدا کرتا ہے جو ایک جہنم ہے۔ لیکن جو شخص خوف خدا سے بدیوں سے پرہیز کرکے اس عذاب اور درد سے بچ جاتا اور اطاعت اللہ میں ترقی کرکے ایک لذت اور سرور پاتا ہے اس کے لئے اسی دنیا سے بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ص ۱۵۵-۱۵۶

۱۶ - ما دلّھم علی موته الّا دابة الارض

تاعل منسا ته کی لطیف تفسیر که بطور پیشگوئی دابۃ الارض سے مراد اس وقت کے علماء ہیں جو جھوٹے معنے کرتے اور عیسٰی کی عظمت کو حد سے بڑھاتے اور خدائی صفات سے متصف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ غرض عصائے اسلام جس کے ساتھ اسلام کی شوکت اور رعب تھا اور جس کے ساتھ امن اور سلامتی تھی اس دابۃ الارض نے گرا دیا۔ اور جن سے مُراد عیسائی قوم ہے۔ جنّ وہ ہے جو چُھپ کر وار کرے۔ اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرے اور اس کا ذکر قرآن کے اوّل اور آخر میں ہے
صـــ ۱۷۸ و ۱۹۵-۱۹۶

۱۷۔ اتممت علیکم نعمتی ۔ اتمام نعمت کی دو صورتیں، تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت تکمیل ہدایت تو آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوئی اور تکمیل اشاعت کا زمانہ آنحضرتؐ کے بروزی ظہور یعنی مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے۔ صـــ ۱۸۳

۱۸۔ هوالذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله :-

(الف) مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ یہ آیت زمانہ مسیح موعود سے متعلق ہے اس زمانہ میں اظہار دین کے سامان بھی پیدا ہو گئے ہیں اور اس کی تفصیل صـــ ۱۸۴

(ب) هدٰی تو یہ ہے کہ اندر روشنی پیدا کرے۔ مقصد نہ رہے یہ گویا اندرونی اصلاح کی طرف اشارہ ہے جو مہدی کا کام ہے۔ حق یہ ہے کہ خارجی طور پر باطل کو شکست دے۔ یہ غلبہ وجوہ عقلیہ سے ہوگا۔ صـــ ۲۳۶

۱۹۔ فاذکروا الله کذکرکم اٰباءکم او اشد ذکرا یہ نہیں کہا کہ خدا کو باپ کہو تا نصاریٰ کی طرح دھوکا نہ لگے۔ اور اس اعتراض کا جواب کہ پھر باپ سے کم درجہ کی نسبت ہوئی اشد ذکراً میں دیا۔ صـــ ۱۸۸

۲۰۔ ولا یخاف عقباها میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو نشانات دیکھ کر اپنے آپ کو درست نہیں کرتا وہ نہ صرف اپنی جان پر بلکہ اپنی بیوی بچوں پر بھی ظلم کرتا ہے۔ جب تباہ ہوگا تو اس کے بیوی بچے بھی ہلاک اور خوار ہونگے۔ عقباها میں اولاد پسماندگان مراد ہیں۔ صـــ ۱۹۲ و ۲۵۰ و صـــ ۲۶۲ و صـــ ۳۳۷

۲۱۔ الرجال قوامون علی النساء اس لئے مرد اگر لعنت یا برکت لیتا ہے تو اس کے بیوی بچے بھی اس سے حصہ پاتے ہیں۔ صـــ ۱۹۲

۲۲۔ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔ سنت اللہ بیان کرتا ہے کہ انبیاء ایک وقت تک صبر کرتے ہیں۔ پھر اُسوقت فیصلہ چاہتے ہیں جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ صـــ ۲۱۴-۲۱۵

۲۳۔ لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین اس میں کافروں کے مومن اور مومنوں کے کامل ہونے کیلئے غمخواری اور ہمدردی کا ذکر ہے۔ صـــ ۲۲۲

۲۴ - من یقرض اللہ قرضاً حسناً - مطلب یہ ہے کہ جزا کے ساتھ واپس کرونگا - اس طریق سے اللہ تعالیٰ فضل کرنا چاہتا ہے - ص ۲۶۸

۲۵ - والمرسلٰت عرفاً - عذرا او نذرا - ان آیات میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے - ص ۲۷۳

۲۶ انہ صرح ممرد من قواریر دیکھو "بلقیس"

۲۷ اولٰئک علیہم صلوات من ربہم - میرے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ قبولیت دُعا کی ایک راہ نکال دیتا ہے - ص ۳۸۷

۲۸ - ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں جسمانی ابوت کی نفی کی اور روحانی ابوت کا استثناء کیا - مخالف جو کہتے ہیں اس سے آپ ابتر ثابت ہوتے ہیں جو ان شانئک ہو الابتر کے خلاف ہے لیکن مافات کے لئے آتا ہے - آپ خاتم ہیں یعنی آپکی مہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے - ص ۴۱۱

۲۹ - لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین سے ثابت ہوتا ہے - انسان پہلے مہذب تھے پھر وحشی ہو گئے - ص ۴۱۷

۳۰ - ھو الاوّل والاٰخر - الاوّل : کان اللہ ولم یکن معہ شیء - اور الاٰخر کے معنے ہیں کل من علیہا فان - ص ۴۳۲

۳۱ - واذا النفوس زوّجت - کی پیشگوئی پوری ہو گئی اب دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے - اور مذہبی کشتی شروع ہو گئی ہے - ص ۴۴۹

تعدد ازدواج

عیسائیوں نے اس مسئلہ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ مریم جس کے پاس گئیں اُس کی پہلی بیوی تھی پھر اس کی اولاد کیسی قرار دی جائیگی - ص ۱۰۳

تعصب

تعصب اور ضد اپنی تاریکی کی وجہ سے سچائی کو دیکھنے کی قوت کو سلب کر دیتا ہے - ص ۱۵۹

تقویٰ

ا - خدا تعالیٰ سے قریب کرنیوالی بات صرف تقویٰ ہے ص ۲۳۹

ب - اس اعتراض کا جواب کہ سیّد ہو کر امتی کی بیعت کرتے ہو فرمایا - خدا کی نظر ہمیشہ تقویٰ پر ہے، قومیت پر نہیں - قومیت سے نہیں تقویٰ سے مدارج ملتے ہیں محض آل رسول ہونے کی وجہ سے نجات نہیں ملیگی - انما یتقبل اللہ من المتّقین کہا من السیدین نہیں کہا اور ھدی للمتقین کہا للسیدین نہیں کہا - تفصیلی جواب - ص ۳۴۳-۳۴۵

ج - مولوی غلام حسن صاحب پشاوری کے ذکر پر فرمایا - تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا اکرام ہوتا ہے - ص ۳۷۴

د - دینی امور میں جب تک تقویٰ نہ ہو روح القدس سے تائید نہ ملیگی - اور دین کی جڑ تقویٰ اور نیک بختی ہے - ہر ایک نیکی جب اس کے اندر تقویٰ ہو قبول ہوتی ہے ورنہ نہیں ص ۴۲۹

(۴) منکرین کیلئے دُعا۔ میں نہیں کہتا اور سکھاتا ہوں خداتعالیٰ اس سے بیزار ہے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذاء پہنچائی جائے اور ناحق بخل کی راہ سے دشمنی کی جائے منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جائے اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے۔ ص ۹۷

(۵) تم ایسی قوم بنو جن کی نسبت آیا قوم لا یشقیٰ جلیسھم۔ ص ۹۷

(۶) حق کا ساتھ دو۔ ان ایام میں جو مختلف مذہبوں کے بحران کے ہیں اور شیطان اپنی پوری طاقت کے ساتھ نکلا ہے تا حق پر غلبہ پاوے اور اس کے بالمقابل حق بھی سماوی سامانوں کے ساتھ میدان میں ہے۔ پس تم کو واجب ہے کہ حق کا ساتھ دو۔ ص ۱۱۵

(۷) مامورین من اللہ کی باتوں کو پوری توجہ اور غور سے سننے اور ان پر عمل کرنے کی نصیحت ص ۱۴۲ و ص ۱۹۸ - ۱۹۹

(۸) قرآن کو بکثرت پڑھو۔

(الف) بار بار نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشف حقائق کیلئے قائم کیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خوبی دنیا پر ظاہر ہو۔ اس لئے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو۔ مگر نہ صرف ایک قصہ سمجھ کر بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔ ص ۱۵۵

(ب) علمی ترقی کے لئے قرآن شریف کو غور سے پڑھو جو امر سمجھ نہ آئے پوچھو تاکہ معرفت میں زیادت ہو۔ ص ۱۹۴

(ج) قرآن کو خدا کا کلام سمجھ کر پڑھو اور اس کا ترجمہ بھی پڑھو۔ خدا سے کبھی ناامید نہ ہو۔ نماز جیسے آنحضرتؐ پڑھتے تھے ویسے پڑھو۔ ص ۲۵۸

(۹) گالیاں سُنکر برداشت کرو۔ مخالفوں کی گالیاں سُنکر برداشت کریں اور ہرگز ہرگز گالی کا جواب گالی سے نہ دیں کیونکہ اس طرح برکت جاتی رہتی ہے۔ خداتعالیٰ کے اس فضل اور احسان کی کہ تمہیں شناخت کی آنکھ دی اور تم نے خدا کی قوت اور طاقت پاکر اور رُوح القدس سے بھر کر بولنے والے کو شناخت کر لیا اس مدد اور نصرت کی قدر کرو۔ اسلام بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرو۔ ص ۱۸۰ - ۱۸۱

(۱۰) بے غرض محبتِ الٰہی۔ ایسی فطرت حاصل کرو کہ خداتعالیٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا سزا اور خوف اور امید کی بنا پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو۔ ص ۱۸۳

(۱۱) حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی مغرور نہ ہو کہ جو کچھ تم نے پانا تھا وہ پا چکے۔ تم اس چشمہ کے جس کا پانی زندگی بخشتا ہلاکت سے بچاتا شیطان کے حملوں سے محفوظ کرتا اور ابدی زندگی کے لئے جاری کیا ہے قریب آ پہنچے ہو۔ پانی پینا ابھی باقی ہے۔ خداتعالیٰ کے فضل و کرم سے توفیق چاہو

کہ تمہیں سیراب کرے۔ جو اس چشمہ سے پیئے گا وہ ہلاک نہ ہوگا۔ اس چشمہ سے سیراب ہونے کا طریق حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنا ہے۔ ص ۱۸۴-۱۸۵

۱۲۔ لا الٰہ الّا اللہ۔ اپنے خدا کو وحدہ لاشریک سمجھو۔ اشہد ان لا الٰہ الّا اللہ ایسا پیارا جملہ ہے کہ اس کلمہ کے نہ ہونے کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں پر تباہی آئی۔ ص ۱۸۵

۱۳۔ قیام توحید (الف) اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے خدا کی محبّت سے پورا حصّہ لو اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے۔ غیرت کا چولہ اتار کر آستانۂ الوہیت پر گر جاؤ۔ ص ۱۸۸

(ب) ابراھیم بنو۔ ولی اور پیر بنو۔ نہ ولی اور پیر پرست۔ اسلام کا منشا یہ ہے بہت سے ابراہیم بنائے پس ابراہیم بنو۔ ولی پرست نہ بنو۔ ولی بنو اور پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو خدا کو خوش کرنا چاہتے ہو تو دنیا کے تعلقات اور دنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھڑی پھینک دو۔ سچے اخلاص اور صدق اور تقویٰ اور خشیت میں تم سب سے زیادہ بنو۔ ص ۱۸۹-۱۹۰

۱۴۔ خدا کو راضی کرو۔ سچی توبہ کرو۔ اپنی سچائی اور وفاداری سے خدا کو راضی کرو۔ تا تمہارا آفتاب غروب نہ ہو۔ ذوالقرنین کے زمانہ کی دوسری دو قوموں جیسے نہ ہو۔ ص ۱۹۱

۱۵۔ سچّی تبدیلی۔ اپنے معلومات کو بڑھاؤ۔ جو بات سمجھ نہ آئے پوچھو۔ سچی تبدیلی۔ تقویٰ اور طہارت پیدا کرو وغیرہ ص ۱۹۸-۱۹۹

۱۶۔ آخرت کیلئے تیاری۔ آخرت کی فکر کرو اور اسکی تیاری میں جو تکالیف آتی ہیں وہ رنج اور تکلیف کے رنگ میں نہ سمجھو۔ ص ۲۰۸

۱۷۔ متّقی معزز ہے۔ یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھو ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ اب جو اتقیاء کی جماعت ہے اُسے خدا رکھیگا۔ متّقی اور شریر و ناپاک ایک مقام پر نہیں رہ سکتے۔ ص ۲۳۸

۱۸۔ تہجّد۔ طاعون کے دنوں میں جماعت کو تہجّد کو لازم کرنے کی نصیحت خواہ دو رکعت ہی ہوں۔ اور زبان کو پاک رکھنے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں دانستہ ہرگز غفلت نہ کرنے دعا اور توبہ اور استغفار سے کام لینے کی نصیحت ص ۲۴۵-۲۴۶ و ۲۴۷

۱۹۔ نئے انسان بن جاؤ۔ سلسلہ میں داخل ہو کر تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو تمام دنیا اس کی دشمن ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں خدا کے فرشتے ماں کی طرح اسے گود میں لے لیتے اور خدا اس کا محافظ و ناصر ہوتا ہے اور اس کی مثالیں۔ ص ۲۶۱-۲۶۴

۲۰۔ نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہو۔ خدا

کو پانے کا یہی گُر ہے۔ جو قبل از وقت ایسا بیدار ہوتا ہے کہ گویا اُس پر بجلی گرنے والی ہے اسپر ہرگز نہیں گرتی۔ جو گرتے دیکھ کر چلّاتا ہے اُسپر گریگی وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے ص ۲۶۵

۲۱ - نماز میں دُعا۔ جماعت کو نمازوں میں دُعائیں کرنے کے لئے نصیحت۔ جو دعا کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ ناممکن ہے کہ دعائیں کرنے والا غافل پلید کی طرح مارا جائے ص ۲۶۶

۲۲ - مباحثہ مجادلہ نہ کرو۔ مخالفوں سے کسی قسم کا مباحثہ اور مقابلہ مجادلہ نہ کریں۔ درشت اور نا ملائم باتیں سُنیں تو اعراض کریں۔ دعاؤں استغفار۔ عبادت الٰہی۔ تزکیہ و تصفیہ نفس میں مشغول ہو جائیں۔ متقی بننے کی فکر کریں۔ ص ۲۸۲-۲۸۳

۲۳ - درستی اخلاق کی نصیحت۔ اخلاق کی درستی کے لئے۔ زبان کو قابو میں رکھنے کے لئے۔ ہر شخص سے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کے لئے۔ دشمن اسلام اور شاتم رسولؐ سے بیزاری ظاہر کرنے کے لئے۔ اعمال میں سُست کے قصور سے درگذر کرنے کیلئے نصیحت۔ ص ۳۴۵-۳۴۶

۲۴ - نئی برادری اور کمزور افراد جماعت سے حسن سلوک

ا - افراد جماعت سے اُن کے مختلف مراتب (اور کمزوروں اور اعمال میں سست بھائیوں سے) کے مطابق سلوک کرنے اور باہمی اخوت اور سچی ہمدردی کی نصیحت۔ ص ۳۴۷-۳۴۹

ب - تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے تم سب کا رُوحانی باپ ایک ہی ہے ص ۳۴۹-۳۵۰

ج - دوسروں کا شکوہ کرنا دل آزاری کرنا سخت زبانی سے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا۔ کمزوروں عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے ص ۳۴۹

د - جماعت کے کمزور اور اعمال میں سست افراد کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ دوست دشمن میں پوری تمیز کر لینی چاہیئے۔ ص ۳۴۶ و ۳۴۷ و ص ۳۴۸ و ص ۳۴۹

۲۵ - عملی نمونہ کی ضرورت۔ ہماری جماعت اگر عملی نمونہ نہیں دکھاتی تو پھر وہ اپنے عمل سے میری عدم ضرورت ثابت کرتی ہے۔ آنحضرت اور صحابہؓ کی طرح عمل کرو۔ ص ۳۷۱

۲۶ - اہل حق کا گروہ۔ تم وہ عظیم الشان جماعت ہو جس کی تیاری حضرت آدمؑ کے وقت سے شروع ہوئی۔ ہر نبی نے اس دعوت کی خبر دی۔ پس اپنے عمل سے ثابت کرو کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔ ص ۳۷۱

۲۷ - جماعت احمدیہ کے واعظ

ہماری جماعت کے واعظ تب مفید ہو سکتے ہیں (۱) جب وہ پاک تبدیلی پیدا کر کے عمدہ نیک نمونہ دکھائیں۔

(۲) ہمارے عقائد اور ہمارے مسائل سے خوب اچھی طرح واقف ہوں یعنی علم صحیح ہونا ضروری ہے

(۴) قوت وشجاعت اور بغیر خوف وہراس اظہارِ حق کے لئے بول سکیں اور کسی کے تموّل یا حکومت وغیرہ سے متأثر نہ ہوں۔ ص ۳۶۹

جمال الدین (میاں)

میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی نے ایک پنجابی نظم تصدیق المسیح حضرت مسیح موعودؑ کو پڑھ کر سنائی ص ۳۱۴

جمعہ

جس روز اتمام نعمت ہوا وہ جمعہ کا دن تھا اسمیں اشارہ تھا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ کی صورت میں جو اتمامِ نعمت ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشان جمعہ ہوگا وہ جمعہ اب آگیا ہے۔ کیونکہ خدا نے وہ جمعہ مسیح موعودؑ کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ ص ۱۸۳

جنازہ

مخالفِ سلسلہ کا جنازہ نہ پڑھو۔ اگر خاموش اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے بشرطیکہ نمازِ جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷

جنّت

ا۔ روحانی نظام میں مرکزِ اصل کی طرف رجوع کرنا۔ یعنی گناہ سے ہٹ کر پھر آنا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاوے جو راحت پیدا کرتا ہے جنّت سے تعبیر ہوتا ہے۔ ص ۲۷

ب۔ جنت کی نعماء کی حقیقت۔ بہشت کی راحت کا اصل سرچشمہ بھی انسان کے اپنے ہی افعال ہیں پس بہشت کیا ہے وہ ایمان اور اعمال ہی کے مجسّم نظارے ہیں۔ وہ بھی دوزخ کی طرح کوئی مادی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا بہشت بھی اس کے اندر سے ہی نکلتا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں اس کی تفصیل۔ ص ۲۸ - ۲۹

ج۔ بہشت اور دوزخ کی فلاسفی جو قرآن نے بیان فرمائی ہے وہ کسی اور کتاب نے نہیں بتائی۔ ص ۳۰

د۔ جنّت وجہنم کی حقیقت۔ انجیل اور دوسری کتابوں نے اس کی کوئی حقیقت اور فلسفہ بیان نہیں کیا۔ صرف قرآن نے بہشت اور دوزخ کا فلسفہ بیان کیا ہے مع آیاتِ قرآنیہ ص ۱۵۴ ص ۱۵۶ دیکھو "تفسیر"

ھ۔ جنت اور اھلِ یورپ۔ ایک شخص نے لنڈن سے لکھا۔ یہاں آکر دیکھو جنت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مسلمانوں کو حضورؑ نے فرمایا کہ آزادی شراب خوری زنا اور غیر زنا میں فرق نہ کرنے کو بہشت سمجھ لیتے ہیں حالانکہ لذائذ کا مزا صرف تقوٰی سے آتا ہے اور تفصیل اس امر کی کہ صرف مال بھی موجب راحت نہیں۔ بہشتی زندگی صرف اس کی ہوتی ہے جس پر خدا کا فضل ہو۔ ص ۳۳۲ - ۳۳۷

جنگ

اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔ موسیٰؑ اور یشوعؑ کی جنگوں سے مقابلہ۔ اگر وہ عذاب تھیں تو یہ کیوں نہیں صحابہؓ پر تیرہ ۱۳ سال تک مظالم اور پہلی آیت جس میں اذنِ قتال دیا گیا۔ قرآن کی یہی تعلیم ہے کہ کسی سے

جب خسوف و کسوف کا نشان پورا ہوا
تو شکوک کرنے کی کوشش کی ص ۶۴ - ۶۵
و ص ۶۶

ج - خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس حدیث کی صحت
ظاہر کر دی ہے - ص ۶۶

۲ - فاذھم قوم لا یشقی جلیسھم یہ خلاصہ ہے
اس تعلیم کا جو تخلقوا باخلاق اللہ میں پیش
کی گئی ہے - ص ۹۷

۳ - حدیث میں بھوکا تھا مجھے کھانا نہ دیا پیاسا تھا پانی
نہ دیا اور ایک بھیس بدل کر جانے والے شہزادہ کی مثال
جو آزمانے کیلئے دولت مند اور غریب کے گھر گیا ص ۲۶۴ - ۲۶۵

۴ - تم سب اندھے ہو مگر جس کو خدا آنکھیں دے -
تم سب بہرے ہو مگر جسکو خدا کان دے وغیرہ ص ۴۲۸

۵ - حدیث کے متعلق ہمارا مسلک اور صحت حدیث بذریعہ کشف

ا - جو حدیث قرآن اور سنّت کے مخالف نہ ہو خواہ
ضعیف ہی ہو تب بھی اس پر عمل کیا جاوے ص ۶۳

ب - اگر خدا تعالیٰ کسی حدیث کی صحت مجھ پر ظاہر کر
دے جیسا کہ حدیث لا مھدی الّا عیسٰی کی
صحت ظاہر کر دی گو علماء ظواہر اور محدثین اسکو
موضوع یا مجروح ہی ٹھہرا دیں میں اس کے معارض
حدیث کو موضوع کہونگا - یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ
اہل کشف اور اہل الہام لوگ محدثین کی تنقید کے
محتاج اور پابند نہیں ہوتے - خود مولوی محمد حسین
بٹالوی نے اپنے رسالہ میں اس موضوع پر لمبی بحث
کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ خود براہ راست
احادیث کی صحت کر لیتے ہیں ص ۹۴ و ص ۳۲۷

ج - مخالفین کی پیشکردہ حدیثیں - حدیثیں دو قسم کی ہیں
ایک وہ جو صراحتاً بلا تاویل ہماری ممد و معاون ہیں
دوسری جو مخالف پیش کرتے ہیں - اُن میں سے بعض کا
مفہوم ذرا سی توجہ سے ہمارے مطابق ہو جاتا ہے
اور بعض بالکل محرّف و مبدّل منشائے قرآن کے
خلاف اقوالِ مردودہ ہیں ص ۳۲۱

۶ - تعظیم حدیث - میرا مذہب یہ ہے کہ حدیث کی
بڑی تعظیم کرنی چاہیئے ضعیف سی ضعیف حدیث پر
بھی عمل کیا جائے جو قرآن شریف کے مخالف نہ ہو
ص ۴۴۸

حربہ (آسمانی)
اسلام کی مخالفت کے بالغ بچے کو تباہ کرنے کیلئے خدا تعالیٰ
نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا ہے - ص ۹۳

حزب اللہ

جو دین کی ترقی کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور
شیطان اور اس کے لشکر پر فتح پاتے ہیں - ص ۱۹۴

حسینؓ (امام)

۱ - اپنے آپ کو امام حسینؓ پر فضیلت دینے کے اعتراض
کا جواب - ص ۲۸۴ - ۲۸۷

۲ - امام حسینؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے علی حائری
نے لکھا ہے کہ

ا - بارہ امام نور الٰہی سے پیدا ہوئے تھے دلیل
کہ اُن کا سایہ نہ تھا - جب وہ نور تھے تو
اُن پر کسی اور کو فضیلت کیسی ؟

(ب) قرآن کی چودہ منزلیں ہیں۔ اسی طرح کربلا مدینہ سے چودہ منزلیں لہذا قرآن سے امام حسینؓ کی نفیلت ثابت ہو گئی۔ ص۳۰۲

(ج) امام حسینؓ کے نام کا تو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں کہیں ذکر نہیں کیا اور زید کا ہی نام لیا ہے ص۳۲۱-۳۲۲

(د) امام حسینؓ کی فتوحات کیلئے دُعا۔ خواب دیکھا کہ شہادت مقدر ہے اگر صبر نہ کریگا تو ابرار سے نام کٹ جائیگا۔ ص۳۸۸-۳۸۹

حق

ا۔ حق کو وہی پاتا ہے جو پاک دل ہو کسی کی زجر و توبیخ کی پرواہ نہ کرے۔ ص۱۰۹

ب۔ شناخت کے تین نشان (۱) نصوص صریحہ یعنی معتقدات سے متعلق خداؐ کی کتاب سے قطعی ویقینی شہادت۔

(۲) عقل سلیم بھی اس کی ممد و معاون ہو۔ اور اس کی ضرورت کا ثبوت۔

(۳) تازہ بتازہ تائیدات الٰہیہ اور نشانات کیونکہ خدا سچے مذہب کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور ان تینوں طریق سے عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ۔ تثلیث کی تردید۔ اور ان کا اعتراف کہ ان میں آج ایک ایسا شخص نہیں جو اپنے مذہب کی صداقت پر اپنے نشانات سے مہر لگا سکے یا انجیل کے قرار دیئے ہوئے نشانوں کے موافق اپنا ایماندار ہونا ثابت کر سکے اور مسیح کے پُرانے نشانات اب محض قصے ہیں۔ ص۱۱۵-۱۱۸ و ص۱۲۳ نیز دیکھو "مذہب"

حقوق

دو قسم کے ہیں۔ حقوق اللہ۔ حقوق العباد۔ حقوق العباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک جو دینی بھائی ہو گئے ہیں خواہ وہ بھائی ہے یا باپ یا بیٹا۔ دوسرے عام بنی نوع سے ہمدردی اور اُنکی تفصیل ص۹۶-۹۷

حکّام۔

حکّام کے پاس جانا یہ بھی ایک دوزخ ہے اور اس کی لذّت کی مثال خارش والے سے۔ اور یہ کہ ایسے لوگ رشوت لینے دینے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ ص۴۲۱

حَکَم و عدل

ا۔ خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ حَکَم کی بات کے سامنے اپنی زبانوں کو بند کرنا چاہیئے۔ اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو۔ ورنہ اپنے ایمان کی فکر کرو۔ منکرین معترضین نے مجھے شناخت نہیں کیا لیکن تسلیم کر کے اعتراض کرنیوالا اور بھی بدقسمت ہے ص۷۱ و ۷۳ و ۷۴

ب۔ ماں کر اعتراض کرنے والے کثرت سے استغفار کریں اور ڈریں۔ ایسا نہ ہو کہ خدا اُن کی جگہ اور قوم لے آوے۔ ص۷۲

ج۔ میرا نام خدا نے حَکَم رکھا ہے۔ اب جو اس فیصلہ کے لئے آوے وہی اس غلطی یعنی مسیحؑ کی زندگی کی غلطی کو نکالے۔ ص۲۵۱

حکمت

حکمت کے معنے ہیں وضع الشیئ فی محلہٖ ص۴۰-۴۱
حکیم اور فلاسفر اور ملہم میں فرق بلحاظ خدا پر

ایمان لانے کے۔ دیکھو زیر "اللہ"

حواریین مسیح

اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا مجسمہ تھے۔ عیسائیوں کا کہنا کہ مسیح کے بعد اُن میں قوت آگئی تھی اور کامل نمونہ بن گئے تھے مضحکہ خیز ہے۔ چراغ کی موجودگی میں تو روشنی نہ ہوئی۔ چراغ کے بجھ جانے کے بعد روشنی ہوگئی گویا مسیح نحوست تھی جب اُٹھ گئی تو رُوح القدس سے معمور ہوگئے۔ ص ۱۵۷

الحیّ

خود زندہ اور دوسروں کو زندگی عطا کرنیوالا ص ۲۱۷

خ

خاتم النّبیّین اور خاتم الکتب

ا۔ جیسے نبوت کے کمالات آپ پر ختم ہوگئے اسی طرح کمالات اعجاز کلام قرآن شریف پر ختم ہوگئے۔ آپؐ خاتم النّبیّین ٹھہرے اور آپؐ کی کتاب خاتم الکتب۔ ص ۲۷

ب۔ سورۃ کوثر کے ساتھ آیت خاتم النّبیین کا ذکر کرکے فرماتے ہیں۔ اگر آپؐ کی رُوحانی اولاد بھی نہ تھی تو پھر معاذ اللہ آپ ابتر ٹھہرتے۔ پس آنحضرتؐ کی تاثیر قدسی ابدالآباد کے لئے ویسی ہی ہیں جیسے تیرہ سو برس پہلے تھیں۔ ص ۵۴

ج۔ مجھ پر افتراء کرتے ہیں گویا میں مستقل نبوت جو صاحب شریعت نبی کے سوا الگ نبوت ہے دعویٰ کرتا ہوں مگر خود جھوٹی اور مستقل نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جبکہ خلافِ رسول خلاف قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں اور اس کی تفصیل۔ ص ۹۰

د۔ کوئی شخص سچا مسلمان اور آنحضرتؐ کا متبع نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے قول اور فعل سے آپؐ کو خاتم النّبیین یقین نہ کرے۔ ص ۹۰

ھ۔ ختم نبوت سے خدا تعالیٰ کا یہ منشاء نہیں کہ منہ سے تو خاتم النّبیین کہو لیکن اپنی الگ شریعت بنالو۔ جیسے بغدادی نماز۔ معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ایسا ہی "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" اگر تم صحیح رنگ میں آنحضرتؐ کو خاتم النّبیین مانتے تو میرے آنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ ص ۹۱

نیز دیکھو "مسیح کی غرض بعثت"

و۔ بغیر استفاضہ آنحضرتؐ دعویٰ تعلق باللہ مخذول و مردود ہے۔ کوئی شخص بجز اتباع آنحضرتؐ کے وصول الی اللہ کے دروازے سے آ نہیں سکتا۔ ص ۲۸۷

ز۔ خاتم النّبیّین کے یہ معنے ہیں کہ آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوت کی تصدیق نہیں ہوسکتی۔ جب مُہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہوجاتا ہے۔ اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ ص ۴۰۸

ح۔ ہم رسول اللہؐ کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ کیونکہ ہم آپ کو ایسا نور مانتے ہیں جس سے دوسرے روشنی پاتے ہیں

آیت خاتم النّبیین کی تفسیر ص ۴۱۱

خدا تعالیٰ دیکھو "اللہ"

خسوف و کسوف

خسوف و کسوف کے نشان کا ذکر ص ۲۱۴ و ۲۵۵

خلق ج اخلاق

ا - کوئی قوت اور طاقت انسانی فی نفسہٖ بُری نہیں بلکہ اُس کی افراط یا تفریط یا بُرا استعمال اُسے اخلاقِ ذمیمہ کی ذیل میں داخل کرتا ہے اور اس کا برمحل اور اعتدال پر استعمال ہی اخلاق ہے - یہی وہ اصول ہے جو دوسری قوموں نے نہیں سمجھا - اور قرآن نے بیان کیا جزاؤا سیئۃ سیئۃ مثلہا فمن عفا واصلح الآیۃ ص ۱۲۱-۱۲۲

خواب

خواب کی تعبیر خواب دیکھنے والے شخص کے حال اور حیثیت کے مطابق ہوتی ہے اور اسکی مثالیں - ص ۵۷

خوش نصیب

وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے جو کسی کی حکومت کے نیچے نہیں - ص ۴۲۱

د

دابۃ الارض کے معنے

۱ - دابۃ الارض اسوقت کے علماء ہیں اور اس کی دلیل ص ۱۷۸-۱۷۹ نیز دیکھو زیر "تفسیر"

۲ - طاعون جیسا کہ آیت اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم سے ظاہر ہے - ص ۱۸۱

۳ - اسلام پر تمام حملوں کا باعث اس دابۃ الارض (یعنی علماء) کا فساد ہے - انہوں نے ہی عیسائیت کو مدد دی - ص ۱۸۰

۴ - زمینی علماء جو دابۃ الارض ہیں وہ آسمان سے آنے والے کے مخالف ہیں - جو زمینی بات کرتا ہے وہ دابۃ الارض ہے - آیت ما دلھم علیٰ موتہٖ الّا دابۃ الارض کی لطیف تفسیر ص ۱۹۵-۱۹۶ و ص ۴۵۳-۴۵۴

دجّال

ا - دجّال کا ذکر قرآن کے اوّل و آخر میں - سورۃ فاتحہ میں الضالین سے مراد نصاریٰ کا فتنہ ہے - آخر میں غیر المغضوب علیھم کے مقابل میں سورۃ تبّت اور ولا الضالین کے مقابلہ میں سورۃ اخلاص ہے - سورۃ فلق اور سورۃ الناس دونوں کی تفسیر ہیں - اِن میں مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مغضوب علیھم کے فتنہ سے اور عیسائیت کی ظلمت اور ضلالت سے جو دنیا پر چھا گئی ہے پناہ مانگی گئی ہے - ص ۲۲۷-۲۳۰

ب - دجّال کے معنے کھوٹ کرنیوالا - تاجر - سونا اور لغت میں گروہ ہی کا نام ہے اور وہ نصاریٰ کی قوم ہے اور اُس کی مخالفتِ اسلام کی مساعی کا ذکر - اسلام پر حملہ تعلیم کے ذریعہ ناولوں کے ذریعہ فسق و فجور میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں - تاریخ کے ذریعہ بداعتقادی اور بدظنی غرض ہر پہلو سے اسلام سے بیزار کرانا چاہتے ہیں اور اس کی تائید الضالین - قل ھو اللہ - قل اعوذ برب الناس اور آیت تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ سے ہوتی ہے - ص ۴۵۲-۴۵۳

درازی عمر کا راز دیکھو "عمر"

دُعا

۱ - جب تک دشمن کیلئے دُعا نہ کی جائے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا - دشمن کیلئے دُعا کرنا - یہ بھی

سنّت نبویؐ ہے حضرت عمرؓ اسی سے مسلمان ہوئے
ص ۹۶-۹۷

۲ - دعا ربوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے
ص ۲۰۴

۳ - ہمارا خدا تو دعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے ص ۲۰۱

۴ - مجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے ادعونی استجب لکم - ص ۲۰۱

۵ - مطابق آیت الا یرجع الیھم قولا جو خدا بولتے نہیں وہ گوسالہ ہی ہیں - ص ۲۰۱

۶ - میں دعویٰ سے کہتا ہوں - سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پکاریں تو وہ جواب نہیں دیگا کیونکہ وہ مرگیا - ص ۲۰۱

۷ - دعاؤں کے نتائج میں تاخیر و توقف کی وجہ

ا - اللہ تعالیٰ کے امور کا نفاذ تدریجاً ہوتا ہے -

ب - یہ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزم اور عقد ہمت میں پختہ ہو جائے اور معرفت میں استحکام اور رسوخ ہو ص ۲۰۲

۸ - حقیقت اور انکار تاثیر دعا کی اصل وجہ صبر اور استقلال سے کام لینا اور حقیقتِ دعا سے ناواقفیت ہے ص ۲۰۴

۹ - ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل قبولیت دعا ہے جو شہادت ہے کہ محو و اثبات اس کے ہاتھ میں ہے - ص ۲۰۴

۱۰ - میرا مذہب تو یہ ہے - جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائیگا وہ خدا کا ہی قائل نہیں - ص ۲۰۵

۱۱ - قبولیت دعا کیلئے صبر و استقلال کی شرط

حضرت یعقوب کا چالیس سال تک دعا کرنا - غرض دعاؤں کے سلسلہ کے لمبا ہونے سے گھبرانا نہیں چاہیئے - ص ۲۰۵-۲۰۶ و ۳۵۲

۱۲ - سلسلہ دعا کا لمبا ہونا قبولیت کی علامت ہے کیونکہ کریم سائل کو دیر تک بٹھا کر کبھی محروم نہیں کرتا - ص ۲۰۶

۱۳ - ایسے قصے کہ فلاں فقیر نے پھونک مار کر یہ بنا دیا - وہ کر دیا - سنّت اللہ اور قرآن شریف کے مخالف ہونے کی وجہ سے جھوٹے ہیں - ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ص ۲۰۹

۱۴ - قبول ہونیوالی دعا کیلئے اللہ تعالیٰ دل میں ایک سچا جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات ایسی دعائیں الہاماً سکھائی جاتی ہیں فتلقّٰی آدم من ربّہ کلمات سے یہ بات ظاہر ہے - ص ۲۲۱

۱۵ - دعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے - قرآن شریف نے دعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں - ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منواتا ہے اور دوسرے پہلو میں بندہ کی مان لیتا ہے - ص ۲۲۶

۱۶ - سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں - دعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے بلکہ شدید الاختفاء اور مشتبہ بالمبرم بھی دور کئے جاتے ہیں - ص ۲۲۹

۱۷ - انبیاء پیشگوئیوں کے دیئے جانے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھ کر دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے ص ۲۶

۱۸ - اضطراب و اضطرار قبولیت دُعا کا موجب ہوتے ہیں۔
وہی دعا مفید ہوتی ہے جبکہ دل خدا کے آگے پگھل جائے
اور خداتعالیٰ کے سوا کوئی نظر نہ آوے ۔ ص ۲۴۵-۲۴۶

۱۹ - مخلوق کا حق دبانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی -
کیونکہ وہ ظالم ہے ۔ ص ۲۶۳

۲۰ - دُعا کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حالت
میں ایک پاک تبدیلی کرے اور نافع وجود بنے۔
اگر انسان ایسا کرے تو خداتعالیٰ پھر رجوع برحمت
کرتا ہے ۔ ص ۳۱۸

۲۱ - توبہ و استغفار بہت کرنی چاہیئے۔ خداتعالیٰ کا
فضل آتا ہے تو دُعا بھی قبول ہوتی ہے ص ۳۱۹

۲۲ - بعض وقت دُعا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ
کے علم میں اس کیلئے وہ مفید نہیں ہوتی ۔ بلکہ وہ کسی
اور رنگ میں قبول ہوتی ہے ۔ ص ۳۵۲

۲۳ - دُعا عاجزی اور فروتنی سے ہے ۔ خداتعالیٰ سے اڑ
کر مانگنا اور اپنے ایمان کو شروط کرنا غلطی اور ٹھوکر
کا موجب ہے ۔ ص ۳۸۵-۳۸۸

۲۴ - استقلال اور صبر ایک الگ چیز ہے اور اڑ کر مانگنا
اور بات ہے ۔ ص ۳۸۵

۲۵ - قرآن شریف نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ہر ایک دُعا
تمہاری مرضی کے موافق قبول کرونگا بلکہ ادعونی
استجب لکم کے ساتھ لنبلونکم بھی فرمایا ہے۔ انسان
کے ساتھ خدا نے دوستانہ معاملہ رکھا ہے ۔ ص ۳۸۵

۲۶ - دُعا کرنیوالا صابر ہو جلد باز نہ ہو ۔ ص ۳۸۷

۲۷ - اہل اللہ کا طریق وہ آثارِ بلا دیکھ کر دُعا کرتے
ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضاء و قدر اسی طرح پر ہے
تو صبر کرتے ہیں ۔ ص ۳۸۶

۲۸ - وہ نامراد رہیں گے جو ولی اور مامور کا یہ معیار
ٹھہراتے ہیں کہ اُس کی ہر دُعا اس کی حسب خواہش
قبول کی جائیگی - اور جو ولی یا مامور ایسا دعویٰ کرے
وہ بھی کذّاب ہے ۔ حضرت یعقوبؑ آنحضرتؐ کی
مثال اور امام حسینؓ کا خواب ۔ ص ۳۸۸

۲۹ - آجکل دعاؤں کو لغو شے سمجھنے اور اسباب و تدابیر
پر سارا بھروسہ رکھنے کی وجہ خدا پر عدم ایمان ہے
جب حضرت عیسیٰؑ کو خدا مان لیا۔ قضاء و قدر کا
سارا سلسلہ تو پیچھے خدا پر ایمان لانا تھا ۔ ص ۴۱۶

۳۰ - قبولیتِ دُعا کا ثبوت - سرسید احمد خان کو
لیکھرام کے متعلق دُعا کی قبولیت کی خبر دی تھی اور
وہ لیکھرام کی موت کو دیکھ کر فوت ہوا تھا ص ۴۲۴

دنیا

ا - دنیا میں جو سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی
ہے وہ تنبیہہ کی غرض سے ہوتی ہے تا لوگ توبہ کریں
اور اپنے خدا سے رشتہ عبودیت مستحکم کریں ۔
ص ۲۲-۲۳ و ۲۵

ب - دنیا کی سزائیں اصل سزاؤں کا ایک ظل ہیں اور
ان کی غرض عبرت ہے اور انتظامی رنگ کی حیثیت سے
ہیں - اور آخرت کی سزائیں افعالِ انسانی کے آخری اور
انتہائی نتائج ہیں ۔ ص ۲۵ و ۳۰

ج - طالب دنیا - جو شخص اپنے دل میں پہلے ہی کسی
مذہب کے اصول کو قطعی قرار دے - اور پھر

صادق و کاذب کا امتحان کرنے کا معیار پیش کیا ہے اور کل مسلمانوں کو ہلاک کرنے کی بجائے وہ میرے مقابلہ میں آئے کیونکہ عیسائیوں کے خود ساختہ خدا سے میری نفرت دنیا کے کل مسلمانوں کی نفرت سے زیادہ ہے۔ صفحہ ۳۲۹-۳۳۰

۴- ڈوئی بھی سلب امراض توجہ سے کرتا ہے۔ صفحہ ۳۶۸

ذ

ذوقی معنی

ہمیں مذاقی معنی پسند نہیں کرنے چاہئیں۔ میرے نزدیک وحدت وجود بھی مذاق سے پیدا ہوا ہے۔ صفحہ ۴۳۳

ذوالقرنین

ذوالقرنین کے قصہ میں اس زمانہ کے متعلق عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ ذوالقرنین سے مراد مسیح موعود ہے کہ وہ دو صدیوں کو پائے گا۔ ہندوؤں کی صدی پائی اور عیسائیوں کی بھی یفتی صاحب نے کوئی ۱۶ یا ۱۷ صدیاں جمع کرکے دکھائی ہیں۔ اور مغرب کی قوم سے مراد عیسائی قوم ہے۔ دوسری قوم جو آفتاب کے ہونے کے باوجود فائدہ نہیں اٹھاتی مسلمان ہیں۔ تیسری قوم جس نے یاجوج ماجوج کے حملوں سے حفاظت چاہی وہ ہماری قوم ہے جس نے اخلاص اور صدق سے مجھے قبول کیا۔ اور خدا تعالیٰ کی تائیدات سے میں یاجوج ماجوج کے حملوں سے اپنی قوم کو محفوظ کر رہا ہوں۔

صفحہ ۱۹۰-۱۹۱ و ۲۲۵-۲۲۶

ر

رام بھج دت (پنڈت)

پنڈت رام بھجدت آریہ وکیل جو ڈگلس والے مقدمہ میں بلافیس پیش ہوا۔ اسلئے تا لیکھرام کے قاتل کا پتہ لگ جاوے۔ صفحہ ۱۳۴

رزق

رزق میں قبض و بسط کا سر انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ آیات توکل و تقویٰ ویرزقہ من حیث لا یحتسب وغیرہ ذکر کرکے فرمایا۔ باوجود ان وعدوں سے کئی صالح نیک متقی رزق سے تنگ ہیں گو یہ وعدے سب سچے ہیں لیکن انسانی کمزوری کا ہی احساس کرنا پڑتا ہے سلسلہ اہل اللہ میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو بھوکا مرا ہو۔ مانے ہوئے اتقیاء فقر و فاقہ سے بچے ہیں۔ صفحہ ۳۳۱-۳۳۲

رسالہ اسلام النصاریٰ

شیخ عبدالحق صاحب نومسلم کے رسالہ کا نام اسلام النصاریٰ تجویز فرمایا اور ہدایات دیں صفحہ ۲۹۱-۲۹۲

رسول

خدا کے رسول کبھی اپنی حد بشریت سے نہیں بڑھتے۔ آداب الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ صفحہ ۲۰۹

رسول کریمؐ کی زیارت

دیکھو "زیارت رسول"

رشوت

رشوت یہ ہے کہ کسی کے حقوق کو زائل کرنے کیلئے دی جائے۔ لیکن صرف اس لحاظ سے کہ اپنے حقوق

کی حفاظت میں کچھ دیدیا جائے تو یہ رشوت نہیں۔ ص ۳۱۷، ص ۳۲۰

خلیفہ رشید الدین

فرمایا خدا نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے اور ان میں نور فراست ہے اور ان میں اہلیت اور زیرکی بہت ہے ص ۴۰۶-۴۰۷

رفع مسیح

رفع جسمانی ماننے سے یہود کا اعتراض کہ وہ ملعون ہو گیا ہے دُور نہیں ہوتا۔ ص ۴۴۲

روحانی رات دن

ظاہری رات دن کی طرح کبھی روحانی طور پر رات ہوتی ہے اور کبھی طلوع آفتاب ہو کر نیا دن چڑھتا ہے۔ پچھلا ایک ہزار (فیج اعوج کا زمانہ) روحانی طور پر ایک تاریک رات تھی جو گذر گئی۔ اب خدا تعالیٰ نے تقاضا فرمایا کہ دنیا کو روشنی سے حصہ دے۔ ص ۱۳۵

رُوح القدس

دینی امور میں جبتک تقویٰ نہ ہو روح القدس سے تائید نہیں ملیگی۔ ص ۴۲۹

رؤیا

۱۔ قادیان میں طاعون نہ ہونیکے متعلق جو رؤیا ہوئے ہیں انہیں جمع کرنے کیلئے ارشاد ص ۲۷۵

۲ رؤیا کی تعبیر
ایک لڑکے کا خواب سنکر فرمایا ہر شخص کی خواب اسکی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے۔ میاں جان محمد مرحوم امام مسجد قادیان کی ایک رؤیا کا تذکرہ کرکے فرمایا خدا کا فیضان ظرف اور استعداد کے موافق ہوتا ہے ص ۳۰۲-۳۰۳

۳۔ بعد نماز مغرب ایک نوجوان نے خواب سنانا چاہا فرمایا کل صبح بیان کرو رسول اللہؐ بھی صبح ہی خواب سُنا کرتے تھے۔ ص ۳۰۹

۴۔ کافر و مومن کی رؤیا میں فرق۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی بلکہ کبھی کوئی الہام بھی ہو جاتا ہے مگر کافر کی رؤیا میں پہلا فرق کثرت وقلت کا ہے دوسرے مومن کے لئے بشارات کا حصہ زیادہ ہوتا ہے سوم مومن کی رؤیا مصفا اور روشن ہوتی ہے کافر کی نہیں چہارم مومن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ ص ۳۶۹

۵۔ انبیاء اور ماموریں کو بری صورت میں دیکھنے کی تعبیر۔ دیکھو "نبی"

۶۔ رؤیا کا بھی عجیب عالم ہے معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم اور آدمی کا جانور اور جانور کا آدمی دکھایا جاتا ہے۔ ص ۴۳۸

ز

زبان

وجود کی ڈیوڑھی ہے۔ زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے۔ پھر اندر آنے میں کیا تعجب۔ ص ۲۴۵

زنجبیل

زنا اور جبل سے مرکب ہے۔ یعنی پہاڑ پر چڑھ گیا زنجبیل حرارت غریزی کو بڑھاتی ہے۔ ص ۹

ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسول اللہ صلعم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے یہ دیگر مذاہب کا مقابلہ میں اپنی سچائی کا عملی نمونہ دکھانے سے عجز۔ صفحہ ۳۸ و ۵۴

ج ۔ یہ سلسلہ اسلئے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں اور اللہ تعالےٰ کے وعدۂ حفاظت نے آنحضرت صلعم کے بروز کو نازل کیا تا اس زمانہ میں آپ صلعم کی نبوت کو نئے سرے سے زندہ کرکے دکھاوے صفحہ ۹۲

د ۔ اسلام کی مخالفت کا بچہ جواب بالغ ہوکر پورے جوش اور قوت میں ہے اس کے تباہ کرنے اور خدا کی توحید اور جلال کو قائم کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ صفحہ ۹۳

ھ ۔ اس علمی زمانہ میں جبکہ عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانی علوم اور کشف حقائق کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا ہے جس نے ان تمام باتوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں معمولی قصّوں سے بڑھکر وقعت نہ رکھتی تھیں علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔ صفحہ ۱۵۳ - ۱۵۵

و ۔ یہ سلسلہ سب نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی صلعم کی عزت و عظمت قائم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ صفحہ ۲۶۱

۲ - <u>آخرین منہم</u> ۔ یہ سلسلہ دراصل وہی سلسلہ ہے اور آخرین منہم میں آنحضرت صلعم کی بروزی آمد کی پیشگوئی تھی۔ پس جیسے اس وقت آپ کو کلام کا معجزہ بصورت قرآن دیا گیا۔ اسی طرح آپ صلعم کی بروزی آمد میں بھی کلام کا نشان دیا گیا۔ باوجود تحدّی اور غیرت دلانے کے کوئی مقابلہ میں نہیں آتا ۔ صفحہ ۵۹-۶۰ و صفحہ ۹۴-۹۵

۳ - <u>ذوالقرنین میں سلسلہ کی پیشگوئی</u> ۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اس سلسلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ ذوالقرنین کے قصّہ میں بطور پیشگوئی اس سلسلہ کا ذکر صفحہ ۱۹۰

نیز دیکھو "ذوالقرنین"

۴ - <u>خدائی سلسلہ</u>

ا ۔ خدا تعالیٰ نے باوجودیکہ سب مذاہب نے مخالفت کی اس سلسلہ کی تائید کی ۔ اب پچاس ہزار سے بھی زیادہ انسان اس میں شامل ہیں ۔ یہ اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے ۔ صفحہ ۲۵۶ - ۲۵۷

ب ۔ یہ خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے کہ وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا ہے ۔ ورنہ عام طور پر مشائخ تو اپنے مریدوں کو خدا تعالیٰ کی سچی شریعت کے متعلق بتاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں ۔ صفحہ ۲۵۷

ج ۔ انسانی منصوبوں کے سامنے اس کا بڑھنا اس کے خدا تعالےٰ کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ صفحہ ۲۵۷

سید احمد خان (سر سید)

اِنکو لیکھرام سے متعلق قبولیت دعا کی خبر دیتے ہوئے لکھا تھا کہ دُعا قبول نہ ہوئی تو تمہارا دعویٰ ثابت اگر قبول ہوگئی تو اس عقیدہ سے توبہ کرنا - وہ لیکھرام کی موت دیکھ کر فوت ہوئے۔ ص۴۳۴

سیف چشتیائی

پیر مہر علیشاہ گولڑوی کی کتاب کے جواب کا مولوی محمد احسن صاحب نے دیباچہ سُنایا ۔حضور نے فرمایا ۔ سیف چشتیائی دو دھاری تلوار ہے ایک فیضی صاحب کی موت کا ہماری پیشگوئی کے مطابق نشان ہے ۔ دوسرے اس گولڑوی کی پردہ دری ہوگئی ۔ ص۳۷۶ - ۳۷۷

ش

شدھی اور شودر

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے شدھی کے بعض شدھ ہونے والے مسلمان آریوں سے پوچھا - اب کس ورن میں ہو ۔ کہا شودر ہیں - ص۴۱۴

شربت

کافوری اور زنجبیلی شربت پلائے جانیکا فلسفہ اور حکمت ۔ ص۹

شرک

ا - شرک عظیم الشان گناہ ہے جو انسان کو اُس کے اصل مقصد سے ہٹا کر جہنم کا وارث بنا دیتا ہے ۔ ص۷۹

ب - اقسام شرک

۱ - موٹا اور صریح شرک جس میں ہندو اور دوسرے بُت پرست گرفتار ہیں ۔بُت پرستی ۔ درخت پرستی وغیرہ ۔ اس روشنی کے زمانہ میں عقلیں اس شرک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئی ہیں ۔

۲ - ایک شرک جو مخفی طور پر زہر کی طرح اثر کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر اعتماد نہیں رہا اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ ہے ۔ ہمارا مذہب یہ نہیں کہ اسباب کی رعایت بالکل نہ کی جائے کیونکہ یہ بھی گناہ ہے ۔ آخرت کے لئے بھی اسباب ہی ہیں ۔ رعایت اسباب کی جائے اسباب کو خدا نہ بنایا جائے ۔ اس کے متعلقہ آیات ص۸۰-۸۳ ، ص۲۷۴ نیز دیکھو "اسباب پرستی"

۳ - کہ خدا تعالیٰ کے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جاوے ص۲۸۷ - ۲۸۸

شریعت

شریعت کے دو پہلو ہیں اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت دوسرے بنی نوع سے ہمدردی ۔ ص۲۹۴

شعر جمع اشعار

صادق آں باشد کہ ایام بلا مے گذارد با محبّت باوفا (الہامی)
گر قضا را عاشقے گردد اسیر بوسد آں زنجیر را کز آشنا
ص۳۷۳

شفاعت

انسان کی دُعا اور توجہ کے ساتھ مصیبت کا رفع ہونا یا معصیت اور ذنوب کا کم ہونا یہ سب شفاعت کے نیچے ہے ۔ ص۲۲

شفیع

(۱) شفیع کے لئے ضرورت ہے کہ

صدق

صرع

صلیب

ط

طائف

طاعون

ایک امتحان لینے کی تجویز تھی وہ ملتوی کیا گیا۔ اور ہدایت دی کہ طاعون زدہ شہروں کے لوگ دوسری جگہ نہ جائیں اور ضروری تدابیر حفظ ماتقدم کے طور پر اختیار کرنے کی نصیحت۔ ص ۲۴۴

۱۰۔ طاعون ایک غضب اور قہر الٰہی ہے اور اس کی شدت کا ذکر اور اس کے آنے کی وجہ عملی اور اعتقادی فسق و فجور اور اس کی تفصیل۔ اپنی ماموریت اور لوگوں پر اتمام حجت اور انکے شرارت اور ایذا رسانی کو حد تک پہنچانے کا ذکر ص ۲۴۸ - ۲۴۹

ر ۲۵۲ ر ۲۵۳ و ۲۶۱ و ۴۰۰

۱۱۔ جماعت احمدیہ اور طاعون

ا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون نہ ہوگی۔ صحابہؓ میں سے بھی بعض کو طاعون ہوگئی تھی۔ ہاں جو خدا کے حضور تضرع اور زاری کریگا وہ خدا کے فضل سے حصہ لیگا ص ۲۴۵ و ص ۲۸۰ - ۲۸۱

ب۔ اگر مصیبت سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر دگے اور خدا تعالٰے کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کیلئے گریہ و بکا کروگے تو تمہارے خاندان اور تمہارے بچے طاعون کے عذاب سے بچائے جائینگے ص ۲۶۲

ج۔ طاعون کے ٹیکہ کے ذکر پر فرمایا۔ ہم ہیں کہ خدا تعالٰی نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ وہ شخص کسقدر خوش ہوگا جو کہیگا کہ اوروں کو ٹیکہ نے فائدہ دیا اور مجھکو خدا نے۔ ہر شخص اپنے صدق و ثبات کو دیکھ لے ہم کسی کو منع نہیں کرتے۔ ص ۲۷۴ - ۳۷۵

د۔ الدّار کی حفاظت کا وعدہ اور اس کے دو مفہوم۔ ایک در و دیوار والا گھر۔ دوسرے جو ہمارے منشار کے موافق روحانی تبدیلی کرتا ہے وہ بھی ہمارے دار میں ہے۔ ص ۳۷۵

ھ۔ طاعون کو طوفانِ نوح کی طرح قرار دینا۔ اور اس سے متعلق الہامات جن میں کشتی کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ وہی لوگ بچیں گے جو میری کشتی میں سوار ہونگے۔ ص ۴۱۸ - ۴۱۹

۱۲۔ پیشگوئیاں

ا۔ طاعون کی شامت اور اس کی تباہ کاریوں کا ذکر۔ اور اس کے متعلق پیشگوئیاں آنحضرتؐ نے بھی کی۔ انجیل میں بھی ہے۔ ص ۲۵۱

ب۔ طاعون کے متعلق سارے نبی پیشگوئی کرتے آئے ہیں۔ کہ مسیح موعودؑ کے وقت شدت سے پھیلیگی۔ ص ۴۴۳

ج۔ کتب مقدسہ اور احادیث میں طاعون مسیح موعود کا نشان ہے۔ حضرت عیسٰیؑ کے وقت بھی ہوئی تھی۔ یہ میرا نشان ہے۔ ص ۴۵۴

د۔ طاعون کے متعلق براہین احمدیہ میں خبر۔ اتی امر اللّٰہ فلا تستعجلوہ پھر لفظ نذیر میں ص ۴۱۳

ھ۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت میں طاعون جاوے گی۔ ص ۴۱۶

۱۳۔ ایک اعتراض کا جواب

اس اعتراض کا جواب کہ طاعون سے اکثر غریب

مرتے ہیں اور امراء ہمارے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں۔ ص ۲۶۹-۲۷۰، ۲۷۹

۱۴ - عیسائیوں پر حجت۔ اگر عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کرتا تھا تو اب عیسائیوں کے مقامات کو طاعون سے بچائے۔ اس وقت غیرت الٰہی جوش میں ہے تاکہ عیسیٰؑ کی کسر شان ہو۔ ص ۲۷۱

۱۵ - طاعون زدہ مقام پر جانا گناہ ہے۔ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ص ۲۷۳

۱۶ - طاعون بجائے خود انسان کے ایمان کے پرکھے جانے کا بھی ایک ذریعہ ہے اور طاعون کی شدّت کا ذکر۔ ص ۴۰۰-۴۰۱

۱۷ - طاعون کی تین قسموں کا ذکر۔ ص ۴۰۹

۱۸ - پنجاب پر حملہ

ا - طاعون کا سب سے زیادہ حملہ پنجاب پر ہونے کی وجہ کہ الٰہی سلسلہ کے اوّل المکذبین وہی ہوئے اور اُن کے اس اعتراض کا جواب کہ طاعون احمدیوں کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ ص ۴۱۹

ب - کیونکہ اس کی اصل جڑ پنجاب میں مخفی ہے۔ پنجاب کی طرف سے فتویٰ تکفیر تیار ہوا۔ ص ۴۵۴

۱۹ - طاعون کے ذریعہ دس ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ ص ۴۲۰

۲۰ - طاعون کو دیکھا ہے۔ پہلے ہندو میں آتی ہے ص ۴۲۳

ظ

ظل

اِس سوال کے جواب میں کہ سایہ کا وجود ہے یا نہیں یعنی اس کی ذات ہے کہ نہیں۔ فرمایا وجود کے معنے ہیں مایوجد یعنی جو چیز پائی جاوے اُسکی ہویت ہو یا نہ ہو۔ ص ۴۳۵

ظن

ظن صرف خیالی بات ہوتی ہے۔ جس میں احتمال کذب کا ہوتا ہے۔ صحت اور سچائی پر کوئی حکم نہیں ہوتا۔ ص ۷۵

ع

عارف

ہر زمانہ کے عارفوں کی گواہی کہ تمثیلی خلق اور پیدائش کا نمونہ اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں دکھاتا ہے اور ایک عارف پر اسی دنیا میں معادی عجائبات کشفی رنگ میں کھل جاتے ہیں۔ ص ۹۲

عاقبت کی سزا کی حقیقت

دیکھو زیر "آخرت"

عبادت

ا - اللہ تعالیٰ کی عبادت دراصل وہی ہے جو کسی ذاتی غرض پر مبنی نہ ہو۔ اور نہ ہی دوزخ و بہشت کا اس میں سوال ہو۔ ص ۹۶

ب - عبادت کے دو حصّے ہیں۔ ایک خشیۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے۔ دوسرا حصہ عبادت کا کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبًا للّٰہ۔ اسلام میں ان دونوں حقوق عبادت کو پورا کرنے کیلئے نماز اور حج رکھے ہیں۔ ص ۲۹۹

عبدالحق

عبدالحق عیسائی حق جو سے حضرت مسیح موعودؑ کی گفتگو

ا۔ منشی عبدالحق قصوری طالب علم بی۔اے کلاس لاہور جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے تحقیق حق کے لئے قادیان آئے۔ اور اپنے عیسائی ہونیکا باعث اپنے بعض دوست اور پادری نیوٹن وغیرہ بتائے ص ۹۷-۹۸

ب۔ عبدالحق صاحب نومسلم کے رسالہ کا نام "اسلام النصاریٰ" تجویز فرمانا اور اس کے مقدمہ میں حقیقی اسلام کیا چیز ہے اور عیسائی مذہب کی خرابیاں اور انجیلی تعلیم۔ شراب و طلاق وغیرہ کے ذکر کرنے کی ہدایت۔ ص ۲۹۱-۲۹۲

عبدالحکیم

عبدالحکیم (مولوی) لاہور میں اس سے مباحثہ ہوا تو ہمارے مکالمات کے ثبوت میں پیش کرنے پر کہ حضرت عمرؓ بھی محدث تھے۔ انہوں نے کہا۔ آنحضرتؐ نے فرض کے طور پر کہا تھا وہ بھی محدث نہ تھے۔ یہ محال ہے کہ آئندہ کسی کو الہام ہو۔ ص ۵۴-۵۵

عبدالحی

(مولوی) عبدالحی متبع سنت بدعات سے مجتنب تھے مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ وہ سید عبدالقادر جیلانی کی بعض عبارات کے متعلق جو قرآن کے رنگ کی تھیں فرماتے ہیں کرامات اولیاء اور خوارق انبیاء کے معجزات کی طرح ہوتے ہیں اس لئے یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے۔ ص ۵۴

عبدالرحمٰن (کابلی) کا محض احمدیت کی وجہ سے قید میں ڈالے جانا اور آخر شہید کئے جانا۔ ص ۱۲۴-۱۲۵

عبدالقادر جیلانی (سید)

قرآن شریف کے اعجازی ثبوت کیلئے کلام کا معجزہ بھی رکھا ہے۔ جیسا کہ آپ کی چند سطریں جو معجزہ تھیں جن کے متعلق مولوی عبدالحی صاحب نے کہا کہ وہ درحقیقت قرآن کریم کا ہی معجزہ ہے۔ ص ۵۴ و ۵۸

عبداللہ چکڑالوی

مولوی عبدالکریم صاحب کے ذکر پر کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کے متعلق لکھا ہے ہم اس کو بھی برافٹ قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں یعنی کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وجوہ کفر دریافت کرنے پر مولوی صاحب نے فرمایا وہ کہتا ہے حدیث کی کچھ ضرورت نہیں۔ آنحضرتؐ کی حیثیت ایک چپڑاسی یا مذکوری سرکاری پروانہ لانے والے کی ہے۔ حضور نے فرمایا ایسا کہنا کفر ہے اور رسول اللہؐ کے اصل مقام اور قرآن و سنت اور حدیث کے مرتبہ کا ذکر ص ۳۲۶-۳۲۷

عبداللہ خان

چودھری عبداللہ خان نمبردار بہلولپور کا سوال کہ حکام اور برادری سے کیا سلوک کرنا چاہیئے اور اس کا جواب۔ ص ۲۱۹-۲۲۰

عبداللہ غزنوی

مولوی صاحب کو بیویوں کا استغراق تھا صرف اسلئے وہ مرغ انڈے انگور وغیرہ بکثرت استعمال کرتے تھے۔ ص ۲۹۳

عبداللہ (مولوی کشمیری)

ا۔ ایک فارسی نظم غازی و گولڑوی کے خلاف ثنا ص ۲۱۲

اور فقرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ جو سرقہ کا الزام لگاتے ہیں ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے کہ ساری دنیا کی کتابوں سے سرقہ کریں۔ الفاظ کے معانی کے تابع علمی رنگ میں کسی مضمون کو یہ لوگ ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ سرقہ کا الزام تو حریری پر بھی لگایا گیا۔ ص ۳۰۱

عصمت

عصمت اور شفاعت بتاتا ہے کہ مسیح معصوم کیونکر ہو سکتا ہے؟ ص ۲۱۵ نیز دیکھو زیر "شفیع"

علاج

اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ شہد مشک وغیرہ کا خود ذکر فرماتا ہے۔ ص ۴۱۶

علم

العلم الحجاب الاکبر غلط ہے۔ علم نور ہے۔ وہ حجاب نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں علم کی مذمت نہیں۔ بلکہ فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ شیطان کو علم کی وجہ سے نہیں نادانی کی وجہ سے لغزش آئی۔ میرے مخالفوں کو بھی علم نے نہیں جہالت نے ہلاک کیا۔ ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں۔ ص ۲۹۷-۲۹۸

علماء اور اسلام

یورپ کے فلسفہ اور جدید تحقیقات کے مقابلہ میں علماء کی کمی معرفت اور علوم حقہ سے بے خبری نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے انحراف کی وجہ۔ ص ۲۴۸-۲۴۹

علی حائری

علی حائری کی کتاب یا رسالہ کا ذکر ہوا جس میں حضرت امام حسینؓ کی فضیلت کل انبیاء پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حضور نے فرمایا۔ مخلوق پرست کبھی دانشمند نہیں ہو سکتے۔ ص ۳۲۸، ۳۲۹

عماد الدین (پادری)

پادری عماد الدین کی تثلیث پر ایک لغو دلیل۔ اور پادری رجب علی کا کہنا کہ ایسی باتوں سے عیسائیت کی توہین ہوتی ہے۔ وہ بالکل جاہل آدمی تھا۔ نور الحق کا جواب اس سے باوجودیکہ پانچہزار روپیہ انعام بھی تھا آج تک نہ ہوا۔ ص ۱۴۲

عمرؓ

حضرت عمرؓ کے ابوجہل کے منصوبہ کے مطابق آنحضرتؐ کو ایک رات قتل کے لئے جانا اور آنحضرتؐ کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کے بعد واپسی کے وقت اُن کے پاؤں کی آہٹ سُنکر فرمانا اے عمر! نہ تو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے نہ رات کو۔ ص ۳۴۰

عمر

جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ انحطاط عمر کا چالیس سال سے شروع ہو جاتا ہے۔ تیس یا پینتیس برس تک قد پورا ہوتا ہے۔ بعد اس کے بڈھا ہو کر گھُولنا شروع ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ فالج ہوتا ہے۔ ماں کی گود کا زمانہ گویا بہشت ہوتا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بُرا ہوتا ہے۔ ص ۴۲۲-۴۲۴

عمر کی درازی کا راز

ا۔ انسان نفع رسان بنے واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو

کی حقائق قرآن سے جہالت اور ان کے معنوں اور اعتراضوں سے ناواقفیت تھی۔ لیکن اب ان کا دور ختم ہونیوالا ہے۔ ان کی ساری بنیاد حیاتِ مسیحؑ پر تھی اس کی موت کے ساتھ ہی ساری عمارت گر جاتی اور صلیب کفارہ لعنت وغیرہ ساری باتیں غلط ثابت ہو جاتی ہیں۔ ص ۱۹۸

د۔ ایک کتاب جس میں لکھا تھا۔ مذہب عیسوی اصل میں پولوس نے فریب دہی سے بنایا۔ مسیحؑ کا مذہب نہ تھا شنکر فرمایا۔ یہ لوگ آپ ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ کیونکہ لکھا ہے اگر مسیحؑ دجال کو نہ بھی مارے تب بھی وہ گل گل کر مر جائیگا ص ۲۷۹

ھ۔ عیسائیت کا فتنہ بھی دجال کا فتنہ ہے۔ جو اُمّ الفتن ہے اور الضالین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ص ۴۵۰ - ۴۵۱

و۔ عیسائیت پر فتح۔ کسر صلیب کیلئے وہی حربہ ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ خدا کے اسلام کی حفاظت کے لئے ایک سلسلہ خود اس نے قائم کیا ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ ص ۲۵۵

ز۔ عیسائیت اور اسلام دیکھو "اسلام اور عیسائیت"

ع

غضب

غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں اس لئے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے ص ۱۸۰

غلام حسن خان (مولوی)

مولوی غلام حسن خان پشاوری تشریف لائے حضور نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دلعزیز ہیں ص ۳۷۴

غلام رسول (حجام)

میاں غلام رسول حجام امرتسری نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا کہ مخالف کس کس طرح تکلیفیں دیتے ہیں۔ انہوں نے باہم اتفاق کر کے یہ سازش کی ہے کہ جن گھروں میں میں کھانا پکایا کرتا تھا۔ انہوں نے روک دیا ہے کہ وہ مجھ سے کھانا نہ پکوائیں۔ فرمایا۔ صبر کرنا چاہیئے۔ خبر ہے کہ خدا نے کتنے گھر تمہارے لئے رکھے ہیں۔ ص ۲۰۹

غلام فریدؒ

خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں والے کے ذکر پر فرمایا۔ انہوں نے صفائی سے لکھ دیا کہ میں آپ کے دعویٰ کا مصدق ہوں۔ دوسرے گدی نشینوں کو یہ توفیق نہیں ہوئی۔ میرے خیال میں ان کی طبیعت میں جو سخاوت تھی اس کا یہ ثمرہ تھا ص ۳۸۹

ف

فاتحہ

دیکھو "سورۃ فاتحہ"

فتح

اس وقت قوموں کے باہمی مناظرہ اور جدل میں فتح اُس کو ملے گی جو خدا کے نزدیک متقی ہو اور زبان کو سنبھال کر رکھے وغیرہ ص ۴۰۲

فتح مسیح (پادری)

اس کا کہنا کہ مجھے الہام ہوتا ہے اور آپکے مطالبہ پر کہ تو پیشگوئی کر اس کے گھبرا جانے اور اس کا مسیح موعودؑ سے مطالبہ کہ بند لفافہ میں ایک مضمون رکھا جاوے۔ اور

آپ اس کا مضمون بتا دیں اور آپ کا خدا تعالیٰ کی اطلاع پر اس چیلنج کو قبول کر لینا۔ ص ۱۲۴

فتویٰ جمع فتاویٰ

۱۔ تصویر کی حرمت حقیقی نہیں اضافی ہے۔ ضرورت کے وقت جائز۔ ص ۲۳۱-۲۳۳ نیز دیکھو زیر "تصویر"

۲۔ اذان کے وقت مضمون وغیرہ پڑھنا جائز ہے ص ۲۷۴

۳۔ سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کے سود کا حکم۔ ص ۲۸۱-۲۸۲

۴۔ جنازہ غیر احمدی کا اور جو مخالف سلسلہ ہے اور جو خاموش اور درمیانی حالت میں ہے انکے جنازے کا حکم۔ ص ۲۶۹-۲۷۷

۵۔ زکوٰۃ۔ کیا زیور پر زکوٰۃ آتی ہے یا نہیں؟ ص ۲۷۹

۶۔ نماز۔ غیر احمدیوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ ص ۲۷۷، ص ۳۱۹

۷۔ پان۔ حقہ۔ افیون وغیرہ کے متعلق۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضر صحت چیزوں کو مضر ایمان قرار دیا ہے۔ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ ص ۲۹۲

۸۔ عیسائیوں کے ساتھ کھانے اور معانقہ کے سوال پر فرمایا۔ میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں اور اس کی وجوہ۔ ص ۳۲۳

۹۔ رشوت کی حقیقت دیکھو زیر "رشوت"

۱۰۔ برات کے ساتھ باجا بجانے کے متعلق حضور کا فیصلہ۔ آتشبازی تماشا وغیرہ منع ہیں۔ باجا بجانا صرف غرض اعلان نکاح کی صورت میں جائز ہے۔ باجا کی حرمت کا کوئی نشان نہیں کہ وہ صلاح و تقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق و فجور کے لئے ہے پایا نہیں جاتا۔ ص ۴۰۳-۴۰۴

۱۱۔ لڑکیوں کا گانا۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ص ۴۰۴

۱۲۔ اصول۔ ہر ایسا امر جس میں اسراف۔ ریاء فسق ایذائے خلق کا شائبہ ہو وہ منع ہے۔ ص ۴۰۴-۴۰۵

۱۳۔ مکان میں مسجد۔ ایک شخص کے سوال پر کہ اُس نے اپنے مکان کا ایک حصہ مسجد بنایا تھا اب ضرورت نہیں رہی فرمایا مکان میں ملا لیا جائے ص ۴۱۲

۱۴ نماز کے بعد دُعا

ا۔ نماز کے بعد لمبی دُعائیں کرنا ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کے دربار سے باہر نکل کر درخواست پیش کرنا شروع کرے۔ ص ۲۵۸

ب۔ نماز کے بعد دُعا کرنا التزام سے ثابت نہیں اگر کوئی شخص ذوق اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر خارج نماز بے شک دُعائیں کرے ہم منع نہیں کرتے۔ مگر نماز کے بعد دُعا کے متعلق حدیث سے التزام ثابت نہیں۔ ص ۴۲۳-۴۲۸

فرعون

ابوجہل اس امت کا فرعون تھا۔ چند دن اُس نے

بھی نبی کریمؐ کی پرورش کی جیسے فرعونِ مصر نے موسیٰؑ کی کی
ایسا ہی مولوی محمد حسین نے ابتداء میں براہین پر ریویو لکھکر
ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی ۔ ص۲۷۳

فریمیسن

ان کی سوسائٹی میں محض ایک رُعب کا سلسلہ ان کے
اسرار کے اظہار سے روکتا ہے ۔ ص۵

فقیر اور گھوڑے والا واقعہ

جس نے یہ کہکر کہ اُسے
ساری مُرادیں حاصل ہیں بتایا کہ جب ساری مُرادیں
ترک کردیں تو گویا سب حاصل ہوگئیں ۔ ص۴۲۲

فلاسفر

فلاسفر ظنیّات سے آگے نہیں بڑھتے ۔ ان کی ایمانی
حالت بہت کمزور ہوتی ہے ۔ افلاطون نے بھی اپنے لئے
ایک بُت پر مرغ چڑھانے کے لئے کہا ۔ ص۳۱

فونوگراف

انسانی افعال اور اعمال اسی طرح محفوظ اور بند
ہوتے جاتے ہیں جیسے فونوگراف میں آواز بند کی جاتی ہے
ص۳

فیج اعوج

قرونِ ثلاثہ کے بعد کا زمانہ جو مشرب صحابہؓ کے
خلاف تھا جس میں بہت سے فرقے معتزلہ اباحتی وغیرہ
پیدا ہوگئے ۔ اور ابدال اور اولیاء کی تعداد ان کروڑوں
انسانوں کے مقابلے میں جو اسلام سے دُور جا پڑے کچھ
بھی نہ تھی ۔ ص۹۴

فیضی

ساکن بھیں جس نے اعجاز المسیح کا جواب
دینا چاہا تھا ۔ اور مرگیا ۔ اُس کے ذکر پر حضورؑ نے فرمایا
آیت اما ماینفع الناس فیمکث فی الارض کے
مطابق اس کی تائید ہونی چاہیئے تھی ۔ مگر ثابت ہُوا کہ
اُس کا سلسلہ کے خلاف قلم اٹھانا لوگوں کی نفع رسانی
کا کام نہ تھا ۔ ص۳۰۹

ق

قتال

کفارِ عرب کا قتل بسبب بلاوجہ قتل کرنے مسلمانوں کے
اُن کے مجرم ہونے کی وجہ سے تھا ۔ ص۳۲۰

قدر و قضاء اور جبر و دعا

ا ۔ جب روحانیت کم ہوگئی تو قرونِ ثلاثہ کے بعد
قدر و جبر پر بحثوں کا آغاز ہوگیا ۔

ب ۔ جس شخص کا یہ ایمان نہ ہو انما امرہ اذا
اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون اُس نے
خدا کو نہیں پہچانا ۔

ج ۔ خدا کی الوہیت اور ربوبیت ذرّہ ذرّہ پر محیط ہے ۔

د ۔ ماکان لنفس ان تموت الا باذن اللہ
میں روحانی و جسمانی دونوں باتیں ہیں ایسے ہی
ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔

ھ ۔ اللہ تعالیٰ قضا و قدر کو بدل دیتا ہے ۔ اور
قبل از وقت اس تبدیلی کی اطلاع بھی دیدیتا ہے

و ۔ اگر قضا و قدر میں تبدیلی نہ ہوتی اور انسان مجبورِ
مطلق ہوتا تو حدود و شرائع کی ضرورت ہی
نہ تھی ۔

ز ۔ ایک طرف دُعا دوسری طرف قضا ہے ۔ دونوں کے
لئے خدا نے اپنے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کردیئے ہیں ۔

ح ۔ یہ راہ ادب کے خلاف ہے کہ اسرارِ الوہیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے ۔

ط ۔ قضاء و قدر کا دُعا کے ساتھ بڑا تعلق ہے۔ دعا کے ساتھ معلّق تقدیر ٹل جاتی ہے ۔

ی ۔ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع میں قضائے مبرم کو ظاہر کیا جس کا علاج انّا لِلّٰہ ہے ۔ دوسرا وقت خدا کے فضل و کرم کی جوش امواج کا ہے وہ ادعونی استجب لکم میں ظاہر کیا ۔

ک ۔ سید عبدالقادرؒ جیلانی کہتے ہیں ۔ دُعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے ۔ صـ ۲۲۳ - ۲۲۷

قرآن شریف

۱ - دوزخ اور بہشت کی فلاسفی جو قرآن نے بیان کی وہ کسی اور کتاب میں نہیں ۔ صـ ۳۰

۲ - قرآن مجید کلام اللہ بے نظیر اور کامل معجزہ ہے صـ ۳۵

۳ - میرا یہ مذہب ہے کہ گو آنحضرتؐ کی خاص کلام سُن کی طرح چمکتی ہے ۔ لیکن قرآن شریف آپ کی خاص کلام سے جو دوسرے کلاموں کی نسبت سے ہر ایک پہلو سے اعجازی حدود تک پہنچتا ہے بالکل الگ اور ممتاز نظر آتا ہے اور کلام اللہ کے برابر نہیں ۔ اور اس کی وجہ صـ ۳۵ - ۳۶

۴ - قرآن مجید بے نظیر خوبیوں کا مجموعہ ہے صـ ۳۶

۵ - اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے ۔ صـ ۳۷

۶ ۔ وجوہ اعجاز ۔ قرآن شریف کا اعجاز ہر پہلو سے ثابت ہے کیا باعتبار فصاحت و بلاغت ، کیا باعتبار ترتیب مضامین ، کیا باعتبار تعلیم ، کیا باعتبار کمالات و ثمرات تعلیم ، کیا بلحاظ مطالب و مقاصد اور کیا بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں ۔ صـ ۳۷

۷ ۔ زندہ معجزہ

ا ۔ قرآن شریف ایک کامل اور زندہ اعجاز ہے۔ کلام کا معجزہ کسی زمانہ میں پُرانا نہیں ہو سکتا ۔ اسی واسطے آنحضرتؐ زندہ نبی ہیں ۔ آپ کی تعلیم زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات و برکات جیسے آج سے تیرہ سو سال پہلے موجود تھے اب بھی موجود ہیں ۔ صـ ۳۷-۳۸

ب ۔ قرآن کا معجزہ یہ ہے کہ عبارت بھی بے نظیر رنگ میں فصیح و بلیغ اور مضامین بھی عالی اور علمی ہیں ۔ صـ ۳۰۱

۸ ۔ اعجاز تعلیم قرآنی ۔ وہ حکیمانہ نظام اور فطری تقاضوں کے موافق اور پہلی ساری تعلیموں کی متمم اور مکمّل ہے ۔ توریت و انجیل کی تعلیم سے قصاص عفو کی مثال دے کر مقابلہ ۔ صـ ۳۹ - ۴۲

۹ ۔ قرآن شریف ہی مستقل ابدی قانون اور مستقل ابدی شریعت اور حکمت اور ساری تعلیموں کا مخزن ہے ۔ صـ ۴۲ - ۴۳

۱۰ ۔ قرآنی پیشگوئیوں کا اعجاز

ا ۔ ایک معجزہ قرآن شریف کا اُس کی عظیم الشان

پیشگوئیاں ہیں۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ تحریم۔ سورۃ نور میں مسیح موعود اور قیام سلسلہ اور مسلمانوں کے یہود کے نقش قدم پر چلنے کی بڑی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں سیھزم الجمع ویولون الدبر کی پیشگوئی نیز غلبہ روم کی جلیل القدر پیشگوئی الم غلبت الروم میں اور مسلمانوں کے غلبہ کی بدر میں یومئذ یفرح المؤمنون میں۔ اسی طرح سورۃ یوسف میں پیشگوئیاں۔ ص ۴۳-۴۶

ب - حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہزاروں نشانات کا ظہور اور کئی سو پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ قرآن کریم کا معجزہ اور پاک تعلیم کا نتیجہ اور اثر ہے اور یہ پیشگوئیاں قرآن ہی کی پیشگوئیاں ہیں۔ ص ۴۶

ج - اور یہی وہ حربہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور ہم اس کے ساتھ مذاہب باطلہ کے سحر کو توڑنا اور قرآن کریم کو زندہ کلام ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ص ۶۰

۱۱ - اعجاز قرآن بلحاظ فصاحت و بلاغت

ا - آج تک فأتوا بسورۃ من مثلہ کے چیلنج کا نہ کوئی عرب نہ غیر عرب جواب دے سکا۔ قرآن نے صرف الفاظ کا تتبع نہیں کیا بلکہ ایک عجیب ترتیب کے ساتھ حقائق و معارف کو بیان کیا گیا ہے۔ ص ۴۶-۴۷

ب - یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ مشتملہ پہاڑی میں پاکیزہ تعلیم اور اخلاق فاضلہ کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے پھر ایسی مؤثر اور جاذب اور صفاتِ رذیلہ کو دور کرنے والی تعلیم دی کہ عرب کی کایا پلٹ دی۔ ص ۴۷

ج - قرآن کریم کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ فصاحت و بلاغت کے مراتب کے علاوہ تعلیم کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو اس میں بھر دیا ہے۔ ص ۴۷

مثالیں دیکھو زیر "سورۃ"

۱۲ - عصائے موسوی اور دم عیسوی کا اعجاز

ا - یہ فخر قرآن شریف کو حاصل ہے کہ جہاں وہ دوسرے مذاہب باطلہ کا ردّ کرتا ہے اور اُن کی غلط تعلیم کو کھولتا ہے وہاں اصل اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے۔ نمونہ کے طور پر سورۃ فاتحہ کا ذکر ص ۴۸ نیز دیکھو "سورۃ فاتحہ"

ب - موفیوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم عصائے موسوی کا قائم مقام ہے جو مذاہب باطلہ کو کھانے والا ہے۔ ص ۳۸۱

۱۳ - اعجاز قرآن کا ثبوت

ا - یہ قرآن شریف کا ہی معجزہ ہے جو ہم تحدی کر رہے ہیں کہ ہمارے بالمقابل قرآن کے حقائق و معارف عربی زبان میں لکھو۔ اور کسی کو یہ قدرت نہیں ہوتی کہ مقابلہ کے لئے نکل سکے۔ ص ۵۶ و ۵۸

ب - قرآن کے اعجازی کلام کے ثبوت کے لئے جیسے دوسرے نشانات اور خوارق آنحضرتؐ کے نشانات و خوارق کے ثبوت کے لئے دیئے گئے کلام کا معجزہ بھی ہمیں دیا گیا۔ ص ۵۸

۱۴ - قرآن شریف بے مثل معجزہ ہے۔ اس کے فیوض

برکات کا در ہمیشہ جاری ہے اور اس کی تفصیل ص ۵۷

۱۵ - اگر کسی شخص کو قرآنی آیت بھی الہام ہو تو اس کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوگا جسقدر آنحضرتؐ کا تھا۔ معبرین نے بھی لکھا ہے کہ خواب کی تعبیر دیکھنے والے شخص کی حیثیت اور حال کے مطابق ہوتی ہے اور مثالیں۔ ص ۵۷

۱۶ - مستقل اعجاز - قرآن شریف بدوں کسی نسبتی لحاظ یا مقابلہ کے مستقل اعجاز ہے اور آپ کو جو اعجاز کلام دیا گیا۔ اس کی مثال ص ۵۹

۱۷ - لذّتِ رُوح - رُوح کی لذت قرآن شریف سے آتی ہے جو بڑے شاہ کی کافیوں میں لذت کے جویاں ہیں اُن میں نفسِ مطمئنہ نہیں ہے۔ ص ۸۹

۱۸ - قرآن مجید اور انجیل

ا - تعلیم کا مقابلہ حقوق العباد کی حفاظت کے لحاظ سے اور یہ کہ اسلام نے ساری قوموں کا تکفل فرمایا۔ ص ۱۲۱

ب - اسرار و رموزِ قرآنی تورات و انجیل میں کہاں پھر قرآن شریف برخلاف تورات و انجیل استدلالی رنگ رکھتا ہے۔ ہر بات کے ساتھ ایک قوی مستحکم دلیل دیتا ہے۔ پھر فصاحت و بلاغت قرآن اپنے اندر ایک جذب رکھتی ہے۔ ۲۲۳-۲۲۴

ج - ہم قرآن کے ذریعے تورات کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ ص ۲۸۹

۱۹ - اعلیٰ اور امتیازی تعلیم - قرآن شریف کے احکام جن بدیوں اور برائیوں سے روکتے ہیں اعتقادی اور عملی وہ سب مجموعی طور پر اہل عرب میں موجود تھیں۔ ص ۱۵۲

۲۰ - قصصِ قرآن - قرآن قصّوں کا مجموعہ نہیں۔ اُس نے تو پہلے قصّوں کو بھی فلسفہ بنا دیا ہے۔ یہ اس کا احسانِ عظیم ساری کتابوں اور دینوں پر ہے کہ اُن کی قصّہ کے رنگ کی تعلیموں کو علمی رنگ دے دیا۔ کوئی قرآن شریف پڑھے بغیر قصّوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ ص ۱۵۳-۱۵۵

۲۱ - قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مدعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جیسے وحدہ لاشریک ہے ایسا ہی محبت کی رُو سے بھی اس کو وحدہ لاشریک یقین کیا جائے۔ ص ۱۸۷

۲۲ - قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں۔ ص ۱۹۴

۲۳ - قرآن - سنت - حدیث کا مرتبہ

ا - قرآن ہر امر کے فیصلہ کے لئے معیار ہے ص ۲۰۶

ب - قرآن کو مقدم کرو اور حدیث کو قرآن پر عرض کرو حکم نہ بناؤ۔ ص ۲۳۳

ج - قرآن سنت اور حدیث تین مختلف چیزیں ہیں اور ان کا مقام و مرتبہ - ص ۳۲۶-۳۲۷

قربِ الٰہی

قربِ الٰہی کے حصول کا موجب دو چیزیں

سچا ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جو عیسائی مذہب میں دونوں نہیں۔ ص۲۹۸

قومیت

قومیت جائے فخر نہیں۔ اصل تقویٰ ہے۔ کوئی شخص محض اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ مع آیات قرآنیہ۔ ص۳۲۳-۳۲۵

القیوم

خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصل باعث ص۲۱۷

ک

کافور

طاعون اور دیگر وبائی امراض ہیضہ میں کافور مفید ہے۔ کافور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت ڈھانکنے والا۔ ص۸ نیز دیکھو زیر "تفسیر"

کبوتر

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کے ایک کبوتر کو بلی نے پکڑا جو ذبح کر لیا گیا۔ فرمایا۔ اس وقت میرے طبع میں تحریک ہوئی گویا عیسائیوں کے خدا کو ہم نے ذبح کر کے کھا لیا۔ انگریز بھی کبوتر کا شکار کرتے یا دوسرے لفظوں میں عیسائیوں کے خدا ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی کفارہ تو نہیں۔ ص۲۳۱

کرم دین (مولوی)

کرم دین کی دھمکی کا جواب کہ تمہاری دھمکی تم پر ہی پڑے گی۔ ص۴۱۴

کسر صلیب

سرینگر میں مسیح کی قبر نے صلیب کو بالکل توڑ دیا اور مرہم عیسیٰ اسکے لئے شاہد ہو گئی اور کسر صلیب سے مراد ظاہری صلیب توڑنا نہیں ص۱۷۵-۱۷۶

"کشتی نوح" اور "نزول المسیح"

ا۔ دونوں کی اکٹھی اشاعت میں حکمت۔ جو مدعی صرف تعلیم کی تلاش میں ہیں ان کی سیری "کشتی نوح" سے ہوگی۔ اور بعض مدعی جو ثبوت کی تلاش میں ہیں انکو "نزول المسیح" میں پورا ثبوت ملیگا۔ ص۲۹۷-۲۹۸

ب۔ "کشتی نوح" میں تعلیم لکھدی ہے۔ ہر ایک شہر کی جماعت جلسے کر کے سب کو یہ سُنا دے۔ ص۴۰۸

کشف

رُوحانی امور کا طرح طرح کے جسمانی اشکال میں دکھائی دینا بسا اوقات عین بیداری میں ایک شربت یا کسی قسم کا میوہ ہاتھ میں آنا اور کھانے میں لذیذ وغیرہ ہونا اور یہ کہ ان سب امور میں یہ عاجز خود صاحب تجربہ ہے۔ ص۶۱-۶۲

کشمیری دراصل بنی اسرائیل ہیں۔ ڈاکٹر برنیر کے سفرنامہ کا ذکر۔ ص۱۰۸

کفارہ

۱۔ کفارہ اور گناہوں سے بچنے میں کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ صلیب پر خودکشی جو ملعون بنانیوالی تھی گناہوں کا علاج کیسے ہو سکتی ص۲ و ص۱۱۰ و ص۳۵۱ نیز دیکھو "ملعون"

۲۔ دوسری دلیل ابطالِ کفارہ پر کہ اس فطری خواہش کو کہ گناہوں سے انسان بچ جاوے کفارہ نے بالفعل پورا نہیں کیا۔ یورپ میں گناہوں کی کثرت کا ذکر۔ ص۲

۳۔ کفارہ نے تو بجز اباحت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا ص۳

۴ - اس اعتقاد کی وجہ سے دہریت کی رگ پیدا ہو جاتی ہے جس وجہ سے انسان گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے ص ۳

۵ - گناہ کا صحیح علاج دیکھو زیر "گناہ"

۶ - خون یا خودکشی کو گناہ سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس سے گناہ پیدا ہو سکتا ہے - ص ۱۴ و ص ۳۵۱

۷ - مسیح کے خون نے یورپ کو اور گناہوں پر دلیر کر دیا۔ شراب وغیرہ کا ذکر۔ ص ۱۵

۸ - ابطالِ کفارہ کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ خارجی امور میں ہم اس کی کوئی نظیر نہیں پاتے اور اس کی تفصیل - ص ۱۶ - ۱۷

۹ مسیحیوں کا دعویٰ کہ مسیح کے خون سے ہمارے گناہ پاک ہو گئے بے ثبوت دعویٰ ہے اور نہ ہی کفارہ کی نیک تاثیرات کو وہ پیش کر سکتے ہیں عقیدۂ کفارہ کی تاثیرات کا نمونہ تو یورپ کی اباحتی زندگی دکھا رہی ہے - ص ۱۹

۱۰ - خدا کی سچی معرفت کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے۔ ناممکن ہے کہ کسی کے خون سے اس کیڑے کو موت آوے۔ بلکہ خون پڑ کر اور بھی کیڑے پیدا کریگا۔ اس لئے خون گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہرگز نہیں - ص ۳۴

کلامِ الٰہی

ا - خدا تعالیٰ کا کلام جو اُس کے برگزیدہ رسولوں پر نازل ہوتا ہے وہ عظیم الشان اعجاز اپنے اندر رکھتا ہے - اور اللہ تعالیٰ نے کے مخالفین کی صرف ہمت کر دینے کی وجہ سے وہ باوجود تحدی کے اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتے - ص ۳۵

ب - اس سوال کا جواب کہ کلام ایسا معجزہ نہیں ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق بے مثل و بے نظیر ہے ص ۳۵

ج - کلامِ الٰہی کا اصول کہ وہ منزل علیہ کی قوت قدسیہ اور کمالِ باطنی کے مطابق قوت و شوکت رکھتا ہے ص ۳۶ و ص ۵۷

د - خدا تعالیٰ کا کلام بدون تدبیر کے وحی ہے مگر ہمارا کلام بعض اوقات تدبر کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس میں اصلاح کر دیتے ہیں - ص ۵۸

کلمۂ توحید

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا اسوقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر وہ عملی پہلو سے بھی ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا محبوب و مطلوب و مقصود نہیں ہے - محمد رسول اللہ دوسرا جزو نمونہ کیلئے ہے۔ ص ۸۴

کن فیکون

کن کا اطلاق کہاں آتا ہے کے جواب میں فرمایا۔ کئی مرتبہ خوابوں میں تمثلات دیکھے ہونگے۔ ان کا وجود کچھ نہیں پس جس طرح ہمارے تصورات ہوتے ہیں۔ خدائی صفات میں سے اس کے تصورات بھی ہیں - پس جو تصور آتا ہے اگر انسانی ہے تو وہ ہیچ ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا ہے تو اس سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے مگر خدا کی کنہ میں ہم دخل نہیں دیتے۔ ص ۴۲۵

گ

گانا -

نوجوان عورتوں کا گھروں میں گانا - فرمایا:-

اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ص ۴۰۲

گناہ

۱ علاج (ا) گناہ کا علاج سہل نہیں۔ سہل باتوں سے ڈرو۔ جو پھونک مار کر سب کچھ بنا دینا چاہتے ہیں وہ خطرناک عیار ہیں۔ گناہ کا علاج یہی ہے کہ خدا کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔ شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف خدا کی معرفت کاملہ ہے۔ اور اُس کی تفصیل۔ ص ۴ و ص ۲۱

(ب) گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہو سکتی جب تک خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو۔ ص ۴ و ص ۱۷ و ص ۲۱

(ج) سچے ایمان اور سچے یقین اور گناہ میں باہم عداوت ہے۔ ص ۵

(د) گناہ سے بچنے کیلئے حقیقی راہ خدا کی تجلّیات اور آسمانی نور ہے جو نشانات کے رنگ میں ملتا ہے۔ ص ۵

ھ۔ گناہ کا صحیح علاج خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت ہے جس کی دُعا سے تحریک پیدا ہوتی ہے۔ ص ۳۵۲

۲ - گناہ سے بچنے کا طریق

(ا) خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرنا ہی تمام روشنیوں اور تجلیات کی کلید ہے اس سے گناہ سوز آگ پیدا ہوتی ہے۔ نور ملتا ہے جس سے گناہ شناخت ہوتا ہے۔ یہ جلال اور جمال کی آگ ہے اور اس کی تفصیل اور ان کا ذکر مالک یوم الدین اور رب العالمین۔ رحمٰن اور رحیم ہیں۔ اور سونے چاندی کو صاف کرنے کی مثال۔ ص ۷-۹

(ب) جلالی تجلیات سے ہی انسان گناہ سے بچ سکتا ہے العصا علاج لمن عصا ص ۱۰

(ج) انسان کو اس بات پر کامل یقین ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ جزا سزا دیتا ہے۔ اس کے سوا جو طریقے اور حیلے گناہ سے بچنے کیلئے نکالے ہیں وہ غلط ہیں۔ ص ۱۱ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۷ و ۲۱

(د) اس بات کا ثبوت کہ اس یقین ہی سے انسان پاک زندگی بسر کر سکتا اور گناہ کی موت سے بچ سکتا ہے۔ ص ۱۳-۱۴

(ھ) خون یا خودکشی کو گناہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس سے گناہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ص ۱۴ و ۲۴ و ۳۵۱

(و) اس زمانہ میں عیسائی مسلمان ہندو وغیرہ سب گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ناپاک زندگی جو گناہ کی لعنت ہے عام ہو رہی ہے۔ ص ۱۵-۱۶

(ز) پاک زندگی جو گناہ سے بچکر ملتی ہے ایک لعل تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعل تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامور کیا ہے کہ مَیں دنیا کو اس کے حصول کی راہ بتاؤں اور وہ خدا کی سچی معرفت ہے۔ ص ۱۶ و ۱۸ و ۲۰ و ۳۴

(ح) یہ فطرت اور یہ قوت کہ بالکل گناہوں سے بیزاری اور نفرت ہو جائے سچی تبدیلی کے بغیر کسی کو مل نہیں سکتے اور اس تبدیلی کو پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔ ص ۲۰

(ط) گناہ کی زنجیر اور قید سے نجات پانیکا ذریعہ خدا تعالیٰ پر نیا یقین اور نئی معرفت ہے۔ ص ۲۰-۲۱

(ی) انسان گناہ تبھی کرتا ہے جب اُس کو خدا پر شک پڑ جاتا ہے۔ ص ۴۲۸

۳ - گناہ کی تعریف

(ل) اصل میں جُناح تھا یعنی عمداً کسی طرف میل کرنا۔ پس گناہ عمداً بدی کی طرف میل کو کہتے ہیں۔ جو انبیاء سے ناممکن ہے ص ۱ و ۲۶

(ب) گناہ یہی ہوتا ہے کہ انسان اس مقصد سے جو اس کی پیدائش سے رکھا گیا ہے دُور ہٹ جائے۔ ص ۷۹

(ج) ہر ادنیٰ قسم کی غفلت بھی گناہ میں داخل ہے اور جو انسان کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر جہنم کا وارث بنا دیتا ہے۔ شرک ہے ص ۷۹

گولڑوی

اس اعتراض کا جواب کہ پیر گولڑوی کے مقابلہ پر نہ آئے۔ فرمایا۔ ہم نے تو قرآن کے بالمقابل تفسیر لکھنے کی دعوت دی تھی۔ اُس نے کہہ دیا پہلے عقائد پر تقریر کر کے مولوی محمد حسین بٹالوی کا فیصلہ مان لو اگر وہ آپ کا عقیدہ غلط قرار دے تو میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ پھر تفسیر لکھو۔ بتاؤ اس پر کہتے ہیں کہ لاہور نہیں آئے۔ ص ۳۰۱

ل

لا الٰہ الا اللہ

ایسا پیارا اور پُر معنی جملہ ہے کہ اس کی مانند ساری تورات اور انجیل میں نہیں اور نہ دُنیا کی کسی اَور کتاب میں ہے۔ یہ ایک طرف توحید اور دوسری طرف توحید کی تکمیل محبت کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ ص ۱۸۴ و ص ۱۸۵

لعنت

لعنت کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ سے سخت بیزار ہو جاوے اور خدا تعالیٰ اس سے بیزار ہو جاوے۔ لعنت کا تعلق دل سے ہوتا ہے جب تک دل خدا تعالیٰ سے برگشتہ نہ ہوے ملعون نہیں ہو سکتا۔ لعنت ہی کا مضمون عیسائی مذہب کے استیصال کیلئے کافی ہے کہ مسیح صلیب پر مرنے سے ملعون ہو گیا۔ اور تین دن کے لئے ہاویہ میں رہا ص ۱۶۷-۱۶۸ و ص ۱۱۰ و ص ۱۹۸ نیز دیکھو "ملعون"

لفافہ

نجم مسیح پادری کا مطالبہ کہ ایک بند لفافہ میں مضمون رکھا جاویگا آپ اس کا مضمون بتادیں اور حضرت مسیح موعود کا خدا تعالیٰ کی اطلاع پر اس چیلنج کو قبول کر لینا۔ ص ۱۲۴

لوطؑ

لوطؑ کی بستی پر بھی اس طرح پتھر برسے جیسے کوہ آتش فشاں سے پڑتے ہیں۔ یہ قانون قدرت ہے۔ ص ۲۸۹

م

مامور من اللہ

ا۔ مامور من اللہ کا ایک یہ منشاء ہے کہ اُس میں شجاعت ہوتی ہے۔ وہ کبھی پیغام پہنچانے اور اشاعت میں نہیں ڈرتا اور نہ رُکتا ہے۔ ص ۱۱۲-۱۱۳

ب۔ مامور من اللہ کی باتوں کو نہایت توجہ اور غور و فکر سے سُننا چاہیئے۔ نہ سُننے والوں کا بُرا حال ہوتا ہے

اور جو اُن کی باتوں کو توجہ سے سنتے وہ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور سچی نیکی اور اس کے برکات و ثمرات کو پاتے ہیں۔ نہ سُننے اور ہنسی ٹھٹھا کرنے والے محروم رہ جاتے ہیں۔ صـ ۱۴۳-۱۴۲ و صـ ۱۴۹

ج ۔ مامورین اللہ کی صحبت میں رہنے والوں کو ایک حد تک علمِ صحیح اس تعلق کے بارے میں جو خدا اور مامور میں ہوتا ہے دیا جاتا ہے۔ مگر وہ کامل علم جو اس مامور کو دیا جاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ صـ ۲۳۷

د ۔ مامورین اللہ کے مکذبین کو اتمامِ حجت کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ دکھاتا ہے۔ اس لئے اب ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ خاموشی سے آسمانی ہتھیار اور حربے کو دیکھے۔ صـ ۲۳۸-۲۳۷

ھ ۔ مامورِ الٰہی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری کو دُور کرے اور جو اللہ اور اُس کے رسول کے خلاف زندگی بسر کرنیوالے ہیں ان کی پروا نہ کرے اور توجہ نہ دے تو شیطان اس کا قرین ہے اور وہ خدا کی طرف سے اصلاح کیلئے نہیں آیا۔ صـ ۲۷۱

مامورین الٰہی

ا ۔ ان کی فطرت میں سچی ہمدردی رکھی جاتی ہے۔ یہ ہمدردی عوام سے بھی ہوتی ہے اور جماعت سے بھی۔ اس ہمدردی میں ہمارے نبی جو کل دُنیا کیلئے مامور ہو کر آئے تھے سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ لعلک باخع نفسک میں دونوں ہمدردیوں کا ذکر ہے۔ مومن کو کامل مومن بنانے کی فکر بھی شامل ہے۔ صـ ۲۲۲

ب ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے ماموروں کے درمیان دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ مامور اللہ کا رسول ہوتا ہے بعض وقت اللہ تعالیٰ بھی مامور کا رسول بن جاتا ہے اور اس کی تفصیل۔ صـ ۲۲۲

ماں

ماں کی گود کا زمانہ گویا بہشت ہوتا ہے۔ صـ ۴۲۴

مباحثہ جمع مباحثات

ا ۔ ایک مفید اصل۔ سوالات میں تداخل نہ ہو۔ ایک سوال طے ہو جائے تو پھر دوسرا سوال کیا جائے۔ تداخل طعام کی طرح تداخل کلام بھی منع ہے۔ ایسا کرنا درحقیقت مذہبی قمار بازی ہے اور اُس کی تفصیل۔ صـ ۱۱۳

ب ۔ ھدایات (۱) گفتگو کرتے وقت ضروری ہے پہلے مذہب متعین کر لو۔ صـ ۴۱۰

(۲) سوالات پہلے قلمبند ہونے چاہئیں۔ تاکہ ان کے جوابات دیکھ لئے جائیں کیونکہ ہم تو ان بحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں۔ صـ ۴۱۲

متقی

ا ۔ العاقبۃ عند ربک للمتقین اس لئے اُن کی تکالیف و مصائب بھی ان کی ترقیات کا باعث ہوتی ہیں۔ صـ ۲۰۷

ب ۔ متقی کبھی کفر کا دائرہ وسیع کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ ایمان کا دائرہ وسیع کرنا چاہتا ہے۔ صـ ۳۴۱

مجدّدین

ا ۔ ہر صدی کے سر پر مجدّد کے مبعوث کرنیکا خدائی وعدہ

اور یہ کہ اس صدی سے اب انیس برس گذر گئے۔ ص ۹۳

ب۔ مجدد بھیجنے کی غرض۔ تجدید کا قانون روزمرہ دیکھتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجددین کا سلسلہ قائم کیا۔ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاح خلق کے لئے آتا ہے تا صدی کے درمیان میں پیدا ہونیوالی غلطیوں اور بدعتوں کی اصلاح کرے۔ ص ۲۵۴ - ۲۵۵

ج۔ جب دنیا میں ظلمت چھا جاتی ہے۔ مخلوق شیطان ہو جاتی ہے۔ خدا سے تعلق نہیں رہتا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تجدید کے لئے بھیجتا ہے۔ ص ۲۹۸

مچھلی

مچھلی کی ہڈی اگر گلے میں پھنس جائے تو دہی سرکہ ملا کر پلایا جائے تو فوراً نکل آتی ہے۔ ص ۴۰۹

محبتِ الٰہی اور خوف

جس قدر انسان خوف خدا میں ترقی کریگا اُسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی۔ اور جس قدر محبتِ الٰہی میں ترقی کریگا۔ اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف آکر بدیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائیگا۔ ص ۲۹۹

محمدؐ

۱۔ قوتِ قدسی

ل۔ ہمارے ذریعہ جو ہزاروں نشانات ظاہر ہوئے اور پیشگوئیاں پوری ہوئیں وہ آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی اور تاثیر انفاس کے ثمرات ہیں۔ ص ۴۶

(ب) منعم علیہ گروہ کے فیوض و برکات اب بھی ملتے ہیں لیکن آنحضرتؐ کی اتباع سے جو آپؐ کی اتباع کے بدوں ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور کذاب ہے ص ۵۳ و ص ۵۹

(ج) آنحضرتؐ کے فیوض و برکات کا آفتاب ہمیشہ چمکتا ہے۔ اور آپ کی اتباع کے آثار اور ثمرات ہر وقت پائے جاتے ہیں۔ ص ۵۶

۲۔ ہمت و حوصلہ۔ آپؐ کی ہمت اور حوصلہ کا شخص کبھی پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ برخلاف پہلے نبیوں کے آپؐ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لئے نہ تھی۔ ص ۵۷

۳۔ وجہ تسمیہ

ل۔ چونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں اس لئے آپؐ کا نام محمدؐ ہوا۔ محمد وہ ہوتا ہے جس کی زمین و آسمان پر تعریف ہوتی ہے بعض کی صرف آسمان پہ ہوتی ہے ص ۸۳ و ۸۶ و ۸۷

ب۔ آپؐ کو جو پاک گروہ ملا۔ وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کا موسیٰؑ کی قوم اور مسیحؑ کے حواریوں سے مقابلہ۔ میرا مذہب یہی ہے کہ آپ کی سی قوتِ قدسی کسی اور نبی کو نہیں ملی۔ ص ۸۴ و ۸۵

۴۔ اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ نبی کریمؐ کی قوت جذب بہت زبردست تھی۔ اور آپ کی باتوں میں وہ تاثیر تھی کہ جو سنتا گرویدہ ہو جاتا اور اس کے ساتھ آپ کی تعلیم سادہ اور صاف تھی۔ ص ۸۴

۵۔ بڑا معجزہ۔ آپ کا سب سے بڑا معجزہ حیرت انگیز

تبدیلی ہے کہ اہل عرب کی کایا پلٹ دی جو سر سے پیر تک نجاست میں غرق تھے۔ ص ۸۵

۶ - صاحب خلق عظیم

ا - آپؐ جیسے اخلاق کسی اور نبی کے ثابت نہیں کیونکہ ثبوت اخلاق کے لئے اخلاق کے اظہار کے مواقع کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ آپ کی سخاوت اور عفو کی مثال۔ ص ۸۶-۸۷

ب - آپؐ نے یہاں تک اپنے اخلاق دکھائے کہ بعض وقت ایک بیٹے کے لحاظ سے جو سچا مسلمان ہے منافق کا جنازہ پڑھ دیا اور اپنا کُرتہ بھی دے دیا۔ ص ۳۴۵

۷ - محبّت الٰہی

ا - اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا جب تک آپ کے اخلاق اور طرز عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنائے۔ ص ۸۶

ب - محبوب الٰہی بننے کے لئے آپؐ کی اتباع ضروری ہے۔ ص ۸۷

۸ - جذب اور کشش - آپکی بعثت کے وقت آپ کی باتوں کو پوری طرح سُننے والے لوگ اور ان کی گرویدگی کی وجہ دو چیزیں تھیں - حق اور کشش جو ہر مصلح میں ہونی ضروری ہیں۔ ص ۱۴۳-۱۴۴

۹ - دلائل صداقت

پہلی دلیل - آپ کی بعثت عین ضرورت کے وقت ہوئی پادری فنڈر نے میزان الحق میں لکھا ہے۔ اسوقت کے عیسائی بھی بگڑ گئے تھے۔ دیانند نے تسلیم کیا ہے کہ ہندوستان میں بُت پرستی ہو رہی تھی۔ ظهر الفساد فی البر والبحر۔ وحی الٰہی نے آپؐ کو اطلاع دی۔ وقت چاہتا تھا مردے از غیب بیروں آید وکارے بکند۔ ص ۱۴۹-۱۵۱

دوسری دلیل - اپنے فرض کو کامل طور پر ادا کرکے کامیاب و بامراد ہونا۔ ہزارہا مریضوں کو جو مرض کے آخری درجہ پر تھے یا درحقیقت مر ہی چکے تھے انکو اچھا کیا۔ کوئی بدی ایسی نہ تھی جو عرب میں موجود نہ تھی اور اہل عرب کی بدیوں کا ذکر۔ ص ۱۵۲، ص ۱۵۳، ص ۱۵۶

۱۰ - محمدؐ اور مسیح ناصری کا مقابلہ

(ا) ان کے اتباع اور قوت قدسیہ کے لحاظ سے۔

اور یورپین مؤرخوں کا اعتراف کہ صحابہؓ کی اپنے ہادی سے اُنس اور وفاداری کی مثال کسی نبی کے متبعین میں نہیں ملتی۔ اور اس قسم کی وفاداری اطاعت ایثار اور جان نثاری پیدا نہیں ہوسکتی جب تک مقتدا اور متبوع میں اعلیٰ درجہ کی قوّت قدسی اور جذب نہ ہو۔ نہ صرف عربوں کو سچی راستبازی سکھائی بلکہ اُن کی دماغی قوتوں کی بھی تربیت کی۔ نبی کریمؐ کی تربیت اور قرآن کریم کی کامل تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف انکو فرشتے بنا دیا۔ دوسری طرف وہ عقل مجسّم ہوگئے۔ ص ۱۵۶-۱۵۹

(ب) کامل نمونہ اور اظہار اخلاق فاضلہ کے لحاظ سے

آنحضرتؐ کے مقابلہ میں مسیحؑ بالکل ناکامیاب رہے نہ وہ کامل نمونہ تھے کیونکہ تکمیل ایمان کے دو پہلو ہوتے ہیں

ج ۔ بدگو بد باطن مخالف سے اعراض مناسب ہے ص ۲۷۴

د ۔ مخالفین کی کل کتابیں جمع کر کے اُن کے اہم اعتراضات کو یکجا جمع کرنے کے لئے ارشاد تا نزول المسیح میں اُن کا جواب بھی آجاوے ۔ ص ۳۲۸

ھ ۔ ہمارے موجودہ مخالفوں اور آج سے دس برس پہلے کے مخالفوں میں یہ فرق ہے کہ پہلے تو اپنے عقیدوں کو سچے ہی سمجھتے تھے مگر اب محض نفاق سے کہتے ہیں دل میں غلطی تسلیم کر چکے ہیں ص ۴۳۸

مداہنت

مداہنت سے حق نہیں پھیلتا ۔ بلکہ رہی سہی برکت بھی جاتی رہتی ہے ۔ ص ۴۲۰

مدرسہ اور استاد

بچپن میں مدرسہ کی کشمکش یاد رہتی ہے ۔ استاد کی حکومت کے نیچے بھی ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے ص ۴۲۱

مذہب

ا ۔ سچائی کا معیار ۔ دیکھو روحانیت تائیدی نشان اور گناہ کے کیڑوں کو ہلاک کرنے کی قوت کس میں ہے ۔ ص ۳۴

ب ۔ مذہب کی تبدیلی کے دو باعث ص ۹۹

ج ۔ خلاصہ مذہب کا خلاصہ دو ہی باتیں ہیں حقوق اللہ کہ اسے کس طرح ماننا اور اس کی کس طرح عبادت کرنی چاہیئے ۔ حقوق العباد یعنی مخلوق کے ساتھ کیسی ہمدردی اور مواسات چاہیئے ۔ دونوں حقوق کے لحاظ سے آریوں اور عیسائیوں اور اسلامی تعلیم کا مقابلہ ۔ ص ۱۱۹ - ۱۲۵

د ۔ سچے مذہب اور سچے عقیدہ کی شناخت تین نشانوں یعنی نصوص ۔ عقلی اور تائید سماوی سے کی جاتی ہے ۔ ص ۱۱۵ و ۱۲۳ ۔ ۱۲۴ و ص ۳۴۲

ھ ۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مذہب کو قصے اور کہانی نہیں بلکہ ایک سائنس بنا دیا ہے ص ۲۳۵

و ۔ مذہب کے تین جز ہیں اول خداشناسی ۔ دوم مخلوق کے ساتھ تعلق اور اس کے حقوق اور اپنے نفس کے حقوق ۔ اسلام کے سوا سب نے بے اعتدالی کی ہوئی ہے ۔ اس لئے اسلام ہی کامیاب ہوگا ۔ ص ۳۱۲

ز ۔ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ مختلف مذاہب کے لوگ یکجا جمع نہیں ہو سکتے ۔ ص ۳۸۴

ح ۔ سچے مذہب کی شناخت کیلئے ضروری ہے، اول اُس کی تعلیم پاک ہو اور اس تعلیم پر انسان کی عقل اور کانشنس کا کوئی اعتراض نہ ہو ۔ دوم اُس کے ساتھ تائیدات سماویہ کا سلسلہ ایسا وابستہ ہو جس کے ساتھ انسان خدا کو پہچان سکے اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی تعلیم اعلیٰ ہے اور پاک مذہب وہی ہے جو قرآن کا معیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے ۔ ص ۴۲۶ - ۴۲۸

ط ۔ مذاہب باطلہ کے بقا کا باعث یہ ہے کہ تا اسلام کے اصولوں کی خوبی اور حسن ظاہر ہو ۔ ص ۳۱۰

مذہبی دنگل

اب سب مذاہب میدان میں نکل آئے ہیں اور

اس مذہب کشتی میں بمطابق آیت لیظھرہٗ علی الدین
کلہ اسلام ہی غالب آئیگا۔ ص ۴۴۹

مرتدین

ارتداد ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض خبیث فطرت
مرتد ہو جاتے ہیں۔ آنحضرتؐ اور مسیحؑ کے وقت بھی
مرتد ہوئے۔ ص ۴۲۰

مُردوں کو زندہ کرنا

اگر مسیح ناصری محی اموات ہوتے تو ایلیاہ کو کیوں
زندہ نہ کر دیا تا یہود ابتلاء سے بچ جاتے اور خود بھی
ان مشکلات سے بچ جاتے جو نزولِ ایلیا کی تاویل سے
پیش آئیں۔ ص ۱۰۳-۱۰۴

مُردے

مُردوں کی آواز نہیں آتی۔ سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ
اُن کے متعلق کوئی خبر دے خواہ نبی ہو یا صدیق اللہ تعالیٰ
اُن کے اور ان کے اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب
رکھ دیتا ہے فلا انساب بینھم۔ ص ۳۲۱

مرشد

مرشد اور مرید کے تعلقات کی وضاحت۔ استاد
اور شاگرد کی مثال سے اور یہ کہ تعلق کے بعد ہی اپنی
معرفت اور علم کو بڑھانا چاہیئے۔ ص ۱۹۳

مریم

ا۔ حضرت مریم کے یوسف سے نکاح کرنے پر ایسا
اعتراض ہوتا ہے جس کا جواب عیسائیوں کے پاس نہیں
اوّل۔ جب بیت المقدس کی خدمت کرنے اور تامرگ رہنے
اور نکاح نہ کرنیکا عہد کیا گیا تھا تو پھر خدا کی ماں
اور نانی نے اپنے عہد کو کیوں توڑا ؟
دوم جبکہ عیسائیوں کے نزدیک کثرتِ ازدواج زناکاری
ہے تو یوسف کی پہلی بیوی موجود تھی اور مریم دوسری
بیوی تھی تو یہ الزام اس مقدس کنواری پر قائم کرتے ہیں
سوئم جبکہ حمل ہو چکا تھا تو پھر حمل میں کیوں نکاح پڑھا
گیا۔ اور اس کی تفصیل۔ ص ۱۶۸ - ۱۶۹
ب۔ مسلمانوں کا حضرت مریم کو ساری عمر بتول ٹھہرانا کہ
انہوں نے نکاح نہیں کیا بڑی غلطی ہے اور والتی
احصنت فرجھا سے انکا استدلال غلط ہے
اس کے معنے یہ ہیں کہ زنا سے محفوظ رکھا والمحصنت
من النساء بھی فرمایا ہے۔ ص ۳۷۸

مسجد

ایک شخص کے سوال پر کہ اس نے اپنے مکان کا ایک
حصہ مسجد بنایا تھا۔ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ فرمایا اسکو
مکان میں ملا لیا جائے۔ ص ۴۱۲
مسجد مبارک کے متعلق الہام۔ من دخلہ
کان اٰمنا۔ ص ۴۱۸

مسح

جن کا مسح خدا کے ہاتھوں سے نہیں ہوتا وہ خدا سے
دُور اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ ص ۱۹

مسلمان

ا۔ ایمانی درجوں کا آخری نقطہ۔ مخلص مسلمان اور
سچے مومن اور ترقیوں اور ایمانی درجوں کا آخری نقطہ
تو یہی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کا سچا متبع ہو اور آپؐ کے
تمام اخلاق کو حاصل کرے۔ ص ۸۷

۲۔ رسمی اعمال موجودہ مسلمانوں کے اعمال چونکہ محض رسوم کے طور پر ریاکاری اور نفاق کے پردوں میں کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اُن کی برکات کا کوئی اثر نہیں۔ ص۸۸

۳۔ مسلمانوں میں بدعات۔ سُنا ہے غوث علی پانی پتی کے ہاں شاکت مت کا ایک منتر رکھا ہوا ہے۔ جس کا وظیفہ کیا جاتا ہے گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا اُن کے مکانات کا طواف کرنا بالکل معمولی اور عام باتیں ہیں۔ اسی طرح اجمیر اور دوسری خانقاہوں پر ننگے سر اور ننگے پیر جانا۔ پاکپٹن کی کھڑکی میں سے گذر جانا ہی نجات کے لئے کافی سمجھنا وغیرہ ص۹۱-۹۲

۴۔ مسلمان کون ہے؟ وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے وقف کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی اور اعمال کی پاداش یا جزا کی بنا آئندہ جزا سزا پر نہ ہو۔ ص۱۸۲-۱۸۳

۵۔ مسلمانوں کیلئے باعث فخر باتیں

أ۔ ان کا خدا پتھر درخت حیوان ستارہ یا کوئی مُردہ انسان نہیں قادر مطلق خدا ہے۔

ب۔ ان کا رسول وہ ہے جس کی نبوت قیامت تک دراز ہے۔ دعوت کل دنیا کیلئے ہے۔ آپکی رسالت مردہ رسالت نہیں بلکہ اسکے ثمرات و برکات ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں۔ اسوقت بھی مسیح موعود کو بھیجکر خدا نے ان فیوض برکات کو جاری کیا ہے۔

ج۔ کتاب دی تو ایسی محکم اور یقینی جو لاریب فیہ اور فیھا کتب قیمہ کی مصداق ہے۔ غرض ہر طرح سے کامل اور مکمل دین مسلمانوں کا ہے۔ ص۱۸۶-۱۸۷

۶ مسلمانوں کی جہالت۔ فتح محمد ایک شخص کی بڑھیا چچی کا یہ معلوم کرنے پر کہ محمدؐ مرد تھے کہنا کہ پھر میں کیا اتنی عمر تک بیگانے مرد کا نام لیتی رہی ص۲۲۸

۷۔ مسلمانوں کے عقائد حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آسمان پر بیٹھے ہیں۔ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خالق اور عالم الغیب مانتے ہیں۔ متوفیک کا لفظ سب کے لئے تو موت کے معنوں میں آتا ہے مگر جب مسیح کیلئے آئے تو کہتے ہیں جسم سمیت آسمان پر اٹھانا وغیرہ ص۲۵۵

مسیحؑ

یہ لفظ مشیحو ہے جس کے معنے خلیفہ کے ہیں عربی عبرانی حدیثوں میں اور قرآن میں خلیفہ لکھا ہے لہذا وہی خاتم الخلفاء ہے۔ ص۱۹۶

مسیح موعود

۱۔ غرض بعثت

(ا) سب نبیوں کی مشترک غرض خدا تعالیٰ کو دکھانا گناہ سے بچنے کی طرف راہبری کرنا ہے۔ ص۱۱ و ص۲۱، ص۳۱، ص۳۳

(ب) تمہاری بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک کی کہ رسول اللہؐ کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بُت کو توڑ کر نیست و نابود کرے۔ اسی

کام کے خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے ص ۹۱

(ج) خدا نے مجھے اس لئے مامور کرکے بھیجا ہے کہ

(۱) میرے نشانات کی نظیر تو پیش کرو۔ ڈگلس والے مقدمہ کا ذکر۔

(۲) جماعت کے لحاظ سے دیکھا جاوے تو مسیح ناکام اٹھا۔

مولوی عبدالرحمٰن خان کابلی کی شہادت کا ذکر۔ ص ۱۳۴-۱۳۵

(د) جیسے مسیح موسیٰ سے چودھویں صدی میں آئے تا موسوی جنگوں کے اعتراض کو اپنی تعلیم سے دُور کریں۔ اسی طرح اس امت کے لئے چودھویں صدی پر مسیح موعود مبعوث کیا گیا تا اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ جہاد کے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ ثابت کردے کہ اسلام تلوار سے ہرگز نہیں بلکہ اپنے حقائق و معارف کی وجہ سے پھیلا ہے ص ۱۴۰ و ۱۷۶

(ہ) خدا نے مجھے اس صدی پر مامور کرکے بھیجا تاکہ اسلام کو زندہ کروں۔ ص ۱۴۵

(و) اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کل ملتوں پر غالب کرنے کے لئے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے۔ ص ۱۷۶ و ۱۷۷

(ز) میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد کو اور قصص قرآن کو علمی رنگ میں ظاہر کروں۔ ص ۲۲۵

(ح) ہمارا اصل مدعا اور منشا آنحضرتؐ کا جلال ظاہر کرنا اور آپ کی عظمت قائم کرنا ہے ص ۲۶۹ و ۲۷۵

(ط) ان غلطیوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہوں جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہوگئی ہیں اور اُن کی تفصیل۔ ص ۲۵۱-۲۵۲

(ی) غلطیوں کو دُور کرنے اور اسلام کا حقیقی چہرہ دکھلانے اور شرک اور مردہ کی پرستش کو دُور کرنے کے لئے آنحضرتؐ کا بروزی طور پر ظہور ہؤا اور مسیح کے مقابلہ میں آپ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی غیرت نے احمدؐ کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیا۔ ص ۲۵۵

۲- مسیح موعود اور خارق عادت امور

اگر کوئی طالب صادق ہو اور اس میں شتابکاری اور بدظنی کی قوت بڑھی ہوئی نہ ہو تو نہ یہ کہ میں خارق عادت امور کا زبردست ثبوت دے سکتا ہوں بلکہ میں اُسے مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔ ص ۱۹

۳- تاثیر صحبت- جو لوگ صدق دل اور اخلاص صحت نیت اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صحبت میں رہیں تو یقیناً خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کی چمکار سے اُن کی اندرونی تاریکیوں کو دُور کردیگا۔ اور انہیں ایک نئی معرفت اور نیا یقین خدا پر پیدا ہوگا (بلکہ وہ خدا کو دیکھ لینگے) ص ۲۰-۲۱ و ۳۱

۴- ثمرات و برکات- قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریمؐ کی سچی اتباع سے ملتے ہیں ہم اب بھی پاتے ہیں۔

اور دوسرے مذاہب کو دعوت کہ وہ اپنی صداقت کا عملی ثبوت پیش کریں۔ ص ۳۸

۵ - سیرت مسیح موعودؑ

(ل) جوشِ تبلیغ (۱) مسیح موعودؑ کا نہر کے پل تک ایک انگریز مسٹر ڈکسن سیاح کے ساتھ سفر کرتے کرتے پہنچنا۔ حاشیہ ص ۳۴

(۲) جوشِ تبلیغ اور آپ کی شفقت و ہمدردی کہ کوئی رُوح ہلاکت سے بچ جائے۔ سراج الدین عیسائی کو رخصت کرنے کیلئے آپ کا تین میل تک مشایعت کرنا۔ ص ۱۱۱

(۳) ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بگھر پھر کر خدا تعالےٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھادے تو ہم خود پھر کر تبلیغ کریں اور اس تبلیغ میں زندگی ختم کردیں خواہ مارے ہی جاویں۔ ص ۲۹۰-۲۹۲

(ب) مخالفت۔ ہمیں جو کچھ اپنے مخالفوں سے سُننا پڑا یہ اسی سنت کے مطابق ہے جو انبیاء کے ساتھ چلی آتی ہے۔ ہم اس سے الگ کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ ص ۷۴

(ج) مہمان نوازی

(۱) عبدالحق (طالب حق عیسائی) سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اور بے تکلف مہمان ہی آرام پا سکتا ہے پس جس قسم کی ضرورت ہو مجھے بلا تکلف کہدیں اور جماعت کے دوستوں کو بھی تاکید کردی کہ یہ مہمان ہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو ص ۱۱۲ و ص ۱۲۶

(۲) ایک ہندو فقیر کوٹ کپورہ سے آیا۔ فرمایا۔ یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا بہت جلد انتظام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا جو اُسے ایک ہندو کے گھر کھانے کیلئے لیگیا۔ ص ۴۰۹

(د) حق ماموریت

(۱) خدا نے مجھے مامور کرکے بھیجا ہے۔ میں اظہارِ حق کرونگا اور مخلوق کو پہنچاؤنگا۔ مجھے پرواہ نہیں کوئی شہرت پسند کہے یا کچھ اَور۔ مامور کا یہ نشان ہے کہ اس میں ایک شجاعت ہوتی ہے وہ اشاعت حق سے نہیں رُکتا اور نہیں ڈرتا۔ ص ۱۱۲-۱۱۳

(۲) عیسائیوں اور آریوں اور مشائخ پیرزادوں اور مولویوں اور دوسرے سب لوگوں کی غلطیوں اور بداعتقادیوں کی برملا تردید کی گئی اس لئے سب مخالف ہوگئے۔ ص ۲۵۶-۲۵۷

(۳) مخالفوں کی طرف سے ہمارے حصّہ میں تو گالیاں ہی آئی ہیں۔ ص ۳۷۸

(۴) شیخ عبدالرشید میرٹھی نے ضمیمہ شحنہ ہند کے ایک توہین آمیز مضمون پر بذریعہ عدالت نوٹس لینے کے ارادہ کے اظہار پر فرمایا۔ ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ ص ۳۹۰

(ھ) گالیاں دینے والے دشمنوں کو جواب۔

اشتہاروں میں خطوط میں جن کا بعض وقت مجھے محصول بھی دینا پڑتا ہے اور کھلے لفافوں پر گالیاں لکھ کر بھیجتے ہیں۔ نبیوں کے ساتھ ناشکروں نے یہی سلوک کیا۔ مَیں تو بنی نوع انسان کا حقیقی خیر خواہ ہوں۔ جو مجھے دشمن سمجھتا ہے وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ ص ۱۲۶

(و) دشمن سے خیر خواہی۔ مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ مَیں تو نوع انسان اور اپنے دشمن کا بھی سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں۔ ص ۱۴۱ و ص ۱۹۵

(ز) دشمنوں کیلئے دُعا۔ میں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو اور مَیں تمہیں بھی یہی سکھاتا ہوں۔ ص ۹۷

(ح) اللہ تعالیٰ سے محبت اور اسکی عبادت۔ اگر مجھے یقین دلایا جائے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائیگی تو مَیں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اِن تکلیفوں اور بلاؤں کو ایک لذت اور محبت کے جوش وخروش کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ ص ۱۸۲

(ط) سوالات سے نہ اُکتانا۔ فرمایا۔ مَیں تھکتا نہیں خواہ کوئی ایک سال تک پوچھتا رہے۔ ص ۱۹۹

(ی) قرآن سُننا۔ حضرت مسیح موعودؑ کا ایک قاری سے قرآن سُننا۔ ص ۳۱۵

(ک) بیمار کی عیادت۔ ایک بیمار کی درخواست پر قادیان میں جو پاؤں کے متورم ہونیکی وجہ سے حضور کی زیارت نہیں کر سکتا تھا۔ حضور کا اس کے مکان پر جا کر عیادت کیلئے تشریف لے جانا۔ اور اس کی درخواستِ دُعا پر فلسفہ دُعا کا بیان کرنا۔ ص ۳۱۷-۳۱۸

(ل) گوشہ نشینی۔ میری اپنی مرضی ہوتی تو مَیں تخلیہ کو پسند کرتا تھا مگر مَیں کیا کر سکتا تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے ہی ایسا پسند کیا۔ مقابلہ کرنے والے سمجھ لیں گے کہ وہ مجھ سے نہیں خدا سے مقابلہ کر رہے ہیں جس سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ص ۲۱۴

۶۔ ہمارا مقابلہ دراصل آنحضرتؐ کا مقابلہ ہے کیونکہ آیت وآخرین منھم لما یلحقوا بھم کے مطابق اللہ تعالیٰ صحابہؓ کی طرح بنانا چاہتا ہے۔ دراس کی اصل غرض یہ ہے تا قرآن شریف کا معجزہ ثابت ہو۔ ص ۵۶

۷۔ زمانہ اجتماعات۔ مسیح موعود کے ساتھ جلالی وجمالی اجتماع وابستہ ہیں۔ مسیح موعود کی قسمت میں بہت سے اجتماع رکھے ہیں۔ کسوف وخسوف کا اجتماع۔ سب دینوں کو ایک دین پر جمع کرنا تبلیغ کے سامانوں کا اجتماع۔ پیدائش اور نسب میں۔ اور جمع بین الصلوتین وغیرہ۔ ان تمام جمعوں کو خدا نے مصلحتِ عظیمہ کے ماتحت جمع کیا ہے۔ ص ۶۹-۷۰

۸۔ دو زرد چادروں میں نزول۔ مسیح موعود کے دو زرد چادروں میں نزول سے مراد دو بیماریاں

ہیں ضعفِ دماغ کی بیماری اور پیشاب کی بیماری۔
ص ۶۹

۹ - <u>حکم و عدل</u> مسیح موعود ہی حکم و عدل ہے۔ حکم مان کر تمام زبانیں بند کرنی چاہئیں۔ جب تک ایسا نہ کرو گے وہ ایمان پیدا نہیں ہو سکتا جو خدا چاہتا ہے۔ ص ۷۲-۷۴ نیز دیکھو "حکم و عدل"

۱۰ - <u>دلائل صداقت</u>

(ا) مسیح موعود کے خلاف علماء سوء کے فتوے اس کی صداقت کی دلیل ہیں۔ حجج الکرامہ اور ابن عربیؒ اور مجدد صاحب سرہندیؒ کے اقوال کا ذکر۔
ص ۷۴ و ص ۷۵

(ب) مجھے انہیں کے آثار اور نشانات کے ساتھ شناخت کرو جو خدا کی طرف سے آتے ہیں۔ (۱) وہ خدا کے حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کرتے محکم ہدایات سے کر آتے ہیں۔ (۲) ضرورت کے وقت آتے ہیں۔ (۳) تائید الٰہی ساتھ رکھتے ہیں
ص ۳۴۱

(ج) ضرورت زمانہ اور ضعف و غربتِ اسلام اور فتنۂ مسیحیت کا ذکر۔ ص ۳۶۳

(د) خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کی صداقت کے لئے چار قسم کے ثبوت دیئے ہیں:-

۱ - نصوصِ قرآنیہ و حدیثیہ
۲ - آیاتِ ارضیہ و سماویہ
۳ - ضرورت مشہودہ و محسوسہ
۴ - دلائلِ عقلیہ ص ۴۴۱

۱۱ - <u>نشانات</u>

(ا) مجھے استجابت دعا کا نشان دیا گیا ہے۔ مباہلہ کے لئے دعوت۔ قرآن کے حقائق معارف کا نشان۔ پھر الہام ینصرک اللہ فی مواطن کے مطابق ہر میدان میں کامیاب ہوا اور جماعت کی ترقی کا نشان۔ ص ۷۶

(ب) اللہ تعالیٰ نے بہت سے نشانات دکھائے اگر حروف تہجی کے طور پر نقشہ تیار کیا جائے تو کوئی حرف باقی نہ رہیگا جس کے تحت کئی نشان نہ آئیں ص ۷۷ و ص ۳۵۳-۳۶۴

۱۲ - <u>آپ کی پیروی کی برکات</u>۔ جس راہ کی طرف میں بلاتا ہوں۔ یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر غوثیت اور قطبیت ملتی اور بڑے بڑے انعامات الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور مجھے قبول کرنیوالوں کی دین و دنیا بھی اچھی ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ اُمیت سے نکال کر خود قوت بیان عطا کریگا اور وہ منکروں پر غالب ہونگے۔ ص ۷۷

۱۳ - <u>عیسائی مذہب پر اتمام حجت کے لئے دعا میں مقابلہ کا چیلنج</u>

اگر یسوع مسیح زندہ خدا ہے اور اُنکی دعائیں قبول کرتا ہے تو کسی پادری یا راہب کو میرے مقابلہ پر پیش کرو۔ وہ یسوع مسیح سے مدد پاکر کوئی خارق عادت نشان دکھلائے۔ میں میدان میں کھڑا ہوں میں اپنے خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں پکار کر کہتا ہوں مسیح کو مجھ پر زیادت نہیں کیونکہ میں نورِ محمدی کا قائم مقام ہوں۔ یہ نور اور زندگی عیسائیوں میں

نہیں۔ یہ حق اور زندگی میرے پاس ہے۔ ۲۶ برس سے اشتہار دے رہا ہوں۔ سولہ ہزار اشتہار انگریزی اردو میں چھاپ کر شائع کئے مگر ایک پادری بھی مقابلہ پر نہ اٹھا۔ ص ۱۲۴-۱۲۵

۱۴۔ زمانہ تکمیل اشاعت ہدایت مسیح موعود کا زمانہ ہے اور آیت لیظھرہٗ علی الدین کلہ کی صورت میں جو اتمام نعمت ہے وہ بھی عظیم الشان جمعہ ہے۔ وہ جمعہ اب آگیا ہے کیونکہ وہ جمعہ مسیح موعود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اور اس میں مطابق پیشگوئی واٰخرین منھم رسولؐ اللہ کا بروزی رنگ میں ظہور ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ ص ۱۸۳-۱۸۴

۱۵۔ مسیح موعود اور دوسرے انبیاء

(ل) اسوقت وہی خدا جو آدمؑ پر ظاہر ہوا تھا اور دوسرے نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا وہی مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ ص ۱۹۸

(ب) تمام صفات میں ظلّ النبیؐ۔ رسول کریم صلعم جامع جمیع کمالات انبیاء تھے۔ پہلے تمام انبیاء ظلّ تھے نبی کریمؐ کے خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریمؐ کے ظلّ ہیں اور وہ سارے کمالات حضرت رسول کریمؐ کے ظلّی طور پر ہمیں عطا کئے گئے اس لئے انبیاء کے نام ہمیں دیئے گئے۔ مولانا رومؒ کا شعر ؎

نام احمد نام جملہ انبیاء ست

ص ۲۷۰ و ۳۶۵-۳۶۶

۱۶۔ افضلیت مسیح موعود پر مخالفین کے حضرت مسیحؑ اور امام حسینؓ سے اپنے آپ کو افضل قرار دینے پر اعتراض کا جواب ص ۲۸۴-۲۸۷

۱۷۔ اپنے فضائل ومحامد سے متعلق حلفیہ بیان۔ میری نسبت جسقدر تعریفی کلمات اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں یہ بھی دراصل آنحضرتؐ کی طرف راجع ہیں۔ اس لئے کہ میں آپؐ کا ہی غلام ہوں اور آپ ہی کی مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں۔ ص ۲۸۷

۱۸۔ خدا کی قدرت پر ایمان۔ فرمایا صادق بندہ کو خدا کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کی طرح ہم کو اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالےٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے آگ میں ڈالا جاوے۔ ایک آگ نہیں ہزار آگ بھی ہو تو جلا نہیں سکیگی۔ اگر کوئی شخص اس بنا پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالیں تو وہ کھا نہ سکینگے اسی طرح اگر کفار آنحضرتؐ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے تو وہ ہرگز آپ کو جلا نہ سکتی۔ ص ۲۹۰-۲۹۱

۱۹۔ مسیح موعودؑ اور عربی تحریر

دیکھو زیر "عربی"

۲۰۔ کتاب نزول المسیحؑ سے متعلق ارشاد

کتاب نزول المسیح کو جامع کتاب بنانیکا ارادہ۔ اور خواہش کہ اگر چند احباب میری کتابوں کے مضامین

کی فہرست بنا دیں تاکہ معلوم ہو کہ کون کون سے مضامین اس میں آچکے ہیں۔ ص ۳۲۵

۲۱۔ مسیح موعود اور مسیح ناصری

(الف) میں مسیح ابن مریم کو رسول اور اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کا فضل مجھ پر اس سے بہت زیادہ ہے اور جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے اس کے کام سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔ میں نے اُسے بارہا دیکھا اور ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا ص ۳۳۰

(ب) میں خدا سے ہوں اور مسیح مجھ سے ہے ص ۳۳۰

(ج) الوہیت مسیح کے عقیدہ کے پیش نظر غیرت الٰہی نے آپ کو مسیح ابن مریم سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور مسیح موعود اس کا نام رکھا اور مسیح موعود کا مسیح ابن مریم سے افضل ہونا یہود و نصاریٰ کے مسلّمات سے ہے کیونکہ اس کی دوسری آمد کو جلالی مانتے ہیں۔ اور اگر کسی مسیحی کو شک ہو تو وہ آپ کے نشانات کا مسیح ناصری کے نشانات سے مقابلہ کرے۔ ص ۳۶۳

(د) مسیح موعود اپنی دعوت اور بعثت کے لحاظ سے محمدی کمالات کا جامع ہے اس لئے مسیح ناصری سے افضل ہے۔ ص ۳۶۵-۳۶۶

(ھ) مسیح محمدی کی مسیح موسوی سے یعنی ابن مریم پر فضیلت کا ذکر اور اسکے وجوہات۔ ص ۳۷۹-۳۸۰

۲۲۔ نقشوں کی صورت میں دعاوی اور دلائل کو چھاپنے کی تجویز۔ فرمایا کہ تین قسم کے ترتیب شدہ نقشوں کی صورت میں چھاپے جائیں۔ ایک نقشہ حروفِ تہجی کی ترتیب پر نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کا جو ہمارے مؤید ہیں۔ دوسرا نقشہ عقلی اور قانونِ قدرت کے شواہد کا۔ تیسرا نقشہ نشانات و تائیداتِ سماویہ کا۔ ص ۳۵۳

۲۳۔ مسیح موعود اور وبا۔ مسیح موعود کے وقت عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک وبا کا پھیلنا مسلّم ہے۔ ہندو بھی مانتے ہیں۔ اسی لئے آخری دنوں میں آنے والے کا نام رودر گوپال ہوگا۔ ص ۳۸۵

۲۴۔ مسیح موعود اور انجیل۔ اس سوال کا جواب کہ جھوٹے مسیح اور نبی آنیکا جو ذکر ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا۔ انجیل میں کہیں چور کی طرح آنا لکھا ہے۔ کہیں دن میں کیا اس کا نام منافق بھی ہے۔ ان کے اپنے حسابات کی رُو سے سچے مسیح کا بھی وقت گذر گیا۔ ص ۳۹۳

۲۵۔ مسیح موعود اور نواب صدیق حسن خان

نواب صاحب نے لکھا ہے کہ تمام کشوف اور الہام جو مسیح کے متعلق ہیں وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے۔ ص ۳۹۴

۲۶۔ مسیح موعود کا نام قرآن میں۔

اس اعتراض کے جواب میں کہ مرزا صاحب

کا نام قرآن میں دکھاؤ۔ فرمایا۔ میرا نام الہامات میں احمد محمد عیسیٰ داؤد سلیمان وغیرہ مذکور ہیں یہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ پھر جری اللہ فی حلل الانبیاء الہام میں سب نبیوں کے نام میرے رکھے ہیں ص۴۱۱

۲۷۔ عیسائیوں کے مباحثات۔ پندرہ برس کا تھا جبکہ ان کے اور میرے درمیان مباحثات شروع ہیں۔ ان کے پاس صرف اعتراض ہی اعتراض ہیں ص۴۳۰

۲۸۔ دعویٰ مسیح موعود کا دعویٰ خدا سے ہمکلام اور خوارق اور معجزات دکھانے کا۔ ص۴۳۲

۲۹۔ مسیح موعود کا زمانہ۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے اور کوئی کشف اور الہام چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتا۔ عیسائی قومیں بھی یہی زمانہ مانتی ہیں اور مقررہ علامات و نشانات یاجوج و ماجوج اور دجال وغیرہ پورے ہو گئے ہیں ص۴۵۱-۴۵۲

مسیح ناصری

۱۔ صلیب پر نہیں مرے

(ا) کیونکہ ۱۲۰ برس عمر پائی اور کشمیر میں آکر وفات پائی۔ ان کی قبر محلہ خانیار میں یوز آسف یا شہزادہ نبی کے نام سے مشہور ہے۔ ص۱۰۷

(ب) انجیل سے دلائل کہ مسیح صلیب پر نہیں مرے ص۱۰۷-۱۰۸

(ج) مرہم عیسیٰ کا ذکر ص۱۰۸

(د) مسیح ناصری کا آسمان پر جانا جس عورت کی شہادت پر مانتے ہیں وہ خود ایک شریف اور اچھے چال چلن کی عورت نہ تھی۔ ص۱۰۸

۲۔ یہود اور عیسائیوں کی افراط و تفریط۔ عیسائیوں نے خدا بنا لیا اور پھر یہاں تک اُسے گرایا کہ اُسے ملعون بنایا اور ہاویہ میں گرایا۔ یہودیوں نے تفریط کی کہ اُسے ولد الزنا قرار دیا اور مریم پر بہتان لگایا دونوں قوموں کی غلطیوں کی قرآن شریف نے اصلاح کی۔ یہی افراط اور تفریط اس زمانہ میں بھی ہوئی اور خدا نے مجھے بھیجا کہ میں ان کی اصل عزت کو قائم کروں مسلمانوں نے ناواقفی سے انہیں انسانی صفات سے بڑھ کر قرار دینے میں غلطی کی اور ان کی موت کے راز سے ناواقف ہیں۔ عیسائی مصلوب قرار دیکر ملعون بناتے ہیں پس وقت آیا ہے کہ مسیح پر سے یہ الزام دُور کئے جائیں۔ ص۱۱۰-۱۱۱

۳۔ ابطال الوہیت مسیح

(ا) مسیح کی خدائی کا ثبوت نہ معجزات ہیں اور نہ ان کی پیشگوئیاں۔ ص۱۳۲-۱۳۳

(ب) مسیح کی پیشگوئیوں کو اگر میری پیشگوئیوں کے مقابلے میں قوت ثبوت اور تعداد میں بڑھ کر ثابت کر دیں تو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا اشتہار دیا تھا مگر کسی عیسائی نے ایسا ثابت نہ کیا۔ ان کی پرانی پیشگوئیاں تو معمولی ہیں۔ ص۱۱۸ و ص۱۷۴

(ج) مسیح کی زندگی پوری ناکامی اور نامرادی کی تصویر ہے آج زندہ ہوتے تو ان نشانات کو دیکھ کر جو اِس مسیح کے ہاتھ پر صادر ہوئے انہیں شرمندہ ہونا پڑتا۔ ص۱۳۳

(د) یسوع مسیح ضعف ناتوانی بےکسی اور نامرادی

کی سچی تصویر ہے۔ ص ۱۳۹

۴۔ مسیح ناصری پر یہود کے اعتراضات

(ا) یسوع ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔ اپنے استاد کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتا تھا اُس کے استاد نے اُسے عاق کر دیا۔

(ب) نامحرم نوجوان عورتوں سے ملتا۔ ایک بازاری عورت سے عطر ملواتا۔

(ج) اور اس کی نسب میں بعض دادیوں اور نانیوں کا کسبی عورتیں ہونا۔

(د) پہلے داؤد کا تخت قائم کرنے کے لئے کپڑے بیچکر بھی شاگردوں کو تلواریں خریدنے کا حکم دیا جب کام نہ چلا تو کہدیا کہ آسمانی بادشاہت مراد ہے۔ ص ۱۲۷-۱۲۸

۵۔ معجزات مسیح کے معجزات کی حقیقت سلب امراض سے کچھ بھی بڑھی ہوئی نہ تھی اور مصروع اور اکمہ کو اچھا کرنے کا ذکر۔ ص ۱۲۹

۶۔ قرآن کا احسان مسیح پر۔ انجیل کی رُو سے اُسے سر رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ اگرچہ ہمارا عقیدہ یہ نہیں کہ ہم خدا کے ایک نبی اور مامور کی نسبت یہ گمان کریں کہ وہ ایسا ذلیل اور مفلوک الحال تھا۔ مگر پھر بھی انجیلی تعلیم کے خلاف اُس کا فریسیوں اور فقیہوں کو گالیاں دینا ثابت ہے۔ اگر قرآن شریف اور ہمارے نبیؐ نہ آئے ہوتے تو مسیح کی خدائی اور نبوت تو ایک طرف انہیں کوئی عامی خیال اور وسیع الاخلاق انسان ماننے میں بھی تامل کرتا۔ پس یہ قرآن شریف اور آنحضرتؐ کا احسان عام ہے تمام نبیوں پر اور خصوصاً مسیحؑ پر کہ آپ نے اُن کی نبوت کا ثبوت خود دیا۔ ص ۱۶۳-۱۶۴

۷۔ حیاتِ مسیح۔ یہ بات کہ مسیح زندہ آسمان پر گیا اس زمانہ میں کوئی مان نہیں سکتا۔ جب کہ دلائل قطعیہ سے اُسکی موت ثابت ہوگئی ہے۔ ص ۱۹۸

۸۔ معصومیت مسیح کا ذکر قرآن و حدیث میں

قرآن و حدیث میں اس کی معصومیت کے ذکر سے یہود کے الزامات اور بہتانات کا ذب مقصود ہے۔ ص ۲۷۱

۹۔ قبر مسیح کی اشاعت یورپ میں۔ یورپ اور دوسرے ملکوں میں ایک مختصر اشتہار شائع کرنے کی تجویز جو چھوٹے سے صفحہ کا ہو جس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیحؑ کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعاتِ صحیحہ کی بنا پر ثابت ہوگئی ہے۔ ص ۲۹۲

۱۰۔ آسمان پر نہیں گئے۔ آسمان پر جانے کی ضرورت عقل تین طور پر تجویز کر سکتی ہے (۱) صلیب کی لعنت سے بچنے کیلئے اور اسکے لئے رفع سے پہلے موت کا ہونا ضروری ہے (۲) یہ کہ مسیح کوئی نشان دکھانا چاہتے تھے۔ مگر یہ نشان یہود نے نہ دیکھا (۳) یہ کہ اُن کی غرض فرار کی تھی یہ زمین پر ہو سکتی تھی۔ ص ۳۶۶-۳۶۸

۱۱۔ سلب امراض۔ علاج کی چار صورتیں۔ دوا سے۔ غذا سے۔ عمل سے اور پرہیز سے۔ پانچویں قسم توجہ ہے اس میں کافر و مومن کا امتیاز نہیں مسیحؑ ناصری

توجہ سے سلب امراض کرتے تھے ۔ ص ۳۶۸

۱۲ ۔ بن باپ ہونا اور مریم کی دوسری اولاد
ہم بہت سی تحریروں میں لکھ چکے ہیں کہ ہم مسیحؑ کو بن باپ پیدا ہوا مانتے ہیں ۔ اور ہمارا یہی مذہب ہے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے ۔ مریم سے یوسف کے نکاح کے بعد بھی اولاد ہوئی ۔ اس کا ہم نے ذکر کیا ہے ۔ ص ۳۷۷ - ۳۷۸

۱۳ ۔ آیۃ اللہ ہونا مسیح ناصری کے آیۃ اللہ ہونے میں خصوصیت نہیں ۔ جو خدا کی طرف سے آتا ہے وہ آیۃ اللہ ہی ہوتا ہے ۔ عزیر بھی آیۃ اللہ تھے مجھے بھی براہین میں لنجعلک آیۃ فرمایا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیۃ اللہ تھے ۔ ص ۳۷۸

معجزہ

ا ۔ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اُس کے برگزیدہ رسولوں پر نازل ہوتا ہے وہ معجزہ ہوتا ہے ۔ ص ۳۵

ب ۔ انجیل میں ایک تالاب کا ذکر ہے جس میں غسل کرنے سے بیمار شفا پاتے ۔ بعض کنوؤں اور چشموں میں ایسی تاثیریں ہوتی ہیں ۔ ص ۱۱۸ و ص ۱۴۳

ج ۔ پادری عماد الدین نے تالاب کے قصہ کو الحاقی قرار دیا ہے ۔ ص ۱۴۲

د ۔ ہر نبی کو اس کے زمانہ کے مناسب حال معجزہ دیا جاتا ہے ۔ بطور مثال موسیٰؑ آنحضرتؐ اور مسیحؑ کے معجزات کا ذکر ۔ ص ۱۴۲ - ۱۴۴

ہ ۔ معجزات وہی ہوتے ہیں جن کی نظیر لانے سے دوسرے عاجز ہوں ۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ حد بندی کرے کہ ایسا یا ویسا ہونا چاہیئے اس میں ضروری ہے کہ بعض پہلو اخفاء کے بھی ہوں ۔ کیونکہ نشانات سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اس میں عرفانی رنگ پیدا ہو ۔ ص ۲۰۹

معراج

معراج میں بنی اسرائیل کے انبیاء کو مختلف آسمانوں پر آنحضرتؐ کے دیکھنے سے بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ زمانی طور پر بتایا ہے ۔ ص ۲۳۴

معرفت الٰہیہ

ا ۔ تمام سعادتمندیوں کا مدار اور نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی اور گناہوں کا صرف ایک علاج معرفتِ الٰہیہ ہے ص ۴

ب ۔ سچی معرفت یا یقین کے خواہشمند کو کونوا مع الصادقین سے حصہ لینا چاہیئے ۔ ص ۵

نیز دیکھو زیر "صادق"

ج ۔ معرفت کے حصول کے لئے خداشناس ہونا ضروری ہے ۔ اور خداشناسی کے حصول کے لئے خدا نما انسان کی مجلس میں صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ کافی مدت تک رہنا ضروری ہے ۔ ص ۳۰ - ۳۱

د ۔ معرفتِ الٰہیہ کے دقیق اسرار معلوم کرنے کے واسطے خاص قویٰ ہیں ۔ وہی اُن پر اطلاع دے سکتے ہیں یہ قویٰ سب کو دیئے گئے ہیں لیکن ان سے کام لینے والے بہت تھوڑے ہیں ۔ ص ۳۰ - ۳۱

ھ ۔ سچی معرفت ہر ایک طالب حق کو جو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہے مل سکتی ہے۔ یہ کسی کے لئے خاص نہیں ۔ ص ۳۲

و ۔ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے اسلام میں ملتی ہے ص ۳۴

مکالمۂ الٰہیہ

اُمّت مکالمۂ الٰہیہ کا ثبوت مندرجہ ذیل آیات سے لھم البشرٰی فی الحیاۃ الدنیا۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

جب آنحضرت صلعم کی کامل اتباع اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک محبوب اپنے محبّ سے کلام نہ کرے جبکہ کلام نہ کرنا باطل معبودوں کے لئے خدا تعالیٰ نے نقص ٹھہراتا ہے ۔ ص ۵۵-۵۶

ملعون

ملعون وہ شخص ہوتا ہے جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ خدا سے دُور ہو۔ لعین شیطان کا نام ہے ۔ ص ۱۱۰ ، ص ۱۶۷ ، ص ۱۹۸

ملہم من اللہ

ملہم من اللہ اور حکیم اور فلاسفر میں خدا پر ایمان رکھنے کے لحاظ سے فرق ۔ دیکھو زیر "اللہ"

منافق

منافق کا کام ہے کہ آسان اور چھوٹے امور کو بجا لاتا ہے اور مشکل کو چھوڑتا ہے ۔ ص ۴۷

موت

ا ۔ موت سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے۔ وہ قریب ہی قریب ہے۔ نفس دھوکا دیتا ہے کہ موت ابھی دُور ہے۔ موت کو قریب سمجھو تاکہ گناہوں سے بچو۔ ص ۲۹۶

ب ۔ موت سے نہیں بلکہ خدا کے غضب سے بچنا چاہیئے۔ موت تو بہرحال آنے والی ہے ۔ ص ۲۹۸

ج ۔ موت مومن کے لئے خوشی کا باعث ہے۔ کیونکہ وہ ایک مرکب ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتی ہے ۔ ص ۲۹۸

موحّد

ا ۔ جب انسان نافع و ضار اور محسن حقیقی صرف خدا کو سمجھے اور یہ کہ ذرّہ ذرّہ اس سے ہے کوئی دوسرا درمیان نہیں آتا تو وہ موحّد کہلاتا ہے ۔ ص ۸۲

ب ۔ انسان موحّد تب ہوتا ہے کہ جب اپنی طاقتوں کی بھی نفی کر دے اور اپنے نفس اور وجود کے اغراض کو بھی درمیان سے اُٹھا دے ۔ ص ۸۲

مومن

ا ۔ سب سے بہتر غم غلط کرنے اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے ۔ یہ مومن ہی کے لئے ہے ۔ ص ۳۲۸-۳۲۹

ب ۔ مومن کی دو قسمیں ۔ ابتدائی مومن

جو فراست سے کام لیتے ہیں وہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے مصداق ہوتے ہیں۔

دوسرے جو اس وقت مانتے ہیں جب کثرت سے لوگ داخل ہوتے ہیں۔ اُن کا نام النّاس رکھا۔ جن پر ابتلاء کے موقعے نہیں آئے وہ اَشْتَمْثَنَا میں داخل ہیں۔ ص۳۹۸

مہدی

ا۔ آنحضرتؐ کا فرمانا کہ وہ میرے ہی نام پر آئے گا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ جو نشانات آنحضرتؐ کو دیئے گئے اس رنگ کے نشان اُسے بھی دیئے جائیں گے کیونکہ اس کی آمد آپ ہی کی آمد ہوگی۔ جیسے کلام کا معجزہ اور کرامات اور خوارق کے نشانات اور شق القمر کی طرح خسوف و کسوف کا نشان۔ ص۵۸-۵۹

ب۔ مہدی کے لئے حدیث میں تجمع لہ الصلوٰۃ کی پیشگوئی ہے کہ وہ دینی خدمات اور کاموں میں ایسا مصروف ہوگا کہ اس کے لئے نماز جمع کی جائیگی۔ اس حدیث پر بحث۔ اور مخالفوں کے اعتراضات کے جوابات ص۶۳-۷۰

ج۔ ظہر آسمان کے جلالی رنگ کا ظل ہے اور عصر جمالی رنگ کا اور خدا تعالیٰ دونوں کا اجتماع چاہتا ہے۔ ص۷۰

مہر علیشاہ (پیر گولڑوی)

اگر مہر علیشاہ اتنا شور نہ مچاتا تو کتاب نزول المسیح کیسے لکھی جاتی۔ ص۳۱ نیز دیکھو زیر "گولڑوی"

ن

ناصر شاہ صاحب (سید)

سید ناصر شاہ صاحب جموں سے تشریف لائے تھے حضور کے قدم دبا رہے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ آپ بیٹھ جائیں۔ ص۳۰۰

نبوت

مجھ پر افتراء کرتے ہیں کہ گویا میں ایک مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جو صاحب شریعت نبی کے سوا الگ نبوت ہے۔ حالانکہ جھوٹی اور مستقل نبوت کا تو دعویٰ وہ خود کر رہے ہیں جب کہ خلاف رسولؐ اور خلاف قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ ص۹۰

نبی جمع انبیاء

۱۔ انبیاءؑ معصوم ہوتے ہیں

(ا) انبیاء سے گناہ کا صدور اس لئے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ عارفانہ حالت کے انتہائی مقام پر ہوتے ہیں۔ اور گناہ عمداً بدی کی طرف میل کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ ہو نہیں سکتا کہ عارف بدی کی طرف میل کرے۔ ص۱۰

(ب) انبیاء کی بعثت اور تعلیم و تبلیغ سے عظیم الشان مقصد۔ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی شناخت کرانا اور گناہ آلود زندگی سے نجات دلانا ہوتا ہے۔ ص۱۱ و ص۲۴

(ج)۔ گناہ سوز یقین اور معرفت جس کے ذریعہ سے انسان پاک زندگی حاصل کرتے ہیں انبیاء دنیا کو عطا کرتے ہیں۔ ص۱۲

میں بشریت کا رنگ جدا نظر آتا ہے اور تائیدات الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔ ص ۲۰۹

(ج) انبیاء کا اندرونی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت شدید ہوتا ہے۔ اُن کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اَور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ اس تعلق کا خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے ص ۲۱۱

۱۱۔ تین قسم کے مومن ۔ انبیاء پر تین قسم کے لوگ تین ذرائع سے ایمان لاتے ہیں۔ اولاً سابق بالخیرات جنکو دلائل اور معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے درجہ پر مقتصدین جو دلائل اور شہادت سے مانتے ہیں۔ تیسرے درجہ کے لوگ ظالمین ہوتے ہیں جو بجز مار کھانے اور سختی کے مانتے ہی نہیں گویا عذاب الٰہی کے جبر کے ماتحت مانتے ہیں۔ ص ۲۱۹-۲۲۰ و ص ۲۴۴-۲۴۵

۱۲۔ انبیاء کی عذاب سے حفاظت ۔ یہ سنت اللہ ہے کہ وہ انبیاء کو ایسے موقعوں پر ہمیشہ بچا لیتا ہے جبکہ بلائیں عذاب الٰہی کی صورت میں نازل ہوں۔ ص ۲۲۶

۱۳۔ تدریجی ترقی

(ا) انبیاء اور ماموریں الٰہی کو تدریجی ترقی ملتی ہے۔ ص ۲۸۹

(ب) انبیاء تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں۔ اُن کے دعویٰ میں ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرتؐ اور اپنی مثال۔ براہین میں میرے نام انبیاء کے رکھے گئے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ مَیں مسیح موعود ہوں۔ ص ۳۲۳-۳۲۴

(ج) انبیاء علم لے کر آتے ہیں۔ ص ۲۹۸

۱۴۔ نبوت اور ولایت ۔ نبی کا وجود مرکب ہوتا ہے نبوت اور ولایت سے۔ نبوت کے ذریعہ احکام اور شرائع مخلوق کو پہنچاتا ہے اور ولایت اسکے تعلقات کو خدا سے قائم کرتی ہے۔ ص ۳۴۴

۱۵۔ نبی کی اطاعت ۔ جس نے نبی کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ ص ۳۰۴

۱۶۔ انبیاء کی زندگی اُسی وقت تک ہوتی ہے جب تک مصائب کا زمانہ رہے اس کے بعد جب فتح و نصرت کا وقت آتا ہے تو گویا وہ ان کی وفات کا پروانہ ہوتا ہے۔ ص ۳۹۹

۱۷۔ رؤیا میں دیکھنا ۔ انبیاء اور ماموریں من اللہ کو رؤیا میں ردّی حالت اور بُری حالت میں دیکھنے سے مراد تعبیر الرؤیا میں یہی لکھا ہے کہ دیکھنے والے کی اپنی حالت مراد ہوتی ہے۔ انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں اس کے متعلق دو مثالوں کا ذکر۔ ص ۴۳۶-۴۳۷

نبی بخش (میاں) عرف عبدالعزیز نمبردار بٹالہ کا توبہ نامہ شائع کرنے کی ہدایت۔ اور اسکے متعلق

آپ کی ایک رؤیا۔ ص ۴۲۸-۴۲۹

نپولین

نپولین کی بابت لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور کہا کرتا تھا کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اُس نے تثلیث کی تکذیب کی ہے۔ ص ۸۴-۸۵

نجات

ا۔ نجات کی حقیقت تو یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جائے اور فاسقانہ خیالات کا سلسلہ تباہ ہوکر سچی پاکیزگی پیدا ہو۔ ص ۱

ب۔ عیسائیوں نے گناہوں سے نجات کا طریق کفارہ یعنی مسیح کا خون پیش کر دیا۔
دیکھو زیر "کفارہ"

ج۔ جب تک آسمانی نور جو نشانات کے رنگ میں ملتا ہے کسی دل کو تاریکی سے نجات نہ دے انسان اس پاکیزگی کو نہیں پا سکتا جو گناہ سے بچنے میں ملتی ہے۔ ص ۵

د۔ انسان کو جو وجود صحبت صادق سے ملتا ہے یہی وجود حقیقی نجات ہوتی ہے جو سچی پاکیزگی کے بعد ملتا ہے۔ ص ۶

ھ۔ نجات اور مکتی یہی ہے کہ لذت ہو دُکھ نہ ہو۔ ص ۴۲۲

ندوہ

ا۔ تحفۃ الندوہ کے لکھے جانے کی وجہ
ص ۳۹۰ و ۳۹۱ نیز دیکھو "تحفۃ الندوہ"

ب۔ ندوۃ العلماء کا جو جلسہ امرتسر میں ہوا۔ اسکے ذکر پر جس میں انہوں نے بائیکاٹ کی بھی تلقین کی فرمایا آنحضرتؐ کے خلاف مشورہ بھی دارالندوہ میں ہوا تھا۔ جو آخری فیصلہ تھا۔ اسی طرح امرتسر میں ابوجہل کے اخوان و انصار موجود ہیں۔ دارالندوہ کی کمی تھی وہ بھی آ گیا۔ ص ۴۲۰

ج۔ ندوہ میں ہم نے محض اتمام حجت کی غرض سے آدمی بھیجے ورنہ بہتری کی کچھ امید نہیں۔ ص ۴۲۵

نذیر

خدا تعالیٰ اپنے نذیر کے لئے تائیدی نشان جن میں اس کے مخالفوں کے لئے خوف ہو اوپر سے نازل کرتا ہے۔ ص ۴۱۹

نزول مسیح

نزول کے لئے صعود لازم نہیں، صعود کے بعد رجوع ہوتا ہے۔ یہ لفظ مسیحؑ کے لئے ثابت کریں۔ ص ۳۰۵

نسخ

اس اعتراض کا جواب کہ خدا تعالےٰ نے پہلی کتابوں کو کیوں منسوخ کیا۔ کیا اس کو علم نہ تھا۔ پہلے ہی مکمل شریعت بھیج دیتا۔ کہ ہر نسخ عدم علم سے نہیں ہوتا بلکہ علم و حکمت کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس کی مثالیں ص ۴۲-۴۳

نشانات

ا۔ فطرت انسانی تازہ نشانات چاہتی ہے خشک زندگی سے تو مرنا بہتر ہے ص ۵۹

ب - جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں اور اس کی خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اس کی محبت اس کی عبادت اس کا ایثار سب خارق عادت ہو جائیں تو اس خارق عادت کا جواب بصورت خارق عادت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشان ظاہر کرنے لگتا ہے۔ ص ۲۱۱

ج - اللہ تعالیٰ نے جماعت کو اتنے نشانات دکھائے کہ سلسلۂ نبوت میں اس کی نظیریں بہت تھوڑی ملیں گی۔ ص ۳۵۲

د - میرے نشانات مسیحؑ ناصری کے نشانات سے قوت اور تعداد میں بہت بڑھ کر ہیں۔ ص ۳۶۳

ھ - نشانات کا ذکر حروف تہجی کے لحاظ سے

۱- ابراء۔ ڈاکٹر کلارک کے مقدمہ سے متعلق جو مسٹر ڈگلس ڈی سی کے سامنے پیش ہوا اور ان ھٰذا الّا تھدید الحکام۔ ص ۳۵۳-۳۵۴

۲- اٰوِی۔ انہ اٰوی القریۃ یعنی طاعون کی افراتفری اور موت الکلاب سے قادیان کے محفوظ رہنے کی پیشگوئی ص ۳۵۴

۳- ابناء۔ اپنی اولاد کی پیدائش اور خلیفہ اولؓ کے بیٹے عبدالحی کی ولادت سے متعلق پیشگوئیاں۔ ص ۳۵۴-۳۵۵

۴- الیس اللہ بکافٍ عبدہ۔ والد صاحب کی وفات سے متعلق والسماء والطارق کے الہام کے بعد یہ الہام ہوا۔ ص ۳۵۵-۳۵۶

۵- بشیر احمد کی پیدائش سے متعلق پیشگوئی اور ترقی طفلی بشیر کا نشان۔ ص ۳۵۶

۶- بشمبر داس اور خوشحال براہمن کو قید ہوئی تو شرمپت کی درخواست پر دعا۔ اور کشفی حالت میں نصف قید کاٹ دینے کا نشان اور الہام انک انت الاعلیٰ اور ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے۔ ص ۳۵۷-۳۵۸

۷- ثمانین حولاً۔ اسی برس کے قریب عمر ہونے کا نشان۔ ص ۳۵۸-۳۵۹

۸- ثلّۃ من الاولین وثلّۃ من الآخرین کا الہام ترقی جماعت کا نشان ص ۳۵۹

۹- "جنازہ" مرزا غلام قادر صاحب کی وفات سے پہلے یہ الہام ہوا۔ ص ۳۵۹

۱۰- جمال الدین۔ خواجہ جمال الدین صاحب جب امتحان منصفی میں فیل ہوئے تو انکے لئے سیغفر لہ کا الہام ہوا۔ ص ۳۵۹

۱۱- جمع بین الصلاتین کا نشان مسیح موعود کیلئے حدیث تجمع لہ الصلوٰۃ میں مندرجہ پیشگوئی کا پورا ہونا اور ایسے امور کا جمع ہو جانا کہ نمازیں جمع کی جاویں۔ یہ ایک بڑی عظیم الشان پیشگوئی ہے اور اس کی تفصیل۔ ص ۳۵۹-۳۶۱

۱۲- حیات خان کا کسی مقدمہ میں معطل ہو جانا

اور پھر آپ کی دُعا سے جیسا کہ رؤیا میں دکھایا گیا تھا بحال ہو جانا۔ ص ۳۶۱

۱۳۔ خاف ان تعاف و تعرف بین الناس کے مطابق سلسلہ کی ترقی کا نشان۔ ص ۳۶۱-۳۶۲

۱۴۔ خسوف کسوف کا نشان تیرہ سو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور اس نشان کی عظمت اور اس نشان کے پورا ہونے پر لچھیالہ کے ایک مولوی کا ہاتھ مار مار کر کہنا کہ اب خلقت گمراہ ہو گئی۔ ص ۳۶۲-۳۶۳

۱۵۔ دیانند کی موت کا نشان ص ۳۶۴

۱۶۔ دلیپ سنگھ کے ناکام ہونے کی پیشگوئی ص ۳۶۴

۱۷۔ ایک برکت کا نشان۔ ایک مشک کی شیشی کو برکت دینا۔ دوسرے ایک شیشی آگئی جس پر مرسل کا نام بھی نہ تھا۔ ص ۳۷۵-۳۷۶

نشان نمائی

خدا تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے۔ ص ۴۱۳

نماز

ا۔ تجمع له الصلوٰۃ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کی خاطر تقریباً چھ ماہ تک ظہر و عصر نماز کا جمع کیا جانا اور اس حدیث پر بحث ص ۶۳-۷۰

ب۔ نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے۔ ص ۶۳

ج۔ تجمع له الصلوٰۃ کی پیشگوئی کے مطابق جو نمازیں جمع کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تفہیم القا اور الہام کے بدوں نہیں ص ۶۴، ۶۸

د۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی حضوری ہے۔ خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صورت ہے۔ کہنے سُننے سے نماز پڑھنے لگ جانا کچھ نہیں۔ ص ۲۴۷-۲۴۸

ھ۔ نماز کا اصل مغز اور روح تو دُعا ہی ہے۔ نماز سے نکل کر دُعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جاوے اور اس کو اپنا عرض حال کرنے کا موقعہ بھی ملے لیکن اسوقت تو کچھ نہ کہے۔ جب دربار سے باہر جاوے تو اپنی درخواست پیش کرے۔ ص ۲۵۹، ۲۴۴، ۲۴۷

و۔ امام احمدی ہو۔ غیر احمدی امام کو پہلے واقف کراؤ۔ تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو۔ اگر خاموش رہے نہ تصدیق نہ تکذیب کرے

د - فلما توفیتنی والی آیت نص ہے مسیح کے عدم نزول پر۔ ص ۳۲۴-۳۲۵

ولایت بعض صوفیوں نے ولایت کو نبوت سے فضیلت دی ہے کہا ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے بڑھکر ہے۔ ص ۳۴۴

ولی

ا۔ ولی کے خوارق نبی متبوع کا معجزہ ہوتے ہیں ص ۴۶، ص ۵۳-۵۴

ب ۔ ولی پرست نہ بنو بلکہ ولی بنو ۔ پیر پرست نہ بنو بلکہ پیر بنو۔ ص ۱۸۹

وید ۔ وید کا خلاصہ حق اللہ اور حق العباد کے لحاظ سے جو دیانند نے پیش کیا وہ یہ ہے کہ خدا کسی چیز کا خالق نہیں صرف جوڑنے جاڑنے والا ہے اور وید میں کسی پیشگوئی یا خارق عادت امر کا ذکر نہیں ۔معجزہ کوئی چیز ہی نہیں۔ پھر خدا ابدی نجات کسی کو نہیں دیتا۔ حقوق العباد کے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں نیوگ کا مسئلہ موجود ہے۔ ص ۱۲۲-۱۲۳

ھ

ہادی ۔ سچا ہادی کبھی خیانت نہیں کر سکتا جو دیکھتا ہے اس کی اصلاح کرتا ہے۔ وہ کسی کی ذلت و رسوائی نہیں کرتا بلکہ مریض کی مرض کو شناخت کرکے اس کا علاج کرتا ہے۔ ص ۳۷۱-۳۷۲

ہدایت جیسے نظام ظاہری میں یہ قانون ہے کہ فعل انسانی پر خدا کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے۔ اسی طرح اندرونی نظام میں بھی یہی قانون ہے ۔ جو شخص صاف دل ہو کر تلاش حق کرتا ہے وہ سچائی کو پا لیتا ہے ۔ پس خدا تعالے سے پاکیزگی اور ہدایت پانے کے لئے خود بھی اپنے اندر ایک پاکیزگی کو پیدا کرنا چاہیئے ص ۱۰۸-۱۰۹

ہمت

فرمایا ہمت بلند ہونی چاہیئے - ہمت بلند دار کہ دادار کردگار۔ ص ۳۰۳

ہندو

معلوم ہوتا ہے ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کی طرف توجہ کریگی - دو دفعہ رؤیا میں دیکھا - بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح یہ کہتے ہوئے جھکتے ہیں کہ یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں اور ایک الہام۔ ص ۴۷۱

ی

یاجوج ماجوج

من کل حدب ینسلون کے بعد خدا سے جنگ کریں گے - یہ استعارہ ہے - خدا تعالیٰ سے جنگ ہی ہے کہ اُن میں تضرع و زاری نہ دُعا کی حقیقت پر نظر بلکہ اسباب و تدابیر پر بھروسہ اور قضا و قدر کا مقابلہ ص ۴۱۵

یعقوب علی (شیخ)

آپ کا اشتہار دافع البلاد کی اشاعت کے لئے حضور کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے الحکم کے دونوں پریس خالی کر دینا ۔ ص ۲۷۸

یقین

ا - مدارج یقین میں ایک سچائی کی روشنی ہوتی ہے اور اسکے مدارج علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین ص ۴۵

ب ۔انسان کو قوت اور شجاعت عطا کرتا ہے اور موت کو بھی آسان کر دیتا ہے ۔ ایک روحانی مُسکّن ہے اور یقینی معلومات سے بڑھتا ہے پورے علم سے زندگی اور طاقت بڑھتی ہے ۔
صـ ۲۹۵-۲۹۶

یونیٹیرین فرقہ مسیح کی الوہیت کے قائل نہیں اور نہ ہی تثلیث مانتے ہیں ۔ صـ ۱۲۹

یہود کی ٹھوکر کا باعث

یہودی خدا کے وعدوں کے مصداق اپنی ہی قوم کو سمجھ کر تمام قوموں سے بے تعلق اور غافل ہو گئے اور خدا کے وعدوں کے ایفار کی آخری منزل اسی دنیا کو خیال کر کے قیامت سے بے خبر اور بہتیرے منکر ہو گئے ۔
صـ ۳۰۳

جلال الدین شمس

۲۴ اگست ۱۹۶۱ء

ملفوظاتؑ

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

جلد ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

---

۲۰ نومبر ۱۹۰۱ء

نجات کی حقیقت

فرمایا:۔ "ایک ضروری اور غور طلب سوال ہے جس کو کل دنیا کی قوموں اور سب مذہبوں نے اپنی اپنی جگہ محسوس کیا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ **انسان کیونکر بچ سکتا ہے؟** یہ سوال حقیقت میں ہر انسان کے اندر سے پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ کس طرح پر نفس بے قابو ہو جاتا ہے اور مختلف قسم کے خیالات فاسدہ بدکاری کے آ آکر اس کو گھیر لیتے ہیں۔ ان گناہوں سے بچنے کے واسطے ہر قوم نے کوئی نہ کوئی ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور کوئی حیلہ نکالا ہے عیسائیوں نے اس عام ضرورت اور سوال سے فائدہ اٹھا کر ایک حیلہ پیش کیا ہے کہ مسیح کا خون نجات دیتا ہے۔

سب سے اول یہ دیکھنا ضروری ہے کہ **نجات ہے کیا چیز؟** نجات کی حقیقت تو یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جاوے۔ اور جو فاسقانہ خیالات آ آکر دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ بند ہو کر سچی پاکیزگی پیدا ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے گناہ سے بچنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر نجات طلب لوگوں کے سامنے یہ پیش کر دیا۔ کہ مسیح کا خون ہی ہے جو گناہوں سے بچا سکتا ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر مسیح کا خون یا کفارہ انسان کو گناہوں سے بچا سکتا ہے تو سب سے پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کفارہ میں اور گناہوں سے بچنے میں کوئی رشتہ بھی ہے۔ یا نہیں؟ جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں باہم کوئی رشتہ اور تعلق نہیں مثلاً اگر ایک مریض کسی طبیب کے پاس آوے تو طبیب اس کا علاج کرنے کے بجائے اُسے یہ کہدے تو میری کتاب کا جزو لکھدے۔ تیرا علاج یہی ہے تو کون عقلمند اس علاج کو قبول کریگا۔ پس مسیحؑ کے خون اور گناہ کے علاج میں اگر یہی رشتہ نہیں ہے تو اور کونسا رشتہ ہے یا یوں کہو کہ ایک شخص کے سر میں درد ہوتا ہو۔ اور دوسرا آدمی اس پر رحم کھا کر اپنے سر میں پتھر مارلے اور اس کے درد سر کا اُسے علاج تجویز کرلے۔ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے۔ پس ہمیں کوئی بتاوے کہ عیسائیوں نے ہمارے سامنے پیش کیا کیا ہے جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں وہ تو ایک قابلِ شرم بناوٹ ہے گناہوں کا علاج کیا؟ یسوع کی خودکشی جس کو گناہوں سے پاک ہونے کے واسطے کوئی حقیقی رشتہ بھی نہیں ہم بار ہا حیران ہوتے ہیں کہ حضرت مسیح کو یہ سوجھی کیا؟ کہ دوسروں کو نجات دلانے کیلئے آپ صلیب اختیار کی۔ اگر وہ اس صلیب کی موت سے (جو لعنت تک لیجاتی ہے اور عیسائیوں کے قول اور اعتقاد کے موافق کفارہ کیلئے لعنتی ہوجانا ضروری ہے کیونکہ وہ گناہوں کی سزا ہے) اپنے آپ کو بچاتے۔ اور کسی معقول طریق پر بنی نوع کو فائدہ پہنچاتے تو وہ اس خودکشی سے بدرجہا بہتر اور مفید ہوتا۔

غرض کفارہ کے ابطال پر یہ زبردست دلیل ہے اور کفارہ میں باہم کوئی رشتہ نہیں۔ پھر دوسری دلیل اس کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ کفارہ نے اس فطری خواہش کو کہ گناہوں سے انسان بچ جاوے۔ کہانتک پورا کیا۔ اس کا جواب صاف ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ چونکہ تعلق کوئی نہ تھا۔ اس لئے کفارہ گناہوں کے اس جوش اور سیلاب کو روک نہ سکا اگر کفارہ میں گناہوں سے بچانے کی کوئی تاثیر ہوتی تو یورپ کے مرد و عورت گناہوں سے ضرور بچے رہتے۔ ہر قسم کے گناہ یورپ کے خواص و عوام میں پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ لنڈن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں میں جا کر دیکھ لے کیا ہوتا ہے۔ زنا کی کثرت خوف دلاتی ہے کہ کہیں زنا کے جواز کا ہی فتویٰ نہ ہوجاوے۔ گو عملی طور پر تو نظر آتا ہے۔ شراب کا استعمال اس قدر کثرت سے بڑھتا جاتا ہے۔ کہ کچھ روز ہوئے ایک عورت نے کسی ہوٹل میں پینے کو پانی

مانگا تو انہوں نے کہا کہ پانی تو برتن دھونے یا نہانے وغیرہ کے کام آتا ہے پینے کے لئے تو شراب ہی ہوتی ہے۔ پس اب غور کرکے دیکھو کہ گناہ کے سیلاب کو روکنے کے واسطے خونِ مسیح کا تو بند کافی نہیں ہوا۔ بلکہ اپنی رَو میں اُس نے پہلے بندوں کو بھی توڑ دیا۔ اور پوری آزادی اور اباحت کے قریب پہنچا دیا۔

گُناہ سے بچنے کا طریق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفارہ تو بیشک گناہوں سے بچا نہیں سکتا۔ مگر کیا کوئی اور طریق ہے بھی جس سے انسان گناہوں سے بچ جاوے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں۔ علاج ہے اور ضرور ہے اور وہ علاج یقینی علاج ہے۔ مگر جیسے سچی باتوں کے ساتھ مشکلات ہوتی ہیں۔ ویسے ہی یہ علاج بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ جھوٹ کے ساتھ مشکلات نہیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک کیمیاگر جو یہ کہتا ہے کہ میں ایک دم میں ایک ہزار کا دو ہزار بنا دیتا ہوں۔ وہ مشکلات اس فعل کے لئے نہیں رکھتا۔ لیکن ایک زمیندار کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ یا ایک تاجر کو اپنے مال کو کس طرح خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے ایسا ہی ایک ملازم قسم قسم کی پابندیوں اور ماتحتیوں کے نیچے آکر کن مشکلات میں ہے۔ پس تم سہل باتوں سے ڈرو جو پھونک مار کر سب کچھ بنا دینا چاہتے ہیں۔ وہ خطرناک عیّار ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کا گناہ کا علاج تو بجز اباحت کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

عیسائی باش ہرچہ خواہی کُن۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے اعتقاد کی وجہ سے دہریت کی رگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انسان گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر سمّ الفار کی مہلک تاثیر کی ہیبت اس کو اس کے کھانے سے باز رکھتی ہے۔ اس قدر بھی خدا کی ہیبت اس کو نافرمانی سے نہیں روکتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی عظمت اس کی ہیبت، جلال اور اقتدار سے بیخبر ہے۔ تب ہی تو نافرمانی اور سرکشی کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے اور نہیں ڈرتا۔ ادنیٰ درجہ کے حکام اور ان کے چپراسیوں تک کی نافرمانی سے اس کی جان گھٹ جاتی ہے۔ مگر خدا کی نافرمانی سے اس کے دل پر لرزہ نہیں پڑتا۔ کیونکہ خداشناسی کی معرفت اسے نہیں ملے گی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا علاج جو ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سوا اس کے دوسرا علاج نہیں ہے اور وہ یہی ہے کہ خدا کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔

خُداشناسی

تمام سعادتمندیوں کا مدار خداشناسی پر ہے اور نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے۔ جو خدا کی معرفت کاملہ کہلاتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے۔ وہ بڑا قادر ہے۔ وہ ذوالعذاب الشدید ہے۔ یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی متمردانہ زندگی پر ایک بھسم کرنے والی بجلی گراتا ہے۔ پس جبتک انسان اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی حدود سے نکل کر عَرَفْتُ اللّٰہَ کی منزل میں قدم نہیں رکھتا اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے۔ اور یہ بات کہ ہم خدا کی معرفت اور اس کی صفات پر یقین لانے سے گناہوں سے کیونکر بچ جائینگے ایک ایسی صداقت ہے جس کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہمارا روزانہ تجربہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ جس سے انسان ڈرتا ہے اس کے نزدیک نہیں جاتا مثلاً جبکہ یہ علم ہو۔ کہ سانپ ڈس لیتا ہے اور اس کا ڈسا ہوا ہلاک ہوجاتا ہے تو کون دانشمند ہے جو اس کے مُنہ میں اپنا ہاتھ دینا تو درکنار کبھی ایسے سوٹے کے نزدیک بھی جانا پسند کرے جس سے کوئی زہریلا سانپ مارا گیا ہو۔ اُسے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کے زہر کا اثر اس میں باقی نہ ہو۔ اگر کسی کو معلوم ہوجائے کہ فلاں جنگل میں شیر ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس میں سفر کرسکے یا کم ازکم تنہا جاسکے۔ بچوں تک میں یہ مادہ اور شعور موجود ہے کہ جس چیز کے خطرناک ہونے کا ان کو یقین دلایا گیا ہے وہ اس سے ڈرتے ہیں۔

پس جبتک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو۔ کوئی اور طریق خواہ کسی کی خودکشی ہو یا قربانی کا خون، نجات نہیں دیسکتا۔ اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کرسکتا۔ یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں کا سیلاب اور نفسانی جذبات کا دریا بجز اس کے رُک ہی نہیں سکتا کہ ایک چمکتا ہوا الیقین اس کو حاصل ہو کہ خدا ہے۔ اور اس کی تلوار ہے جو ہر ایک نافرمان پر بجلی کی طرح گرتی ہے جبتک یہ پیدا نہ ہو گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لاتے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دیتا ہے مگر گناہ ہم سے دُور نہیں ہوتے۔ میں جواب میں یہی کہونگا

کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور نفس کا مغالطہ ہے سچے ایمان اور سچے یقین اور گناہ میں باہم عداوت ہے جہاں سچی معرفت اور چمکتا ہوا یقین خدا پر ہو۔ وہاں ممکن نہیں کہ گناہ رہے۔

سچّی معرفت

انسانی فطرت میں یہ خاصّہ جبکہ موجود ہے کہ سچّی معرفت نقصان سے بچا لیتی ہے جیسا کہ سانپ یا شیر یا زہر کی مثال سے بتایا گیا ہے پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی دُور نہ ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان فریمیسنوں میں محض ایک رُعب کا سلسلہ اُن کے اسرار کے اظہار سے روکتا ہے اور کچھ نہیں۔ پھر خدا کی عظمت و جبروت پر ایمان گُناہ سے نہیں بچا سکتا؟ بچا سکتا ہے اور ضرور بچا سکتا ہے۔ پس گناہ سے بچنے کیلئے حقیقی راہ خدا کی تجلّیات ہیں۔ اور اس آنکھ کو پیدا کرنا شرط ہے جو خدا کی عظمت کو دیکھ لے اور اس یقین کی ضرورت ہے جو گناہ کے زہر پر پیدا ہو۔ زمین سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آسمان اس تاریکی کو دُور کرتا ہے اور ایک روشنی عطا کرتا ہے۔ زمینی آنکھ بے نُور ہوتی ہے جب تک آسمانی روشنی کا طلُوع اور ظہور نہ ہو۔ اس لئے جب تک آسمانی نُور جو نشانات کے رنگ میں ملتا ہے کسی دل کو تاریکی سے نجات نہ دے انسان اس پاکیزگی کو کب پا سکتا ہے جو گُناہ سے بچنے میں ملتی ہے۔ پس گناہوں سے بچنے کیلئے اس نور کی تلاش کرنی چاہئے جو یقین کی روشنی کیساتھ آسمان سے اُترتا ہے۔ اور ایک ہمّت، قوت عطا کرتا ہے۔ اور تمام قسم کے گرد و غبار سے دل کو پاک کرتا ہے۔ اس وقت انسان گناہ کے زہرناک اثر کو شناخت کر لیتا اور اس سے دُور بھاگتا ہے۔ جب تک یہ حاصل نہیں گناہوں سے بچنا مُحال ہے۔ یہ طریق ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اس پر اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو بیشک ہر ایک شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے اس کو بیان کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی عیسائی کے سامنے اس امر کو بیان کرے اور پھر اس کا کوئی اعتراض سُنکر شرمندہ ہو۔ جو اعتراض اس پر ہو سکتا ہو بیشک کیا جاوے۔"

صادق کا وجُود خدا نُما وجود ہوتا ہے

فرمایا۔ "بیشک یہ بات ہے جس کو میں خود بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات کہ ایسا یقین کیونکر پیدا ہو؟ اس کے لئے اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ ایسے یقین کے خواہشمند کیلئے ضروری ہے کہ وہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[1] سے حصّہ لے

[1] التوبۃ: ۱۱۹

صادق سے صرف یہی مراد نہیں کہ انسان زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ یہ بات تو بہت سے ہندوؤں اور دہریوں میں بھی ہو سکتی ہے بلکہ صادق سے مُراد وہ شخص ہے جس کی ہر بات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے ہر حرکات و سکنات و قول سب صدق سے بھرے ہوئے ہوں۔ گویا یہ کہو کہ اس کا وجود ہی صدق ہو گیا ہو۔ اور اس کے اس صدق پر بہت سے تائیدی نشان اور آسمانی خوارق گواہ ہوں۔ چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لئے جو شخص ایسے آدمی کے پاس جو حرکات و سکنات، افعال اقوال میں خدائی نمونہ اپنے اندر رکھتا ہے صحتِ نیّت اور پاک ارادہ اور مستقیم جستجو سے ایک مدّت تک رہیگا۔ تو یقین کامل ہے کہ وہ اگر دہریہ بھی ہو تو آخر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لے آئیگا کیونکہ صادق کا وجود خدا نما وجود ہوتا ہے۔

صادق کی معیّت کے فوائد

انسان اصل میں اُنسان سے ہے یعنی دو محبتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اُنس وہ خدا سے کرتا ہے دوسرا اُنس انسان سے۔ چونکہ انسان کو تو اپنے قریب پاتا اور دیکھتا ہے اور اپنی بنی نوع کی وجہ سے اس سے جھٹ پٹ متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کامل انسان کی صحبت اور صادق کی معیّت اُسے وہ نور عطا کرتی ہے جس سے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

انسان کے دراصل دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک وجود تو وُہ ہے جو ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے اور جسے ہم تم سب دیکھتے ہیں۔ جسے لیکر وہ باہر آجاتا ہے اور یہ وجود بلا کسی فرق کے سب کو ملتا ہے لیکن ایک اَور وجود بھی انسان کو دیا جاتا ہے۔ جو صادق کی صُحبت میں تیار ہوتا ہے۔ یہ وجود بظاہر ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اُسے چھُو کر یا ٹٹول کر دیکھ لیں۔ مگر وہ ایسا وجود ہوتا ہے کہ اس وجود پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے۔ وہ خیالات، وہ افعال اور حرکات جو اس سے پہلے صادر ہوتے تھے۔ یا دل میں گذرتے تھے۔ یہ اُن سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ اور شبہات سے جو اس کے دل کو تاریک کئے رہتے تھے۔ ان سے اس کو نجات مل جاتی ہے۔ اور یہی وجود حقیقی نجات ہوتی ہے۔ جو سچّی پاکیزگی کے بعد ملتا ہے۔ کیونکہ جبتک شبہات سے نجات نہیں۔ اس کو تاریکی سے نجات نہیں اور سچّی پاکیزگی اسے میسّر نہیں۔ اور وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی عظمت و ہیبت کا اس کے دل پر اثر نہیں ہو سکتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ اور جو شخص

اس دنیا میں خدا کے دیکھنے سے بے نصیب ہے وہ قیامت کو بھی محروم ہی ہو گا جیسے خدا نے خود فرمایا ہے مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[1]۔ اس سے یہ مُراد تو نہیں ہو سکتی۔ کہ جو اس دنیا میں اندھے ہیں وہ قیامت کو بھی اندھے ہی ہونگے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ خدا کو ڈھونڈنے والوں کے دل نشانات سے ایسے منور کیے جاتے ہیں کہ وہ خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی عظمت و جبروت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہانتک کہ دنیا کی ساری عظمتیں اور بزرگیاں اُن کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ اور اگر خدا کو دیکھنے کی آنکھیں اور اس کے دریافت کرنے کے حواس سے اِس دنیا میں اس کو حصہ نہیں ملا تو اس دوسرے عالم میں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

پس اللہ تعالےٰ کو جیسا کہ وُہ ہے کسی غلطی کے بدُوں شناخت کرنا اور اسی دنیا میں سچے اور صحیح طور پر اس کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرنا ہی تمام روشنیوں اور تجلیات کی کلید ہے۔ اسی سے وہ آگ پیدا ہوتی ہے جو پہلے انسان کی گنہگار حالت پر موت وارد کرتی ہے اور اُس کو جلا دیتی ہے اور پھر اس کو نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے وہ گناہ کو شناخت کرتا اور اس کی زہر پر اطلاع پا کر اس سے ڈرتا اور دُور بھاگتا ہے۔ پس یہی دو قسم کی آگ ہے جو ایک طرف گناہ کو جلاتی اور دوسری طرف نیکیوں کی قُدرت عطا کرتی ہے اور اس کا نام جلال اور جمال کی آگ ہے۔ کیونکہ گناہ سے تو جلالی رنگ اور ہیبت ہی سے بچ سکتا ہے۔ جب یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس گُناہ کی سزا میں شدید العذاب ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے تو انسان پر ایک ہیبت طاری ہو جائے گی۔ جو اس کو گُناہ سے بچالے گی۔ اور جمال نیکیوں کی طرف جذب کرتا ہے جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالےٰ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ رَحْمٰن ہے۔ رَحِيْم ہے تو بے اختیار ہو کر دل اُس کی طرف کھینچا جائے گا۔ اور ایک سرُور اور لذت کے ساتھ نیکیوں کا صدُور ہونے لگے گا۔

جیسے چاندی یا سونے کے صاف کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اسے کٹھالی میں ڈال کر خوب آگ روشن کی جاوے۔ اس سے اس کا وہ سارا میل کچیل جو ملا ہوا ہوتا ہے فی الفور الگ ہو جاتا ہے اور پھر اس کو عُمدہ اور خوبصورت زیور کی شکل میں لانے کے واسطے جو کسی

[1] بنی اسرائیل : ۷۳

حسین کے لئے بنایا جائے اس بات کی ضرورت ہے کہ پھر آگ دے کر اُسے مُفید مطلب بنایا جائے۔

جب تک وہ ان دونوں آگوں کے بیچ میں رکھا نہ جاوے وہ خوبصورت اور درخشاں زیور کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح انسان جب تک جلالی اور جمالی آگ میں ڈالا نہ جائے وہ گُناہ سوز فطرت لے کر نیک بننے کے قابل نہیں ہوتا۔

اس لئے پہلے گُناہ جلایا جاتا ہے اور پھر جمالی آگ سے نیکی کی قوت عطا ہوتی ہے اور پھر فطرت میں ایک روشنی اور چمک آتی ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز بنا کر نیکی کی طرف جذب کرتی ہے۔ اس وقت ایک نئی پیدائش ملتی ہے۔

سُورۃ الدّہر میں اس پیدائش کی حالت کا بیان کافوری اور زنجبیلی شربت کی مثال سے دیا ہے چنانچہ پہلے فرمایا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُہَا کَافُوْرًا [1] یعنی مومن جو خدا کے نیک بندے ہیں وہ کافوری پیالے پیتے ہیں۔ کافُوْر کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ گَفْرٌ ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ اور کافور مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت ڈھانکنے والا۔ ایسے ہی طاعُون بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں طاعُون اس لئے نام رکھا ہے کہ یہ اہلِ حق پر طعن کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور طاعُون اور دیگر امراض وبائی ہیضہ میں کافور ایک عُمدہ چیز ہے اور مُفید ثابت ہوئی ہے۔ غرض کافوری پیالے کا پہلے ذکر کیا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اوّل یہ بتایا جائے۔ کہ کامل ہونے کیلئے کافوری پیالہ پہلے پینا چاہیئے۔ تاکہ دُنیا کی محبّت سرد ہو جائے۔ اور وہ فسق و فجور کے خیالات جو دل سے پیدا ہوتے تھے اور جن کی زہر رُوح کو ہلاک کرتی تھی۔ دبائے جائیں۔ اور اس طرح پر گُناہ کی حالت سے انسان نکل آئے۔ پس چونکہ پہلے مَیل کچیل کا دُور ہونا ضروری تھا۔ اس لئے کافوری پیالہ پلایا گیا۔ اس کے بعد دُوسرا حِصّہ زنجبیلی ہے۔

زنجبیل اصل میں دو لفظوں سے مرکّب ہے۔ زَنَا اور جَبَل سے۔ اور

[1] الدھر: ۶

زَنَا لغتِ عرب میں اُوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جَبَل پہاڑ کو۔ اور اس مرکّب لفظ کے معنے یہ ہوئے کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور یہ صاف بات ہے کہ ایک زہریلے اور وبائی مرض کے بعد انسان کو اعلیٰ درجہ کی صحت تک پہنچنے کے واسطے دو حالتوں میں سے گزرنا ہوتا ہے پہلی وہ حالت ہوتی ہے جبکہ زہریلے اور خطرناک مادے رُک جاتے ہیں۔ اور اُن میں اصلاح کی صورت پیدا ہوتی ہے اور زہریلے حملوں سے نجات ملتی ہے۔ اور وہ مواد دبائے جاتے ہیں۔ مگر اعضا بدستور کمزور ہوتے ہیں اور ان میں کوئی قوت اور سکت نہیں ہوتی جس سے وہ کام کرنے کے قابل ہو۔ ایک ربودگی کی سی حالت ہوتی ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جس کو کافوری پیالے پینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حالت میں گناہ کا زہر دبایا جاتا ہے اور اس جوشش کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے جو نفس کی سرکشی اور جوش کی حالت میں ہوتا ہے۔ مگر ابھی نیکی کرنے کی قوت نہیں آتی۔

پس دوسری حالت جو زنجبیلی حالت ہے وہ وُہی ہے جبکہ صحت کامل کے بعد توانائی اور طاقت آجائے یہاں تک کہ پہاڑوں پر بھی چڑھ سکے اور زنجبیل بجائے خود چونکہ حرارت غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس ذکر سے بتایا کہ پہلے مومنوں کے گُناہوں کی حالت پر موت آتی ہے اور پھر انہیں نیکی کی توفیق اور قوت ملتی ہے۔ گناہ کی حالت میں انسان پستی اور ذلّت میں ہوتا ہے اور جُوں جُوں گُناہ کرتا جاتا ہے نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے۔ لیکن جب گُناہوں پر موت آتی ہے۔ تو وہ اس پستی کے گڑھے میں ہی پڑا ہوا ہوتا ہے جب تک اُوپر چڑھنے کے لئے اسے زنجبیلی شربت نہ ملے۔ پس نیکیوں کی توفیق عطا ہونے پر وہ پھر اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے۔ اور یہ پہاڑی گھاٹیاں وُہی ہیں۔ جو صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] میں بیان ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے راستبازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی وہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ واحد ہے اور وحدت کو پیار کرتا ہے اس لئے سب کام وحدت ہی کے ذریعہ کرتا ہے وہ اگر چاہتا تو سب کو نبی بنا دیتا۔ مگر یہ امر وحدت کے خلاف تھا۔ اس

[1] الفاتحہ: ۷

لئے ایسا نہیں کیا۔ تاہم اس میں بخل بھی نہیں ہے۔ ہر ایک شخص جو اس راہ کو اختیار کرنے کے لئے سچا مجاہدہ کرتا ہے وہ اس کا لطف اور ذوق اُٹھا لیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اُمّت میں ابدال ہوتے ہیں جن کی فطرۃ کو بدلا دیا جاتا ہے اور یہ تبدیلی اتباعِ سُنّت اور دعاؤں سے ملتی ہے۔

گُناہ کی تعریف

فرمایا۔ ”یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ گُناہ کی تعریف میں انہوں نے دھوکا کھایا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح سے لیا گیا ہے۔ اور ج کا تبادلہ گ سے کیا گیا ہے جیسے فارسی والے کر لیتے ہیں۔ اور جُناح اصل میں عمداً کسی طرف میل کرنے کو کہتے ہیں۔ پس گُناہ سے یہ مُراد ہے کہ عمداً بدی کی طرف میل کیا جاوے۔ پس میں ہرگز نہیں مان سکتا کہ انبیاء علیہم السّلام سے یہ حرکت سرزد ہو اور قرآن شریف میں اس کا ذکر بھی نہیں۔ انبیاء علیہم السّلام سے گناہ کا صدور اس لئے ناممکن ہے کہ عارفانہ حالت کے انتہائی مقام پر وہ ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ عارف بدی کی طرف میل کرے۔“

فرمایا۔ ”عصٰی سے تو عمد نہیں پایا جاتا کیونکہ دوسری جگہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔[1] عصٰی سے یاد آیا میرا ایک فقرہ ہے۔ اَلْعَصَا عِلَاجُ مَنْ عَصٰی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلالی تجلّیات ہی سے انسان گُناہ سے بچ سکتا ہے“

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۹ تا ۱۲ پرچہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء)

(الحکم جلد ۵ 〃 ۴۵ 〃 ۱-۲ 〃 ۱۰ دسمبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۸ نومبر ۱۹۰۱ء۔ بوقت سیر صبح ساڑھے آٹھ بجے

مسٹر ڈکسن سیاح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت اقدس: ہماری دلی آرزو یہی ہے کہ آپ چند روز ہمارے پاس اور ٹھہریں تاکہ میں اسلام کی وہ رُوحانی فلاسفی جو اس زمانہ میں مخفی تھی اور جو خدا نے مجھے عطا کی

[1] طٰہٰ: ۱۱۶

ہے آپ کو سمجھاؤں۔

مسٹر ڈکسن۔ میں آپ کا ازبس ممنون ہوں۔ مگر آج مجھے جانا ہی چاہیئے۔ میں نے کچھ کچھ سُن لیا ہے۔"

حضرت اقدسؑ۔ "چونکہ آپ کو چلے جانا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کچھ تو اپنے مقصد کو بیان کر دوں۔

بعثت انبیاء کا مقصد

انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشّان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنّم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گُناہ آلُود زندگی کہتے ہیں نجات پائیں۔ حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد اُن کے آگے ہوتا ہے۔ پس اس وقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور اس نے مجھے مبعُوث فرمایا ہے تو میرے آنے کی غرض بھی وہی مشترک غرض ہے۔ جو سب نبیوں کی تھی یعنی میں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کیا ہے؟ بلکہ دکھانا چاہتا ہوں۔ اور گُناہ سے بچنے کی راہ کی طرف رہبری کرتا ہوں۔ دنیا میں لوگوں نے جس قدر طریقے اور حیلے گُناہ سے بچنے کے لئے نکالے ہیں اور خدا کی شناخت کے جو اصُول تجویز کئے ہیں وہ انسانی خیالات ہونے کی وجہ سے بالکل غلط ہیں اور محض خیالی باتیں ہیں جن میں سچّائی کی کوئی رُوح نہیں ہے۔ میں ابھی بتاؤں گا اور دلائل سے واضح کروں گا کہ گُناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بات پر کامل یقین انسان کو ہو جاوے کہ خدا ہے۔ اور وہ جزا سزا دیتا ہے۔ جبتک اس اصُول پر یقین کامل نہ ہو۔ گُناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہوسکتی۔ دراصل **خدا ہے** اور **ہونا چاہیئے**۔ یہ دو لفظ ہیں۔ جن میں بہت بڑے غور اور فکر کی ضرورت ہے۔

پہلی بات کہ خدا ہے۔ یہ علم الیقین بلکہ حق الیقین کی تہ سے نکلتی ہے اور دوسری

بات قیاسی اور ظنی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو فلاسفر اور حکیم ہو وہ صرف نظام شمسی اور دیگر اجرام اور مصنوعات پر نظر کر کے صرف اتنا ہی کہدے کہ اس ترتیب محکم اور ابلغ نظام کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ ایک مدبر اور حکیم و علیم صانع کی ضرورت ہے۔ تو اس سے انسان یقین کے اس درجہ پر ہرگز نہیں پہنچ سکتا جو ایک شخص خود اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر اور اس کی تائیدات کے چمکتے ہوئے نشان اپنے ساتھ رکھ کر کہتا ہے کہ **واقعی ایک قادر مطلق خدا ہے**۔ وہ معرفت اور بصیرت کی آنکھ سے اُسے دیکھتا ہے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک حکیم یا فلاسفر جو صرف قیاسی طور پر خدا کے وجود کا قائل ہے، سچی پاکیزگی اور خدا ترسی کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ نری **ضرورت** کا علم کبھی بھی اپنے اندر وہ قوت اور طاقت نہیں رکھتا جو الٰہی رُعب پیدا کر کے اسے گناہ کی طرف دوڑنے سے بچالے اور اس تاریکی سے نجات دے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے مگر جو براہ راست خدا کا جلال آسمان سے مشاہدہ کرتا ہے وہ نیک کاموں اور وفاداری اور اخلاص کے لئے اس جلال کے ساتھ ہی ایک قوت اور روشنی پاتا ہے جو اس کو بدیوں سے بچا لیتی اور تاریکی سے نجات دیتی ہے۔ اس کی بدی کی قوتیں اور نفسانی جذبات پر خدا کے مکالمات اور پُر رعب مکاشفات سے ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور وہ شیطانی زندگی سے نکل کر ملائکہ کی سی زندگی بسر کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اشارے پر چلنے لگتا ہے۔ جیسے ایک شخص آتش سوزندہ کے نیچے بدکاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص خدا کی جلالی تجلیات کے نیچے آتا ہے۔ اس کی شیطنت مَر جاتی ہے اور اُس کے سانپ کا سر کچلا جاتا ہے۔ پس یہی وہ **یقین** اور **معرفت** ہوتی ہے جس کو انبیاء علیہم السّلام آکر دنیا کو عطا کرتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سے وہ گناہ سے نجات پا کر پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

میرے آنے کا مقصد

اسی طریق پر خدا نے جو مجھے مامور کیا ہے اور میرے آنے کی یہی غرض ہے۔ کہ میں

دنیا کو دکھا دُوں کہ خدا ہے اور وہ جزا سزا دیتا ہے اور یہ بات کہ محض اس یقین ہی سے انسان پاک زندگی بسر کر سکتا ہے اور گُناہ کی موت سے بچ سکتا ہے۔ ایسی صاف ہے جس کے لئے ہم کو منطقی دلائل کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ خود انسان کی فطرت اور روزمرّہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے لئے زبردست گواہ ہیں کہ جب تک یہ یقین کامل نہ ہوگا کہ خدا ہے اور وہ گُناہ سے نفرت کرتا ہے اور سزا دیتا ہے کوئی اور حیلہ کسی صُورت میں کارگر ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن اشیاء کی تاثیرات کی عُمدگی کا ہم کو علم ہے، ہم کیسے دوڑ دوڑ کر اُن کی طرف جاتے ہیں اور جن چیزوں کو اپنے وجُود کے لئے خطرناک زہریں سمجھتے ہیں، اُن سے کیسے بھاگتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو اس جھاڑی میں اگر ہمیں یقین ہو کہ سانپ ہے تو کیا کوئی بھی ہم میں سے ہوگا جو اس میں اپنا ہاتھ ڈالے یا قدم رکھ دے، ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کسی بل میں سانپ کے ہونے کا معمولی وہم بھی ہو تو اس طرف سے گذرنے میں ہر وقت مضائقہ ہوگا۔ طبیعت خود بخود اُس طرف جانے سے رُکے گی۔ ایسا ہی زہروں کی بابت جب ہمیں علم پڑتا ہے مثلاً اسٹرکنیا ہے کہ اُس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے تو کیسے اس سے بچتے اور ڈرتے ہیں۔ ایک محلہ میں طاعُون ہو تو اس سے بھاگتے ہیں اور وہاں قدم رکھنا آتشیں تنُور میں گرنا سمجھتے ہیں۔ اب وہ بات کیا ہے جس نے دل میں خوف اور ہراس پیدا کیا ہے کہ کسی صورت میں بھی دل اس طرف کا ارادہ نہیں کرتا۔ وہ وُہی یقین ہے جو اُس کی مُہلک اور مُضِر تاثیرات پر ہو چکا ہے۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں ہم دے سکتے ہیں اور یہ ہماری زندگی میں روزمرّہ پیش آتی ہیں۔

اب یہ بحثیں کہ گُناہ سے بچنے کا یہ ذریعہ ہے یا فلاں حیلہ ہے بالکل بیہُودہ اور بے مطلب ہیں۔ کیونکہ جب تک الٰہی تجلیات کے رُعب اور گُناہ کی زہر اور اس کے خطرناک نتائج کا پُورا علم نہ ہو۔ ایسا علم جو یقین کامل تک پہنچ گیا ہو۔ گُناہ سے نجات نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک خیالی اور ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ کسی کا خون گُناہ سے پاک کر سکتا

ہے۔ خون یا خودکشی کو گناہ سے کیا تعلق ہو وہ گناہ کے زائل کرنے کا طریق نہیں۔ ہاں اس سے گناہ پیدا ہو سکتا ہے اور تجربہ نے شہادت دی ہے کہ اس مسئلہ کو مان کر کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے

میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ گناہ سے بچنے کی سچی فلاسفی یہی ہے کہ گناہ کی ضرر دینے والی حقیقت کو پہچان لیں اور اس بات پر یقین کر لیں کہ ایک زبردست ہستی ہے جو گناہوں سے نفرت کرتی ہے۔ اور گناہ کرنیوالے کو سزا دینے پر قادر ہے۔

دیکھو اگر کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو۔ اور اس کا کچھ اسباب متفرق طور پر پڑا ہوا ہو تو یہ کبھی جرأت نہیں کرے گا کہ اسباب کا کوئی حصہ چرالے خواہ چوری کے کیسے ہی قوی محرک ہوں اور وہ کیسا ہی بدعادت کا مبتلا ہو۔ مگر اس وقت اس کی ساری قوتوں اور طاقتوں پر ایک موت وارد ہو جائے گی اور اسے ہرگز جرأت نہ ہو سکے گی اور اس طرح پر وہ اس چوری سے ضرور بچ جائے گا۔ اس طرح پر ہر قسم کے خطاکاروں اور شریروں کا حال ہے کہ جب انہیں ایسی قوت کا پورا علم ہو جاتا ہے جو اُن کی شرارت پر سزا دینے کے لئے قادر ہے تو وہ جذبات اُن کے دب جاتے ہیں۔ یہی سچا طریق گناہ سے بچنے کا ہے کہ انسان خدا تعالےٰ پر کامل یقین پیدا کرے اور اس کے سزا و جزا دینے کی قوت پر معرفت حاصل کرے۔ یہ نمونہ گناہ سے بچنے کے طریق کے متعلق خدا نے ہماری فطرۃ میں رکھا ہوا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اس اصول کو آپ کے سامنے پیش کر دوں کیا عجب آپکو فائدہ پہنچے۔ اور چونکہ آپ سفر کرتے رہتے ہیں اور مختلف آدمیوں سے ملنے کا آپ کو اتفاق ہوتا ہے۔ آپ اُن سے اسے ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ طریق جو میں پیش کرتا ہوں آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ جس قدر چاہیں جرح کریں۔ یہ میری طرف سے آپ کو ایک تحفہ ہے۔ اور میں ایسے تحفے دے سکتا ہوں۔

ہر شخص جو دُنیا میں آتا ہے۔ اس کا فرض ہونا چاہیئے کہ دھوکے اور خطرہ سے بچے پس

گناہ کے نیچے ایک خطرناک اور تمام خطروں اور دھوکوں سے بڑھ کر ایک دھوکا ہے۔ میں آگاہ کرتا ہوں کہ اس سے بچنا چاہیئے۔ اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ کیونکر بچنا چاہیئے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک اَور مسئلہ بھی ہے۔ جو خدا کی ہستی کے متعلق ہے مگر میں سردست اس کو چھوڑتا ہوں اور اس دوسرے مقصد کو لیتا ہوں جس کا ماحصل اور مدعا یہ ہے۔ کہ ہر ایک آدمی بجائے خود نیک بننا چاہتا ہے۔ اور نیکی کو اچھا سمجھتا ہے۔ اختلاف اگر ہے۔ تو ان طریقوں اور حیلوں میں ہے۔ جو نیکی کے حصُول کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ مگر مشترک طور پر نفس نیکی کو سب پسند کرتے اور چاہتے ہیں۔ جھُوٹ بولنا کون پسند کرتا ہے۔ جذبات نفسانی سے بچنے کو اچھّا کہتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بدیوں کو بدی سمجھنے کے بھی ایک دنیا ان میں گرفتار ہے۔ اور گناہ کے سَیلاب میں بہتی ہوئی جا رہی ہے۔ میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ عیسائیوں نے انسان کو گنہگار زندگی کو ہلاک کرکے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی کے حصُول کے لئے یہ راہ بتائی ہے کہ مسیح ہمارے لئے مر گیا اور ہمارے گناہوں کا بوجھ اس نے اُٹھا لیا اور اس کے خوُن سے ہم پاک ہو گئے مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ مسیح کے خوُن نے یورپ کی حالت پر کوئی نمایاں اثر اور تبدیلی پیدا نہیں کی۔ بلکہ ان کی اخلاقی اور رُوحانی حالتوں پر نظر کرکے سخت افسوس ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی مرتاضانہ زندگی نہیں ہے بلکہ ایک آزادی اور اباحت کی زندگی ہے۔ کتنے ہیں جو سرے سے خدا ہی کے منکر ہیں اور بہت ہیں جو خدا کو مان کر اور مسیح کے خوُن پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اپنی حالت میں گرے ہوئے ہیں۔ شراب کی وہ کثرت ہے جو کئی کئی میل تک شراب کی دوکانیں چلی جاتی ہیں اور نامحرم عورتوں کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھنا تو کیا، اُن کے دوسرے اعضاء بھی نہ بچ سکے۔ میں عیسائیوں تک ہی اس گُناہ کے سیلاب کو محدود نہیں کرتا۔ میں صاف کہتا ہوں اس وقت دنیا کی ساری قومیں اس زہر کو کھا رہی ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ مُسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کے پاس ایک روشن کتاب تھی اور اس میں کسی کے خوُن کے ذریعہ اُن کو گناہ

سے پاک کرنے کا وعدہ دے کر آزاد نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن وہ بھی خطرناک طور پر اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو ان میں بھی یہی بلا موجود ہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض قوموں نے جیسے آریہ ہیں نیوگ جیسے مسئلہ کو اپنے ایمانیات اور معتقدات میں داخل کر لیا۔ ایک مرد جبکہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تو وہ اپنی بیوی کو دوسرے سے اولاد پیدا کرنے کی اجازت دیدے

میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا ہے

غرض اس قسم کی ناپاک زندگی جو حقیقت میں گناہ کی لعنت ہے وہ عام ہو رہی ہے اور وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے۔ وہ ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں ہاں خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامور کیا ہے۔ کہ میں دنیا کو اس لعلِ تاباں کے حصول کی راہ بتا دوں۔ اس راہ پر چل کر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کر لیگا۔ اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے۔ جس کو خدا کی سچی معرفت کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے کیونکہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔ فلاسفر جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دوسرے مصنوعات کی ترتیب ابلغ و محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے۔ کہ کوئی صانع ہونا چاہیئے۔ مگر میں اس سے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔

اب اس میں صریح فرق ہے مگر یہ فرق تب ہی نظر آسکتا ہے۔ جب آنکھ صاف ہو ایسی صاف آنکھ کے عطا ہونے پر انسان بنی نوع کے حقوق اور خدا کے حقوق میں تمیز کر کے انہیں محفوظ کر لیتا ہے۔ اور یہ وہی آنکھ ہے جس کو خدا کے دیکھنے کی آنکھ کہتے ہیں۔ اس آنکھ کے ملنے پر وہ پاک زندگی شروع ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے کا یہ ذریعہ تو کسی حالت میں درست نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے کو سزا ملے اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ زید کو پھانسی ملے اور بکر بچ جاوے۔ کیونکہ اس کے ابطال پر یہی دلیل کافی ہے کہ خارجی امور میں ہم اس کی

کوئی نظیر نہیں پاتے اور اس طریق سے بچ نہیں سکتے بلکہ دلیر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کتا ہے یہ بھیڑیا نہیں ہے۔ اصل میں اگر یہ بھیڑیا ہو اور ہم اس کو کتا سمجھیں تو بھی ممکن ہی نہیں کہ اس سے ڈریں اور وہ خوف کریں جو ایک خونخوار بھیڑیئے سے کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ بھیڑیا ہے۔ ہمارے علم میں وہ ایک کتا ہے۔ لیکن اگر یہ علم ہو کہ یہ بھیڑیا ہے تو اس سے دُور بھاگیں گے اور اس سے بچنے کے لئے اچھی خاصی تیاری کریں گے۔ لیکن اگر یہ علم اور بھی وسیع ہو جاوے کہ یہ شیر ہے۔ تو بہت بڑا خطرہ پیدا ہو گا۔ اور اس سے بچنے کے لئے اَور بھی بڑی تیاری کریں گے۔ غرض جمیع قویٰ پر ہیبت اور تاثیر کے علم سے ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ پس اب یہ کیسی صاف صداقت ہے جس کو ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ پھر گناہوں سے بچنے کے واسطے کیا راہ ہو سکتی ہے؟

میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور میں ایسی صداقت پر قائم کیا گیا ہوں اور یہی حق ہے کہ جبتک خدائے قہار کی معرفت تام نہ ہو اور اس کی قوتوں اور طاقتوں کی ایک شمشیر برہنہ نظر نہ آجاوے انسان بدی سے بچ نہیں سکتا۔

بدی ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور دل بے اختیار ہو ہو کر قابو سے نکل جاتا ہے۔ خواہ کوئی یہ کہے کہ شیطان حملہ کرتا ہے۔ خواہ کسی اَور طرز پہ اس کو بیان کیا جاوے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ آج کل بدی کا زور ہے اور شیطان اپنی حکومت اور سلطنت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ بدکاری اور بے حیائی کے دریا کا بند ٹوٹ پڑا ہے اور وہ اطراف میں طوفانی رنگ میں جوش زن ہے۔ پس کس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ جو ہر مصیبت اور مشکل کے وقت انسان کا دستگیر ہوتا ہے اِس وقت اُسے ہر بلا سے نجات دے چنانچہ اس نے اپنے فضل سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ دنیا نے اس سیلاب سے بچنے کے واسطے مختلف حیلے نکالے ہیں اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے عیسائیوں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ پھر اس

کا علاج وُہی ہے جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے یعنی یہ کہ وہ مُفید اور نفع رساں چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے اور مُضر اور نقصان رساں چیزوں سے دُور بھاگتا ہے۔ اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ دیکھو سونے اور چاندی کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے تو اس کی طرف کیسی رغبت کرتا ہے اور کن کن محنتوں اور مشکلات سے اُسے بہم پہنچاتا ہے۔ اور پھر کن حفاظتوں سے اُسے رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شخص سونے چاندی کو تو پھینک دے اور اس کے بجائے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے اُٹھا کر اپنے صندوقوں میں بند کر کے اُن کی حفاظت کرنے لگے تو کیا ڈاکٹر اُس کی دیوانگی کا فتویٰ نہ دیں گے۔ ضرور دیں گے۔ اسی طرح پر جب ہمیں یہ محسُوس ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ بدی سے نفرت کرتا اور نیکی کو پیار کرتا ہے اور نیکیوں کو عزیز رکھتا ہے تو ہم دیوانہ وار نیکیوں کی طرف دوڑیں گے۔ اور گناہ کی زندگی سے دُور بھاگیں گے۔ یہی ایک اصُول ہے جو نیکی کی قوت کو طاقت بخشتا اور نیکی کے قویٰ کو تحریک دیتا ہے اور بدی کی قوتوں کو ہلاک کرتا اور شیطان کی ذریّت کو شکست دیتا ہے۔

جب واقعی طور پر اس آفتاب کی طرح جو اس وقت دنیا پر چمکتا ہے خدا پر ہمیں یقین حاصل ہو جاوے اور ہم خدا کو گویا دیکھ لیں تو یقیناً ہماری سفلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے ایک آسمانی زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السّلام اور دوسرے راستبازوں کی زندگیاں تھیں۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کی رحمت فرماں برداروں اور راستبازوں پر ہوتی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے حضور نیکی اور پاکیزگی کا تحفہ لے کر جاتے ہیں اور شرارتوں اور بدکاریوں سے اس لئے دُور رہتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرمان کا مُوجب ہیں ایسے لوگ ایک پاک چشمہ سے دھوئے جاتے ہیں جس کا دھویا ہوا پھر کبھی میلا اور ناپاک نہیں ہوتا اور انہیں وہ شربت پلایا جاتا ہے جس کے پینے والا کبھی پیاسا نہیں ہو سکتا۔ انہیں وہ زندگی عطا ہوتی ہے جس پر کبھی مَوت وارد نہیں ہوتی۔ انہیں وہ جنّت دیا جاتا

ہے جس سے کبھی نکلنا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو اس چشمہ سے سیراب نہیں ہوتے اور خدا کے ہاتھوں سے جس کا مسیح نہیں ہوتا وہ خدا سے دُور جاتے ہیں اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے خدا کی طرف آنا چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے۔ کہ نہ ان میں تسلّی کی کوئی راہ باقی ہے۔ نہ ان کے پاس دلائل ہیں اور نہ تاثیرات۔

میں خارق عادت امُور کا مشاہدہ کرا سکتا ہوں

ایک عیسائی سے اگر پُوچھا جائے کہ تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح کے خُون سے میرے گُناہ پاک ہو گئے تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ وہ کون سے فوق العادت امور تجھ میں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ایک غیر معمولی خدا ترسی اور نکوکاری کی رُوح تجھ میں پھُونک دی ہے تو وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مجھ سے پُوچھے۔ تو میں اس کو ان خارق عادت امور کا زبردست ثبُوت دے سکتا ہوں۔ اور اگر کوئی طالب صادق ہو۔ اور اس میں شتاب کاری اور بدظنّی کی قوت بڑھی ہوئی نہ ہو تو میں اُسے مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔

بعض امُور ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے دلائل نہ بھی ملیں تو اُن کی تاثیرات بجائے خود انسان کو قائل کر دیتی ہیں اور وہی تاثیرات دلائل کے قائمقام ہو جاتی ہیں۔ کفّارہ کے حق ہونے کے اگر دلائل عیسائیوں کے پاس نہیں ہیں جیسا کہ وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک راز ہے تو ہم پُوچھتے ہیں۔ کہ وہ اُن تاثیرات کو ہی پیش کریں جو کفّارہ کے اعتقاد نے پیدا کی ہیں۔ یُورپ کی اباحتی زندگی دُور سے ان تاثیرات کا نمونہ دکھا رہی ہے اس سے بڑھ کر وہ کیا پیش کریں گے۔ اور یہ ایک عقلمند کے سمجھ لینے کے واسطے کافی ہے کہ کیا اثر ہوا۔

ایک اور بات ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے جس پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض آدمیوں کو بڑے بڑے دھوکے لگے ہیں اور وہ جادۂ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان کی پیدائش ایک قسم کی نہیں ہے۔

جیسا بُوٹیاں ہزاروں قسم کی ہوتی ہیں اور جمادات میں بھی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں کوئی چاندی کی کان ہے کوئی سونے کی، کوئی تانبے اور لوہے کی۔ اسی طرح پر انسانی فطرتیں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض انسان اس قسم کی فِطرت رکھتے ہیں کہ وہ ایک گناہ سے نفرت کرتے ہیں اور بعض کسی اَور قسم کے گُناہ سے، مثلاً ایک آدمی ہے کہ وہ چوری تو کبھی نہیں کرتا لیکن زناکاری اور اَور قسم کی بے حیائی اور بے باکی کرتا ہے یا ایک زنا سے تو بچتا ہے لیکن کسی کا مال مار لینے یا خُون کر دینے کو گُناہ ہی نہیں سمجھتا اور بڑی دلیری کے ساتھ ایسی بیہودہ بات اور افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ غرض ہر ایک آدمی کو جو دیکھتے ہیں۔ تو اسے کِسی نہ کِسی قسم کے گُناہ میں مُبتلا پاتے ہیں اور بعض حِصّوں میں اور بعض قسم کے گُناہوں میں بالکل معصُوم ہوتے ہیں۔ پس جس قدر افراد انسانوں کے پائے جاتے ہیں۔ ان کی بابت ہم کبھی بھی قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے گُناہ کرتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ کوئی کِسی میں مُبتلا ہے کوئی دوسرے میں گرفتار ہے۔ کسی قوم کی بابت وہ مغرب میں ہو یا مشرق میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل گُناہ سے بچی ہوئی ہے۔ صرف اس قدر تو مانیں گے کہ فلاں گُناہ وہ نہیں کرتی مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ بالکل نہیں کرتی۔ یہ فطرت اور یہ قوت کہ بالکل گُناہوں سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے۔ سچی تبدیلی کے بغیر کسی کو مل نہیں سکتی اور اسی تبدیلی کو پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔

خدا کی معرفت کا زندہ یقین

جو لوگ صادق دل اور اخلاص کے ساتھ صحت نیّت اور پاک ارادہ اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صُحبت میں رہیں تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالےٰ اپنی تجلیات کی چمکار سے اُن کی اندرُونی تاریکیوں کو دُور کر دے گا۔ اور انہیں ایک نئی معرفت اور نیا یقین خدا پر پیدا ہوگا اور یہی وہ ذریعے ہیں۔ جو انسان کو گُناہ کے زہر کے اثر سے بچا لیتے ہیں اور اس کے لئے تریاقی قوت پیدا کر دیتے ہیں یہی وہ خدمت ہے

جو ہمارے سپرد ہوئی ہے۔ اور اسی ایک ضرورت کو میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو انسان اس زنجیر اور قید سے نجات پانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جو گناہ کی زنجیریں ہیں۔ اُسے اسی طریق پر نجات ملے گی۔

پس اگر کوئی قصے کہانیوں کو ہاتھ سے پھینک کر اور ان وہمی حیلوں اور خیالی ذریعوں کو چھوڑ کر کہ کسی کی خودکشی بھی گناہ سے بچا سکتی ہے۔ صدق اور اخلاص سے یہاں رہے تو وہ خدا کو دیکھ لے گا۔ اور خدا کو دیکھ لینا ہی گناہ پر موت وارد کرتا ہے۔ ورنہ اتنی ہی بات پر خوش ہو جانا کہ فلاں گناہ مجھ میں نہیں یا فلاں عیب سے میں بچا ہوا ہوں۔ حقیقی نجات کا وارث نہیں بنا سکتا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی نے اسٹرکنیا کھا کر موت حاصل کی اور کسی نے سم الفار یا بادام کے زہر سے جان دے دی۔ ہم کو اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ عیسائیوں کے طریق نجات پر یا کسی اور مذہب کے پیش کردہ دستور پر کوئی لمبی چوڑی بحث کریں۔ تجربہ اور مشاہدہ خود گواہ ہے۔ ہم تو صرف وہی طریق بتانا چاہتے ہیں۔ جو خدا نے ہمیں سمجھایا ہے۔ اور جس طریق پر ہمیں اطلاع دی ہے۔

پس گناہوں سے بچنے کا سچا طریق جو مجھے بتایا گیا ہے اور جس کو کل انبیاء کی پاک جماعت نے اپنے اپنے وقت پر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ انسانی جذبات پر انسان کو اسی وقت کامل فتح مل سکتی ہے اور شیطان اور اس کی ذریت کی شکست کا وہی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کے دل پر ایک درخشاں یقین نازل ہو کہ خدا ہے۔ اور اس کی پاک صفات کے صریح خلاف ہے کہ کوئی گناہ کرے اور گنہگاروں پر اُس کا غضب بھڑکتا ہے اور پاکبازوں کو اس کا فضل و رحمت ہر بلا سے نجات دیتے ہیں۔ اور یہ معرفت اور یہ یقین حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اُن لوگوں کے پاس ایک عرصہ تک نہ رہیں جو خدا تعالیٰ سے شدید تعلق رکھتے ہیں اور خدا سے لے کر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ بس یہی ہماری غرض ہے جو لے کر ہم دنیا میں آئے ہیں اور اسی کو ہم نے آپ کو سنا دیا ہے

اب آپ اس پر غور کریں اور جو سوال آپ کا اس پر ہو وہ آپ بے شک کریں۔" ※

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۶ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۱ء)

(" " ۵ " ۴۷ " ۱-۳ " ۲۴ دسمبر ۱۹۰۱ء)

---

۱۸ نومبر ۱۹۰۱ء۔ مسٹر ڈکسن۔ کیا خدا اس جہان میں سزا دیتا ہے۔ یا دوسرے جہان میں۔

سزا و جزا کی حقیقت

حضرت اقدسؑ۔ "میں نے آپ کے سوال کو سمجھ لیا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالےٰ نے نبیوں کی معرفت ہمیں بتایا ہے اور واقعات صحیحہ نے جس کی شہادت دی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سزا و جزا کا قانون خدا تعالیٰ نے ایسا مقرر کیا ہے کہ اس کا سلسلہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے اور جو شوخیاں اور شرارتیں انسان کرتا ہے۔ وہ بجائے خود انہیں محسوس کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ان کی سزا اور پاداش جو یہاں ملتی ہے اس کی غرض تنبیہہ ہوتی ہے تاکہ توبہ اور رجوع سے شوخ انسان اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کا جو رشتہ ہے اس کو قائم کرنے میں جو غفلت اس نے کی ہے اس پر اطلاع پاکر اسے مستحکم کرنا چاہے۔ اس وقت یا تو انسان اس تنبیہہ سے فائدہ اُٹھاکر اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی مدد سے چاہتا ہے اور یا اپنی شقاوت سے اس میں دلیر ہو جاتا ہے اور اپنی سرکشی اور شرارت میں ترقی کر کے جہنّم کا وارث ٹھہر جاتا ہے۔ اس دنیا میں جو سزائیں بطور تنبیہہ دی جاتی ہیں ان کی مثال مکتب کی سی ہے۔ جیسے مکتب میں کچھ خفیف سی سزائیں بچّوں کو ان کی غفلت اور سُستی پر دی جاتی ہیں۔ اس سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ علوم سے نہیں استاد محروم رکھنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی غرض پر اطلاع دے کر آئندہ کے لئے زیادہ محتاط اور ہوشیار بنادے۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ جو شرارتوں اور شوخیوں پر کچھ سزا دیتا ہے تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ نادان انسان

جو اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اپنی شرارت اور اُس کے نتائج پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبرُوت سے ڈر جاوے اور اس کی طرف رجُوع کرے۔ میں نے اپنی جماعت کے سامنے بارہا اس امر کو بیان کیا ہے اور اب آپ کو بھی بتاتا ہوں کہ جب انسان ایک کام کرتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک فعل اُس پر نتیجہ کے طور پر مترتّب ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کافی مقدار زہر کی کھائیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے اس میں زہر کھانا یہ ہمارا اپنا فعل تھا۔ اور خدا کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوا۔ کہ اس نے ہلاک کر دیا۔ یا مثلاً یہ کہ اگر ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکیاں بند کر لیں تو یہ ہمارا فعل ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ کوٹھڑی میں اندھیرا ہو جائے گا۔ اس طرح پر انسان کے افعال اور اس پر بطور نتائج اللہ تعالیٰ کے افعال کے صدُور کا قانُون دنیا میں جاری ہے اور یہ انتظام جیسا کہ ظاہر سے متعلق ہے اور جسمانی نظام میں اس کی نظیریں ہم روز دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر باطن کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے اور یہی ایک اصول ہے جو قانون سزا کے سمجھنے کیواسطے ضروری ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ ہمارا ہر ایک فعل نیک ہو یا بد۔ اپنے فعل کے ساتھ ایک اثر رکھتا ہے۔ جو ہمارے فعل کے بعد ظہُور پذیر ہوتا ہے۔

اب عذاب اور راحت کو جو گناہوں کی پاداش یا نیکیوں کی جزا میں دی جاتی ہے۔ ہم بہت جلد سمجھ سکتے ہیں۔ اور میں پُوری بصیرت اور دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس فلاسفی کے بیان کرنے سے دوسرے تمام مذہب بالکل عاری اور تہی ہیں۔ اس بات کو ہر شخص جو خدا کو مانتا ہے۔ اقرار کرتا ہے کہ انسان خدا ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی ساری خوشیوں کی انتہا ساری راحتوں کی غایت اسی میں ہو سکتی ہے کہ وہ سارے کا سارا خدا ہی کا ہو جاوے اور جو تعلق الُوہیّت اور عبُودیّت میں ہونا چاہیئے۔ یا یوں کہو کہ ہے۔ جب تک انسان اس کو مستحکم نہیں کرتا۔ اور اسے حیز فعل میں نہیں لاتا۔ وہ سچی خوشحالی کو پا نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے آنے کی یہی غرض ہوتی ہے۔ اور وہ اسی اہم مقصد کو لیکر آتے

ہیں کہ وہ انسان کو یہ گمشدہ متاع واپس دینا چاہتے ہیں جو عبودیت اور الوہیت کے درمیان رشتہ کی ہوتی ہے۔ مگر جب انسان خدا سے دُور ہٹ جاتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو اس محبت کی زنجیر سے الگ کر لیتا ہے جو خدا اور بندہ کے درمیان ہونی چاہیئے۔ اور یہ فعل انسان کا ہوتا ہے اور اس پر خدا کا یہ فعل ہوتا ہے کہ وہ بھی اس سے دُور ہٹتا ہے اور اسی بُعد کے لحاظ سے انسانی قلب پر تاریکی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی طرف سے دروازہ بند کرنے پر ظلمت اور تاریکی سے کمرہ بھر جاتا ہے۔ اسی طرح پر خدا سے مُنہ پھیرنے سے اندرونہ انسانی ظلمت سے بھرنے لگتا ہے۔ اور جُوں جُوں وہ دُور ہوتا جاتا ہے ظلمت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی ظلمت ہے جو جہنّم کہلاتی ہے۔ کیونکہ اسی سے ایک عذاب پیدا ہوتا ہے۔ اب اس عذاب سے اگر بچنے کے لئے وہ یہ سعی کرتا ہے کہ ان اسباب کو جو خدا تعالیٰ سے بُعد اور دُوری کا موجب ہوئے ہیں۔ چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالےٰ اپنے فضل کے ساتھ رجُوع کرتا ہے اور جیسے کھڑکیوں کے کھول دینے سے گئی ہوئی روشنی واپس آ کر تاریکی کو دُور کر دیتی ہے۔ اسی طرح پر سعادت کا نُور جو جاتا رہا تھا۔ وہ اسی انسان کو جو رجُوع کرتا ہے پھر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے پُورا مُستفید ہونے لگتا ہے۔

توبہ کی حقیقت

اور توبہ کی یہی حقیقت ہے جس کی نظیر ہم قانُون قدرت میں صاف مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نبیوں کے زمانہ میں جو قوموں پر عذاب آتے ہیں۔ جیسے لُوطؑ کی قوم پر۔ یا یہودیوں کو بخت نصر یا طیطس رُومی کے ذریعہ تباہ کیا گیا تو ان عذابوں کا مُوجب محض اختلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے عذابوں اور دکھوں کا موجب وہ شرارتیں اور شوخیاں اور تکلیفیں ہوتی ہیں۔ جو وہ نبیوں سے کرتے اور انہیں پہنچاتے ہیں۔ آخر اُن کی شرارتیں اُن پر ہی لَوٹ کر پڑتی ہیں۔ اور انہیں تباہ اور ہلاک کر دیتی ہیں۔ جس طرح پر سیاست اور مُلک داری کے اصُولوں کی تہ میں یہ بات رکھی ہوئی ہے۔ کہ امنِ

عامہ میں خلل انداز ہونے والوں کو وہ چور ہوں یا ڈاکو، باغی ہوں یا کسی اور جرم کے مجرم محض اس لئے سزا دی جاتی ہے تا آئندہ کے لئے امن ہو اور دوسروں کو اس سے عبرت۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ قانون رکھا ہوا ہے۔ کہ وہ شریروں اور سرکشوں کو جو اس کے حدود اور اوامر کی پرواہ نہیں کرتے سزا دیتا ہے تاکہ حد سے نہ بڑھ جائیں جنہوں نے حد سے بڑھنا چاہا خدا نے وہیں انہیں تنبیہ کی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ سزا اور تنبیہ اس شخص کے لئے بھی جسے دی جاتی ہے اور دوسروں کے واسطے بھی جو عبرت کی نگاہ سے اُسے دیکھتے ہیں بطور رحمت ہے۔ کیونکہ اگر سزا نہ دی جائے۔ تو امن اُٹھ جاتا اور انجام کار نتیجہ بہت ہی بُرا ہوتا۔ قانون قدرت پر نظر کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ فطرت انسانی میں یہ بات رکھی ہوئی ہے اور اس فطرتی نقش ہی کی بنا پر قرآن نے یہ فرمایا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْاَلْبَابِ[1] یعنی تمہارے تمدن کے قیام کے لئے قصاص کا ہونا ضروری ہے۔ اگر افعال کے کچھ نتائج ہی نہیں ہوتے۔ تو وہ افعال ہی کیا ہوئے اور ان سے کیا غرض مقصود ہوتی ہے۔ غرض ضروری اور واقعی طور پر یہ سزائیں نہیں ہوتیں جو یہاں دی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک ظل ہے اصل سزاؤں کا اور اُن کی غرض ہے عبرت۔

دوسرے عالم کے مقاصد اور ہیں۔ اور وہ بالاتر اور بالاتر ہیں۔ وہاں تو مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔[2] کا انعکاسی نمونہ لوگ دیکھ لیں گے اور انسان کو اپنے مخفی در مخفی گناہوں اور عزیمتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں ایک بڑا فرق یہ ہے۔ کہ دُنیا کی سزائیں امن قائم کرنے اور عبرت کے لئے ہیں اور آخرت کی سزائیں افعالِ انسانی کے آخری اور انتہائی نتائج ہیں۔ وہاں اُسے سزا ضروری ٹھہری کیونکہ اُس نے زہر کھائی ہوئی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ بدوں تریاق وہ اُس زہر کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔

عاقبت کی سزا کی حقیقت

عاقبت کی سزا اپنے اندر ایک فلسفیانہ حقیقت رکھتی ہے جس کو کوئی مذہب بجز اسلام

[1] البقرة: ۱۸۰ [2] الزلزال: ۹

کے کامل طور پر بیان نہیں کر سکا۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا[1] یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی بدتر، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی آنکھیں اور اُس کے دریافت کرنے کے حواس اِسی جہان سے انسان اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جو یہاں اُن حواس کو نہیں پاتا وہاں وہ اُن حواس سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔ یہ ایک دقیق راز ہے۔ جس کو عام لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر اس کے یہ معنی نہیں تو یہ تو پھر بالکل غلط ہے۔ کہ اندھے اس جہان میں بھی اندھے ہوں گے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بغیر کسی غلطی کے پہچاننا اور اسی دُنیا میں صحیح طور پر اُس کی صفات و اسمار کی معرفت حاصل کرنا آئندہ کی تمام راحتوں اور رستگیوں کی کلید ہے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اِسی دنیا سے ہم عذاب اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور اِس دنیا کی کورانہ زیست اور ناپاک افعال ہی اس دوسرے عالم میں عذابِ جہنم کی صُورت میں نمودار ہو جائیں گے اور وہ کوئی نئی بات نہ ہوں گے۔

جیسے ایک شخص گھر کے دروازے بند کر لینے سے روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور تازہ اور زندگی بخش ہوا اُسے نہیں مل سکتی یا کسی زہر کھا لینے سے اُس کی زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح پر جب ایک آدمی خدا کی طرف سے ہٹتا ہے اور گناہ کرتا ہے۔ تو وہ ایک ظُلمت کے نیچے آ کر عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح تھا جس کے معنی میل کرنے اور اصل مرکز سے ہٹ جانے کے ہیں۔ پس جب انسان خدا سے اعراض کرتا ہے۔ اور اس کے نُور کے مقابل سے ہٹ جاتا ہے اور اس روشنی سے دُور ہو جاتا ہے جو صرف خُدا کی طرف سے اُترتی اور دلوں پر نازل ہوتی ہے تو وہ ایک تاریکی میں مبتلا ہوتا ہے جو اس کیلئے عذاب کا موجب ہو جاتی ہے۔ پھر جس قسم کا یہ اعراض ہو۔ اسی قسم کا عذاب اُسے دُکھ دیتا ہے۔ لیکن اگر انسان پھر اُسی مرکز

[1] بنی اسرائیل : ۷۳

کی طرف آنا چاہے اور اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دے جو ایسی روشنی کے پڑنے کا مقام ہے۔ تو وہ پھر اس گمشدہ نور کو پا لیتا ہے۔ کیونکہ جیسے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کمرہ میں روشنی کو ایسے وقت پا سکتے ہیں۔ جب اس کی کھڑکیاں کھول دیں۔ ویسے ہی رُوحانی نظام میں مرکز اصلی کی طرف بازگشت کرنا ہی راحت کا موجب ہو سکتا ہے۔ اور اس دُکھ درد سے بچاتا ہے جو اس مرکز کو چھوڑنے سے پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام توبہ ہے اور یہی ظلمت جو اس طرح پر پیدا ہوتی ہے ضلالت اور جہنّم کہلاتی ہے۔ اور مرکز اصلی کی طرف رجوع کرنا جو راحت پیدا کرتا ہے۔ جنّت سے تعبیر ہوتا ہے۔ اور گناہ سے ہٹ کر پھر نیکی کی طرف آنا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جاوے اس بدی کا کفّارہ ہو کر اُسے دُور کر دیتا ہے اور اس کے نتائج کو بھی سلب کر دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّـاٰتِ[۱] یعنی نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ چونکہ بدی میں ہلاکت کی زہر ہے اور نیکی میں زندگی کا تریاق۔ اس لئے بدی کے زہر کو دُور کرنے کا ذریعہ نیکی ہی ہے۔ یا اسی کو ہم یُوں کہہ سکتے ہیں۔ عذاب راحت کی نفی کا نام ہے۔ اور نجات راحت اور خوشحالی ہی کے حصُول کا نام ہے۔ اسی طرح پر جیسے بیماری اس حالت کا نام ہے جب حالت بدن مجری طبیعت پر نہ رہے اور صحت وہ حالت ہے کہ اُمور طبیعہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوں۔ اور جیسے کسی ہاتھ پاؤں یا کسی عُضو کے اپنے مقام خاص سے ذرا اِدھر اُدھر کھسک جانے سے درد شروع ہو جاتا ہے اور وہ عضو نکما ہو جاتا ہے اور اگر چندے اسی حالت پر رہے تو پھر نہ خود بالکل بے کار ہو جاتا ہے بلکہ دوسرے اعضاء پر بھی اپنا بُرا اثر ڈالنے لگتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت رُوحانی ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے سامنے سے جو اُس کی زندگی کا اصل موجب مایہ حیات ہے۔ ہٹ جاتا ہے اور فطرت کے دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ تو عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ اور اگر قلب مُردہ نہ ہو گیا ہو۔ اور اس میں احساس کا مادہ باقی ہو۔ تو وہ اس عذاب کو خوب محسُوس کرتا ہے اور اگر اس بگڑی ہوئی حالت کی اصلاح نہ کی جاوے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر ساری

[۱] ھود: ۱۱۵

رُوحانی قوتیں رفتہ رفتہ نکمّی اور بیکار ہوجائیں اور ایک شدید عذاب شروع ہوجاوے۔ پس اب کیسی صفائی کے ساتھ یہ امر سمجھ میں آجاتا ہے کہ کوئی عذاب باہر سے نہیں آتا بلکہ خود انسان کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عذاب خدا کا فعل ہے۔ بیشک اس کا فعل ہے مگر اسی طرح جیسے کوئی زہر کھائے تو خدا اُسے ہلاک کردے۔ پس خدا کا فعل انسان کے اپنے فعل کے بعد ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلّشانہٗ اشارہ فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ[1]۔ یعنی خدا کا عذاب وہ آگ ہے جس کو خدا بھڑکاتا ہے۔ اور اس کا شعلہ انسان کے دل سے ہی اُٹھتا ہے۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہی ہے کہ عذاب کا اصل بیج اپنے وجُود ہی کی ناپاکی ہے۔ جو عذاب کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

بہشت کی نعماء کی حقیقت

اسیطرح بہشت کی راحت کا اصل سرچشمہ بھی انسان کے اپنے ہی افعال ہیں اگر وہ فطرتی دین کو نہیں چھوڑتا۔ اگر وہ مرکز اعتدال سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا۔ اور عبودیت اُلوہیت کے محاذ میں پڑی ہوئی اس کے انوار سے حصّہ لے رہی ہے تو پھر یہ اس عضو صحیح کی طرح ہے جو مقام سے ہٹ نہیں گیا۔ اور برابر اس کام کو دے رہا ہے جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور اُسے کچھ بھی درد نہیں بلکہ راحت ہے۔

قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ[2] یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کو خوشخبری دے دو۔ کہ وہ ان باغوں کے وارث ہیں۔ جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں اس آیت میں ایمان کو اللہ تعالیٰ نے باغ سے مثال دی ہے اور اعمال صالحہ کو نہروں سے۔ جو رشتہ اور تعلق نہر جاریہ اور درخت میں ہے وہی رشتہ اور تعلق اعمالِ صالحہ کو ایمان سے ہے۔ پس جیسے کوئی باغ ممکن ہی نہیں کہ پانی کے بدُوں سرسبز اور ثمردار ہوسکے۔ اس طرح پر کوئی ایمان جس کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں

[1] الھمزۃ: ۷-۸ [2] البقرۃ: ۲۶

مُفید اور کارگر نہیں ہو سکتا۔ پس بہشت کیا ہے۔ وہ ایمان اور اعمال ہی کے مُجسّم نظارے ہیں۔ وہ بھی دوزخ کی طرح کوئی خارجی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا بہشت بھی اُس کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ یاد رکھو اس جگہ پر جو راحتیں ملتی ہیں وہ وُہی پاک نفس ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بنایا جاتا ہے۔ پاک ایمان پَودہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اور اچھے اچھے اعمال۔ اخلاق فاضلہ یہ اس پَودہ کی آبپاشی کے لئے بطور نہروں کے ہیں۔ جو اس کی سرسبزی اور شادابی کو بحال رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں تو یہ ایسے ہیں جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں۔ مگر اُس عالَم میں محسُوس اور مُشاہدہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ لکھا ہے کہ جب بہشتی اُن انعامات سے بہرہ وَر ہوں گے تو یہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا[1] اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا میں جو دُودھ یا شہد یا انگور، انار وغیرہ چیزیں ہم کھاتے پیتے ہیں۔ وہی وہاں ملیں گی نہیں وہ چیزیں اپنی نوعیّت اور حالت کے لحاظ سے بالکل اَور کی اَور ہوں گی۔ ہاں صرف نام کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ ان تمام نعمتوں کا نقشہ جسمانی طور پر دکھایا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ وہ چیزیں رُوح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت پیدا کرنے والی ہیں۔ اُن کا سرچشمہ رُوح اور راستی ہے۔ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ سے یہ مُراد لینا کہ وہ دنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں، بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اس آیت میں یہ ہے کہ جن مومنوں نے اعمال صالحہ کئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا جس کا پھل وہ اس دوسری زندگی میں بھی کھائیں گے اور وہ پھل چونکہ رُوحانی طور پر دنیا میں بھی کھا چکے ہوں گے اس لئے اس عالَم میں اُس کو پہچان لیں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ تو وُہی پھل معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ وہی رُوحانی ترقیاں ہوتی ہیں جو دنیا میں کی ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ عابدؔ عارف ان کو پہچان لیں گے۔

مَیں پھر صاف کرکے کہنا چاہتا ہوں کہ جہنّم اور بہشت میں ایک فلسفہ ہے جس کا ربط

[1] البقرۃ: ۲۶

باہم اسی طرح پر قائم ہوتا ہے جو میں نے ابھی بتایا ہے۔ مگر اس بات کو کبھی بھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ دُنیا کی سزائیں تنبیہ اور عبرت کے لئے انتظامی رنگ کی حیثیت سے ہیں۔

سیاست اور رحمت دونوں باہم ایک رشتہ رکھتی ہیں اور اسی رشتہ کے اظلال یہ سزائیں اور جزائیں ہیں۔ انسانی افعال اور اعمال اسی طرح پر محفوظ اور بند ہوتے جاتے ہیں جیسے فونوگراف میں آواز بند کی جاتی ہے۔ جبتک انسان عارف نہ ہو۔ اس سلسلہ پر غور کر کے کوئی لذّت اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

معرفت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اوّل خداشناس ہو اور خداشناسی حاصل نہیں ہوتی جب تک کسی خدانما انسان کی مجلس میں صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ ایک کافی مدت تک نہ رہے۔ اس کے بعد وہ اس سلسلہ کو جو جزا سزا کا اور دنیا اور عُقبیٰ کا ہے۔ بڑی سہولت کے ساتھ سمجھ لے گا۔ اس بیان پر غور کرنے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور بہشت کی فلاسفی جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے وہ کسی اور کتاب نے نہیں بتائی۔ اور قرآن شریف کے مطالعہ سے یہ امر بھی کھل جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کو تدریجاً بیان فرمایا ہے۔ مگر یہ راز اُن پر ہی کھلتا ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور پاک نفس لے کر سوچتے ہیں۔ کیونکہ کوئی عمدہ بات بدُون تکلیف کے نہیں ملتی ہے یہ کہنا کہ ہر شخص اس راز پر کیوں اطلاع نہیں پاتا۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھو ہمارے حواس کے کام الگ الگ ہیں۔ مثلاً آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ زبان چکھ سکتی ہے اور بول سکتی ہے۔ کان سُن سکتے ہیں۔ گویا ہر ایک حواس میں سے اپنے اپنے فرائض اور قوت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ کان کے پاس مصری کی ڈلی رکھ دی جاوے۔ اور وہ اس کا ذائقہ بتا دے۔ اور آنکھ خارجی آوازیں سُن لے۔ یا زبان دیکھ لے۔ پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی معرفت کے دقیق اسرار کو معلوم کرنے کے واسطے خاص قویٰ ہیں۔ وہی اُن پر اطلاع دے سکتے ہیں۔ اور یہ قویٰ دیئے تو سب کو گئے ہیں۔ لیکن اُن سے کام لینے والے

بہت تھوڑے ہیں۔ظن کا کوئی قوی اثر نہیں ہو سکتا۔یہی وجہ ہے کہ فلاسفروں کی ایمانی حالت بہت ہی کمزور ہوتی ہے۔اور وہ ظنیات سے آگے نہیں بڑھتے۔افلاطون جو بڑا مدبر اور دانشمند سمجھا جاتا تھا جب مرنے لگا تو اُس نے یہی کہا کہ فلاں بُت پر اُس کے لئے ایک مُرغ چڑھا دینا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسا کمزور ایمان تھا۔توحید پر قائم نہ ہوا۔

صُحبت صالحین

پس وہ عظیم ذریعہ جس سے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو اور خدا تعالےٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان قائم ہو۔ایک ہی ہے کہ انسان ان لوگوں کی صُحبت اختیار کرے جو خدا تعالےٰ کے وجُود پر زندہ شہادت دینے والے ہوں۔خود جنہوں نے اس سے سُن لیا ہے کہ وہ ایک قادرِ مُطلق اور عالم الغیب تمام صفاتِ کاملہ سے موصُوف خدا ہے۔

ابتدا میں جب انسان ایسے لوگوں کی صُحبت میں جاتا ہے تو اُس کی باتیں بالکل انوکھی اور نرالی معلوم ہوتی ہیں۔وہ بہت کم دل میں جاتی ہیں۔گو دل اُن کی طرف کھنچا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے۔کہ اندر کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے ان معرفت کی باتوں کی ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے۔جو کچھ گرد و غُبار دل پر بیٹھا ہوتا ہے۔صادق کی باتیں ان کو دُور کر کے اُسے جلا دینا چاہتی ہے۔تا اس میں یقین کی قوت پیدا ہو۔جیسے جب کبھی کسی آدمی کو مُسہل دیا جاتا ہے تو دست اور دوائی پیٹ میں جا کر ایک گڑگڑاہٹ پیدا کر دیتا ہے اور تمام مواد ردّیہ اور فاسدہ کو حرکت اور جوش دے کر باہر نکالتی ہے۔اسی طرح پر صادق اُن ظنیات کو دُور کرنا چاہتا ہے اور سچے علوم اور اعتقاد صحیحہ کی معرفت کرانی چاہتا ہے اور وہ باتیں اس دل کو جس نے بہت بڑا زمانہ ایک اَور ہی دنیا میں بسر کیا ہوا ہوتا ہے۔ناگوار اور ناقابلِ عمل معلوم ہوتی ہیں۔لیکن آخر سچائی غالب آجاتی ہے اور باطل پرستی کی قوتیں مر جاتی ہیں۔اور ۔ ۔ ۔ ۔ حق پرستی کی قوتیں نشو و نما پانے لگتی ہیں۔پس میں اس نُور کو لے کر آیا ہوں اور دُنیا میں قوت یقین پیدا کرنا چاہتا ہوں۔اور اس قوت

کا پیدا ہونا صرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اُن نشانات سے نشو ونما پاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادقوں کے ہاتھ پر ظہور پاتے ہیں۔

میرا مدعا یہی ہے کہ دوسری کلام نہ کروں جبتک ایک امر سُننے والے کے ذہن نشین نہ کر لوں اور سُننے والا فیصلہ نہ کر لے کہ اس بات کو اُس نے سمجھ لیا ہے۔ یا اس پر کوئی اعتراض کرے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۳ - ۶ پرچہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء)

۱۸ نومبر ۱۹۰۱ء (بقیہ گفتگو)

سچی معرفت کیا ہے

"کیونکہ سوال کرنا بھی ایک قسم کا علم پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اَلسَّوَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ مشہور ہے۔ پس میں اس کو بھی غنیمت سمجھتا ہوں کہ کسی کے دل میں امر حق کے متعلق سوال کرنے کی تحریک پیدا ہو جاوے۔

یقیناً یاد رکھو کہ سچی معرفت ہر ایک طالبِ حق کو جو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہے۔ مل سکتی ہے۔ یہ کسی کے لئے خاص نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جو غفلت کرتا ہے اور صدقِ نیت سے اس کی جستجو نہیں کرتا۔ اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ورنہ خدا تعالیٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ سے رنگین کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کو خدا نے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اور اسی لئے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1]۔ جن لوگوں نے ایک عورت کے بچے کو یا یوں کہو کہ انسان کو خدا بنایا ہے۔ انہوں نے نہ خدا کو سمجھا ہے۔ اور نہ انسان ہی کی حقیقت پر غور کی ہے۔ انسان کیا ہے؟ وہ گویا کل مخلوقاتِ الٰہیہ کی ایک مجموعی صورت ہے۔ جس قدر مخلوق دنیا میں جیسی بھیڑ۔ بکری وغیرہ موجود ہے۔ سب انسانی قویٰ کی انفرادی صورتیں ہیں۔

[1] العنکبوت: ۷۰

جیسے ایک مصنّف جب کوئی کتاب لکھنی چاہتا ہے تو پہلے متفرق نوٹ ہوتے ہیں پھر ان کو ترتیب دے کر ایک کتاب کی صُورت میں لے آتا ہے۔ اسی طرح پر کُل مخلوقات انسانی قویٰ کے خاکے ہیں۔ گویا یہ عملی صورت بتاتی ہے کہ انسان اعلیٰ قویٰ لے کر آیا ہے۔ پس عیسائی مذہب انسانی قویٰ کی توہین کرتا ہے اور اُن کی تکمیل اور نشو و نما کے لئے ایک خطرناک روک پیدا کر دیتا ہے جبکہ وہ انسان کو خدا بنا کر اس کے خون پر نجات کا انحصار رکھ دیتا ہے۔

پس میں جو بات آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ یہی ہے کہ میں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں اور خدا تعالےٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے جس کو لے کر میں دنیا میں آیا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس کو سمجھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں تاکہ جہاں کہیں آپ جائیں اور اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اپنے سفر کے عجائبات سُنائیں۔ وہاں ان کو یہ باتیں بھی بتائیں جو میں نے آپ کو سُنائی ہیں۔

مسٹر ڈکسن۔ میں نے آپ کا مدعا خوب سمجھ لیا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں کہیں میں جاؤں گا۔ میں یورپین لوگوں میں اس کا تذکرہ کروں گا۔

حضرت اقدسؑ۔ ہم نے تو آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا۔ کہ آپ میں انصاف ہے ہماری دلی آرزو یہی تھی کہ آپ کچھ دنوں ہمارے پاس رہ جاتے تاکہ ہمیں پُورا موقع ملتا۔ کہ اپنے اصُول آپ کو سمجھائیں اور آپ کو بھی غور کرنے اور بار بار پُوچھنے کا موقع ملتا۔ مگر تاہم ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی غور کرنے والی طبیعت ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گی۔ انسان کے اعلےٰ درجہ کے اخلاق کا نمونہ یہی ہے کہ وہ راستی کے قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے بہت سے امُور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان محض ماں باپ کی تقلید کی وجہ سے باوجودیکہ اس میں صریح نقص دیکھتا ہے، نہیں چھوڑتا۔ لیکن جو شخص سچے اخلاق اور اخلاقی جُرأت سے حصّہ رکھتا ہے۔ وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وہ صرف راستی کا خواہشمند ہوتا ہے۔

بچپن میں دو قوتیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ اوّل ہر ایک چیز اندر چلی جاتی ہے۔ دوم۔ خوب

یاد رہتی ہے۔ بچہ کبھی دلائل نہیں پوچھتا کہ کیوں یہ بات ہے۔ مگر اصل شجاعت یہی ہے۔ کہ ان باتوں کو جو شیرِ مادر کی طرح پیتا ہے۔ جب اُسے معلوم ہو جاوے کہ ان میں حقیقت اور معرفت کا رنگ اور قوت نہیں ہے۔ تو انہیں چھوڑنے کے لئے فی الفور تیار ہو جاوے۔ تمام قویٰ کا بادشاہ انصاف ہے۔ اگر یہ قوت ہی انسان میں مفقود ہے تو پھر سب سے محروم ہونا پڑتا ہے۔

انسان دُنیا میں اس لئے نہیں آیا کہ وہ باطل کا ذخیرہ جمع کرے بلکہ اُسے حقیقت شناس اور حق پرست ہونا چاہیئے۔

دنیا میں چونکہ باطل بھی ہے اور کچھ تعجّب نہیں کہ باطل پرست اسے سچ سے بھی زیادہ چمکدار دکھانا چاہیں۔ مگر دانشمند کو دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ اس کو لازم ہے۔ کہ سچائی کو پُورے طور پر پرکھے اور پھر قبول کرے۔

میرے نزدیک عام مذاہب کا اس وقت یہ حال ہے کہ گویا باطل مذاہب کا ایک میدان لگا ہوا ہے! ور ہر ایک بجائے خود کوشش کرتا ہے کہ اپنے مذہب کو سچا دکھلائے مگر مَیں کہتا ہوں کہ رُوحانیت کو دیکھو کہ کس میں ہے! ور تائیدی نشان کون اپنے ساتھ رکھتا ہے اور کونسا مذہب ہے جو گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ میں آپ کو اپنے تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے، اسلام میں ملتی ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی کے خُون سے اس کیڑے کو موت آوے بلکہ خُون پڑ کر تو اور بھی کیڑے پیدا کرے گا۔ اس لئے خُون گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہرگز نہیں ہے۔ نجات اور پاکیزگی کی سچی اصل وہی ہے جو مَیں نے آپ کو بتائی ہے اور ساری دُنیا کو چاہیئے کہ اُسی کی تلاش کریں"۔ اس تقریر کے ختم کرتے کرتے نہر کا پل جو قادیان سے چار میل کے قریب ہے آپہنچا۔ یہاں پہنچ کر مسٹر ڈکسن حضرت سے رخصت ہو کر بٹالہ کو چلے گئے اور حضرت اقدس واپس تشریف فرما ہوئے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۳ پرچہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء)

۲۷ نومبر ۱۹۰۱ء

اعجاز التنزیل

فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس کے برگزیدوں، رسولوں پر نازل ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ عظیم الشان اعجاز اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور کوئی شخص تنہا یا دوسروں کی مدد سے اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی صرفِ ہمت کر دیتا ہے۔ اور اس طرح پر اس کا معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ بار بار مخالفوں کو اس کی مثال لانے کی دعوت اور تحدی کرتا ہے۔ لیکن کوئی اس کے مقابلہ کے لئے نہیں اُٹھ سکتا۔ قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کامل معجزہ ہے۔ دوسری کتابوں کی نسبت ہم نہیں دیکھتے کہ ایسی تحدی کی گئی ہو جیسی قرآن شریف نے کی ہے۔ اگرچہ ہم اپنے تجربہ اور قرآن شریف کے معجزہ کی بنا پر یہ ایمان لاتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر حال میں معجزہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کا اعجاز جس کاملیت اور جامعیت کے ساتھ معجزہ ہے۔ دوسرے کو ہم اس جگہ پر نہیں رکھ سکتے کیونکہ بہت سی وجوہ اور صورتیں اس کے معجزہ ہونے کی ہیں۔ اور کوئی شخص اس کی مثال بنانے پر قادر نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ کلام ایسا معجزہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑے ہی گستاخ اور دلیر ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے اور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق بے مثل اور لانظیر ہے۔ پھر اس کے کلام کی نظیر کیسے ہو سکتی ہے؟ ساری دنیا کے مدبّر اور صناع مل کر اگر ایک تنکا بنانا چاہیں تو بنا نہیں سکتے۔ پھر خدا کے کلام کا مقابلہ وہ کیسے کر سکتے۔

محض کلام کے اشتراک یا الفاظ کے اشتراک سے یہ کہدینا کہ کوئی معجزہ نہیں، نری حماقت اور اپنی موٹی عقل کا ثبوت دینا ہے۔ کیونکہ ان اعلیٰ مدارج اور کمالات پر ہر شخص اطلاع نہیں پا سکتا۔ جو باریک بین نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص کلام لعل کی طرح چمکتی ہے۔ لیکن با ایں ہمہ قرآن شریف آپ کی خالص کلام سے بالکل الگ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

ہر چیز کے مراتب ہوتے ہیں۔ مثلاً کپڑا ہے۔ تو کھدر، ململ اور خاصہ لٹھا محض کپڑا ہونے کی حیثیت سے تو کپڑا ہی ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ سفید ہیں۔ بظاہر ایک مساوات رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ریشم بھی سفید ہوتا ہے۔ لیکن کیا ہر آدمی نہیں جانتا کہ ان سب میں جُدا جُدا مراتب ہیں اور اُن میں فرق پایا جاتا ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

پس جس طرح پر ہم سب اشیاء میں ایک امتیاز اور فرق دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کلام میں بھی مدارج اور مراتب ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جو دوسرے انسانوں کے کلام سے بالاتر اور عظمت اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر ایک پہلو سے اعجازی حدود تک پہنچتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے کلام کے برابر وہ بھی نہیں۔ تو پھر اَور کوئی کلام کیونکر اس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

یہ تو موٹی اور بدیہی بات ہے کہ جس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن شریف معجزہ ہے۔ لیکن اس کے سوا اَور بھی بہت سے وجوہ اعجاز ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کلام اس قدر خوبیوں کا مجموعہ ہے جو پہلی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ خاتم النبیین کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے۔ بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی لفظ میں یہ رکھا گیا ہے۔ کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے وہ بھی خاتم الکتب ہو اور سارے کمالات اس میں موجود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجود ہیں۔

کیونکہ کلام الٰہی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ جس قدر قوت قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے جس پر کلام الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس لئے قرآن شریف بھی تمام پہلی کتابوں اور صحائف سے اُس اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے جہاں تک کوئی دُوسرا

کلام نہیں پہنچا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوت قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقاماتِ کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے اس مقام پر قرآن شریف جو آپؐ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوت کے کمالات آپؐ پر ختم ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری۔ جس قدر مراتب اور وجوہ اعجاز کلام کے ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے اعتبار سے آپ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت، کیا باعتبار ترتیب مضامین، کیا باعتبار تعلیم، کیا باعتبار کمالاتِ تعلیم، کیا باعتبارات ثمرات تعلیم، غرض جس پہلو سے دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر نہیں مانگی۔ بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے یعنی جس پہلو سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت، خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد، خواہ بلحاظ تعلیم، خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو، یہ معجزہ ہے۔ گو مُلّاں میری مخالفت کی وجہ سے اس امر کو قبول نہ کریں لیکن اس سے قرآن شریف کے اعجاز میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ لوگ جوشِ تعصب میں بعض وقت یہاں تک اندھے ہو جاتے ہیں۔ کہ ادب کے کل طریقوں کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں۔ لودہانہ کے مباحثہ میں لھا ظھر و بطن میں نے پیش کیا۔ تو مولوی محمد حسین کو جوش آگیا۔ اور راوی کی مخالفت شروع کر دی۔ کیا خدا کے کلام سے محبت اور ارادت کا یہی تقاضا ہونا چاہیئے تھا۔ یاد رکھو۔ الطریقۃ کلّھا ادب اگر اس کو درست نہ سمجھتا تھا تو قرآن شریف کی محبت کی وجہ سے اس قدر مخالفت بھی تو جائز نہ تھی۔

قرآن شریف زندہ اعجاز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں

الغرض قرآن شریف ایک کامل اور زندہ اعجاز ہے اور کلام کا معجزہ ایسا معجزہ ہوتا ہے۔

کہ کبھی اور کسی زمانہ میں وہ پُرانا نہیں ہو سکتا اور نہ فنا کا ہاتھ اس پر چل سکتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اگر آج نشان دیکھنا چاہیں تو کہاں ہے ؟ کیا یہودیوں کے پاس وہ عصا ہے اور اس میں کوئی قدرت اس وقت بھی سانپ بننے کی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض جس قدر معجزات کل نبیوں سے صادر ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی ان معجزات کا بھی خاتمہ ہو گیا مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایسے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا اور ان پر موت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے۔ اور کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ آپؐ کی تعلیم اس لئے زندہ تعلیم ہے۔ کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجود ہیں۔ جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر موجود تھے۔ دوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنے والا یہ دعوے کر سکے کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے دیا گیا ہے اور میں ایک آیۃ اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن

ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجود پاتے ہیں اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع سے ملتے ہیں اب بھی پاتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ کو اس لئے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو اور ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ صدہا نشان اس وقت تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہر قوم ہر مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت کی ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آکر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں۔ مگر ایک بھی ایسا نہیں کہ جس سے اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی نمونہ عملی طور پر دکھلائے ہم خدا تعالے کے کلام کو کامل اعجاز مانتے ہیں اور ہمارا الیقین اور دعویٰ ہے۔ کہ کوئی

دوسری کتاب اس کے مقابل نہیں ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کا کوئی امر پیش کریں۔ وہ اپنی جگہ پہ ایک نشان اور مُعجزہ ہے۔

مثلاً تعلیم ہی کو دیکھیں تو وہ عظیم الشان مُعجزہ نظر آتی ہے اور فی الواقع مُعجزہ ہے۔ ایسے حکیمانہ نظام اور فطری تقاضوں کے موافق واقع ہوئی ہے۔ کہ دوسری تعلیم اس کے ساتھ ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کرسکتی۔ قرآن شریف کی تعلیم پہلی ساری تعلیموں کی متمّم اور مکمل ہے۔ اس وقت صرف ایک پہلو تعلیم کا دکھا کر میں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم اعلےٰ درجہ پر واقع ہوئی ہے۔ اور مُعجزہ ہے۔ مثلاً توریت کی تعلیم (حالات موجُودہ کے لحاظ سے کہو یا ضروریات وقت کے موافق) کا سارا زور قصاص اور بدلہ پر ہے۔ جیسے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت اور بالمقابل انجیل کی تعلیم کا سارا زور عفو، صبر اور درگذر پر تھا اور یہاں تک اس میں تاکید کی کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی اس کی طرف پھیردو۔ کوئی ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ۔ کُرتہ مانگے تو جُبّہ بھی دیدو۔ اسی طرح پر ہر باب میں توریت اور انجیل کی تعلیم میں یہ بات نظر آئے گی کہ توریت افراط کا پہلو لیتی ہے اور انجیل تفریط کا۔ مگر قرآن شریف ہر موقع اور محل پر حکمت اور وسط کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں دیکھو۔ جس بارہ میں قرآن کی تعلیم پر نگاہ کرو۔ تو معلوم ہوگا کہ وہ محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے۔ اگرچہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نفسِ تعلیم سب کا ایک ہی ہے۔ لیکن اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ توریت اور انجیل میں سے ہر ایک کتاب نے ایک ایک پہلو پر زور دیا ہے مگر فطرت انسانی کے تقاضے کے موافق صرف قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ یہ کہنا کہ توریت کی تعلیم افراط کے مقام پر ہے۔ اس لئے وہ خدا کی طرف سے نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُس وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایسی تعلیم بکار تھی۔ اور چونکہ توریت یا انجیل قانون مختص المقام کی طرح تھیں۔ اس لئے ان تعلیموں میں دوسرے پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ لیکن قرآن شریف چونکہ تمام دُنیا اور

تمام نوعِ انسان کے واسطے تھا۔ اس لئے اس تعلیم کو ایسے مقام پر رکھا جو فطرتِ انسانی کے صحیح تقاضوں کے موافق تھی اور یہی حکمت ہے کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وضع الشیئ فی محلہٖ یعنی کسی چیز کو اُس کے اپنے محل پر رکھنا۔ پس یہ حکمت قرآن شریف نے ہی سکھلائی ہے۔

توریت جیساکہ بیان کیا ہے ایک بے جا سختی پر زور دے رہی تھی اور انتقامی قوت کو بڑھاتی تھی۔ اور انجیل بالمقابل بیہودہ عفو پر زور مارتی تھی۔ قرآن شریف نے ان دونوں کو چھوڑ کر حقیقی تعلیم دی۔ جزاؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہٗ علی اللّٰہ[1] یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے لیکن جو شخص مُعاف کر دے اور اس معاف کرنے میں اصلاح مقصود ہو۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔"

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۳ء)

قرآن شریف کی تعلیم کا حکیمانہ نظام

آب اس تعلیم پر نگاہ کرو کہ نہ یہ توریت کی طرح محض انتقام پر ہی زور دیتی ہے۔ اور نہ انجیل کی طرح ایسے عفو پر جو بسا اوقات خطرناک نتائج کا مُوجب ہو سکتی ہے بلکہ قرآن شریف کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ مثلاً ایک خدمتگار ہے جو بڑا شریف اور نیک چلن ہے کبھی اس نے خیانت نہیں کی اور کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر اتفاقاً وہ چار پلانے کے لئے آئے اور اس کے ہاتھ سے پیالیاں گر کر ٹوٹ جاویں۔ تو اس وقت مقتضائے وقت کیا ہوگا کیا یہ کہ اس کو سزا دیں یا مُعاف کر دیں۔ ایسی حالت میں ایسے شریف خدمت گار کو معاف کر دینا اس کے واسطے کافی سزا ہوگی لیکن اگر ایک شریر خدمتگار جو ہر روز کوئی نہ کوئی نقصان کرتا ہے۔ اس کو معاف کر دینا اور بھی دلیر کر دینا ہے۔ اس لئے اس کو سزا دینی ضرور ہوگی مگر انجیل یہ نہیں بتاتی۔ انجیل پر عمل کر کے تو گورنمنٹ کو چاہیئے۔ کہ اگر کوئی ہندوستان مانگے۔ تو وہ انگلستان بھی اُس کے حوالے کرے۔ کیا عملی طور پر انجیل مانی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ گورنمنٹ کے سیاست مدن کے اصُولوں پر مختلف محکموں کا قائم کرنا اور عدالتوں کا کھولنا دشمن سے حفاظت

[1] الشوریٰ : ۴۱

کے لئے فوجوں کا رکھنا وغیرہ وغیرہ جس قدر امور ہیں۔ انجیل کی تعلیم کے موافق نہیں ہیں۔ اس لئے کہ انجیل کی تعلیم کے موافق کوئی انتظام ہو سکتا ہی نہیں ہے۔

غرض قرآن شریف کی تعلیم جس پہلو اور جس باب میں دیکھو، اپنے اندر حکیمانہ پہلو رکھتی ہے۔ افراط یا تفریط اس میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ نقطۂ وسط پر قائم ہوئی ہے۔ اور اسی لئے اس اُمّت کا نام بھی اُمَّةً وَّسَطًا رکھا گیا ہے۔ یہ بات کہ انجیل یا توریت کی تعلیم کیوں اعتدال اور وسط پر واقع نہیں ہوئی۔ اس سے خدا تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں آتا اور نہ اس تعلیم کو ہم خلاف آئینِ حکمت کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ حکمت کے معنی ہیں۔ وضع الشّیئ فی محلّہٖ۔ اس وقت کی حکمت کا تقاضا ایسی ہی تعلیم تھی جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ سزا کے وقت سزا دینا بھی حکمت ہے اور عفو کے وقت عفو ہی حکمت ہے۔ اسی طرح پر اس وقت طبائع کی حالت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی تھی کہ تعلیم کو ایک پہلو پر رکھنا پڑا۔ بنی اسرائیل چار سَو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے۔ اور اس وجہ سے ان لوگوں کے عادات اور رسوم کا اُن پر بہت بڑا اثر پڑا ہوا تھا۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے اطوار و عادات اور آئینِ مُلک داری کا اثر رعایا پر پڑتا ہے۔ بلکہ اُن کے مذہب تک پر اثر جا پڑتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ چنانچہ سکھوں کے زمانہ میں عام لوگوں پر بھی یہ اثر پڑا تھا کہ عموماً لوگ ڈاکہ زن اور دھاڑوی ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ وغیرہ براتیں ہی لُوٹ لیا کرتے تھے اسی طرح پر فرعونیوں کی غلامی میں رہ کر بنی اسرائیل عدل کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے اُن پر جو ہمیشہ ظلم ہوتا تھا وہ بھی اعتداءً ظلم کر بیٹھے تھے۔ پس اُن کی اصلاح کے لئے تو پہلا مرحلہ یہی چاہیئے تھا کہ اُن کو عدل کی تعلیم سکھائی جاتی۔ اس لئے یہ تعلیم اُن کو دی گئی کہ آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت۔ اس تعلیم پر وہ اس قدر پختہ ہو گئے کہ پھر انہوں نے انتقام لینا ہی شریعت کی جان سمجھ لیا اور یہ مذہب ہو گیا کہ اگر بدلہ نہ لیں گے تو گنہگار ٹھہریں گے۔ اس واسطے جب حضرت مسیح علیہ السّلام آئے اور انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی حالت ایسی ہو گئی ہے تو انہوں نے

لہ البقرۃ : ۱۴۴

حد درجہ کے عفو کی تعلیم دی کیونکہ جس قدر زور کے ساتھ وہ انتقام پر قائم ہو چکے تھے۔ اگر اس سے بڑھ کر عفو کی تعلیم نہ دی جاتی تو وہ مؤثر ثابت نہ ہوتی۔ اس لئے ان کی تعلیم کا سارا مدار اسی پر رہا۔ پس ان اسباب اور وجوہ کے لحاظ سے یہ دونوں تعلیمیں اگرچہ اپنی جگہ ہی حکمت ہیں۔ لیکن ان کو قانون مختص المقام یا قانون مختص الوقت کی طرح سمجھنا چاہیئے۔

قرآن شریف ہی مستقل اور ابدی شریعت ہے

ابدی اور دائمی قانون ——— خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور احکام دو قسم کے ہوتے ہیں بعض مستقل اور دائمی ہوتے ہیں بعض آنی اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے صادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اپنی جگہ ان میں بھی ایک استقلال ہوتا ہے مگر وہ آنی ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سفر کے لئے نماز یا روزہ کے متعلق اور احکام ہوتے ہیں اور حالت قیام میں اور۔ باہر جب عورت نکلتی ہے تو وہ برقع لے کر نکلتی ہے۔ گھر میں ایسی ضرورت نہیں ہوتی کہ برقع لے کر پھرتی رہے۔ اسی طرح پر توریت اور انجیل کے احکام آنی اور وقتی ضرورتوں کے موافق تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت اور کتاب لے کر آئے تھے۔ وہ کتاب مستقل اور ابدی شریعت ہے۔ اس لئے اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کامل اور مکمل ہے۔ قرآن شریف قانون مستقل ہے۔ اور توریت انجیل اگر قرآن شریف نہ بھی آتا۔ تب بھی منسوخ ہو جاتیں۔ کیونکہ وہ مستقل اور ابدی قانون نہ تھے۔

میں نے بعض احمقوں کو اعتراض کرتے سنا ہے۔ کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں کو کیوں منسوخ کیا۔ کیا اس کو علم نہ تھا۔ پہلے ہی مکمل اور مستقل ابدی شریعت بھیجی تھی۔ یہ اعتراض بالکل نادانی کا اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے ضروری ہے کہ علم نہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہر نسخ میں عدم علم ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ جو کپڑے برس یا دو برس کے بچے کو پہنائے جاتے ہیں۔ کیوں وہی کپڑے پانچ دس برس یا پچیس برس کے ایک جوان کو نہیں پہنائے جاتے؟ کیا ہو سکتا

ہے کہ گز آدھ گز کا کُرتہ ایک نوجوان کو پہنایا جادے؛ یقیناً کوئی سلیم الطبع انسان اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ ایسی حرکت پر ہنسی اُڑائے گا۔ اب اس مثال سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے عدم علم ثابت ہو۔ جب ہم بجائے خود معرض تغیر میں ہیں تو ہماری ضرورتیں اس تغیر کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہیں۔ پھر ان تبدیلیوں کے موافق جو نسخ ہوتا ہے وہ ایک علم وحکمت کی بنا پر ہوا یا عدم علم پر۔ یہ اعتراض سراسر جہالت اور حُمق کا نشان ہے۔ جیسے پیدا ہونے والے بچے کے مُنہ میں روٹی کا ٹکڑہ یا گوشت کی بوٹی نہیں دے سکتے۔ اسی طرح پر ابتدائی حالت میں شریعت کے وہ اسرار نہیں مل سکتے جو اس کے کمال پر ظاہر ہوتے ہیں طبیب ایک وقت خود مُسہل دیتا ہے۔ اور دوسرے وقت جبکہ اسہال کا مرض ہو اس کو قابض دوا دیتا ہے۔ ہر حالت میں ایک ہی نسخہ وہ کیسے رکھ سکتا ہے۔

غرض قرآن شریف حکمت ہے اور مُستقل شریعت ہے اور ساری تعلیموں کا مخزن ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کا پہلا مُعجزہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ اور پھر دوسرا مُعجزہ قرآن شریف کا اس کی عظیم الشّان پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ سُورۂ فاتحہ اور سُورۂ تحریم اور سُورۂ نُور میں کتنی بڑی عظیم الشّان پیشگوئیاں ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی ساری پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اُن پر اگر ایک دانشمند آدمی خدا سے خوف کھا کر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو ملی ہیں۔ کیا اُس وقت جبکہ ساری قوم آپؐ کی مخالف تھی اور کوئی ہمدرد اور رفیق نہ تھا۔ یہ کہنا کہ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ[1] چھوٹی بات ہو سکتی تھی۔ اسباب کے لحاظ سے تو ایسا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ ان کا خاتمہ ہو جاوے گا۔ مگر آپؐ ایسی حالت میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلّت اور نامُرادی کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں اور آخر اسی طرح وقوع میں آتا ہے پھر تیرہ سو سال کے بعد قائم ہونے والے سلسلہ کی اور اُس وقت کے آثار وعلامات کی

[1] القمر: ۴۶

پیشگوئیاں کیسی عظیم الشان اور لانظیر ہیں۔ دنیا کی کسی کتاب کی پیشگوئیوں کو پیش کرو۔ کیا مسیح کی پیشگوئیاں ان کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ جہاں صرف اتنا ہی ہے کہ زلزلے آئیں گے۔ قحط پڑیں گے آندھیاں آئیں گی۔ مُرغ بانگ دے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی معمولی باتیں تو ہر ایک شخص کہہ سکتا ہے اور یہ حوادثات ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں۔ پھر اس میں غیب گوئی کی قوت کہاں سے ثابت ہو۔ اس کے مقابلہ میں قرآن شریف کی پیشگوئی دیکھو۔

جلیل القدر پیشگوئی

الٓمٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۔ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۛ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔[1] میں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ رُومی اپنی سرحد میں اہلِ فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ اور بہت ہی جلد چند سال میں یقیناً غالب ہونے والے ہیں۔ پہلے اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم اور اُن کے اسباب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں جس دن رُومی غالب ہوں گے۔ وہی دن ہوگا۔ جب مومن بھی خوشی کریں گے۔

اب غور کر کے دیکھو کہ یہ کیسی حیرت انگیز اور جلیل القدر پیشگوئی ہے۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی جب مسلمانوں کی کمزور اور ضعیف حالت خود خطرہ میں تھی۔ نہ کوئی سامان تھا نہ طاقت تھی۔ ایسی حالت میں مخالف کہتے تھے کہ یہ گروہ بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔ مدت کی قید بھی اس میں لگا دی اور پھر يَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کہہ کر دوہری پیشگوئی بنا دی یعنی جس روز رُومی فارسیوں پر غالب آئیں گے۔ اس دن مسلمان بھی بامُراد ہو کر خوش ہوں گے۔ چنانچہ جس طرح یہ پیشگوئی کی تھی اسی طرح بدر کے روز یہ پُوری ہو گئی۔ ادھر رُومی غالب ہوئے اور اُدھر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اسی طرح سُورۂ یُوسف میں اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ[2] کہہ کر اس سارے قصہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

[1] الروم: ۲-۶ [2] یوسف: ۸

بطور پیش گوئی بیان فرمایا ہے۔

غرض جہانتک دیکھا جاوے قرآن شریف کی پیشگوئیاں بڑے اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہیں۔ اور کوئی کتاب اس رنگ میں ان پیشگوئیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ یہ پیشگوئیاں یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پوری ہو گئی تھیں۔ بلکہ اُن کا سلسلہ برابر جاری ہے چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں تھیں جو اَب پوری ہو رہی ہیں اور بہت ابھی باقی ہیں جو آئندہ پوری ہوں گی۔

منجملہ ان پیشگوئیوں کے جو اس وقت پوری ہو رہی ہیں، اس سلسلہ کی پیشگوئی ہے جو قرآن شریف کے اوّل سے شروع ہو کر آخر تک چلی گئی ہے۔ چنانچہ سُورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] کہہ کر مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اور پھر اس سُورۃ میں مغضوب اور ضالین دو گروہوں کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اس وقت ایک قوم مخالفت کرنے والی ہوگی۔ جو مغضوب قوم یہودیوں کے نقشِ قدم پر چلے گی۔ اور ضالین میں یہ اشارہ کیا کہ قتل دجال اور کسرِ صلیب کے لئے آئے گا۔ کیونکہ مغضوب سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ بالاتفاق مراد ہیں اور آخر قرآن شریف میں بھی شیطان کا ذکر کیا۔ جو اصل دجّال ہے۔ اور ایسا ہی سُورۃ نُور کی آیت استخلاف میں مسیح موعود یا خاتم الخلفاء کی پیشگوئی کی اور اسی طرح سورۃ تحریم میں صراحت کے ساتھ ظاہر کیا۔ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح آنیوالا ہے کیونکہ جب مومنوں کی مثال مریم کی سی ہے تو اس امت میں کم از کم ایک تو ایسا شخص ہو۔ جو مریم صفت ہو اور مریم میں نفخ رُوح ہو کر مسیح پیدا ہو۔ تو اس مومن میں جب نفخ رُوح ہوگا۔ تو وہ خود ہی مسیح ہوگا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۳ء)

ان پیشگوئیوں کا ظہور جو اس سلسلہ کی صُورت میں ہوا ہے تو کیا یہ چھوٹی سی بات ہے۔ یہ سلسلہ بہت بڑی پیشگوئی کا پورا ہونا ہے۔ جو تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر جاری ہوئی۔ اس قدر مدت دراز پہلے خبر دینا یہ قیافہ شناسی اور اٹکل بازی نہیں ہو سکتی

[1] الفاتحۃ : ۷

اور پھر یہ پیشگوئی اکیلی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہزاروں وہ آیات و نشانات ہیں جو اس وقت کے لئے پہلے سے بتا دیئے گئے تھے۔ اور ان سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خود یہاں ہزاروں نشانات کا سلسلہ جاری کر دیا چنانچہ کئی سو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ جو قبل از وقت ملک میں شائع کی گئیں اور پھر وہ اپنے وقت پر پوری ہوئی ہیں جن کو ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں۔ اب کیا قرآن کریم کا معجزہ اور اس کی پاک تعلیم کا نتیجہ اور اثر نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی اور تاثیر انفاس کے ثمرات نہیں۔ ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی طفیل ہے۔ کیونکہ یہ مسلم بات ہے۔

خارقے کز ولی مسموع است
معجزہ آں نبی متبوع است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق اور معجزات

اس لئے جس قدر یہ نشانات اور آیات یہاں ظاہر ہو رہی ہیں یہ در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خوارق اور معجزات اور یہ پیشگوئیاں قرآن شریف ہی کی پیشگوئیاں ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کی اتباع اور قرآن شریف ہی کی تعلیم کے ثمرات ہیں۔ اور اس وقت کوئی اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا پیرو اور متبع یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ وہ پیشگوئیاں کر سکتا ہے یا اس سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے اس پہلو سے قرآن شریف کا معجزہ تمام کتابوں کے اعجاز سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر ایک اور پہلو فصاحت بلاغت ایسی اعلیٰ درجہ کی اور مسلم ہے کہ انصاف پسند دشمنوں کو بھی اسے ماننا پڑا ہے۔ قرآن شریف نے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ[1] کا دعوے کیا۔ لیکن آج تک کسی سے ممکن نہیں ہوا کہ اس کی مثل لا سکے۔ عرب جو بڑے فصیح و بلیغ بولنے والے تھے اور خاص موقعوں پر بڑے بڑے مجمع کرتے۔ اور ان میں اپنے قصائد سناتے تھے۔ وہ بھی اس کے مقابلہ میں عاجز ہو گئے۔

[1] البقرۃ ۲۴

اور پھر قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت ایسی نہیں ہے کہ اس میں صرف الفاظ کا تتبع کیا جاوے۔ اور معانی اور مطالب کی پرواہ نہ کی جاوے۔ بلکہ جیسا اعلیٰ درجہ کے الفاظ ایک عجیب ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح پر حقائق اور معارف کو اُن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ رعایت انسان کا کام نہیں کہ وہ حقائق اور معارف کو بیان کرے۔ اور فصاحت و بلاغت کے مراتب کو بھی ملحوظ رکھے۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ[۱] یعنی اُن پر ایسے صحائف پڑھتا ہے کہ جن میں حقائق و معارف ہیں۔ انشاء والے جانتے ہیں۔ کہ انشاء پردازی میں پاکیزہ تعلیم اور اخلاقِ فاضلہ کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے۔ اور پھر ایسی مؤثر اور جاذب تعلیم دینا جو صفاتِ رذیلہ کو دُور کر کے بھی دکھاوے اور اُن کی جگہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پیدا کر دے۔ عربوں کی جو حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ سارے عیبوں اور بُرائیوں کا مجموعہ بنے ہوئے تھے اور صدیوں سے ان کی یہ حالت بگڑی ہوئی تھی مگر کس قدر آپ کے فیوضات اور برکات میں قوت تھی۔ کہ تئیس۲۳ برس کے اندر کُل مُلک کی کایا پلٹ دی۔ یہ تعلیم ہی کا اثر تھا۔

ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی اگر قرآن شریف کی لے کر دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اس میں فصاحت و بلاغت کے مراتب کے علاوہ تعلیم کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو اُس میں بھر دیا ہے۔ سُورۂ اخلاص ہی کو دیکھو کہ توحید کے کُل مراتب کو بیان فرمایا ہے اور ہر قسم کے شرکوں کا ردّ کر دیا ہے۔ اسی طرح سُورۃ فاتحہ کو دیکھو کہ کس قدر اعجاز ہے۔ چھوٹی سی سُورۃ جس کی سات آیتیں ہیں۔ لیکن دراصل سارے قرآن شریف کا فن اور خلاصہ اور فہرست ہے۔ اور پھر اس میں خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کے صفات۔ دُعا کی ضرورت، اس کی قبولیت کے اسباب اور ذرائع، مُفید اور سُود مند دعاؤں کا طریق، نقصان رساں راہوں سے بچنے کی ہدایت سکھلائی ہے وہاں دنیا کے کل مذاہب باطلہ کا رد اس میں موجود ہے۔

[۱] البینۃ: ۳ - ۴

اکثر کتابوں اور اہلِ مذہب کو دیکھو گے کہ وہ دوسرے مذہب کی بُرائیاں اور نقص بیان کرتے ہیں۔ اور دوسری تعلیموں پر نکتہ چینی کرتے ہیں مگر ان نکتہ چینیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ کوئی اہلِ مذہب نہیں کرتا۔ کہ اُس کے بالمقابل کوئی عُمدہ تعلیم بھی پیش کرے اور دکھلائے کہ اگر میں فلاں بُری بات سے بچانا چاہتا ہوں تو اس کی بجائے یہ اچھّی تعلیم دیتا ہوں۔ یہ کسی مذہب میں نہیں، یہ فخر قرآن شریف ہی کو ہے کہ جہاں وہ دوسرے مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور اُن کی غلط تعلیموں کو کھولتا ہے وہاں اصلی اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے جس کا نمونہ اس سُورۃ فاتحہ میں دکھایا ہے کہ ایک ایک لفظ میں مذاہب باطلہ کی تردید کر دی ہے۔

سُورۃ فاتحہ میں حُسن و احسان کا کمال

مثلاً فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ساری تعریفیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں۔ اب اس لفظ کو کہہ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے وہ تمام نقائص سے منزّہ اور تمام صفاتِ کاملہ سے موصُوف ہے۔ کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں۔ اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ یا بلحاظ حُسن کے یا بلحاظ احسان کے۔ پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لئے تجویز کئے ہیں وہ ایسے جامع نہیں ہیں۔ اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبُودوں کی ہستی اور اُن کی صفات کے مسئلہ کی پُوری تردید کرتا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کو لو۔ وہ جس کو اللہ مانتے ہیں۔ وہ ایک عاجز ضعیف عورت کا بچّہ ہے جس کا نام یسُوع ہے۔ جو معمولی بچّوں کی طرح دُکھ درد کے ساتھ ماں کے پیٹ سے نکلا اور عوارض میں مُبتلا رہا۔ بھوک پیاس کی تکلیف سے بے چین رہا اور سخت تکلیفیں اور دُکھ اسے اُٹھانے پڑے۔ جس قدر ضُعف اور کمزوریوں کے عوارض ہوتے ہیں۔ اُن کا شکار رہا آخر یہودیوں کے ہاتھوں سے پِٹتا گیا۔ اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔

اب اس صُورت کو جو یسُوع کی (عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے) انجیل سے

ظاہر ہوتی ہے۔ کسی دانشمند کے سامنے پیش کرو۔ کیا وہ کہہ دے گا کہ بے شک اس میں تمام صفاتِ کاملہ پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی نقص اُس میں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ انسانی کمزوریوں اور نقصوں کا پہلا اور کامل نمونہ اُسے ماننا پڑے گا۔ تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے والا کب ایسے کمزور مصلوب ملعون کو خدا مان سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عیسائیوں کے بالمقابل ایسے خدا کی طرف بُلاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر آریہ مذہب کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پرمیشر وُہ ہے جس نے ذراتِ عالَم اور ارواحِ عالَم کو بنایا ہی نہیں بلکہ جیسے وہ ازلی ابدی ہے ویسے ہی ہمارے ذراتِ جسم وغیرہ بھی خدا کے بالمقابل اپنی ایک مُستقل ہستی رکھنے والی چیزیں ہیں۔ جو اپنے قیام اور بقار کے لئے اُس کی محتاج نہیں ہیں بلکہ ایک طرح وہ اپنی خدائی چلانے کے واسطے اُن چیزوں کا محتاج ہے۔ وہ کسی چیز کا خالق نہیں۔ اور پھر اس بات کا سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جو خالق نہیں وہ مالک کیسے ہو سکتا ہے اور ایسا ہی اُن کا اعتقاد ہے۔ کہ وہ رازق، کریم وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس کے کرموں کا پھل ملتا ہے۔ اس سے زائد اُسے کچھ مل سکتا ہی نہیں۔

اب بتاؤ! اس قدر نقص جس خدا میں پیش کئے جاویں۔ عقلِ سلیم کب اُسے تسلیم کرنے کے لئے رضامند ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سے جس قدر مذاہب باطلہ دُنیا میں موجود ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا جُملہ خدا تعالےٰ کے متعلق ان کے کُل غلط اور بے ہُودہ خیالات و مُعتقدات کی تردید کرتا ہے۔

رُبُوبیّت کا فیض

پھر اس کے بعد رَبِّ الْعَالَمِیْن کا لفظ ہے۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ وہ ذات جمیع صفاتِ کاملہ ہے۔ جو تمام نقائص سے منزّہ ہو۔ اور حُسن و احسان کے اعلےٰ نکتہ پر پہنچا ہوا ہو تاکہ اس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں۔ اور رُوح کے

جوش اور کشش سے اُس کی عبادت کریں۔ اس لئے پہلی خوبی احسان کی صفت رَبِّ الْعَالَمِیْن کے اظہار سے ظاہر فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے کل مخلوق فیض ربُوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ مگر اُس کے بالمقابل باقی سب مذہبوں نے جو اس وقت موجود ہیں۔ اس صفت کا بھی انکار کیا ہے۔ مثلاً آریہ جیسا ابھی بیان کیا ہے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا کی ربُوبیت سے وہ ہرگز ہرگز بہرہ ور نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنی رُوحوں کا خالق ہی خدا کو نہیں مانتے اور ان کو اپنے بقا و قیام میں بالکل غیر محتاج سمجھتے ہیں۔ تو پھر اس صفت ربُوبیت کا بھی انکار کرنا پڑا۔

ایسا ہی عیسائی بھی اس صفت کے مُنکر ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ اور ربنا المسیح کہتے پھرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کو جمیع ما فی العالم کا رب نہیں مانتے۔ بلکہ مسیح کو اس کے فیض ربُوبیت سے باہر قرار دیتے ہیں۔ اور خود ہی اس کو رب مانتے ہیں۔ اسی طرح پر عام ہندو بھی اس صداقت سے مُنکر ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک چیز اور دوسری چیزوں کو رب مانتے ہیں۔

برہم سماج والے بھی ربُوبیت تامّہ کے مُنکر ہیں۔ کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ سب یکبار کر دیا اور یہ تمام عالم اور اس کی قوتیں جو ایک دفعہ پیدا ہو چکی ہیں۔ مُستقل طور پر اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی ان میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالےٰ اب معطل محض ہے۔ غرض جہاں تک مختلف مذاہب کو دیکھا جاوے اور ان کے اعتقادات کی پڑتال کی جاوے۔ تو صاف طور پر معلوم ہو جاوے گا۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ربّ العالمین ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ خوبی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے اور جس کا مشاہدہ ہر آن ہو رہا ہے صرف اسلام ہی بتاتا ہے اور اس طرح پر اسی ایک لفظ کے ساتھ ان تمام غلط

اور بیہودہ اعتقادات کی بیخ کنی کرتا ہے۔ جو اس صفت کے خلاف دوسرے مذاہب والوں نے خود بنالئے ہیں۔

پھر اللہ تعالےٰ کی صفت الرَّحمٰن بیان کی ہے اور اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اس کی دُعا یا التجا کے بغیر اور بدُوں کسی عملِ عامل کے عطا کرتا ہے۔ مثلاً جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے قیام و بقار کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ پہلے سے موجُود ہوتی ہیں۔ پیدا پیچھے ہوتا ہے۔ لیکن ماں کی چھاتیوں میں دُودھ پہلے آجاتا ہے۔ آسمان، زمین، سُورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اشیاء جو اس نے انسان کے لئے بنائی ہیں۔ یہ اس کی صفت رحمانیت ہی کے تقاضے ہیں۔ لیکن دوسرے مذہب والے یہ نہیں مانتے کہ وہ بلا مُبادلہ بھی فضل کرسکتا ہے۔ آریہ تو سرے سے اس مسئلہ کو مانتے ہی نہیں۔ جب کہ ربّ العالمین کے معنی بیان کرتے وقت بتایا ہے۔ عیسائیوں نے بھی کفّارہ کا مسئلہ درست کرنے کے لئے یہی اعتقاد کر رکھا ہے کہ وہ بلا مُبادلہ رحم نہیں کرسکتا۔ مگر آریوں سے تو یہ پوچھنا چاہیئے کہ یہ زمین آسمان، چاند، سُورج، ہوا، پانی جو موجُود ہے، کن گذشتہ کرموں کا پھل ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء)

صِفتِ رحیمیّت

پھر اللہ تعالےٰ کی صفت رَحِیم بیان کی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ اُن پر ثمرات اور نتائج مترتب کرتا ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو۔ کہ اُس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی۔ تو پھر وہ سُست اور نکمّا ہو جاوے گا۔ یہ صفت انسان کی امّیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اُس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا، تضرّع اور

اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تفضیحِ اعمال سے اُن کو محفوظ رکھتا ہے۔ رحمانیت تو بالکل عام تھی لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری مخلوق میں دُعا۔ تضرع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں۔ یہ انسان ہی کو ملا ہے۔

صفت رحمانیت

رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دُعا کو نہیں چاہتی مگر رحیمیت دُعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لئے ایک خلعتِ خاصّہ ہے۔ اور اگر انسان، انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اُٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔ یہ صفت بھی تمام مذاہب باطلہ کے ردّ کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ بعض مذاہب اباحت کی طرف مائل ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ دنیا میں ترقیات نہیں ہوتی ہیں۔ آریہ جبکہ اس صفت کے فیضان سے منکر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا کب قائل ہو سکتا ہے۔ سیّد احمد خاں مرحوم نے بھی دُعا کا انکار کیا ہے۔ اور اس طرح پر وہ فیض جو دُعا کے ذریعہ انسان کو ملتا ہے۔ اس سے محروم رکھا ہے۔

صفت مالک یوم الدّین

پھر اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[1] بیان کی ہے۔ جو لوگ قیامت کے منکر ہیں۔ اس میں اُن کا ردّ موجود ہے۔ اس کی تفصیل قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحیمیت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ کامیابی کی راہ پیدا ہوتی اور ایک حق ہوتا ہے۔ مگر مالکیت یوم الدّین وہ حق اور ثمرہ عطا کرتی ہے۔

اور فقرہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ[2] تمام باطل معبودوں کی تردید کرتا ہے۔ اور مشرکین کا ردّ اس میں موجود ہے۔ کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ یعنی صفات کاملہ والے خدا! جو ربّ العالمین۔ رحمٰن

[1] الفاتحۃ : ۴ [2] الفاتحۃ : ۵

رحیم۔ مالک یوم الدین ہے، تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں۔ یہ ہر چہار صفات جو اُمّ الصفات کہلاتی ہیں۔ معبودان باطلہ میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ پتھروں یا درختوں یا حیوانات اور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اُن میں اِن صفات کو ثابت نہیں کر سکتے۔

خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی کھلا ہے

اسی طرح اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[1] میں اُن لوگوں کا ردّ ہے جو دُعا اور اس کی قبولیت کے منکر ہیں۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ[2] میں آجکل کے مولویوں کا ردّ ہے جو یہ مانتے ہیں کہ سب رُوحانی فیوض اور برکات ختم ہو گئے ہیں۔ اور کسی کی محنت اور مجاہدہ کوئی مُفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اور اُن برکات اور ثمرات سے حِصّہ نہیں مِلتا جو پہلے مُنعم علیہ گروہ کو مِلتا ہے۔

یہ لوگ قرآن شریف کے فیُوض کو اب گویا بے اثر مانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیراتِ قُدسی کے قائل نہیں۔ کیونکہ اگر اب ایک بھی آدمی اس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ جو مُنعم علیہ گروہ کے رنگ میں رنگین ہو سکے تو پھر اس دُعا کے مانگنے سے فائدہ کیا ہوا۔ مگر نہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی اور سخت غلطی ہے جو ایسا یقین کر بیٹھے ہیں۔ خدا تعالےٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی اُسی طرح کھلا ہے لیکن وہ سارے فیوض اور برکات محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی اتّباع سے مِلتے ہیں۔ اور اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کے بغیر یہ دعوےٰ کرے کہ وہ رُوحانی برکات اور سماوی انوار سے حِصّہ پاتا ہے۔ تو ایسا شخص جھُوٹا اور کذّاب ہے

سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی چند عبارتیں ایسی تھیں۔ جو قرآن کے رنگ کی تھیں۔ مولوی عبد الحی صاحب جنہوں نے اتباعِ سُنّت کیا ہے اور مجھے اُن سے بہت محبّت ہے۔ ان کا مذہب توحید کا تھا۔ وہ بدعات اور محدثات سے جُدا رہتے تھے۔ وہ اُن عبارتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کے موافق ہیں تو اس کا کیا جواب دیں؟ تو فرماتے ہیں۔ کہ ولیوں کے کرامات اور خوارق انبیاء علیہم السلام کے مُعجزات ہی کی طرح ہوتے ہیں۔ اس لئے

[1] الفاتحۃ: ۵ [2] الفاتحۃ: ۶-۷

یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے۔ اصل یہی ہے کہ کامل اتباع سُنّت کے بعد جو خوارق ملتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے خوارق ہیں۔ اور اگر اب ان خوارق اور معجزات کا دروازہ بند ہو گیا ہے تو پھر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بھاری ہتک ہو گی۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ[1] یہ اس وقت کی بات ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کی اولاد نہیں ہے۔ معلوم نہیں اُس نے اَبتر کا لفظ بولا تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ[2] تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

رُوحانی طور پر جو لوگ آئیں گے وہ آپؐ ہی کی اولاد سمجھے جائیں گے۔ اور وہ آپؐ کے علوم و برکات کے وارث ہوں گے اور اس سے حصہ پائیں گے۔ اس آیت کو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[3] کے ساتھ ملا کر پڑھو۔ تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی اولاد بھی نہیں تھی تو پھر معاذ اللہ آپ اَبتر ٹھہرتے ہیں۔ جو آپؐ کے اَعدا کے لئے ہے۔ اور اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو رُوحانی اولاد کثیر دی گئی ہے۔ پس اگر ہم یہ اعتقاد نہ رکھیں کہ کثرت کے ساتھ آپؐ کی رُوحانی اولاد ہوئی ہے تو اس پیشگوئی کے بھی مُنکر ٹھہریں گے۔

اس لئے ہر حالت میں ایک سچے مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا اور ماننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی ابدالآباد کے لئے ویسی ہی ہیں جیسی تیرہ سو برس[۱۳۰۰] پہلے تھیں۔ چنانچہ ان تاثیرات کے ثبوت کے لئے ہی خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور اب وہی آیات و برکات ظاہر ہو رہے ہیں جو اُس وقت ہو رہے تھے۔

سچی بات یہی ہے کہ اگر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ نہ ہوتا تو سالک جو اپنے نفس کی تکمیل چاہتے ہیں۔ مر ہی جاتے۔ لاہور میں ایک مولوی عبد الحکیم صاحب سے مباحثہ ہوا تھا۔ تو ہم نے اس کو یہی پیش کیا کہ تم خدا تعالیٰ کے مکالمات سے کیوں ناراض ہوتے ہو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ بھی تو مُحدَّث تھے۔ تو اُس نے صاف طور پر انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الکوثر: ۲ [2] الکوثر: ۴ [3] الاحزاب: ۴۱

نے فرضی طور پر کہا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی مُحدَّث نہ تھے۔ یہ مُحال ہے کہ آئندہ کسی کو الہام ہو۔ ان کو اس پر بالکل ایمان نہیں ہے۔ وہ مکالمات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کئے بیٹھے ہیں اور خدا تعالیٰ کو انہوں نے گونگا خدا مان لیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن شریف میں جو یہ آیا ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] اس کا اُن کے نزدیک کیا مطلب ہے اور جب ملائکہ ایسے مومنوں پر نازل ہوتے ہیں۔ اور اُن کو بشارتیں دیتے ہیں تو وہ بشارتیں کس کی طرف سے دیتے ہیں۔ اس اعتقاد پر پھر قرآن شریف کا اُن کو انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سارا قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ خدا تعالےٰ کے مکالمہ کا شرف عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ شرف ہی کسی کو نہیں ملتا۔ تو پھر قرآن شریف کی تاثیرات کا ثبوت کہاں سے ہوگا۔ اگر آفتاب دھندلا اور تاریک ہے تو اس کی روشنی پر کوئی کیا فرق کرسکیگا۔ اور کیا یہ کہکر فخر کرے گا۔ کہ اس میں روشنی نہیں۔ بلکہ تاریکی ہے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء)

آنحضرت صلعم کی قوت قدسی کا فیضان

اس طرح پر قرآن شریف کی تاثیرات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کی برکات کے لئے یہ اعتقاد کرنا کہ وہ ایک وقت خاص پر ایک شخص خاص ہی کے لئے تھے آئندہ کے لئے اُن کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبی اور توہین ہے اور نہ صرف قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بلکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر اعتراض کرنا ہے۔

یاد رکھو کہ نبیوں کا وجود اس لئے دنیا میں نہیں آتا کہ وہ محض ریاکاری اور نمود کے طور پر ہو۔ اگر ان سے کوئی فیض جاری نہیں ہوتا اور مخلوق کو رُوحانی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو پھر یہی ماننا پڑے گا کہ وہ صرف نمائش کے لئے ہیں۔ اور اُن کا عدم وجود معاذ اللہ برابر ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ دنیا کے لئے بہت سی برکات اور فیوض کے باعث بنتے ہیں۔ اور اُن سے

[1] یونس : ۶۵

ایک خیر جاری ہوتی ہے جس طرح پر آفتاب سے ساری دُنیا فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور اس کا فائدہ کسی خاص حد تک جا کر بند نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیوض و برکات کا آفتاب ہمیشہ چمکتا ہے۔ اور سعادت مندوں کو فائدہ پہنچتا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] یعنی اُن کو کہدو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب بن جاؤ تو میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبّت کریگا۔ آپ کی سچّی اطاعت اور اتباع انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوتی ہے۔

پس جبکہ آپ کی اتّباع کامل اللہ تعالےٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ایک محبوب اپنے مُحب سے کلام نہ کرے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو باوجود محبوب بنانے کے پھر بھی اُس سے کلام نہیں کرتا تو یہ محبوب معاذ اللہ اَبکم ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے لئے یہ نقص ٹھہراتا ہے کہ وہ کلام نہیں کرتے مگر ہم یہ ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ اور اسی غرض کے لئے اللہ تعالےٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچّی اتباع کے آثار اور ثمرات ہر وقت پائے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ خدا جو ہمیشہ سے ناطق خدا ہے، اپنا لذیذ کلام دُنیا کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔ اور قرآن شریف کے اعجاز کا ثبوت اس وقت بھی دے رہا ہے۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ جو ہم تحدی کر رہے ہیں کہ ہمارے بالمقابل قرآن شریف کے حقائق و معارف عربی زبان میں لکھو اور کسی کو یہ قدرت نہیں ہوتی کہ مقابلہ کیلئے نکل سکے ہمارا مقابلہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقابلہ ہے۔ کیونکہ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[2] جو فرمایا گیا ہے۔ اس وقت جو تعلیم الکتاب والحکمت ہو رہی ہے۔ اور ایک قوم کو اس وقت بھی صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ بنانا چاہتا ہے۔ اس کی اصل غرض یہی ہے کہ تا قرآن شریف کا معجزہ ثابت ہو۔

[1] آل عمران: ۳۲ [2] الجمعة: ۴

قرآن مجید بے مثل معجزہ ہے

ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف ایسا معجزہ ہے کہ نہ وہ اوّل مثل ہوا اور نہ آخر کبھی ہوگا۔ اس کے فیوض و برکات کا در ہمیشہ جاری ہے۔ اور وہ ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر شخص کا کلام اس کی ہمّت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر اس کی ہمّت اور عزم اور مقاصد عالی ہوں گے۔ اسی پایہ کا وہ کلام ہوگا۔ اور وحی الٰہی میں بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔ جس شخص کی طرف اس کی وحی آتی ہے۔ جس قدر ہمّت بلند رکھنے والا وہ ہوگا اسی پایہ کا کلام اسے ملیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہمّت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا۔ اس لئے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رُتبہ کا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس ہمّت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لئے نہ تھی۔ جیسے آپ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی۔ بلکہ آپ کے لئے فرمایا گیا۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔[1] اور مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[2]۔ جس شخص کی بعثت اور رسالت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو۔ اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ اس وقت اگر کسی کو قرآن شریف کی کوئی آیت بھی الہام ہو تو ہمارا یہ اعتقاد ہے۔ کہ اس کے اس الہام میں اتنا دائرہ وسیع نہیں ہوگا۔ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا تھا اور ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ خواب کی تعبیر میں معبّرین نے یہ اصُول رکھا ہے کہ وہ ہر شخص کی حیثیت اور حالت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی غریب ہے تو اس کی خواب اس کی ہمّت اور مقاصد کے اندر ہوگی۔ امیر کی اپنے رنگ کی اور بادشاہ کی اپنے رُتبہ کی۔ کوئی غریب اگر مثلاً یہ دیکھے کہ اس کے سر میں خارش ہوتی ہے تو اس سے یہ مُراد ہونے سے رہی کہ اس کے سر پر تاج شاہی رکھا جاوے گا۔ بلکہ اس کے لئے تو یہی مُراد ہوگی کہ وہ کسی سے جُوتے کھائے گا۔ جیسے استعدادوں کے دائرے مختلف ہیں۔ اسی طرح پر کلام الٰہی کے دوائر بھی مختلف ہیں۔

[1] الاعراف: ۱۵۹ [2] الانبیاء: ۱۰۸

علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے کلام میں اور بھی بہت سے پہلو بے مثل کے ہوتے ہیں۔ وہ اس پہلو سے بے مثل نہیں ہوتا جس پہلو سے ہم خیال کرتے ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام بدوں تدبر کے وحی ہے۔ مگر ہمارا کلام بعض اوقات تدبر کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہم اس میں اصلاح بھی کر دیتے ہیں۔ ہر ایک چیز نسبتاً بے نظیری پیدا کرتی ہے۔ دو مُرغ ہوں تو ایک اس کے مقابلہ میں اور اس کی نسبت سے بےنظیر کہلا سکتا ہے۔ لیکن ہاتھی کے مقابلہ میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں قرار پا سکتی۔

اسی طرح پر کرامات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جبکہ رکھا ہوا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کلام کا اعجاز نہ رکھا جاوے۔ جیسے ہر زمانہ میں کرامات ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اعجازی کلام کے ثبوت کے لئے کلام کا معجزہ بھی رکھا ہے۔ جیسے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی وہ چند سطریں معجزہ تھیں۔ اس زمانہ میں بھی قرآن شریف کے کلام کے اعجاز کے لئے کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح پر جیسے دوسرے خوارق اور نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور خوارق کے ثبوت کے لئے دیئے گئے ہیں جس جس قسم کے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے تھے۔ اسی رنگ پر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے نشانات کو رکھا ہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ اس نقش قدم پر ہے۔ اور دراصل وہی سلسلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی آمد کی پہلے ہی سے پیشگوئی ہو چکی تھی۔ اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ[1] میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ پس جیسے آپ کو اس وقت کلام کا معجزہ اور نشان دیا گیا تھا۔ اور قرآن شریف جیسی لانظیر کتاب آپ کو ملی۔ اسی طرح پر اس رنگ میں آپ کی اس بروزی آمد میں بھی کلام کا نشان دیا گیا۔ دیکھ لو کس قدر تحدی کے ساتھ غیرت دلانے والے الفاظ میں مقابلہ کے واسطے بُلایا گیا ہے۔ مگر کسی کو ہمت اور حوصلہ بھی نہیں ہوتا خدا تعالیٰ نے ان کی ہمتوں کو سلب کر لیا ہے۔ اور ان کے علوم اور قابلیتوں کو چھین لیا۔ باوجودیکہ یہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ اور اپنے علوم کی لاف زنیاں کرتے تھے

[1] الجمعۃ ۴

مگر اس مقابلہ میں خدا تعالٰے نے اُن سب کو ذلیل اور شرمندہ کیا۔

مُعجزہ شقّ القمر

دوسرا بڑا عظیم الشان مُعجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا شق القمر تھا اور شق القمر دراصل ایک قسم کا خسُوف ہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اشارہ سے ہوا۔ اِس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے کسُوف وخسُوف کا ایک نشان دکھایا اور یہ مسیح موعود اور مہدی کے لئے مخصوص تھا۔ اور ابتدائے دنیا سے کبھی اس رنگ میں یہ نشان نہیں دکھایا گیا تھا۔ یہ صرف مسیح موعود ہی کے زمانہ کے لئے رکھا گیا تھا۔ اور احادیث میں آیات مہدی میں سے اُسے قرار دیا گیا ہے۔ جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ میرے ہی نام پر آئیگا اس میں یہی نکتہ ہے کہ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیئے گئے تھے اس رنگ کے نشان یہاں بھی دیئے جانے ضروری تھے کیونکہ یہ آمد آپ ہی کی ہے۔

اعجازی نشان

غرض قرآن شریف بدوں غور وخوض بدوں محو واثبات اپنے اندر زندگی کی رُوح رکھتا ہے۔ اور بدُوں کسی نسبتی لحاظ یا مقابلہ کے وہ مستقل اعجاز ہے اور اس وقت جو اعجاز کلام دیا گیا ہے۔ یہ گویا اُس اعجاز کو اِس طرح پر دکھایا گیا ہے جیسے ایک عمارت کو ایک نقشہ کے رنگ میں دکھایا جاتا ہے اور ایک شیشہ کو دوسرے شیشہ میں دکھایا جاوے۔ مسلمانوں کے لئے یہ امر کس قدر رنج کا موجب ہوتا - اگر یہ مان لیا جاتا کہ کوئی خوارق اور نشانات اُن کو نہیں دیئے گئے کیونکہ پچھلے نشانات آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے تو بطور کہانی کے ہو جاتے ہیں۔ سو انسانی فِطرت تو تازہ بتازہ نشانات دیکھنا چاہتی ہے۔ مجھے ان خشک موحدوں پر افسوس ہی آتا ہے۔ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب خوارق کا کوئی نشان نہیں۔ اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ خشک زندگی سے تو مرنا بہتر ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کو بند کر دیا ہے۔ اور قُفل لگا دیا ہے تو پھر اھدنا الصراط المستقیم کی دُعا تعلیم کرنے کی کیا

ضرورت تھی۔ یہ تو وُہی بات ہوئی کہ ایک شخص کی مشکیں باندھ دی جاویں اور پھر اُس کو ماریں کہ تُو اب چل کر کیوں نہیں دکھاتا۔ بھلا وہ کس طرح چل سکتا ہے۔ فیوض و برکات کے دروازے تو خود بند کر دیئے اور پھر یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دُعا ہر روز ہر نماز میں کئی مرتبہ مانگا کرو۔ اگر قانُونِ قدرت یہ رکھا تھا کہ آپؐ کے بعد مُعجزات اور برکات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ اور کوئی فیض اور برکت کسی کو ملنا ہی نہیں تھا تو پھر اس دعا سے کیا مطلب

اگر اس دعا کا کوئی اور نتیجہ نہیں تو پھر نصاریٰ کی تعلیم کے آثار اور نتائج اور اس تعلیم کے آثار اور نتائج میں کیا فرق ہوا۔ لکھا تو انجیل میں یہی ہے کہ میری پیروی سے تم پہاڑ کو بھی ہلا سکو گے مگر اب وہ جوتی بھی سیدھی نہیں کر سکتے۔ لکھا ہے کہ میرے جیسے مُعجزات دکھاؤ گے مگر کوئی کچھ نہیں دکھا سکتا۔ لکھا ہے کہ زہریں کھالو گے تو اثر نہ کریں گی مگر اب سانپ ڈستے اور کُتے کاٹتے ہیں اور وہ ان زہروں سے ہلاک ہوتے ہیں اور کوئی نمونہ وہ دعا کا نہیں دکھا سکتے۔ ان کا وہ نمونہ دعا کی قبولیت کا نہ دکھا سکنا ایک سخت حربہ اور حجّت ہے عیسائی مذہب کے ابطال پر کہ اس میں زندگی کی رُوح اور تاثیر نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ انہوں نے نبی کا طریق چھوڑ دیا۔

اب اگر ہم بھی اقرار کر لیں کہ اب نشانات اور خوارق نہیں ہوتے اور یہ دعا جو سکھائی گئی ہے اس کا کوئی اثر اور نتیجہ نہیں تو کیا اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے۔ کہ یہ اعمال معاذ اللہ بیفائدہ ہیں۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ جو دانا اور حکمت والا ہے۔ وہ نبوت کی تاثیرات کو قائم رکھتا ہے اور اب بھی اس نے اس سلسلہ کو اسی لئے قائم کیا ہے۔ تا وہ اس امر کی سچائی پر گواہ ہو۔ قرآن شریف کے جس قدر اعجاز معارف معجز کلامی کے ہیں نے جمع کئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اُن کو ظاہر کر رہا ہے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے خوارق کا ثبوت ہو۔ یہی ایک ہتھیار اور حربہ ہے جو ہم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور جس کے ساتھ ہم مذاہب باطلہ کے سحر کو توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن شریف کو زندہ کلام ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسے

منتر بنانا نہیں چاہیئے۔

(الحکم جلد ۷، نمبر ۲۰ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۱؍ مئی ۱۹۰۳ء)

عالمِ آخرت کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ عالمِ آخرت درحقیقت دُنیوی عالم کا ایک عکس ہے اور جو کچھ دنیا میں رُوحانی طور پر ایمان اور ایمان کے نتائج اور کُفر اور کُفر کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ عالمِ آخرت میں جسمانی طور پر ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی[1] یعنی جو اِس جہان میں اندھا ہے وہ اُس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ ہمیں اِس تمثیلی وجُود سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ اور ذرا سوچنا چاہیئے کہ کیونکر رُوحانی اُمور عالمِ رُؤیا میں متمثّل ہو کر نظر آجاتے ہیں اور عالمِ کشف میں تو اس سے بھی عجیب تر ہے، کہ وجود عدم غیبت حس اور بیداری کے رُوحانی اُمور طرح طرح کے جسمانی اشکال میں انہیں آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ بسا اوقات عین بیداری میں ان رُوحوں سے ملاقات ہوتی ہے جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ اس دنیوی زندگی کے طور پر اپنے اصلی جسم میں اسی دنیا کے کپڑوں میں سے ایک پوشاک پہنے ہوئے نظر آتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں سے مقدس لوگ باذنہٖ تعالیٰ آئندہ کی خبریں دیتے ہیں اور وہ خبریں مطابق واقعہ نکلتی ہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ایک شربت یا کسی قسم کا میوہ عالمِ کشف سے ہاتھ میں آتا ہے اور وہ کھانے میں نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ اور ان سب اُمور میں یہ عاجز خود صاحب تجربہ ہے۔ کشف کی اعلیٰ قسموں میں سے یہ ایک قسم ہے کہ بالکل بیداری میں واقع ہوتی ہے۔ اور یہاں تک اپنے ذاتی تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ ایک شیریں طعام یا کسی قسم کا میوہ یا شربت غیب سے نظر کے سامنے آگیا ہے۔ اور وہ ایک غیبی ہاتھ سے مُنہ میں پڑتا جاتا ہے اور زبان کی قوت ذائقہ اس کے لذیذ طعم سے لذت اُٹھاتی جاتی ہے اور دوسرے لوگوں سے باتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور حواسِ ظاہری بخوبی اپنا اپنا کام دے رہے ہیں۔ اور یہ شربت یا

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

میوہ بھی کھایا جا رہا ہے اور اس کی لذّت اور حلاوت بھی ایسی ہی کھلے کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ لذّت اس لذّت سے نہایت اَلطف ہوتی ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہم ہوتا ہے یا صرف بے بنیاد تخیلات ہوتے ہیں۔ بلکہ واقعی طور پر وہ خدا جس کی شان بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ[1] ہے۔ ایک قسم کے خلق کا تماشا دکھاتا ہے۔ پس جبکہ اس قسم کے خلق اور پیدائش کا دنیا میں ہی نمونہ دکھائی دیتا ہے اور ہر ایک زمانہ کے عارف اس کے بارے میں گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ تو پھر وہ تمثلی خلق اور پیدائش جو آخرت میں ہوگی اور میزانِ اعمال نظر آئے گی۔ اور پُلصراط نظر آئے گا اور ایسا ہی بہت سے امور رُوحانی جسمانی تشکّل کے ساتھ نظر آئیں گے۔ اس سے کیوں عقلمند تعجب کرے۔ کیا جس نے یہ سلسلہ تمثّلی خلق اور پیدائش کا دنیا میں ہی عارفوں کو دکھا دیا ہے۔ اس کی قدرت سے یہ بعید ہے۔ کہ وہ آخرت میں بھی دکھا دے۔ بلکہ ان تمثّلات کو عالم آخرت سے نہایت مناسبت ہے کیونکہ جس حالت میں اِس عالم میں جو کمال انقطاع کا تجلّی گاہ نہیں ہے یہ تمثلی پیدائش تزکیہ یافتہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے تو پھر عالم آخرت میں جو اکمل اور اتم انقطاع کا مقام ہے، کیوں نظر نہ آوے۔

یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیئے کہ انسان عارف پر اسی دنیا میں وہ تمام عجائبات کشفی رنگ میں کھل جاتے ہیں کہ جو ایک محجوب آدمی قصّہ کے طور پر قرآن کریم کی اُن آیات میں پڑھتا ہے۔ جو معاد کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔ سو جس کی نظر حقیقت تک نہیں پہنچتی وہ ان بیانات سے تعجب میں پڑ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس کے دل میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا عدالت کے دن تخت پر بیٹھنا اور ملائک کا صف باندھے کھڑے ہونا اور ترازو میں عملوں کا تلنا اور لوگوں کا پُلصراط پر سے چلنا اور سزا جزا کے بعد موت کو بکرے کی طرح ذبح کر دینا اور ایسا ہی اعمال کا خوش شکل یا بد شکل انسانوں کی طرح لوگوں پر ظاہر ہونا اور بہشت میں دُودھ اور شہد کی نہریں چلنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں صداقت اور معقولیت سے دور معلوم ہوتی ہیں۔“

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ صفحہ ۱ پرچہ ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

[1] یٰسٓ: ۸۰

۳؍دسمبر ۱۹۰۱ء

جمع بین الصلوتین

مہدی کی علامت ہے

سب صاحبوں کو معلوم ہو کہ ایک مدت سے خدا جانے قریباً چھ ماہ سے یا کم و بیش عرصہ سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کی جاتی ہے۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ ایک عرصہ سے جو مسلسل نماز جمع کی جاتی ہے، ایک نو وارد یا نو مرید کو (جس کو ہمارے اغراض و مقاصد کی کوئی خبر نہیں ہے) یہ شبہ گذرتا ہوگا کہ کاہلی کے سبب سے نماز جمع کر لیتے ہوں گے۔ جیسے بعض غیر مقلد ذرا ابر ہوا یا کسی عدالت میں جانا ہوا تو نماز جمع کر لیتے ہیں اور بلا مطر اور بلا عذر بھی نماز جمع کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم کو اس جھگڑے کی ضرورت اور حاجت نہیں اور نہ ہم اس میں پڑنا چاہتے ہیں کیونکہ میں طبعاً اور فطرتاً اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اور نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے۔ اگرچہ شیعوں نے اور غیر مقلدوں نے اس پر بڑے بڑے مباحثے کئے ہیں مگر ہم کو اُن سے کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف نفس کی کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ سہل حدیثوں کو اپنے مفید مطلب پا کر اُن سے کام لیتے ہیں۔ اور مشکل کو موضوع اور مجروح ٹھہراتے ہیں۔ ہمارا یہ مدعا نہیں بلکہ ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے۔ کہ جو قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو وہ اگر ضعیف بھی ہو۔ تب بھی اُس پر عمل کر لینا چاہیئے۔

اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں۔ تو اصل بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تفہیم، القا اور الہام کے بدوں نہیں کرتا۔ بعض امور ایسے ہوتے ہیں۔ کہ میں ظاہر نہیں کرتا مگر اکثر ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں تک خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس جمع صلوتین کے متعلق ظاہر کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ کی بھی ایک عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اب پوری ہو رہی ہے۔ میرا یہ بھی مذہب ہے کہ

اگر کوئی امر خدا تعالےٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق تو گو علماء ظواہر اور محدثین اس کو موضوع یا مجروح ہی ٹھہراویں مگر میں اس کے مقابل اور معارض کی حدیث کو موضوع کہوں گا۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کی صحت مجھ پر ظاہر کر دی ہے جیسے لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی والی حدیث ہے۔ محدثین اس پر کلام کرتے ہیں۔ مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور یہ میرا مذہب میرا ہی ایجاد کردہ مذہب نہیں بلکہ خود یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ اہل کشف یا اہل الہام لوگ محدثین کی تنقید حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے۔ خود مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ میں اس مضمون پر بڑی بحث کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ ماُمور اور اہل کشف محدثین کی تنقید کے پابند نہیں ہوتے ہیں تو جب یہ حالت ہے پھر میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کرتا ہوں خدا تعالیٰ کے القا اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ یہ پیشگوئی جو اس حدیث تجمع لہ الصلوٰۃ میں کی گئی ہے۔ یہ مسیح موعود اور مہدی کی ایک علامت ہے۔ یعنی وہ ایسی دینی خدمات اور کاموں میں مصروف ہوگا۔ کہ اس کے لئے نماز جمع کی جاوے گی۔ اب یہ علامت جبکہ پوری ہو گئی۔ اور ایسے واقعات پیش آگئے۔ پھر اس کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ نہ کہ استہزار اور انکار کے رنگ میں۔

نشان صداقت پر علیٰ وجہ البصیرۃ گواہی

دیکھو! انسان کے اپنے اختیار میں اس کی موت فوت نہیں ہے۔ اب اس نشان کے پورا ہونے پر تو یہ لوگ رکیک اور نامعقول عذر تراشتے ہیں اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے اور حدیث کی صحت اور عدم صحت کو لے بیٹھے ہیں۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس نشان کے پورا ہونے سے پہلے ہماری موت آجاتی تو یہی لوگ اسی حدیث کو جسے اب موضوع ٹھہراتے ہیں، آسمان پر چڑھا دیتے۔ اور اس سے زیادہ شور مچاتے جو اب مچا رہے ہیں۔ دشمن اسی ہتھیار کو اپنے لئے تیز کر لیتا۔ لیکن اب جبکہ وہ صداقت کا ایک نشان اور گواہ ٹھہرتا

ہے۔ تو اس کو نکما اور لاشئے قرار دیا جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے لئے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ انہوں نے تو صدہا نشان دیکھے مگر انکار پر انکار کیا۔ اور صادق کو کاذب ہی ٹھہرایا۔ اور کس نشان کو انہوں نے مانا جو اس کی امید اُن سے رکھیں۔ کیا کسوف اور خسوف کا کوئی چھوٹا نشان تھا؟ اس کے پُورا ہونے سے پہلے تو اس کو نشان قرار دیتے رہے مگر جب پُورا ہو گیا تو اس کو بھی مشکوک کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال مخالفوں کی کورچشمی اور تعصب کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ اب رہی اپنی جماعت، خدا کا شکر ہے کہ اس کے لئے یہ کوئی ابتلا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس نے دمشق کے منارہ پر چڑھنے والے اور فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد پوش مسیح کے اُترنے کی حقیقت کو خدا کے فضل سے سمجھ لیا ہے اور جس نے خدا کی صفات والے دجال کا انکار کر کے دجّال کی حقیقتِ حال پر اطلاع پالی ہے اور ایسا ہی دابۃ الارض اور دجّال کے متعلق ان لوگوں کے خانہ ساز مجموعوں کو چھوڑا ہے۔ اور اس قدر باتوں پر جب وہ مجھ پر نیک ظن کرنے کے باعث الگ ہو گئے ہیں۔ تو یہ امر اُن کی راہ میں روک اور ابتلا کا باعث کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اب بات صرف حُسن ظن تک نہیں رہی۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ان کو معرفت اور بصیرت کے مقام پر پہنچا دیا ہے اور وہ دیکھ چکے ہیں۔ کہ میں وُہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ ہاں! میں وُہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور پھر خدا تعالیٰ نے اُن کی معرفت بڑھانے کے لئے منہاج نبوّت پر اس قدر نشان ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان کے گواہ ہیں۔ دوست و دشمن، دُور و نزدیک، ہر مذہب و ملّت کے لوگ ان کے گواہ ہیں۔ زمین نے اپنے نشانات الگ ظاہر کئے۔ آسمان نے الگ وہ علامات جو میرے لئے مقرر تھیں، وہ سب پُوری ہو گئیں۔ پھر اس قدر نشانات کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ہلاک ہوتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک پر خدا نے ایسا فضل کیا ہے۔ کہ ایک بھی تم میں سے ایسا نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ کیا کوئی ہے جو کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا؟ ایک بھی نہیں۔ پھر ایسی

بصیرت اور معرفت بخشنے والے نشانوں کے بعد مجھ پر حُسن ظنّ ہی نہیں رہا۔ بلکہ میری سچّائی اور خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آنے پر تم علیٰ وجہ البصیرۃ گواہ ہو۔ اور تم پر حجّت پوری ہو چکی ہے۔

پھر وہ بڑا ہی بدقسمت اور نادان ہوگا۔ جو اتنے نشانوں کے بعد اس پیشگوئی کے پُورا ہونے پر ابتلا میں پڑے جو اس کے ازدیادِ ایمان کا مُوجب اور باعث ہونی چاہیئے۔ جو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔ کہ آنیوالے موعود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ اس کے لئے نماز جمع کی جائے گی۔ پس تمہیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ یہ نشان بھی پُورا ہوتا ہوا تم نے دیکھ لیا لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے تو میں نے پہلے اس کی بابت ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ محدثین نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ اہل کشف اور مامُور تنقید احادیث میں اُن کے اصولوں کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے۔ تو پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس حدیث کی صحت کو ظاہر کر دیا ہے تو اس پر زور دینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ محدثین خود ہی مانتے ہیں اور حدیث میں سونے کے کنگن پہننے کی سخت ممانعت ہے مگر وہ کیا بات تھی کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو سونے کے کنگن پہنا دیئے۔ چنانچہ اس صحابی نے بھی انکار کیا۔ مگر وہ حضرت عمرؓ نے اُس کو پہنا کر ہی چھوڑے کیا وہ اس حُرمت پر آگاہ نہ تھے؟ تھے اور ضرور تھے مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے پُورا ہونے پر ہزاروں حدیثوں کو قربان کرنے کو تیار تھے اب غور کا مقام ہے کہ جب ایک پیشگوئی کے پُورا ہونے نے حرمت کا جواز کرا دیا تو بلا مطر و بلا عذر والی بات پر انکار کیوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پُورا ہونے کا اشتیاق

اور

نکتۂ معرفت

احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اپنے خواب کو بھی سچّا کرنے کی کوشش کرو چہ جائیکہ نبی کریمؐ کی پیشگوئی۔ جس شخص کو ایسا موقعہ ملے اور وہ عمل نہ کرے اور اس کو پُورا کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ وہ دشمن اسلام ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو معاذ اللہ جھوٹا ٹھہرانا چاہتا

ہے اور آپؐ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقعہ دینا چاہتا ہے

صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پُورا ہونے پر اپنی معرفت اور ایمان میں ترقی دیکھتے تھے اور وہ اس قدر عاشق تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو جاتے اور پیشگوئی کے طور پر کہہ دیتے کہ فلاں منزل پر نماز جمع کریں گے اور اُن کو موقعہ مل جاتا تو وہ خواہ کچھ ہی ہوتا، ضرور جمع کر لیتے اور خود آنحضرتؐ کی طرف ہی دیکھو کہ آپؐ پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے کس قدر مشتاق تھے۔

ہم کو کوئی بتائے کہ آپؐ حدیبیہ کی طرف کیوں گئے۔ کیا کوئی وقت اُن کو بتایا گیا تھا۔ اور کسی میعاد سے اطلاع دی گئی تھی، پھر کیا بات تھی؟ یہی وجہ تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پُوری ہو جائے۔ یہ ایک باریک ستر اور دقیق معرفت کا نکتہ ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ کہ انبیاء اور اہل اللہ کیوں پیشگوئیوں کے پُورا کرنے اور ہونے کی ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے نشانات پُورا کرنے کیلئے اہلُ اللہ کا نورِ قلب

جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں یا اہل اللہ ہوئے ہیں۔ اُن کو فطرۃً رغبت دی جاتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو پُورا کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ مسیحؑ نے اپنی جگہ داؤدی تخت کو بحالی والی پیشگوئی کے لئے کس قدر سعی اور کوشش کی کہ اپنے شاگردوں کو یہانتک حکم دیا کہ جس کے پاس تلواریں اور ہتھیار نہ ہوں وہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خریدے اب اگر اس پیشگوئی کو پُورا کرنے کی وہ فطری خواہش اور آرزو نہ تھی جو انبیاء علیہم السلام میں ہوتی ہے تو کوئی ہم کو بتائے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اور ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر یہ طبعی جوش نہ تھا تو آپؐ کیوں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے جبکہ کوئی میعاد اور وقت بتایا نہیں گیا تھا؟ بات یہی ہے کہ یہ گو وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی حُرمت اور عزّت کرنا ہے۔ اور چونکہ ان نشانات کے پُورا ہونے پر معرفت اور یقین میں ترقی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں

کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ پُورے ہوں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نشان پُورا ہوتا تو سجدہ کیا کرتے تھے۔ جب تک دل دھوئے نہ جاویں اور ایمان حجاب اور زنگ کی تہوں سے صاف نہ کیا جاوے، سچا اسلام اور سچی توحید جو مدار نجات ہے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور دل کے دھونے اور ان حجب ظلمانیہ کے دُور کرنے کا آلہ یہی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں جن سے خود خدا تعالیٰ کی ہستی اور نبوت پر ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور جب تک سچا ایمان نہ ہو۔ جو کچھ کرتا ہے۔ وہ صرف رسُوم اور ظاہر داری کے طور پر کرتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات تھی۔ تو میرا نُور قلب کب اس کے خلاف کرنے کی رائے دے سکتا تھا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ یہ ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پُوری ہو۔ ممکن تھا۔ کہ ایسے واقعات پیش نہ آتے۔ لیکن جب ایسے اُمور پیش آ گئے کہ جن میں مصرُوفیت ازبس ضروری تھی اور توجہ ٹھیک طور پر چاہئے تھی۔ تو اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اور وہ پُوری ہوئی۔ اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

نمازوں کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے ایماء اور القاء سے تھا

میرا ان نمازوں کو جمع کرنا جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اشارہ اور ایماء اور القاء سے تھا۔ حالانکہ مخالف تو خواہ مخواہ بھی جمع کر لیتے ہیں۔ مسجد میں بھی نہیں جاتے۔ گھروں ہی میں جمع کر لیتے ہیں۔ مولوی محمد حسین ہی کو قسم دے کر پوچھا جاوے۔ کہ کیا اس نے کبھی حاکم کے پاس جاتے وقت نماز جمع کی ہے یا نہیں؟ پھر خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نشان پر کیوں اعتراض کیا جاوے۔ اگر تقویٰ اور خدا ترسی ہو۔ تو اعتراض کرنے سے پہلے انسان اپنے گھر میں سوچ لے کہ کیا کہتا ہوں اور اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہو گا۔ اور کس پر پڑے گا۔

مسیح موعود کے ساتھ جلالی و جمالی اجتماع وابستہ ہیں

میں نے اس اجتہاد میں یہ بھی سوچا کہ ممکن تھا۔ ہم دس دن ہی میں کام کو ختم کر دیتے

جو اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا مُوجب اور باعث ہوا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی پسند کیا کہ جب یہ لوگ اپنے نفس کی خاطر دو دو مہینے نکال لیتے ہیں تو پیشگوئی کی تکمیل کے لئے ایسی مدّت چاہیئے جس کی نظیر نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگرچہ وہ مصالح ابھی تک نہیں کھلے۔ مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور مجھے امید ہے۔ کہ ضرور کھُلیں گے۔

دیکھو ضُعف دماغ کی بیماری بدستور لاحق ہے اور بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ موت قریب ہو جاتی ہے۔ تم میں سے اکثر نے میری ایسی حالت کو معائنہ کیا ہے۔ اور پھر پیشاب کی بیماری عرصہ سے ہے گویا دو زرد چادریں مجھے یہ پہنائی گئی ہیں۔ ایک اُوپر کے حصّہ بدن میں اور ایک نیچے کے حصّہ بدن ہیں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے وقت صافی بہت کم ملتا ہے۔ مگر ان ایام میں خدا تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا۔ کہ صحت بھی اچھی رہی۔ اور کام ہوتا رہا۔ مجھے تو افسوس اور تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جمع بین الصّلوٰتین پر روتے ہیں حالانکہ مسیح کی قسمت میں بہت سے اجتماع رکھے ہیں۔ کسُوف و خسُوف کا اجتماع ہوا۔ یہ بھی میرا ہی نشان تھا۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[1] بھی میرے ہی لئے ہیں اور اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ[2] بھی ایک جمع ہی ہے کیونکہ اوّل اور آخر کو ملایا گیا ہے۔ اور یہ عظیم الشان جمع ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے برکات اور فیوض کی زندگی پر دلیل اور گواہ ہے۔ اور پھر یہ بھی جمع ہے کہ خدا تعالیٰ نے تبلیغ کے سارے سامان جمع کر دیئے ہیں۔ چنانچہ مطبع کے سامان، کاغذ کی کثرت، ڈاکخانوں، تار، ریل اور دُخانی جہازوں کے ذریعہ کل دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور پھر نت نئی ایجادیں اس جمع کو اَور بھی بڑھا رہی ہیں۔ کیونکہ اسباب تبلیغ جمع ہو رہے ہیں۔ اب فونوگراف سے بھی تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں۔ اور اس سے بہت عجیب کام نکلتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں کا اجراء، غرض اس قدر سامان تبلیغ کے جمع ہوئے ہیں کہ اس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں ہم کو نہیں ملتی۔ بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے اغراض میں سے ایک تکمیلِ دین بھی تھی۔ جس کیلئے فرمایا

[1] التکویر: ۸ [2] الجمعۃ: ۴

گیا تھا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1]۔ اب اس تکمیل میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تکمیلِ ہدایت اور دوسری تکمیلِ اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت کا زمانہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پہلا زمانہ تھا اور تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ آپؐ کا دوسرا زمانہ ہے جبکہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ[2] کا وقت آنے والا ہے۔ اور وہ وقت اب ہے یعنی میرا زمانہ یعنی مسیح موعود کا زمانہ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تکمیل ہدایت اور تکمیل اشاعت ہدایت کے زمانوں کو بھی اس طرح پر ملایا ہے۔ اور یہ بھی عظیم الشان جمع ہے اور پھر یہ بھی وعدہ ہے کہ سارے اَدیان کو جمع کیا جائے گا اور ایک دین کو غالب کیا جائے گا۔ یہ بھی مسیح موعود کے وقت کی ایک جمع ہے۔ کیونکہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ[3] مفسّروں نے مان لیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں ہوگا۔

پھر یہ بھی کہ وہ امن کا زمانہ ہوگا کہ بھیڑیا اور بھیڑ ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ جیساکہ اس وقت نظر آتا ہے۔ ہمارے مخالفوں نے ہمارے قتل کے کس قدر منصوبے کئے۔ مگر وہ کیوں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسی گورنمنٹ کے حُسنِ انتظام اور امن کی وجہ سے۔ پھر خدا نے یہ بھی ارادہ فرمایا ہوا تھا کہ اس زمانہ میں حقائق و معارف جمع کر دے۔

میں دیکھتا ہوں کہ جیسے ظُہر و عصر جمع ہوئے ہیں۔ کہ ظہر آسمان کے جلالی رنگ کا ظل ہے۔ اور عصر جمالی رنگ کا۔ اور خدا تعالیٰ دونوں کا اجتماع چاہتا ہے اور چونکہ میرا نام اس نے آدم بھی رکھا ہے اور آدم کے لئے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ یعنی جلالی اور جمالی رنگ دونوں اس میں رکھے۔ اس لئے اس جگہ بھی جلال اور جمال کا اجتماع کر کے دکھا دیا۔

جلالی رنگ میں طاعون وغیرہ اللہ تعالیٰ کی گرفتیں ہیں اور انہیں سب دیکھتے ہیں اور جمالی رنگ میں اس کے انعامات اور مبشرانہ وعدے ہیں۔ اور پھر میری دانست میں اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ایک اَور جمع کی بھی خبر رکھی ہے۔ جس کی خدا نے مجھے اطلاع دی

[1] المائدۃ: ۴ [2] الجمعۃ: ۴ [3] الصف: ۱۰

اور وہ یہ ہے کہ میری پیدائش میں میرے ساتھ ایک لڑکی بھی اُس نے رکھی ہے۔ اور پھر قومیت اور نسب میں بھی ایک جمع رکھی اور وہ یہ کہ ہماری ایک دادی سیدہ تھی۔ اور دادا صاحب اہل فارس تھے۔ اب بھی خدا نے اس قسم کی جمع ہمارے گھر میں رکھی۔ کہ ایک صحیح النسب سیدہ میرے نکاح میں آئی۔ اسی طرح جیسے خدا نے ایک عرصہ پہلے بشارت دی تھی۔ اب غور تو کرو کہ خدا نے کس قدر اجتماع یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ ان تمام جمعوں کو خدا نے مصلحت عظیمہ کے لئے جمع کیا ہے۔

مسیح موعود ہی حَکم عدل ہے

ہماری جماعت کے لئے تو یہ امر دُور از ادب ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں پیش کریں یا اُن کے وہم میں بھی ایسی باتیں آئیں اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں جو کرتا ہوں۔ وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ پھر کیوں اس کو مقدم نہیں کرتے اور پیشگوئی سمجھ کر اس کی عزت نہیں کرتے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی پیشگوئی سمجھ کر ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنا دیئے۔ اب تم بتاؤ کہ اور کیا چاہتے ہو۔ خدا نے اس قدر نشان تمہارے لئے جمع کر دیئے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ پر ایمان ہو تو کوئی وہم اور خیال اس قسم کا پیدا نہیں ہو سکتا جس سے اعتراض کا رنگ پایا جائے۔ اور اگر اس قدر نشان دیکھتے ہوئے بھی کوئی اعتراض کرتا اور علیحدہ ہوتا ہو تو وہ بے شک نکل جائے اور علیحدہ ہو جاوے۔ اس کی خدا کو کیا پرواہ ہے۔ وہ کہیں جگہ نہیں پا سکتا۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے حَکم عدل ٹھہرایا ہے۔ اور تم نے مان لیا ہے۔ پھر نشانہ اعتراض بنانا ضعفِ ایمان کا نشان ہے۔ حَکَمْ مان کر تمام زبانیں بند ہو جانی چاہئیں۔ اگر مخالفوں کا خیال ہو۔ تو انہوں نے اس سے پہلے کیا کچھ نہیں کیا۔ دجال، بے ایمان، کافر، اکفر تک ٹھہرایا اور کوئی گالی باقی نہ رہی جو انہوں نے نہیں دی، اور کوئی منصوبہ شرارت اور تکلیف دہی کا نہیں رہا جو انہوں نے نہیں سوچا۔ پھر اَور کیا باقی رہ گیا۔ جو غیروں کی پرواہ کرتا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کی پرواہ نہیں کرتا۔ جبتک خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حَکم کی

بات کے سامنے اپنی زبانوں کو بند نہ کرو گے، وہ ایمان پیدا نہیں ہو سکتا۔ جو خدا چاہتا ہے اور جس غرض کے لئے اُس نے مجھے بھیجا ہے۔

میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا یہ عمل اپنی تجویز اور خیال سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی تفہیم سے ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے لئے ہے۔ میں کسی اور حَکَم کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ جو چاہتا ہے اس کو قبُول کرے اور جس کا دل مریض ہے وہ الگ ہو جائے۔ میں ایسے لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ وہ کثرت سے استغفار کریں اور خدا سے ڈریں ایسا نہ ہو کہ خدا ان کی جگہ اَور قوم لاوے۔

مسیح موعودؑ کے خلاف عُلماء سُوء کے فتوے
اُس کی صداقت کی دلیل ہیں؛

ایک بار مجھے الہام ہوا تھا کہ کوئی شخص میری طرف اشارہ کرکے کہتا ہے۔ ھٰذا الرّجُلُ یجیح الدِّین۔ یہ شخص دین کی جڑھ اکھاڑتا ہے۔ میں خوش ہوا کیونکہ آثار میں ایسا ہی لکھا ہے کہ مسیح اور مہدی کی نسبت ایسے فتوے دیئے جائیں گے۔ حُجج الکرامہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور ابن عربی نے لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہوگا۔ تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہیگا۔ اِنَّ ھٰذا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔

اور مجدد صاحب کے مکتُوب دوم میں صاف لکھا ہے کہ مسیح جو کچھ بیان کرے گا وہ اسرار غامضہ ہوں گے اور لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔ حالانکہ وہ قرآن سے استنباط کرے گا۔ پھر بھی لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے مسیح موعود کے ساتھ حجج کا ایک نشان ہے۔ عوام کے خیال کے موافق ایک تغیر بھی اس کے ساتھ ضروری ہے۔ کیونکہ وہ بحیثیت حَکَم ہونے کے تمام بدعات اور خرابیوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ دُور کرے گا اور لوگ اُن کو تغیر دین کے نام سے یاد کریں گے۔

میں پُوچھتا ہوں کہ اگر تم مخالفوں سے ڈرتے ہو تو پھر مجھے قبُول کرنے کا کیا فائدہ ہوا۔ میری مخالفت میں کافر اور دجّال ٹھہرائے گئے۔ اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا؟ اور پھر اگر یہی بات ہے کہ اس کو تغیرِ دین کہتے ہیں تو بتاؤ کہ میں نے جہاد کی حُرمت کا فتویٰ دیا ہے اور شایع کر دیا ہے۔ کہ دین کے لئے تلوار اُٹھانا حرام ہے پھر اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ہمارے مخالف تو یضع الجزیۃ کہتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یضع الحرب درست ہے۔ غرض اگر اب یہ چاہیں کہ ان لوگوں کے پنجوں سے بچ جائیں، یہ مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ جبتک پُورے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ پس اب ایک درگیر محکم گیر پر عمل کرو۔

بدظنی سے بچو

جو شخص ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ایمان سے یقین اور عرفان تک ترقی کرنی چاہیئے نہ یہ کہ وہ پھر ظن میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو۔ ظن مفید نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا[1] یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بامُراد کر سکتی ہے۔ یقین کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انسان ہر بات پر بدظنی کرنے لگے تو شاید ایک دم بھی دنیا میں نہ گذار سکے۔ وہ پانی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے۔ کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شئے ہو پھر کس طرح وہ رہ سکتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے۔ اسی طرح پر انسان رُوحانی اُمور میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اب تم خود یہ سوچ لو۔ اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو۔ کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے۔ اور مجھے مسیح موعُود۔ حَکَم۔ عَدل مانا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدُورت یا رنج آتا ہے تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے، کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔ لیکن اگر تم نے سچّے دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ مسیح موعود واقعی حَکَم ہے تو پھر اس کے حُکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو۔ اور اس کے فیصلوں کو عزّت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزّت

[1] یونس : ۳۷

اور غلطی کرنے والے ٹھہرو۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کافی ہے وہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہوگا وہ حَکَم عَدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوئی تو پھر کب ہوگی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مُبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ میں اگر صادق نہیں ہوں تو پھر جاؤ۔ اَور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اور صادق نہیں مل سکتا۔ اور پھر اگر دوسرا کوئی صادق نہ ملے اور نہیں ملیگا تو پھر میں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا ہے۔

جن لوگوں نے میرا انکار کیا ہے اور جو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا اور جس نے مجھے تسلیم کیا اور پھر اعتراض رکھتا ہے، وہ اَور بھی بدقسمت ہے کہ دیکھ کر اندھا ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاصرت بھی رُتبہ کو گھٹا دیتی ہے اس لئے حضرت مسیح کہتے ہیں۔ کہ نبی بیعزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کو اہلِ وطن سے کیا کیا تکلیفیں اور صدمے اُٹھانے پڑے تھے۔ سو یہ انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ ایک سُنّت چلی آتی ہے۔ ہم اس سے الگ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہم کو جو کچھ اپنے مخالفوں سے سُننا پڑا۔ یہ اسی سُنّت کے موافق ہے۔ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[1] افسوس اگر یہ لوگ صاف نیّت سے میرے پاس آتے تو میں ان کو وہ دکھاتا جو خدا نے مجھے دیا ہے اور وہ خدا خود ان پر اپنا فضل کرتا اور انہیں سمجھا دیتا۔ مگر انہوں نے بُخل اور حسد سے کام لیا۔ اب میں ان کو کس طرح سمجھاؤں

جب انسان سچے دل سے حق طلبی کے لئے آتا ہے تو سب فیصلے ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب بدگوئی اور شرارت مقصود ہو۔ تو کچھ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں کب تک ان کے فیصلے کرتا رہوں گا۔

حجج الکرامہ میں ابن عربی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ مسیح موعود جب آئے گا تو اُسے

[1] الحجر: ۱۲

مُفتری اور جاہل ٹھہرایا جائے گا اور یہاں تک بھی کہا جاوے گا کہ وہ دین کو تغیر کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس قسم کے الزام مجھے دیئے جاتے ہیں۔ ان شبہات سے انسان تب نجات پا سکتا ہے جب وہ اپنے اجتہاد کی کتاب ڈھانپ لے اور اس کی بجائے وہ یہ فکر کرے کہ کیا یہ سچا ہے یا نہیں بعض امور بیشک سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ حُسن ظن اور صبر اور استقلال سے ایک وقت کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر اصل حقیقت کو کھول دیتا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے وقت صحابہ سوال نہ کرتے تھے بلکہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی آکر سوال کرے تو فائدہ اُٹھاتے تھے۔ ورنہ خود خاموش سر تسلیم کئے ہوئے بیٹھے رہتے تھے اور جُرأت سوال کرنے کی نہ کرتے تھے۔ میرے نزدیک اصل اور اسلم طریق یہی ہے کہ ادب کرے۔ جو شخص آداب النّبی کو نہیں سمجھتا اور اس کو اختیار نہیں کرتا۔ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ ہلاک نہ کیا جائے۔

یقین کے مدارج

وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں۔ جو ایک ہی دن میں حق الیقین کے درجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ایک ظن ہوتا ہے اور ایک یقین۔ ظن صرف خیالی بات ہوتی ہے اور اس کی صحت اور سچائی پر کوئی حُکم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں احتمال کذب کا ہوتا ہے۔ لیکن یقین میں ایک سچائی کی روشنی ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یقین کے بھی مدارج ہیں۔ ایک علم الیقین ہوتا ہے۔ پھر عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔ جیسے دُور سے کوئی آدمی دُھواں دیکھتا ہے۔ تو وہ آگ کا یقین کرتا ہے اور یہ علم الیقین ہے اور جب جا کر دیکھتا ہے تو وہ عین الیقین ہے۔ اور جب ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ جلاتی ہے تو وہ حق الیقین ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی ابھی ظن سے مُخلصی نہیں ہوئی جبکہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جو امُور خدا کی طرف سے آتے ہیں، ان کے ساتھ ابتلا ضرور ہوتے ہیں۔ پھر ہم کیونکر ابتلا کے بغیر آسکتا تھا۔ اگر ابتلا نہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بنی اسرائیل میں سے

آجاتے۔ تاکہ اُن کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ آنیوالے کے لئے لکھا ہے کہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور اسی طرح حضرت مسیحؑ کے وقت ایلیا ہی آجاتا۔ تاکہ ان کو ٹھوکر نہ لگتی۔ ایک یہودی فاضل نے اس پر بڑی کتاب لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ کہ ایلیا نہیں آیا۔ اور اگر خدا بھی ہم سے پُوچھیگا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب پیش کردیں گے۔

اس قدر معجزات جو حضرت مسیحؑ سے صادر ہوئے بیان کئے جاتے ہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے، ایلیا کو بھی زندہ کر کے لے آتے۔ ایمانًا بتاؤ کہ کیا ایلیا کا ابتلا بڑا تھا۔ یا مُردوں کو جمع کرنے کا ابتلا جس ابتلا نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا اب اس قدر لوگ جو گمراہ ہوئے اور مسیحؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے مُنکر رہے تو اس کا باعث وہی ایلیا کا ابتلا ہی ہے۔ یا کچھ اَور۔ غرض ابتلا کا آنا ضروری ہے۔ مگر سچا مومن کبھی اُن سے ضائع نہیں کیا جاتا۔

اس قسم کے لوگوں نے کسی زمانہ میں بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں انہوں نے فائدہ اٹھایا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں۔

میں نے عام طور پر شائع کیا کہ استجابت دُعا کا مجھے نشان دیا گیا ہے۔ جو چاہے، میرے مقابلہ پر آئے۔ میں نے کہا کہ جو مجھے حق پر نہیں سمجھتا وہ میرے ساتھ مباہلہ کرلے۔ میں نے یہ بھی شائع کیا کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف کا ایک نشان مجھے عطا ہوا۔ اس میں مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ مگر ایک بھی ایسا نہ ہوا جو میرے سامنے آتا۔ اور میری دعوت کو قبول کر لیتا۔ پھر خدا نے مجھے بشارت دی کہ يَنْصُرُكَ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ۔ اور اس کا ثبوت دیا کہ ہر میدان میں مجھے کامیاب کیا۔ پس اگر ان نشانات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اور اس کی تسلّی نہیں ہوتی پھر وہ کسی اور کے پاس جاوے یا کسی عیسائی کے پاس جاوے۔ اور تسلّی کرلے اگر کر سکتا ہے۔ لیکن سچائی کو چھوڑ کر تسلّی کہاں؟

• فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ[1] •

---

[1] یونس : ۳۳

ایسے لوگ لامن الاحیاء ولا من الاموات کے مصداق ہوتے ہیں۔ غرض نماز ول کے جمع کرنے میں یہ راز اور سرّ تھا اور انّما الاعمال بالنیات۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آیا یہ سستی اور کسل کی وجہ سے تھا یا ایک مقبول اور مبارک طریق پر۔

یاد رکھو کہ اس قدر نشانات دیکھ کر بھی جسے کوئی شک وشبہ گذر سکتا ہے تو اُسے ڈرنا چاہیئے کہ شیطان عدوٌّ مُبین ساتھ ہے۔ میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں۔ یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر غوثیت اور قطبیت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام ہوتے ہیں۔ جو لوگ مجھے قبول کرتے ہیں ان کی دین و دنیا بھی اچھی ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ درحقیقت وہ زمانہ آتا ہے کہ اُن کو امیت سے نکال کر خود قوت بیان عطا کرے گا۔ اور وہ منکروں پر غالب ہوں گے لیکن جو شخص دلائل اور نشانات کو دیکھتا ہے اور پھر دیانت، امانت، انصاف کو ہاتھ سے چھوڑتا ہے، اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ[1] تم بہت سے نشانات دیکھ چکے ہو اور حروف تہجی کے طور پر اگر ایک نقشہ تیار کیا جاوے، تو کوئی حرف باقی نہ رہے گا کہ اس میں کئی کئی نشان نہ آئیں۔ تریاق القلوب میں بہت سے نشان جمع کئے گئے ہیں اور تم نے اپنی آنکھوں سے پورے ہوتے دیکھے۔

صادق کو نشان کی ضرورت نہیں

اب وقت ہے کہ تمہارے ایمان مضبوط ہوں اور کوئی زلزلہ اور آندھی تمہیں ہلا نہ سکے بعض تم میں ایسے بھی صادق ہیں کہ انہوں نے کسی نشان کی اپنے لئے ضرورت نہیں سمجھی۔ گو خدا نے اپنے فضل سے ان کو سینکڑوں نشان دکھا دیئے لیکن اگر ایک بھی نشان نہ ہوتا تب بھی وہ مجھے صادق یقین کرتے اور میرے ساتھ تھے چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کسی نشان کے طالب نہ ہوئے۔ انہوں نے سنتے ہی آمنّا کہہ دیا۔ اور فاروقی ہو کر صدیقی عمل کر لیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شام کی طرف گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ

[1] الانعام: ۲۲

علیہ وسلّم کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی وہیں انہوں نے تسلیم کرلیا۔"

حضرت اقدسؑ نے اس قدر تقریر فرمائی تھی کہ مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامّت ایک جوش اور صدق کے نشہ سے سرشار ہوکر اُٹھے اور کہا کہ میں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا کہہ کر اقرار کیا تھا۔ اب میں اس وقت صادق امام مسیح موعود اور مہدی معہود کے حضور وہی اقرار کرتا ہوں۔ کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گزرا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اسباب ایسے ہیں۔ جن کا ہمیں علم نہیں۔ اور میں نے ہمیشہ اس کو آداب نبوّة کے خلاف سمجھا ہے کہ کبھی کوئی سوال اس قسم کا کروں۔ ہیں آپ کے حضور اقرار کرتا ہوں۔ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِكَ مَسِيْحًا وَّ مَهْدِيًّا۔

اس تقریر کے ساتھ ہی حضرت اقدسؑ نے بھی اپنی تقریر ختم کردی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۱ - ۲ پرچہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

۴ دسمبر ۱۹۰۱ء

سیدنا حضرت امام آخرالزماں مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا۔

"ایک بہت ہی ضروری امر ہے جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ میری طبیعت بھی اچھی نہیں ہے لیکن کل نواب صاحب جو جانیوالے ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا۔ کہ میں بیان کردوں تاکہ وہ بھی سُن لیں اور جماعت کے دوسرے لوگ بھی سُن لیں اور وہ یہ ہے۔

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

کہ تمام انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں آئے ہیں اگرچہ انہوں نے جو احکام دنیا کو سنائے وہ مبسوط اور مطول تھے اور بہت کچھ جزئیات بھی بیان کردیں۔ اور تمام امور جو توحید، تہذیب معاملات اور معاد کے متعلق ہوتے ہیں۔ غرض جس قدر امور انسان کو چاہئیں۔ ان سب کے

متعلق وہ ہر قسم کی ہدایتیں اور تعلیمیں لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ باوجود ان ساری جزئی تعلیموں اور ہدایتوں کے ہر ایک نبی کی اصل غرض اور مقصد یہ رہا ہے کہ لوگ گناہوں سے نجات پا کر اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے بکلی نفرت کر کے خدا ہی کے لئے ہو جاویں انسانی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد بھی یہی ہے۔ کہ وہ خدا کے لئے ہو جائے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اسی مقصد کی طرف انسان کو رہبری کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی گم گشتہ متاع اور مقصد کو پھر حاصل کر لے۔ گناہ اگرچہ بہت ہیں اور ان کے بہت سے شعبے اور شاخیں ہیں۔ یہانتک کہ ہر ادنیٰ قسم کی غفلت بھی گناہ میں داخل ہے۔ لیکن عظیم الشان گناہ جو اس مقصدِ عظیم کے بالمقابل انسان کو اصل مقصد سے ہٹانے کے لئے پڑا ہوا ہے وہ شرک ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد یہ ہے کہ وہ خدا ہی کے لئے ہو جائے۔ اور گناہ اور اس کے محرکات سے بہت دُور رہے اس لئے کہ جُوں جُوں بدقسمت انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی قدر اپنے اصل مُدعا سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر گرتے گرتے ایسی سفلی جگہ پر جا پڑتا ہے جو مصائب اور مُشکلات اور ہر قسم کی تکلیفوں اور دکھوں کا گھر ہے جس کو جہنم بھی کہتے ہیں۔

دیکھو انسان کا اگر کوئی عضو اپنی اصلی جگہ سے ہٹا دیا جائے۔ مثلاً بازو ہی اگر اُتر جاوے یا ایک انگلی یا انگوٹھا ہی اپنے اصلی مقام سے ہٹ جاوے تو کس قدر درد اور کرب پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسمانی نظارہ رُوحانی اور اُخروی عالم کے لئے ایک زبردست دلیل ہے۔ اور جہنم کے وجود پر ایک گواہ ہے۔ گناہ یہی ہوتا ہے کہ انسان اس مقصد سے جو اس کی پیدائش سے رکھا گیا ہے۔ دُور ہٹ جاوے۔ پس اپنے محل سے ہٹنے میں صاف درد کا ہونا ضروری ہے تو شرک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر جہنم کا وارث بنا دیتا ہے۔

شرک سے بچو

شرک کی کئی قسم ہیں۔ ایک تو وہ موٹا اور صریح شرک ہے جس میں ہندو، عیسائی

یہود اور دوسرے بُت پرست لوگ گرفتار ہیں۔جس میں کسی انسان یا پتھر یا اور بیجان چیزوں یا قوتوں یا خیالی دیویوں اور دیوتاؤں کو خدا بنا لیا گیا ہے۔اگرچہ یہ شرک ابھی تک دنیا میں موجود ہے لیکن یہ زمانہ روشنی اور تعلیم کا کچھ ایسا زمانہ ہے۔کہ عقلیں اس قسم کے شرک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئی ہیں۔یہ جُدا امر ہے۔کہ وہ قومی مذہب کی حیثیت سے بظاہر ان بے ہُودگیوں کا اقرار کریں۔لیکن دراصل بالطبع لوگ ان سے متنفر ہوتے جاتے ہیں۔مگر ایک اور قسم کا شرک ہے جو مخفی طور پر زہر کی طرح اثر کر رہا ہے اور وہ اس زمانہ میں بہت بڑھتا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد بالکل نہیں رہا۔

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے اور نہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ اسباب کی رعایت بالکل نہ کی جاوے کیونکہ خدا تعالیٰ نے رعایت اسباب کی ترغیب دی ہے اور اس حد تک جہاں تک یہ رعایت ضروری ہے۔اگر رعایت اسباب نہ کی جاوے تو انسانی قوتوں کی بیحرمتی کرنا اور خدا تعالےٰ کے ایک عظیم الشّان فعل کی توہین کرنا ہے۔کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ بالکل رعایت اسباب کی نہ کی جاوے۔ضروری ہوگا کہ تمام قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں۔بالکل بےکار چھوڑ دیا جاوے۔اور اُن سے کام نہ لیا جاوے۔اور اُن سے کام نہ لینا . . . . .
. اور ان کو بیکار چھوڑ دینا خدا تعالےٰ کے فعل کو لغو اور عبث قرار دینا ہے۔جو بہت بڑا گناہ ہے۔پس ہمارا یہ منشا اور مذہب ہرگز نہیں کہ اسباب کی رعایت بالکل ہی نہ کی جاوے بلکہ رعایت اسباب اپنی حدتک ضروری ہے۔آخرت کے لئے بھی اسباب ہی ہیں۔خدا تعالےٰ کے احکام کی بجاآوری اور بدیوں سے بچنا اور دوسری نیکیوں کو اختیار کرنا اس لئے ہے۔کہ اس عالم اور دوسرے عالم میں سُکھ ملے تو گویا یہ نیکیاں اسباب کے قائمقام ہیں۔

رعایت اسباب جائز ہے لیکن اس پر بھروسہ کرنا ممنوع

اسی طرح پر یہ بھی خدا تعالیٰ نے منع نہیں کیا کہ دنیوی ضرورتوں کے پُورا کرنے کیلئے اسباب کو اختیار کیا جاوے۔نوکری والا نوکری کرے۔زمیندار اپنی زمینداری کے کاموں میں

رہے۔ مزدور مزدوریاں کریں۔ تا وہ اپنے عیال و اطفال اور دوسرے متعلقین اور اپنے نفس کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ پس ایک جائز حد تک یہ سب درست ہے اور اس کو منع نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب انسان حد سے تجاوز کر کے اسباب ہی پر پورا بھروسہ کرے اور سارا دار و مدار اسباب ہی پر جا ٹھہرے تو یہ وہ شرک ہے جو انسان کو اُس کے اصل مقصد سے دُور پھینک دیتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں سبب نہ ہوتا تو میں بھوکا مر جاتا۔ یا اگر یہ جائداد یا فلاں کام نہ ہوتا تو میرا بُرا حال ہو جاتا۔ فلاں دوست نہ ہوتا تو تکلیف ہوتی۔ یہ امور اس قسم کے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جائداد یا اَور اَور اسباب و احباب پر اس قدر بھروسہ کیا جاوے کہ خدا تعالےٰ سے بکلّی دُور جا پڑے یہ خطرناک شرک ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ[1]۔ اور فرمایا۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[2] اور فرمایا مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ[3] اور فرمایا۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ[4]۔ قرآن شریف اس قسم کی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ کہ وہ متقیوں کا متوّلی اور متکفّل ہوتا ہے۔ تو پھر جب انسان اسباب پر تکیہ اور توکل کرتا ہے تو گویا خدا تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتا ہے اور ان اسباب کو ان صفات سے حصّہ دیتا ہے۔ اور ایک اَور خُدا اپنے لئے ان اسباب کا تجویز کرتا ہے۔ چونکہ وہ ایک پہلو کی طرف جُھکتا ہے۔ اس سے شرک کی طرف گویا قدم اُٹھاتا ہے۔ جو لوگ حکام کی طرف جُھکے ہوئے ہیں اور ان سے انعام یا خطاب پاتے ہیں۔ اُن کے دل میں اُن کی عظمت خُدا کی سی عظمت داخل ہو جاتی ہے وہ اُن کے پرستار ہو جاتے ہیں اور یہی ایک امر ہے جو توحید کا استیصال کرتا ہے اور انسان کو اس کے اصل مرکز سے ہٹا کر دُور پھینک دیتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اسباب اور توحید میں تناقض نہ ہونے پاوے۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر رہے اور مآل کار توحید پر جا ٹھہرے وہ انسان کو یہ سکھانا چاہتے ہیں۔ کہ ساری عزتیں سارے آرام اور حاجات برآری کا متکفل خدا ہی ہے پس اگر اس کے مقابل میں کسی اور کو بھی قائم کیا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ دو ضدوں

[1] الذاریات: ۲۳ [2] الطلاق: ۴ [3] الطلاق: ۳،۴ [4] الاعراف: ۱۹۷

کے تقابل سے ایک ہلاک ہو جاتی ہے۔

اس لئے مقدم ہے کہ خدا تعالےٰ کی توحید ہو۔ رعایت اسباب کی جاوے۔ اسباب کو خدا نہ بنایا جاوے۔ اسی توحید سے ایک محبت خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان یہ سمجھتا ہے، کہ نفع ونقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ محسن حقیقی وہی ہے۔ ذرہ ذرہ اُسی سے ہے۔ کوئی دوسرا درمیان نہیں آتا جب انسان اس پاک حالت کو حاصل کرلے۔ تو وہ مُوحِد کہلاتا ہے غرض ایک حالت توحید کی یہ ہے کہ انسان پتھروں یا انسانوں یا اور کسی چیز کو خدا نہ بنائے۔ بلکہ ان کو خدا بنانے سے بیزاری اور نفرت ظاہر کرے۔ اور دوسری حالت یہ ہے کہ رعایت اسباب سے نہ گذرے۔

موحّد اپنے نفس اور وجُود کی نفی کرتا ہے،

تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے نفس اور وجُود کے اغراض کو بھی درمیان سے اُٹھا دیا جاوے اور اس کی نفی کی جاوے۔ بسا اوقات انسان کے زیر نظر اپنی خوبی اور طاقت بھی ہوتی ہے۔ کہ فلاں نیکی میں نے اپنی طاقت سے کی ہے۔ انسان اپنی طاقت پر ایسا بھروسہ کرتا ہے کہ ہر کام کو اپنی ہی قوت سے منسُوب کرتا ہے۔ انسان موحّد تب ہوتا ہے کہ جب اپنی طاقتوں کی بھی نفی کردے۔

لیکن اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان جیسا کہ تجربہ دلالت کرتا ہے۔ عموماً کوئی نہ کوئی حصہ گناہ کا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بعض موٹے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض اوسط درجہ کے گناہوں میں اور بعض باریک در باریک قسم کے گناہوں کا شکار ہوتے ہیں جیسے بُخل، ریاکاری یا اور اسی قسم کے گناہ کے حصّوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جب تک ان سے رہائی نہ ملے۔ انسان اپنے گمشدہ انوار کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ اُن کی بجا آوری ہر ایک کو میسّر نہیں ہے مثلاً حج۔ یہ اس آدمی پر فرض ہے۔ جسے استطاعت ہو۔ پھر راستہ میں امن ہو۔ پیچھے جو متعلقین

ہیں۔ اُن کے گذارہ کا بھی معقول اِنتظام ہو۔ اور اسی قسم کی ضروری شرائط پُوری ہوں تو حج کر سکتا ہے۔ ایسا ہی زکوٰۃ ہے۔ یہ وُہی دے سکتا ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ ایسا ہی نماز میں بھی تغیرات ہوجاتے ہیں۔ لیکن ایک بات ہے جس میں کوئی تغیر نہیں۔ وہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اصل یہی بات ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے مکملات ہیں۔ توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجا آوری نہ ہو۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والا اُس وقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر عملی پہلو سے بھی وہ ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ جب اس کی یہ حالت ہو اور واقعی طور پر اس کا ایمانی اور عملی رنگ اِس اقرار کو ظاہر کرنے والا ہو۔ تو وہ خدا تعالےٰ کے حضور اس اقرار میں جھوٹا نہیں۔ ساری مادی چیزیں جل گئی ہیں اور ایک فنا اُن پر اس کے ایمان میں آگئی ہے۔ تب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُنہ سے نکالتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو اس کا دوسرا جُزو ہے وہ نمونہ کے لئے ہے۔ کیونکہ نمونہ اور نظیر سے ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نمونوں کے لئے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں۔

آنحضرت صلعم جامع تھے جمیع کمالات کے

آپؐ کا نام اسی لئے مُحَمَّدؐ ہے کہ اس کے معنی ہیں، نہایت تعریف کیا گیا۔ مُحَمَّد وہ ہوتا ہے جس کی زمین و آسمان پر تعریف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا کے لوگوں نے ان کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا انہیں ذلیل سمجھا اور بخیالِ خویش ذلیل کیا۔ لیکن آسمان پر اُن کی عزت اور تعریف ہوتی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حضور امتیاز ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دنیا ان کی تعریف کرتی ہے۔ ہر طرف سے واہ واہ ہوتی ہے۔ مگر آسمان اُن پر لعنت کرتا ہے خدا اور اُس کے فرشتے اور مقرب اس پر لعنت بھیجتے ہیں تعریف نہیں کرتے۔ مگر

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان دونوں جگہ میں تعریف کئے گئے۔ اور یہ فخر اور فضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا ہے۔ جس قدر پاک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کئی لاکھ آدمیوں کی قوم مل گئی مگر وہ ایسے مستقل مزاج یا ایسی پاکباز اور عالی ہمت قوم نہ تھی جیسی صحابہ کی تھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ قوم موسیٰ کا یہ حال تھا۔ کہ رات کو مومن ہیں تو دن کو مرتد ہیں۔ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کا حضرت موسیٰؑ اور اس کی قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے سے گویا کُل دنیا کا مقابلہ ہو گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جماعت ملی وہ ایسی پاکباز اور خدا پرست اور مخلص تھی کہ اس کی نظیر کسی دنیا کی قوم اور کسی نبی کی جماعت میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں اُن کی بڑی بڑی تعریفیں آئی ہیں۔ یہانتک فرمایا۔ اَللّٰہُ اللّٰہُ فِی اَصْحَابِیْ۔ اور قرآن کریم میں بھی اُن کی تعریف ہوئی۔ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا[1]

موسیٰؑ کی جماعت جن مشکلات اور مصائب طاعون وغیرہ کے نیچے آئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت اس سے ممتاز اور محفوظ رہی۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قُدسیہ اور انفاس طیبہ اور جذب الی اللہ کی قوت کا پتہ لگتا ہے کہ کیسی زبردست قوتیں آپؐ کو عطا کی گئی تھیں جو ایسا پاک اور جانثار گروہ اکٹھا کر لیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یونہی لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ جبتک ایک قوت جذب اور کشش کی نہ ہو کبھی ممکن نہیں ہے کہ لوگ جمع ہو سکیں۔ میرا مذہب یہی ہے کہ آپؐ کی قوت قدسی ایسی تھی کہ کسی دوسرے نبی کو دنیا میں نہیں ملی۔ اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت جذب بہت زبردست تھی اور پھر آپؐ کی باتوں میں وہ تاثیر تھی کہ جو سُنتا تھا وہ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو آپؐ نے کھینچا ان کو پاک صاف کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی تعلیم ایسی سادہ اور صاف تھی کہ اس میں کسی قسم کے گورکھ دھندے اور معمے تثلیث کی طرح نہیں ہیں۔ چنانچہ نپولین کی بابت لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور کہا کرتا تھا

[1] الفرقان: ۶۵

کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اس نے تثلیث کی تکذیب کی ہے۔ غرض آپ وہ دین لائے جو سیدھا سادہ ہے جو خدا کے سامنے یا انسان کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ قانونِ قدرت اور فطرت کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ ایک جنگلی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ تثلیث کی طرح کوئی لاینحل عُقدہ اس میں نہیں جس کو نہ خدا سمجھ سکے۔ نہ اور نہ ماننے والے جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں تثلیث قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے بُت پرستی اور اوہام پرستی کرے اور عقل وفکر کی قوتوں کو بالکل بیکار اور معطّل چھوڑ دے حالانکہ اسلام کی توحید ایسی ہے کہ ایک دنیا سے الگ تھلگ جزیرہ میں بھی وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ دین عیسائی جو پیش کرتے ہیں یہ عالمگیر اور مکمّل دین نہیں ہو سکتا۔ اور نہ انسان اس سے کوئی تسلّی یا اطمینان پا سکتا ہے۔ مگر اسلام ایک ایسا دین ہے جو کیا باعتبار توحید اور اعمالِ حسنہ اور کیا تکمیل مسائل، سب سے بڑھ کر ہے۔ ہزاروں قسم کی بدکاریاں یہودیوں میں جو موسٰی علیہ السّلام کے ساتھ تھے پائی جاتی ہیں اور مسیحؑ کے حواریوں کا ذکر بھی کرنا نہیں چاہتے کہ جن میں سے ایک نے چند کھوٹے درہم لے کر اپنے آقا کو پکڑا دیا اور ایک نے لعنت کی اور کسی نے بھی وفاداری کا نمونہ نہ دکھایا۔ لیکن صحابہؓ کی حالت کو دیکھتے ہیں تو ان میں کوئی جھوٹ بولنے والا بھی نظر نہیں آتا۔ اُن کے تصوّر میں بھی بجز روشنی کے کچھ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ جب عرب کی ابتدائی حالت پر نگاہ کرتے ہیں تو وہ تحت الثریٰ میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بُت پرستی میں منہمک تھے یتیموں کا مال کھانے اور ہر قسم کی بدکاریوں میں دلیر اور بے باک تھے۔ ڈاکوؤں کی طرح گذارہ کرتے تھے۔ گویا سر سے پیر تک نجاست میں غرق تھے۔ پھر میں پوچھتا ہوں وہ کونسا عظیم الشان اسمِ اعظم تھا جس نے اُن کی جھٹ پٹ کایا پلٹ دی اور ان کو ایسا نمونہ بنا دیا کہ جس کی نظیر دنیا کی قوموں میں ہرگز نہیں ملتی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اگر اور کوئی بھی مُعجزہ پیش نہ کریں تو اس حیرت انگیز پاک تبدیلی کے مقابلہ میں کسی خود ساختہ خدا کا ہی کوئی مُعجزہ ہمیں دکھائے۔ ایک آدمی کا درست کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مگر یہاں تو ایک قوم تیار کی گئی۔ کہ جنہوں نے اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ نمونہ دکھایا کہ بھیڑ بکری کی طرح اس سچائی کے لئے ذبح ہو گئے جس کو انہوں نے اختیار کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ زمینی نہ رہے تھے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، ہدایت اور مؤثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا تھا۔ قدسی صفات اُن میں پیدا ہو گئی تھیں۔ دنیا کی خباثتوں اور ریاکاریوں سے وہ ایسے سُبک اور ہلکے پھلکے کر دیئے گئے تھے۔ کہ ان میں پرواز کی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ وہ نمونہ ہے جو ہم اسلام کا دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اسی صلاح اور ہدایت کا باعث تھا جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ رکھا جس سے زمین پر بھی آپ کی ستائش ہوئی کیونکہ آپ نے زمین کو امن، صلحکاری اور اخلاق فاضلہ اور نیکوکاری سے بھر دیا تھا۔

آنحضرتؐ کے اخلاق فاضلہ اور ان کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنے کی نصیحت

میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر اخلاق ثابت ہوئے ہیں وہ کسی اور نبی کے نہیں۔ کیونکہ اخلاق کے اظہار کے لئے جبتک موقع نہ ملے کوئی اخلاق ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً سخاوت ہے لیکن اگر روپیہ نہ ہو تو اس کا ظہور کیونکر ہو۔ ایسا ہی کسی کو لڑائی کا موقع نہ ملے تو شجاعت کیونکر ثابت ہو۔ ایسا ہی عفو، اس صفت کو وہ ظاہر کر سکتا ہے جسے اقتدار حاصل ہو۔ غرض حسب خُلق موقع سے وابستہ ہیں۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ یہ کس قدر خدا کے فضل کی بات ہے کہ آپؐ کو تمام اخلاق کے اظہار کے موقعے ملے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ موقعہ نہیں ملے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت کا موقع ملا۔ آپؐ کے پاس ایک موقع پر بہت سی بھیڑ بکریاں تھیں۔ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکری جمع ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اس قدر نہیں۔ آپؐ نے سب کی سب اس کو بخشدیں۔ وہ اسی وقت ایمان لے آیا۔ کہ نبی کے سوا اور کوئی اس قسم کی عظیم الشان سخاوت نہیں کر سکتا۔ مکہ میں جن لوگوں نے دُکھ دیئے تھے۔ جب آپؐ نے مکہ کو

فتح کیا تو آپ چاہتے تو سب کو ذبح کر دیتے۔ مگر آپ نے رحم کیا اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہدیا۔ آپ کا بخشنا تھا کہ سب مسلمان ہو گئے۔ اب اس قسم کے عظیم الشان اخلاق فاضلہ کیا کسی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے آپ کی ذات خاص اور عزیزوں اور صحابہ کو سخت تکلیفیں دی تھیں اور ناقابل عفو ایذائیں پہنچائی تھیں۔ آپ نے سزا دینے کی قوت اور اقتدار کو پا کر فی الفور اُن کو بخشدیا۔ حالانکہ اگر اُن کو سزا دی جاتی تو یہ بالکل انصاف اور عدل تھا۔ مگر آپ نے اس وقت اپنے عفو اور کرم کا نمونہ دکھایا۔ یہ وہ امور تھے کہ علاوہ معجزات کے صحابہ پر موثر ہوتے تھے۔ اس لئے آپ اسم بامسمّٰی محمّدؐ ہو گئے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور زمین پر آپ کی حمد ہوتی تھی اور اسی طرح آسمان پر بھی آپ کی تعریف ہوتی تھی۔ اور آسمان پر بھی آپ محمّدؐ تھے۔ یہ نام آپکا اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ کے دنیا کو دیا ہے۔ جبتک انسان اس قسم کے اخلاق اپنے اندر پیدا نہیں کرتا۔ کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا جبتک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرز عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنادے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] یعنی محبوب الٰہی بننے کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپ کے اخلاق فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگوں نے اتباع سے مراد صرف رفع یدین۔ آمین بالجہر اور رفع سبابہ ہی لے لیا ہے۔ باقی امور کو جو اخلاق فاضلہ آپ کے تھے، اُن کو چھوڑ دیا۔ یہ مُنافق کا کام ہے کہ آسان اور چھوٹے امور کو بجالاتا ہے اور مشکل کو چھوڑتا ہے۔ سچے مومن اور مخلص مسلمان کی ترقیوں اور ایمانی درجوں کا آخری نقطہ تو یہی ہے کہ وہ سچا متبع ہو اور آپ کے تمام اخلاق کو حاصل کرے جو سچائی کو قبول نہیں کرتا۔ وہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور مسجدیں بھی بھری ہوئی نظر آتی ہیں مگر کوئی برکت اور ظہور ان مسجدوں کے بھرے ہوئے ہونے سے نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے محض رسوم اور

[1] آل عمران: ۳۲

عادات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ سچا اخلاص اور وفا جو ایمان کے حقیقی لوازم ہیں۔ ان کے ساتھ پائے نہیں جاتے۔ سب عمل ریاکاری اور نفاق کے پردوں کے اندر مخفی ہو گئے ہیں۔ جُوں جُوں انسان ان کے حالات سے واقف ہوتا جاتا ہے۔ اندر سے گند اور خبث نکلتا آتا ہے مسجد سے نکل کر گھر کی تفتیش کرو تو یہ ننگِ اسلام نظر آئیں گے۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک کوٹھا ہزار من گندم سے بھرا ہوا خالی ہو گیا۔ اگر چُوہے اس کو نہیں کھا گئے تو وہ کہاں گیا۔ پس اسی طرح پر پچاس برس کی نمازوں کی جب برکت نہیں ہوئی۔ اگر ریا اور نفاق نے ان کو باطل اور حبط نہیں کیا تو وہ کہاں گئیں۔ خدا کے نیک بندوں کے آثار ان میں پائے نہیں جاتے۔ ایک طبیب جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔ اگر وہ نسخہ اس کے لئے مفید اور کارگر نہ ہو تو چند روز کے تجربہ کے بعد اس کو بدل دیتا ہے اور پھر تشخیص کرتا ہے۔ لیکن ان مریضوں پر تو وہ نسخہ استعمال کیا گیا ہے جو ہمیشہ مفید اور زُود اثر ثابت ہوا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نسخہ کے استعمال میں غلطی اور بدپرہیزی کی ہے۔ یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ارکانِ اسلام میں غلطی تھی۔ اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ مؤثر علاج نہ تھا۔ کیونکہ اس نسخہ نے ان مریضوں کو اچھا کیا جن کی نسبت لاعلاج ہونے کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ جن لوگوں نے ان ارکان کو چھوڑ کر اور بدعتیں تراشی ہیں۔ یہ اُن کی اپنی شامت اعمال ہے ورنہ قرآن شریف تو کہہ چکا تھا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ[1]۔ اکمالِ دین ہو چکا تھا۔ اور اتمام نعمت بھی خدا کے حضور پسندیدہ دین اسلام ٹھہر چکا تھا۔ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمالِ صالحہ کے بجائے قسم قسم کے ذِکر اذکار نکال لینا یہ لذتِ رُوح کیلئے نہیں ہے بلکہ لذتِ نفس کی خاطر ہے۔ لوگوں نے لذتِ نفس اور لذتِ رُوح میں فرق نہیں کیا۔ اور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اگر لذتِ نفس اور لذتِ رُوح ایک ہی چیز ہے تو میں پُوچھتا ہوں کہ ایک بدکار عورت کے گانے سے

[1] المائدۃ : ۴

بدمعاشوں کو زیادہ لذت آتی ہے۔کیا وہ اس لذتِ نفس کی وجہ سے عارف باللہ اور کامل انسان مانے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔جن لوگوں نے خلافِ شرع اور خلافِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راہیں نکالی ہیں اُن کو یہی دھوکا لگا ہے کہ وہ نفس اور رُوح کی لذت میں کوئی فرق نہیں کر سکتے ورنہ وہ ان بیہودگیوں میں رُوح کی لذت اور اطمینان نہ پاتے۔ ان میں نفس مطمئنہ نہیں ہے جو بُلّھے شاہ کی کافیوں میں لذت کے جویاں ہیں۔ رُوح کی لذت قرآن شریف سے آتی ہے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۵ - ۸ مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۲ء)

خود تراشیدہ وظائف

"اپنی شامتِ اعمال کو نہیں سوچا اُن اعمالِ خیر کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے ترک کر دیا اور ان کی بجائے خود تراشیدہ دُرود و وظائف داخل کر لئے۔ اور چند کافیوں کا حفظ کر لینا کافی سمجھا گیا بُلّھے شاہ کی کافیوں پر وجد میں آجاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا جہاں وعظ ہو وہاں بہت ہی کم لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن جہاں اس قسم کے مجمع ہوں وہاں ایک گروہ کثیر جمع ہو جاتا ہے نیکیوں کی طرف سے یہ کم رغبتی اور نفسانی اور شہوانی اُمور کی طرف توجہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ لذتِ رُوح اور لذّتِ نفس میں ان لوگوں نے کوئی فرق نہیں سمجھا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض ان رقص و سرود کی مجلسوں میں دانستہ پگڑیاں اُتار لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں صاحب کی مجلس میں بیٹھتے ہی وجد ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بدعتیں اور اختراعی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جنہوں نے نماز سے لذت نہیں اٹھائی۔ اور اس ذوق سے محروم ہیں۔ وہ رُوح کی تسلی اور اطمینان کی حالت ہی کو نہیں سمجھ سکتے اور نہیں جانتے کہ وہ سرُور کیا ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اس قسم کی بدعتیں مسلمان کہلا کر نکالتے ہیں اگر رُوح کی خوشی اور لذّت کا سامان اسی میں تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو عارف ترین اور اکمل ترین انسان دنیا میں تھے وہ بھی اسی قسم کی کوئی تعلیم دیتے۔ یا اپنے اعمال سے ہی کچھ کر دکھاتے۔ میں ان مخالفوں سے جو بڑے بڑے مشائخ اور گدی نشین اور

صاحب سلسلہ ہیں۔ پُوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے دُرود و وظائف اور چلّہ کشیاں، اُلٹے سیدھے لٹکنا بھول گئے تھے۔ اگر معرفت اور حقیقت شناسی کا یہی ذریعہ اصل تھے۔ مجھے بہت ہی تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن شریف میں یہ پڑھتے ہیں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[لہ] اور دوسری طرف اپنی ایجادوں اور بدعتوں سے اس تکمیل کو توڑ کر ناقص ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ایک طرف تو یہ ظالم طبع لوگ مجھ پر افترا کرتے ہیں کہ گویا میں ایسی مُستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جو صاحب شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا الگ نبوّت ہے۔ مگر دوسری طرف یہ اپنے اعمال کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ جھوٹی نبوّت کا دعویٰ تو خود کر رہے ہیں۔ جب کہ خلافِ رسول اور خلافِ قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اب اگر کسی کے دل میں انصاف اور خدا کا خوف ہے تو کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ یا کم کرتے ہیں جبکہ اسی قرآن شریف کے بموجب ہم تعلیم دیتے ہیں۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا امام اور حَکم مانتے ہیں۔ کیا ارّہ کا ذکر میں نے بتایا ہے۔ اور پاس انفاس اور نفی و اثبات کے ذکر اور کیا کیا اور کیا کیا میں سکھاتا ہوں۔ پھر جھوٹی اور مستقل نبوّت کا دعویٰ تو یہ لوگ خود کرتے ہیں۔ اور الزام مجھے دیتے ہیں۔

ہمارا مُدعا تو صرف آنحضرت صلعم کی نبوّت اور عزّت کو دوبارہ قائم کرنا ہے

یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النّبییّن یقین نہ کرے جبتک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النّبییّن نہیں مانتا۔ کچھ نہیں۔ سعدی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا   و لیکن میفزائے بر مصطفٰے

لہ المائدۃ: ۴

ہمارا مُدعا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے۔ یہی ہے کہ صرف اور صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو اِن لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔ ان ساری گدّیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مُشاہدہ کرو۔ کہ کیا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ہم ایمان لائے ہیں یا وُہ۔

یہ ظُلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختمِ نبوّت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشا قرار دیا جائے کہ مُنہ سے ہی خاتم النّبیین مانو اور کرتُوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو۔ اور اپنی ایک الگ شریعت بنالو۔ بغدادی نماز، معکُوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتہ لگتا ہے۔ اور ایسا ہی "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لِلّٰہ" کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا وجُود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعت اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کرو۔ کہ کیا ان باتوں کو مان کر اور ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النّبیین کی مُہر کو توڑا ہے۔ اصل اور سچّی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچّی نبوّت پر ایمان لا کر آپ کے طرزِ عمل اور نقشِ قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے۔ تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوّتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعُوث کرے جو ان جھُوٹی نبوّتوں کے بُت کو توڑ کر نیست و نابُود کرے۔ پس اسی کام کے لئے خدا نے مجھے مامُور کر کے بھیجا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ غوث علی پانی پتی کے ہاں شاکت مت کا ایک منتر رکھا ہوا ہے جس کا وظیفہ کیا جاتا ہے اور ان گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا ان کے مکانات کا طواف کرنا یہ تو بالکل معمُولی اور عام باتیں ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسی لئے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں۔ ایک شخص جو کسی کا عاشق کہلاتا ہے۔ اگر اس جیسے ہزاروں اور بھی ہوں تو اس کے عشق و محبت کی خصوصیت کیا رہے تو پھر اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں فنا ہیں جیساکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ کیا بات ہے کہ ہزاروں خانقاہوں اور مزاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ تو جاتے ہیں مگر اجمیر اور دوسری خانقاہوں پر ننگے سر اور ننگے پاؤں جاتے ہیں۔ پاک پٹن کی کھڑکی میں سے گزر جانا ہی نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کسی نے کوئی جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے۔ کسی نے کوئی اور صورت اختیار کر رکھی ہے ان لوگوں کے عرسوں اور میلوں کو دیکھکر ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے۔ کہ یہ انہوں نے کیا بنا رکھا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ کو اسلام کی غیرت نہ ہوتی اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[1] خدا کا کلام نہ ہوتا اور اس نے نہ فرمایا ہوتا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] تو بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہوگئی تھی کہ اس کے مٹنے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدہ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کو پھر نازل کرے۔ اور اس زمانہ میں آپ کی نبوت کو نئے سر سے زندہ کرکے دکھا دے چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا۔ اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔

آج دو قسم کے شرک پیدا ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو نابود کرنے کی بے حد سعی کی اور اگر خدا تعالےٰ کا فضل شامل نہ ہوتا تو قریب تھا کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ دین کا نام و نشان مٹ جاتا۔ مگر چونکہ اس نے وعدہ کیا ہوا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ[3]۔ یہ وعدہ حفاظت چاہتا تھا۔ کہ جب غارت گری کا موقعہ ہو تو وہ خبر لے۔ چوکیدار کا کام ہے۔ کہ وہ نقب دینے والوں کو پوچھتے ہیں۔ اور دوسرے جرائم والوں کو دیکھ کر اپنے منصبی فرائض عمل میں لاتے ہیں۔ اسی طرح پر آج چونکہ فتن جمع ہو گئے تھے

[1] آل عمران: ۲۰ [2] الحجر: ۱۰ [3] الحجر: ۱۰

اور اسلام کے قلعہ پر ہر قسم کے مخالف ہتھیار باندھ کر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ منہاج نبوۃ قائم کرے۔ یہ مواد اسلام کی مخالفت کے دراصل ایک عرصہ دراز سے پک رہے تھے۔ اور آخر اب پھوٹ نکلے۔ جیسے ابتدا میں نطفہ ہوتا ہے اور پھر ایک عرصہ مقررہ کے بعد بچہ بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح پر اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خروج ہو چکا ہے اور اب وہ بالغ ہو کر پورے جوش اور قوت میں ہے۔ اس لئے اس کو تباہ کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا۔ اور اس مکروہ شرک کو جو اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہو گیا تھا۔ دور کرنے کے لئے اور پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے واسطے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور میں بڑے دعوے اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو قائم کیا ہے جیسا کہ اس نے اپنی تائیدوں اور نصرتوں سے جو اس سلسلہ کے لئے اس نے ظاہر کی ہیں۔ دکھا دیا ہے۔

عادۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب بگاڑ حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصلاح کیلئے کسی کو پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر نشان تو اس کے صاف ہیں۔ کہ صدی سے انیس برس گزر گئے۔ اور اب تو بیسواں سال بھی شروع ہو گیا۔ اب دانشمند کیلئے غور کا مقام ہے۔ کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھ گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر صدی کے سر پر مجدد کے مبعوث کرنے کا وعدہ الگ ہے۔ اور قرآن شریف اور اسلام کی حفاظت اور نصرت کا وعدہ الگ۔ زمانہ بھی حضرت کے بعد مسیح کی آمد کے زمانہ سے پوری مشابہت رکھتا ہے۔ جو نشانات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موعود کے آنے کے مقرر کئے ہیں۔ وہ پورے ہو چکے ہیں۔ تو پھر کیا اب تک بھی کوئی مصلح آسمان سے نہیں آیا؟ آیا اور ضرور آیا۔ اور خدا تعالےٰ کے وعدہ کے موافق عین وقت پر آیا۔ مگر اس کی شناخت کرنے کے لئے ایمان کی آنکھ کی ضرورت ہے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

یہ جماعت مثیل صحابہؓ ہو

"پھر عقلمند کو ماننے میں کیا تامّل ہو سکتا ہے۔ جب وہ ان تمام امور کو جو بیان کئے جاتے ہیں یکجائی نظر سے دیکھے گا۔ اب میرا مدعا اور منشا اس بیان سے یہ ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں صدہا نشان اس نے ظاہر کئے ہیں۔ اس سے اس کی غرض یہ ہے۔ کہ یہ جماعت صحابہؓ کی جماعت ہو اور پھر خیر القرون کا زمانہ آجاوے۔ جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں چونکہ وہ آخَرِیْنَ مِنْهُمْ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ جھوٹے مشاغل کے کپڑے اتار دیں۔ اور اپنی ساری توجہ خدا تعالیٰ کی طرف کریں۔ فیجِ اَعوَج (ٹیڑھی فوج) کے دشمن ہوں۔ اسلام پر تین زمانے گذرے ہیں۔ ایک قرونِ ثلاثہ اس کے بعد فیجِ اَعوَج کا زمانہ جس کی بابت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرما دیا۔ کہ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ۔ یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ اور تیسرا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی کے زمانہ سے ملحق ہے بلکہ حقیقت میں یہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا زمانہ ہے۔ فیج اعوج کا ذکر اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نہ بھی فرماتے تو یہی قرآن شریف ہمارے ہاتھ میں ہے اور اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ[1] صاف ظاہر کرتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی ہے جو صحابہ کے مشرب کے خلاف ہے اور واقعات بتا رہے ہیں۔ کہ اس ہزار سال کے درمیان اسلام بہت ہی مشکلات اور مصائب کا نشانہ رہا ہے۔ معدودے چند کے سوا سب نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ اور بہت سے فرقے معتزلہ اور اباحتی وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔

ہم کو اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ اسلام کی برکات کا نمونہ موجود نہ ہو۔ مگر وہ ابدال اور اولیاء اللہ جو اس درمیانی زمانہ میں گذرے ان کی تعداد اس قدر قلیل تھی کہ ان کروڑوں انسانوں کے مقابلہ میں جو صراطِ مستقیم سے بھٹک کر اسلام سے دُور جا پڑے تھے۔ کچھ بھی چیز نہ تھے۔ اس لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے

[1] الجمعة: ۴

نبوّت کی آنکھ سے اس زمانہ کو دیکھا اور اس کا نام فیج اعوج رکھ دیا۔ مگر اب اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک اَور گروہ کثیر کو پیدا کرے جو صحابہ کا گروہ کہلائے۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ کا قانونِ قُدرت یہی ہے کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوا کرتی ہے اس لئے ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کَزَرْعٍ (کھیتی کی طرح) ہوگی۔ اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ وہ مراتب اور مقاصد عالیہ جن پر اللہ تعالیٰ اس کو پہنچانا چاہتا ہے۔ ابھی بہت دُور ہیں۔ وہ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جبتک وہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو اس سلسلہ کے قیام سے خدا کا منشاء ہے۔ توحید کے اقرار میں بھی خاص رنگ ہو۔ تبتّل الی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو۔ ذکر الٰہی میں خاص رنگ ہو۔ حقُوقِ اخوان میں خاص رنگ ہو۔

خدا تعالیٰ کی سچّی محبت قائم کی جاوے

تمام انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کی غرض مُشترک یہی ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی سچّی اور حقیقی محبت قائم کی جاوے۔ اور بنی نوع انسان اور اخوان کے حقُوق اور محبت میں ایک خاص رنگ پیدا کیا جاوے جبتک یہ باتیں نہ ہوں تمام اُمور صرف رسمی ہوں گے۔

خدا تعالیٰ کی محبت کی بابت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن بعض اشیاء بعض سے پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک درخت کے نیچے پھل ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اُوپر بھی ہوں گے لیکن اگر نیچے کچھ بھی نہیں۔ تو اُوپر کی بابت کب یقین ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر بنی نوع انسان اور اپنے اخوان کے ساتھ جو یگانگت اور محبت کا رنگ ہو اور وہ اس اعتدال پر ہو جو خدا نے قائم کیا ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی محبت ہو۔ پس بنی نوع کے حقوق کی نگہداشت اور اخوان کے ساتھ تعلقات بشارت دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا رنگ بھی ضرور ہے۔

دیکھو دُنیا چند روزہ ہے۔ اور آگے پیچھے سب مَرنیوالے ہیں۔ قبریں مُنہ کھولے ہوئے آوازیں مار رہی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی نوبت پر جا داخل ہوتا ہے۔ عمر ایسی بے اعتبار اور

زندگی ایسی ناپائدار ہے۔ کہ چھ ماہ اور تین ماہ تک زندہ رہنے کی امید کیسی اتنی بھی امید اور یقین نہیں کہ ایک قدم کے بعد دُوسرے قدم اُٹھانے تک زندہ رہیں گے یا نہیں پھر جب یہ حال ہے کہ موت کی گھڑی کا علم نہیں اور یہ پکی بات ہے کہ وہ یقینی ہے ٹلنے والی نہیں تو دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت اُس کے لئے تیار رہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[1] ہر وقت جبتک انسان خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف نہ رکھے۔ اور ان پر دو حقوق کی پُوری تکمیل نہ کرے۔ بات نہیں بنتی۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ کہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرے حقوق العباد۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

اور حقوق عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو دینی بھائی ہو گئے ہیں خواہ وہ بھائی ہے یا باپ ہے۔ یا بیٹا۔ مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے۔ اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اُس کی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرض ذاتی پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں۔ تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیئے کوئی فرق نہ آوے۔ اس لئے ان حقوق میں دوزخ اور بہشت کا سوال نہیں ہونا چاہیئے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جبتک دشمن کے لئے دعا نہ کی جاوے پُورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ[2] میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لئے دعا کرو تو قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کیلئے دُعا کرنا یہ بھی سُنّت نبوی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سے مسلمان ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اکثر دُعا کیا کرتے تھے۔ اس لئے بخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور حقیقۃً موذی نہیں ہونا چاہیئے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا

[1] البقرۃ: ۱۳۳ [2] المؤمن: ۶۱

کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا نہیں اور یہی میں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق بُخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے، ایسا ہی بیزار ہے جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ فصل نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا۔ یعنی بنی نوع کا باہمی فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل۔ اور یہ وُہی راہ ہے کہ منکروں کیواسطے بھی دُعا کی جاوے۔ اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمّت بلند ہوتی ہے۔ اس لئے جبتک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی۔ اُس میں اور اُس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے۔ کہ جو شخص ایک کے ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رِفق اور ملائمت سے پیش آنا چاہیئے۔ اور اُن سے محبّت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ خدا کی یہ شان ہے

بَداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تمہیں چاہیئے کہ تم ایسی قوم بنو جس کی نسبت آیا ہے۔ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ۔ یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کا ہم جلیس بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ خلاصہ ہے ایسی تعلیم کا جو تخلقوا باخلاق اللہ میں پیش کی گئی ہے۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۵ پرچہ ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء)

---

۲۲ دسمبر ۱۹۰۱ء

ایک عیسائی حق جُو اور حضرت مسیح موعودؑ

مُنشی عبدالحق صاحب قصُوری طالب علم بی۔ اے کلاس لاہور نے جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے۔ الحکم اور حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر

حضرت خلیفۃ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو مہینہ تک یہاں قادیان میں آکر رہیں۔ چنانچہ انہوں نے دارالامان کا قصد کیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر یہاں آپہنچے۔ پس اس عنوان کے نیچے ہم جو کچھ لکھیں گے۔ سردست انہی کے متعلق ہوگا۔

پہلی مُلاقات

حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعداء کی طبیعت بوجہ کثرت کار جو آجکل حضور رات کے بہت بڑے حصہ تک اس میں مصروف رہتے تھے کیونکہ ایک طرف میگزین کے لئے مضمون ترجمہ کیواسطے دینا تھا۔ دوسری طرف المنار کے لئے موعودہ رسالہ لکھ رہے تھے۔ پھر قریباً دو سو سے زائد عظیم الشان نشانوں اور پیشگوئیوں کے نقشہ کی ترتیب کے لئے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کو مرتب اور جمع کر رہے تھے، دو تین روز سے ناساز تھی۔ مگر مہمانوں اور اس نو وارد حق جُو مہمان کے لئے آج آپ نے سیر کو تشریف لے جانے کا ارشاد فرمایا چنانچہ ۹ بجے کے قریب آپؑ باہر کو تشریف لے چلے باہر نکلتے ہی مُنشی عبدالحق صاحب عیسائی کو حضورؑ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اور جو کچھ گفتگو ہوئی اُسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:- (ایڈیٹر)

حضرت اقدسؑ۔ آپ کو عیسائی ہوئے کتنا عرصہ گزرا۔ اور کیا اسباب پیش آئے تھے۔ جو عیسائی ہو گئے؟

منشی عبدالحق۔ مجھے عیسائی ہوئے اس دسمبر میں تین سال ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بعض عیسائی میرے دوست تھے اور اُن سے میل ملاقات رہتی تھی اور فیروزپور میں پادری نیوٹن صاحب تھے۔ وہ بھی بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ یہی اسباب میرے عیسائی ہونے کے ابتداءً پیدا ہوئے تھے

حضرت اقدسؑ۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ دو مہینے کے واسطے یہاں آگئے۔ بظاہر یہ بات آپ کی حق جوئی کی نشانی ہے۔

منشی عبدالحق۔ جناب میں کالج سے نام کٹوا کر آیا ہوں۔ رُخصت نہیں ملتی تھی۔

حضرت اقدسؑ۔ یہ تو اور بھی ہمت کا کام ہے۔ میرے نزدیک بہتر اور مُناسب طریق جو آپ

کے لئے مُفید ہو سکتا ہے۔ اب یہ ہے کہ آپ اُن اعتراضات کو جو اسلام پر رکھتے ہیں اور اہم ہیں سِلسلہ وار لکھ لیں اور ایک ایک کر کے پیش کریں۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ جواب دیتے رہیں گے۔ اور جس جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوئے آپ بار بار پُوچھ لیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ اس سے مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مگر ان اعتراضوں میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ ایسے ہوں کہ کُتب سابقہ میں اس قسم کے اعتراضوں کا نام و نشان نہ ہو۔ ورنہ تضیعِ اوقات ہی ہوگا جب آپ اعتراض کر چکیں گے۔ پھر ہم آپ کو اسلام کی خُوبیاں بتائیں گے۔ کیونکہ یہ دو ہی کام ہیں۔ ایک آپ کریں اور ہمیں مدد دیں۔ دوسرا ہم خود کریں گے۔"

اسی سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے یُوں سلسلہ کلام شروع کیا۔

تبدیل مذہب کے دو باعث

تبدیل مذہب کے دو باعث ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا باعث وہ جُزئیات ہوتی ہیں جن کو غلط فہمی اور غلط بیانی سے کُچھ کا کُچھ بنا دیا جاتا ہے۔ اور اصُول مذہب کو اس کے مقابلہ میں بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً اسلام کی بابت جب عیسائی لوگ کسی سے گفتگو کرتے ہیں۔ تو اسلامی جنگوں پر کلام کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ خود اُن کے گھر میں یشوُع اور موسیٰ کے جنگوں کی نظیریں موجود ہیں۔ اور جب وہ اسلامی جنگوں سے کہیں بڑھ کر مورد اعتراض ٹھیر جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلامی جنگ بالکل دفاعی جنگ تھے۔ اور ان میں وہ شدت اور سخت گیری ہرگز نہ تھی جو موسیٰ اور یشوُع کے جنگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ موسیٰ اور یشوع کی لڑائیاں عذاب الٰہی کے رنگ میں تھیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی جنگوں کو کیوں عذاب الٰہی کی صُورت میں تسلیم نہیں کرتے۔ موسوی جنگوں کو کیا ترجیح ہے۔ بلکہ ان اسلامی جنگوں میں تو موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی رعایتیں دی گئی ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ چونکہ وہ لوگ نوامیس الٰہیہ سے ناواقف تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کے مقابلہ میں بہت بڑا رحم فرمایا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ پھر اسلامی جنگوں میں موسوی جنگوں کے مقابلہ میں یہ بڑی خصوصیت ہے۔ کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خادموں کو مکّہ والوں نے برابر ۱۳ سال تک خطرناک ایذائیں دیں اور تکلیفیں دیں اور طرح طرح کے دُکھ اُن ظالموں نے دیئے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کئے گئے۔ اور بعض بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے چنانچہ تاریخ پڑھنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ بیچاری عورتوں کو سخت شرمناک ایذاؤں کے ساتھ مار دیا۔ یہانتک کہ ایک عورت کو دو اُونٹوں سے باندھ دیا۔ اور پھر اِن کو مختلف جہات میں دوڑا دیا۔ اور اس بیچاری کو چیر ڈالا۔ اس قسم کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں کو برابر ۱۳ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی پاک جماعت نے بڑے صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا۔ اس پر بھی انہوں نے اپنے ظلم کو نہ روکا۔ اور آخر کار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا گیا۔ اور جب آپؐ نے خدا تعالیٰ سے اُن کی شرارت کی اطلاع پا کر مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ پھر بھی انہوں نے تعاقب کیا۔ اور آخر جب یہ لوگ پھر مدینہ پر چڑھائی کر کے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے حملہ کو رد کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اب وہ وقت آگیا تھا۔ کہ اہلِ مکّہ اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں چنانچہ خدا تعالیٰ نے جو پہلے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے۔ تو عذابِ الٰہی سے ہلاک کئے جائیں گے۔ وہ پُورا ہوا۔ خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی یہ وجہ صاف لکھی ہے۔ [1]اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جس کے قتل کے لئے مخالفوں نے چڑھائی کی (اسلئے اجازت دی گئی) کہ ان پر ظُلم ہوا۔ اور خدا تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ان کا گُناہ بجز اس کے اَور کوئی نہ تھا۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر جس قدر رعایتیں اسلامی جنگوں میں دیکھو گے۔ ممکن نہیں کہ مُوسوی یا یشوعی لڑائیوں میں اس کی نظیر مِل سکے۔ موسوی لڑائیوں میں لاکھوں بیگناہ بچّوں کا مارا جانا، بوڑھوں اور عورتوں کا قتل، باغات اور درختوں کا جلا کر خاک سیاہ کر دینا توراۃ سے ثابت ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ

[1] الحج: ۴۰، ۴۱

علیہ وسلم نے باوصفیکہ ان شریروں سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دیکھی تھیں۔ جو پہلے کسی نے نہ دیکھی تھیں۔ پھر ان دفاعی جنگوں میں بھی بچوں کو قتل نہ کرنے، عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارنے، راہبوں سے تعلق نہ رکھنے اور کھیتوں اور ثمردار درختوں کو نہ جلانے اور عبادت گاہوں کے مسمار نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کس کا پلّہ بھاری ہے۔

غرض یہ بیہودہ اعتراض ہیں۔ اگر انسان فطرت سلیمہ رکھتا ہو تو وہ مقابلہ کر کے خود حق پا سکتا ہے۔ کیا موسیٰؑ کے زمانہ میں اور خدا تھا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور۔ اسرائیلی نبیوں کے زمانہ میں جیسے شریر اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بھی حد سے نکل گئے تھے۔ پس اسی خدا نے جو رؤف و رحیم بھی ہے۔ پھر شریروں کیلئے اس میں غضب بھی ہے اُن کو ان جنگوں کے ذریعہ جو خود انہوں نے ہی پیدا کی تھیں۔ سزا دے دی۔ لُوطؑ کی قوم سے کیا سلوک ہوا۔ نُوحؑ کے مخالفوں کا کیا انجام ہوا۔ پھر مکہ والوں کو اگر اس رنگ میں سزا دی تو کیوں اعتراض کرتے ہو۔ کیا کوئی عذاب مخصوص ہے کہ طاعون ہی ہو۔ یا پتھر برسائے جائیں۔ خدا جس طرح چاہے عذاب دے دے۔

سُنّتِ قدیمہ

سُنّت قدیمہ اس طرح پر جاری رہی ہے۔ اگر کوئی ناعاقبت اندیش اعتراض کرے۔ تو اُسے موسیٰؑ کے زمانہ اور جنگوں پر اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریمؐ کے زمانہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آج کل عقل کا زمانہ ہے اور اب یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھ سکتے کیونکہ جب کوئی مذاہب سے الگ ہو کر دیکھے گا۔ تو اسے صاف نظر آجائے گا کہ اسلامی جنگوں میں اوّل سے آخر تک دفاعی رنگ مقصود ہے۔ اور ہر قسم کی رعائتیں روا رکھی ہیں جو موسیٰ اور یشوع کی لڑائیوں میں نہیں ہیں۔ ایک آریہ کی کتاب میری نظر سے گذری اس نے موسوی لڑائیوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں۔ مگر اسلامی جنگوں پر اسے کوئی موقع نہیں ملا۔ مجھ سے جب کوئی آریہ یا ہندو اسلامی جنگوں

کی نسبت دریافت کرتا ہے۔ تو اُسے میں نرمی اور ملاطفت سے یہی سمجھاتا ہوں کہ جو مارے گئے وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے۔ جب اُن کے مظالم کی انتہا ہو گئی تو آخر اُن کو سزا دی گئی اور اُن کے حملوں کو روکا گیا۔

مجھے پادریوں کے سمجھانے اور اُن سے سمجھنے والوں پر سخت افسوس ہے۔ کہ وہ اپنے گھر میں موسیٰؑ کی لڑائیوں پر تو غور نہیں کرتے اور اسلامی جنگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں اور سمجھنے والے اپنی سادہ لوحی سے اُسے مان لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جاوے۔ تو موسوی جنگوں کا اعتراض حضرت مسیحؑ پر بھی آتا ہے۔ کیونکہ وہ توریت کو مانتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کو خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ ان جنگوں اور ان بچوں اور عورتوں کے قتل پر راضی نہ تھے تو انہوں نے اُسے کیوں مانا گویا وہ لڑائیاں خود مسیح نے کیں اور ان بچوں اور عورتوں کو خود مسیح نے ہی قتل کیا۔

اور اصل یہ ہے۔ کہ خود مسیح علیہ السلام کو لڑائیوں کا موقع ہی نہیں ملا ورنہ وہ کم نہ تھے سانہوں نے تو اپنے شاگردوں کو حکم دیا تھا۔ کہ کپڑے بیچ کر تلواریں خریدیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ان نبیوں پر سے امان اُٹھ جاتا۔ قرآن شریف کا احسان ہے تمام نبیوں پر۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ انہوں نے آ کر ان سب کو اس الزام سے بری کر دکھایا۔

قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کی یہی تعلیم ہے کہ کسی سے تعرض نہ کرو۔ جنہوں نے سبقت نہیں کی۔ اُن سے احسان کرو۔ اور ابتدا کرنیوالوں اور ظالموں کے مقابلہ میں بھی دفاع کا لحاظ رکھو، حد سے نہ بڑھو۔ اسلام کی ابتدا میں ایسی مشکلات درپیش تھیں۔ کہ ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک کے مسلمان بننے پر مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اور ہزاروں فتنے بپا ہوتے تھے۔ اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس امن عامہ کے قیام کے لئے مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر ہندو اس پر اعتراض کرتے تو کچھ تعجب اور افسوس کی جا نہ تھی۔ مگر

خود جن کے گھر میں اس سے بڑھ کر اعتراض آتا ہے۔ ان کو اعتراض کرتے ہوئے دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے اس قسم کے اعتراض کرنے میں بڑا ظلم کیا ہے۔ کیا اُن میں ایسا ہی ایمان ہے۔ پھر منجملہ اور جزئیات کے غلامی کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ قرآن شریف نے غلاموں کے آزاد کرنے کی تعلیم دی ہے اور تاکید کی ہے اور جو اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس قسم کے جزئیات کو یہ لوگ محل اعتراض ٹھہرا کر ناواقف لوگ اور آزاد طبع نوجوانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں پس آپ کو مناسب ہے کہ آپ اعتراض کرتے وقت اس امر کا بڑا بھاری لحاظ کریں۔ کہ اسے گناہ اور محل اعتراض ٹھہرائیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں سولہ۱۶ یا سترہ۱۷ سال کی عمر سے ان سے ملتا تھا مگر اس نور کی وجہ سے جو خدا نے مجھے دیا تھا میں ہمیشہ سمجھ جاتا تھا کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۴-۶ پرچہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۲ء)

"اسی طرح پر تعدد ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کر دیتے ہیں۔ مگر مجھے سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان نادانوں نے یہ اعتراض کرتے وقت اس بات پر ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ اس کا اثر خود اُن کے خداوند پر کیا پڑتا ہے۔ مجھے سخت رنج آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ پادریوں کے اس اعتراض نے حضرت عیسیٰؑ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کیونکہ جس کے گھر میں حضرت مریمؑ گئی تھیں۔ اس کے پہلے بیوی تھی۔ پھر یہ اولاد کیسی قرار دی جاوے گی۔ علاوہ ازیں جبکہ مریم نے اور اس کی ماں نے یہ عہد خدا کے حضور کیا ہوا تھا۔ کہ اس کا نکاح نہ کروں گی۔ پھر وہ کیا آفت اور مشکل پیش آئی تھی جو نکاح کر دیا۔ بہتر ہوتا کہ رُوح القدس کا بچہ مقدس ہیکل میں ہی جنتی۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے گھر میں نگاہ نہیں کی۔ ورنہ اس قوم کا فرض تھا۔ کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے والے یہی ہوتے۔ کیونکہ ان کے ہاں نظائر موجود تھے۔ مگر جیسے اس وقت کو انہوں نے کھو دیا۔ آج بھی یہ مسیح موعود کو قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ ایلیا کا قصہ اُن میں موجود ہے اور اسی پر مسیح کی صداقت کا سارا معیار ہے۔ اگر مسیح واقعی مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو کیوں پھونک مار کر ایلیا کو زندہ نہ کر دیا۔ تا یہود ابتلا سے بچ جاتے۔ اور خود مسیح کو بھی ان تکالیف اور مشکلات کا سامنا نہ ہوتا

جو ایلیا کی تاویل سے پیش آئیں۔ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے وہ اس میں صاف لکھتا ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مسیحؑ کے انکار کا سوال کرے گا تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دیں گے۔ کہ کیا اس میں نہیں لکھا کہ مسیحؑ سے پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں یہ کہاں ہے۔ کہ یوحنا آئے گا۔ اس پر اس نے بڑی بحث کی ہے۔ اور پھر لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ہم سچے ہیں یا نہیں۔ الغرض اس قسم کی جزئیات کو یہ لوگ بدنما صورت میں پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اعتراضوں کے انتخاب میں ان امور کو مدنظر رکھیں جو میں نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔

دین کا معاملہ بہت بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے۔ اس میں بہت بڑی فکر اور غور کی ضرورت ہے۔ اس میں وہ پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔ جو مشترک امت کا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی ایسی بات قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی جس کے نظائر موجود نہ ہوں۔ مثلاً ایک شخص کہے۔ کہ ایک صندوق میں ایک ہزار روپیہ رکھا تھا اور وہ جادو کے ذریعہ ہوا ہو کر اُڑ گیا تو اسے کون مانے گا۔ اسی طرح پر عیسائیوں کے معتقدات کا حال ہے۔ آپ اپنے اعتراض مرتب کر کے پیش کریں اور انشاء اللہ ہم جواب دیں گے۔"

منشی عبد الحق صاحب۔ اگر آپ تثلیث اور کفارہ کو توڑ کر دکھا دیں گے۔ تو میں شاید اور کچھ نہ پوچھوں گا۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ تثلیث اور کفارہ کی تردید کے دلائل تو ہم انشاء اللہ اتنے بیان کریں گے کہ جو ان کے ابطال کے لئے کافی سے بڑھ کر ہوں گے۔ مگر میری رائے میں جو ترتیب میں نے آپ کو اشارہ کی ہے۔ اس پر چلنے سے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اس وقت میں خلط کرنا نہیں چاہتا لیکن میں مختصر اور اشارہ کے طور پر اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ اس وقت تین قومیں یہود، مسلمان اور عیسائی موجود ہیں۔ ان میں سے یہود اور مسلمان بالاتفاق توحید پر ایمان لاتے ہیں لیکن عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ اب ہم عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر واقعی تثلیث

کی تعلیم حق تھی۔ اور نجات کا یہی اصل ذریعہ تھا تو پھر کیا اندھیر مچا ہوا ہے کہ توریت میں اس تعلیم کا کوئی نشان اس میں نہیں ملتا۔ یہودیوں کے اظہار لے کر دیکھ لو۔ اس کے سوا ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ کہ یہودیوں کے مختلف فرقے ہیں اور بہت سی باتوں میں اُن میں باہم اختلاف ہے لیکن توحید کے اقرار میں ذرا بھی اختلاف نہیں اگر تثلیث واقعی مدارِ نجات تھی تو کیا سارے کے سارے فرقے ہی اس کو فراموش کر دیتے۔ اور ایک آدھ فرقہ بھی اس پر قائم نہ رہتا۔ کیا یہ تعجب خیز امر نہ ہوگا کہ ایک عظیم الشان قوم جس میں ہزاروں ہزار فاضل ہر زمانہ میں موجود رہے۔ اور برابر مسیح علیہ السلام کے وقت تک جن میں نبی آتے رہے اُن کو ایک ایسی تعلیم سے بالکل بے خبری ہو جاوے جو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت انہیں ملی ہو اور مدار نجات بھی وُہی ہو۔ یہ بالکل خلاف قیاس اور بیہودہ بات ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ تثلیث کا عقیدہ خود تراشیدہ عقیدہ ہے۔ نبیوں کے صحیفوں میں اس کا کوئی پتہ نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ حق کے خلاف ہے پس یہودیوں میں توحید پر اتفاق ہونا اور تثلیث پر کسی ایک کا بھی قائم نہ ہونا صریح دلیل اس امر کی ہے کہ یہ باطل ہے۔ حالانکہ خود عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں بھی تثلیث کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے اور یونی ٹیرین فرقہ اب تک موجود ہے۔ میں نے ایک یہودی سے دریافت کیا تھا کہ توریت میں کہیں تثلیث کا بھی ذکر ہے اور یا تمہارے تعامل میں کہیں اس کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس نے صاف اقرار کیا۔ کہ ہرگز نہیں ہماری توحید وہی ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ اور کوئی فرقہ ہمارا تثلیث کا قائل نہیں۔ اس نے یہ کہا کہ اگر تثلیث پر مدارِ نجات ہوتا۔ تو ہمیں جو توریت کے حکموں کو چوکھٹوں اور آستینوں پر لکھنے کا حکم تھا کہیں تثلیث کے لکھنے کا بھی ہوتا۔ پھر دوسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے۔ کہ باطنی شریعت میں اس کے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے۔ باطنی شریعت بجائے خود توحید چاہتی ہے۔ پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتابوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے جزیرہ میں رہتا ہو۔ جہاں تثلیث نہیں پہنچی اس سے توحید ہی کا مطالبہ ہوگا۔ نہ تثلیث کا بس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باطنی شریعت توحید کو چاہتی ہے۔

نہ تثلیث کو۔ کیونکہ تثلیث اگر فطرت میں ہوتی تو سوال اس کا ہونا چاہیے تھا۔

پھر تیسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے۔ کہ جسقدر عناصر خدا تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ وہ سب کروی ہیں۔ پانی کا قطرہ دیکھو۔ اجرام سماوی کو دیکھو۔ زمین کو دیکھو۔ یہ اس لئے کہ کرویت میں ایک وحدت ہوتی ہے۔ پس اگر خدا میں تثلیث تھی تو چاہیئے تھا کہ مثلث نما اشیاء ہوتیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے۔ جو تثلیث کا قائل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے دلائل دے۔ ہم جو کچھ توحید کے متعلق یہودیوں کا تعامل باوجود اختلاف فرقوں کے اور باطنی شریعت میں اس کا اثر ہونا اور قانون قدرت میں اُن کی نظیر ملنا بتاتے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد اگر کوئی تقویٰ سے کام لے۔ تو وہ سمجھ لے گا کہ تثلیث پر جس قدر زور دیا گیا ہے وہ صریح ظلم ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے۔ کہ وہ کبھی غیر تسلی کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے پگڈنڈیوں کے بجائے شاہراہ پر چلنے والے سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اس پر چلنے والوں کے لئے کسی قسم کا خوف و خطرہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ کی شہادت قوی ہوتی ہے پس جب دنیا میں یہ ایک روز مشاہدہ میں آئی بات ہے۔ پھر آخرت کی راہ قبول کرنے میں انسان کیوں غیر تسلی کی راہ اختیار کرے جس کے لئے کوئی کافی اور معتبر اور سب سے بڑھ کر زندہ شہادت موجود نہ ہو۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں راہیں نکالی گئی ہیں۔ مگر سعید اور مبارک وہی ہے جو دنیا کے لالچوں کو چھوڑ کر محض خدا کے لئے فقر و فاقہ اختیار کر کے خدائی راہ پر چلنے کی تلاش میں نکلے۔ اور جو خلوصِ نیّت سے اُسے ڈھونڈتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے۔

استیصال عیسائیت

عیسائی مذہب کے استیصال کے لئے ہمارے پاس تو ایک دریا ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ یہ طلسم ٹوٹ جاوے۔ اور وہ بُت جو صلیب کا بنایا گیا ہے گر پڑے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے مبعوث نہ بھی فرماتا تب بھی زمانہ نے ایسے حالات اور اسباب پیدا کر دیئے تھے۔ کہ عیسائیت کا پول کھل جاتا کیونکہ خدا تعالیٰ کی غیرت اور جلال کے یہ صریح خلاف

ہے کہ ایک عورت کا بچہ خدا بنایا جاتا جو انسانی حوائج اور لوازم بشریہ سے کچھ بھی استثنا اپنے اندر نہیں رکھتا۔

میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں میں نے کامل تحقیقات کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا تھا اور وہاں سے بچ کر وہ کشمیر میں چلا آیا جہاں اس نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور ابتک اس کی قبر خانیار کے محلہ میں یُوز آسف یا شہزادہ نبی کے نام سے مشہور ہے۔

اور یہ بات ایسی نہیں ہے جو محکم اور مستحکم دلائل کی بنا پر نہ ہو بلکہ صلیب کے جو واقعات انجیل میں لکھے ہیں خود ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ سب سے اوّل یہ ہے کہ خود مسیح نے اپنی مثال یُونسؑ سے دی ہے۔ کیا یُونس مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوئے تھے یا مر کر۔ اور پھر یہ کہ پیلاطُوس کی بیوی نے ایک ہولناک خواب دیکھا تھا جس کی اطلاع پیلاطُوس کو بھی اس نے کر دی اور وہ اس فکر میں ہو گیا کہ اُس کو بچایا جاوے اور اسی لئے پیلاطُوس نے مختلف پیرایوں میں مسیح کے چھوڑ دینے کی کوشش کی اور آخر کار اپنے ہاتھ دھو کر ثابت کیا کہ میں اس سے بَری ہوں۔ اور پھر جب یہودی کسی طرح ماننے والے نظر نہ آئے تو یہ کوشش کی گئی کہ جُمعہ کے دن بعد عصر آپ کو صلیب دی گئی۔ اور چونکہ صلیب پر بھوک، پیاس اور دُھوپ وغیرہ کی شدت سے کئی دن رہ کر مصلُوب انسان مر جایا کرتا تھا وہ موقع مسیح کو پیش نہ آیا کیونکہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا کہ جُمعہ کے دن غروب ہونے سے پہلے اُسے صلیب پر سے نہ اتار لیا جاتا۔ کیونکہ یہودیوں کی شریعت کی رُو سے یہ سخت گناہ تھا۔ کہ کوئی شخص سبت یا سبت سے پہلے رات صلیب پر رہے۔ مسیح چونکہ جُمعہ کی آخری گھڑی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اس لئے بعض واقعات آندھی وغیرہ کے پیش آجانے سے فی الفور اُتار لیا گیا۔ پھر دو چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان کی ہڈیاں تو توڑ دی گئی تھیں مگر مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئی تھیں۔

پھر مسیح کی لاش ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دی گئی جو مسیح کا شاگرد تھا اور اصل تو یہ ہے

کہ خود پیلاطوس اور اس کی بیوی بھی اس کی مرید تھی چنانچہ پیلاطوس کو عیسائی شہیدوں میں لکھا ہے اور اس کی بیوی کو ولیہ قرار دیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر مرہم عیسیٰ کا نسخہ ہے جس کو مسلمان، یہودی، رُومی اور عیسائی اور مجوسی طبیبوں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ مسیح کے زخموں کے لئے تیار ہوا تھا اور اس کا نام مرہم عیسیٰ، مرہم حواریین اور مرہم رُسل اور مرہم شلیخا وغیرہ بھی رکھا کم ازکم ہزار کتاب میں یہ نسخہ موجود ہے اور یہ کوئی عیسائی ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ صلیبی زخموں کے سوا اور بھی کبھی کوئی زخم مسیح کو لگے تھے۔ اور اس وقت حواری بھی موجود تھے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ تمام اسباب اگر ایک جا جمع کئے جاویں۔ تو صاف شہادت نہیں دیتے کہ مسیح صلیب پر سے زندہ بچ کر اُتر آیا تھا۔ اس پر اس وقت ہم کو کوئی لمبی بحث نہیں کرنی ہے۔ یہودیوں کے جو فرقے متفرق ہو کر افغانستان یا کشمیر میں آ گئے تھے۔ وہ ان کی تلاش میں ادھر چلے آئے۔ اور پھر آخر کشمیر ہی میں انہوں نے وفات پائی۔ اور یہ بات انگریز محققوں نے بھی مان لی ہے۔ کہ کشمیری دراصل بنی اسرائیل ہیں چنانچہ برنیر نے اپنے سفرنامہ میں یہی لکھا ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہوتا ہے اور واقعات صحیحہ کی بنا پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ صلیب پر نہیں مرے۔ بلکہ زندہ اُتر آئے۔ تو پھر کفّارہ کا کیا باقی رہا۔

پھر سب سے عجیب تر یہ بات ہے کہ عیسائی جس عورت کی شہادت پر مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں وہ خود ایک اچھے اور شریف چال چلن کی عورت نہ تھی۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء)

"یاد رکھو کہ ایک فعل انسان کی طرف سے اوّلاً سرزد ہوتا ہے۔ پھر اس میں جو اثر یا خاصیت مخفی ہو۔ خدا تعالیٰ کا ایک فعل اس پر مترتب ہو کر اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ مثلاً جب ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکی کو بند کر لیتے ہیں۔ تو یہ ہمارا فعل ہے۔ اور اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ سرزد ہوتا ہے۔ کہ اس کوٹھڑی میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت بند ہو کر تاریکی ہو جائے گی۔ پس یہ ایک عادت اللہ اور قدیم سے اسی طرح پر چلی آتی ہے۔ اور اس میں کوئی تغیر تبدّل نہیں ہو سکتا

ہے کہ انسانی فعل پر خدا کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے یہ نظام ظاہری ہے۔ اندرونی انتظام میں بھی یہی قانون ہے جو شخص صاف دل ہو کر تلاش حق کرتا ہے اور اگر کچھ نہیں تو کم از کم سلب عقائد ہی کی حالت میں آتا ہے تو وہ سچائی کو ضرور پالیتا ہے لیکن اگر وہ اپنے دل میں پہلے سے ایک بات کا فیصلہ کر لیتا ہے اور ضد اور تعصب کے حلقوں میں گرفتار دل لے کر آتا ہے تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا معاندانہ جوش بڑھ کر فطرت کے انوار کو دبا لیتا ہے۔ اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی توفیق نہیں پاتا۔ پس خدا تعالیٰ سے پاکیزگی اور ہدایت کے پانے کے لئے خود بھی اپنے اندر ایک پاکیزگی کو پیدا کرنا چاہیئے۔ اور وہ یہی ہے کہ انسان بخل اور تعصب کو چھوڑ دے اور اپنے نفس کو ہرگز دھوکا نہ دے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ جو شخص تلاش حق کا دعویٰ کر کے نکلتا ہے اور پھر اپنی جگہ پہلے ہی کسی مذہب کے اصول کو فیصلہ کر کے قطعی بھی قرار دے لیتا ہے۔ وہ دنیا کا طالب ہوتا ہے۔ جو دنیا کی فتح و شکست پر مرتا ہے۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ نہیں میرے نزدیک وہ دہریہ ہے۔ پاک دل جو کسی کی زجر و توبیخ کی پروا نہیں کرتا اور جو اقرار کر لینے میں ندامت اور شرمساری نہیں پاتا۔ وہی ہوتا ہے جو حق کو پالیتا ہے۔ ایسے ہی دل پر خدا کے انوار نازل ہوتے ہیں۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو ضائع نہیں کرتا جو اس کی جستجو میں قدم رکھتا ہے۔ وہ یقیناً ہے اور جیسے ہمیشہ سے اس نے اَنَا الْمَوْجُوْد کہا ہے اب بھی کہتا ہے۔ جس طرح حضرت مسیح پر وحی ہوتی تھی اسی طرح اَب بھی ہوتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں یہ نرا دعویٰ نہیں اس کے ساتھ روشن دلائل ہیں کہ پہلے کیا تھا جو اَب نہیں۔ اَب بھی وہی خدا ہے جو سدا سے کلام کرتا چلا آیا ہے۔ اس نے اب بھی دنیا کو اپنے کلام سے منوّر کیا ہے۔

ابطالِ کفّارہ

ایک اور ضروری بات ہے۔ جو میں کہنی چاہتا ہوں اور وہ کفّارہ کے متعلق ہے۔ کفّارہ کی اصل غرض تو یہی بتائی جاتی ہے کہ نجات حاصل ہو۔ اور نجات دوسرے الفاظ میں گناہ کی

زندگی اور اس کی موت سے بچ جانے کا نام ہے۔ مگر میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ خدا کیلئے انصاف کرکے بتاؤ کہ گناہ کو کسی کی خودکشی سے فلسفیانہ طور پر کیا تعلق ہے۔ اگر مسیح نے نجات کا مفہوم یہی سمجھا اور گناہوں سے بچانے کا یہی طریق انہیں سوجھا تو نعوذ باللہ ہم ایسے آدمی کو تو رسُول بھی نہیں مان سکتے کیونکہ اس سے گناہ رُک نہیں سکتے۔ آپ کو یورپ کے حالات اور لنڈن اور پیرس کے واقعات اچھی طرح معلوم ہوں گے۔ بتاؤ کونسا پہلو گناہ کا ہے جو نہیں ہوتا۔ سب سے بڑھ کر زنا تورات میں لکھا ہے۔ مگر دیکھو کہ یہ سیلاب کس زور سے ان قوموں میں آیا ہے۔ جن کا یقین ہے کہ مسیح ہمارے لئے مرا۔ اس خودکشی کے طریق سے تو بہتر یہ تھا کہ مسیح دُعا کرتا کہ اُس کو لمبی عمر ملے تاکہ وہ نصیحت اور وعظ ہی کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا مگر یہ سوجھی تو کیا سوجھی ؛

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے جو میں نے پیش کی تھی اور اب تک کسی عیسائی نے اس کا جواب نہیں دیا اور وہ یہ ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا۔ اب لعنت کے معنوں کے لئے عبرانی یا عربی کے لغات نکال کر دیکھ لو کہ ملعون کسے کہتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ لعین شیطان کا نام ہے اور ملعون وہ شخص ہوتا ہے جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ خدا سے دُور ہو۔ اب عیسائیوں نے بالاتفاق اپنے عقیدہ میں داخل کرلیا ہے۔ کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا چنانچہ تین دن کے لئے اسے ہاویہ میں بھی رکھتے ہیں۔ اب یہ لعنتی قربانی جو ان کے عقیدہ کے موافق ہوئی۔ نجات سے کیا تعلق اس کا ہوا۔

غرض جس قدر اس پر غور کرتے جائیں گے۔ اسی قدر اس کی حقیقت کھلتی جائے گی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اصل میں مسیح کے متعلق عیسائیوں اور یہودیوں دونوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ عیسائیوں نے تو یہانتک افراط کی کہ ایک عاجز انسان کو جو ایک ضعیفہ عورت کے پیٹ سے عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا۔ خدا بنا لیا۔ اور پھر گرایا بھی تو یہانتک کہ اسے ملعون بنایا۔ اور ہاویہ میں گرایا۔ یہودیوں نے تفریط کی یہانتک کہ معاذاللہ اسے ولدالزنا قرار دیا اور بعض انگریزوں نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔ اور سارا الزام حضرت مریم پر لگایا۔ مگر قرآن شریف نے آکر ان دونوں قوموں کی غلطیوں کی اصلاح کی۔ عیسائیوں کو بتایا کہ وہ خدا کا رسُول تھا۔ خدا نہ تھا۔ اور وہ ملعون نہ تھا

مرفوع تھا۔ اور یہودیوں کو بتایا کہ وہ ولدالزِّنا نہ تھا بلکہ مریم صدیقہ عورت تھی۔ احصنت فرجہا کی وجہ سے اس میں نفخ رُوح ہوا تھا۔ یہی افراط و تفریط اس زمانہ میں بھی ہوئی ہے اور خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اُن کی اصل عزّت کو قائم کروں۔ مسلمان ناواقفی سے انہیں انسانی صفات سے بڑھ کر قرار دینے میں غلطی کرتے ہیں اور ان کی موت کے راز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ عیسائی مصلوب قرار دے کر ملعون بناتے ہیں۔ پس اب وقت آیا ہے کہ مسیح کے سر پر سے وہ الزام دُور کئے جاویں۔ جو ایک بار محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دُور کئے تھے۔ پس اسلام کا کس قدر احسان مسیح پر ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان باتوں پر پُورا غور کر لیں گے۔ میں آپ کو بار بار یہی کہتا ہوں کہ جب تک آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہ آوے اسے آپ بار بار پُوچھیں ورنہ یہ اچھا طریق نہیں ہے۔ کہ ایک بات کو آپ سمجھیں نہیں اور کہدیں کہ ہاں سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ بُرا ہونا ہے۔ سراج الدین جو یہاں آیا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ اس نے آپ کو کچھ کہا تھا

منشی عبدالحق صاحب۔ ہاں وہ مجھے منع کرتے تھے کہ وہاں مت جاؤ کچھ ضرورت نہیں ہے جب ہم نے ایک سچائی کو پالیا۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اَور تلاش کرتے پھریں اور یہ بھی انہوں نے کہا تھا۔ کہ جب میں آیا تھا تو وہ مجھے تین میل تک چھوڑنے آئے تھے اور پسینہ آیا ہوا تھا۔

(ایڈیٹر:۔ سلیم الفطرت لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت اور ہمدردی پر غور کریں اور اس جوش کا اندازہ کریں جو اس کی فطرت میں کسی رُوح کو بچا لینے کے لئے ہے۔ کیا تین میل تک جانا محض ہمدردی ہی کے لئے نہ تھا۔ ورنہ میاں سراجدین سے کیا غرض تھی۔ اگر فطرت سلیم ہو تو آپ کے اس جوش ہمدردی ہی سے حق کا پتہ پالے۔ ہمارے لئے ایسا سچا جوش رکھنے والے تجھ پر خدا کا سلام۔ سلامت بر تو اے مردِ سلامت)

حضرت مسیح موعودؑ۔ اس پسینہ سے اس نے یہ مُراد لی کہ گویا جواب نہیں آیا۔ افسوس! آپ اس سے پُوچھتے تو سہی کہ پھر وہ یہاں رہ کر نمازیں کیوں پڑھتا تھا اور کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ میری تسلّی ہو گئی۔ میرے سامنے ہو تو میں اس کو حلف دے کر پوچھوں۔ سامنے ہونے سے کچھ تو شرم آجاتی ہے۔

منشی عبدالحق ۔ میں نے نمازوں کا حال پوچھا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہاں میں پڑھا کرتا تھا۔ اور آخر میں نے کہہ دیا تھا کہ میں کسی سرد مقام پر جاکر فیصلہ کروں گا۔ اور یہ بھی مسٹر سراج الدین نے کہا تھا۔ کہ مرزا صاحب شہرت پسند ہیں۔ میں نے چار سوال پُوچھے تھے۔ ان کا جواب چھاپ دیا۔

حضرت اقدسؑ ۔ اس میں تو شہرت پسندی کی کوئی بات نہیں۔ ہم کیوں حق کو چھپاتے۔ اگر چھپاتے تو گنہگار ٹھہرتے اور معصیت ہوتی۔ خدا نے جب مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ تو پھر میں حق کا اظہار کروں گا۔ اور جو کام میرے سپرد ہوا ہے۔ اسے مخلوق کو پہنچاؤں گا۔ اور اس بات کی مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی شہرت پسند کہے یا کچھ اور۔ آپ اُن کو پھر خط لکھیں۔ کہ وہ یہاں کچھ دن اور رہ جاویں؛

(الغرض ان باتوں میں آپ مکان کے قریب پہنچ گئے۔ اور اس وقت حضرت اقدسؑ نے منشی عبدالحق صاحب کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان آرام وہی پا سکتا ہے جو بے تکلف ہو۔ پس آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو۔ مجھے بلا تکلف کہہ دیں۔ پھر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے اور کوشش کرتا رہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ گھر میں تشریف لے گئے")

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء)

دوسری ملاقات

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

حضرت مسیح موعودؑ ۔ "مامور اگر ان امور کی جو اس پر کھولے جاتے ہیں۔ اشاعت نہ کرے۔ تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مخلوق پر ظلم کرتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے سپرد کردہ فرض کو انجام نہیں دیتا۔ مامور کا ایک یہ بھی نشان ہے کہ وہ اشاعتِ حق سے نہیں رُکتا۔ اور ہمیں افسوس ہوتا ہے جب انجیل میں ایسے فقرات دیکھتے ہیں۔ جن میں مسیح اپنے آپ کو چھپانے اور کسی پر ظاہر نہ کرنے

کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دیتا ہے۔ مامور من اللہ میں ایک شجاعت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ کبھی بھی اپنے پیغام پہنچانے اور اشاعتِ حق میں نہیں ڈرتا۔ شہادت حقّہ کا چھپانا سخت گناہ ہے۔ پس میں کیونکر اس حقیقت کو چھپا سکتا ہوں۔ جو خدا نے مجھ پر کھولی ہے۔ میرے نزدیک یہ طریق بہت ہی مناسب ہے۔ جو یہ اس طرح پر مرتب ہو جایا کرے۔ آپ نے اب دوبارہ سُن لیا ہے۔ اس پر غور کریں اور جو کچھ آپ کو شک باقی ہو۔ بے شک پُوچھ لیں۔

مسٹر عبدالحق۔ میں اس پر مزید غور کروں گا۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ میں آپ کی اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ جلدی نہیں کی۔ آپ بے شک چار پانچ روز تک اس پر کافی غور کر لیں۔

مسٹر عبدالحق۔ میں نے آج ایک سوال قرآن شریف کی ضرورت پر سوچا تھا۔ مگر وہ اس تقریر میں آچکا۔ مَیں ایک یہ سوال بھی پُوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں تحریف ہو گئی ہے اگر کوئی یہ پوچھے کہ اصل کہاں ہے تو اس کا کیا جواب ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ یہ سوال آپ کا ایک نیا سوال ہے۔ اور پہلے سوالوں سے الگ ہے میں چاہتا ہوں کہ تداخل نہ ہو۔ میں اس سوال کا جواب بیان کروں گا۔ مگر اوّل مناسب یہی ہے کہ آپ اپنے سوالوں کے جواب پر غور کر کے اور جو کچھ ان کے متعلق پوچھنا ہو پوچھ لیں۔ سو جب وہ طے ہو جائیں پھر میں آپ کے اس سوال کا جواب دوں گا۔ مگر تداخل کو میں مناسب نہیں سمجھتا۔ جیسے تداخل طعام درست نہیں ہے یعنی ایک کھانا کھایا پھر کچھ اَور کھا لیا۔ پھر کچھ اَور اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ سُوء ہضم ہو کر ہیضہ یا قے یا کسی اور بیماری کی نوبت آئے۔ اسی طرح تداخل کلام منع ہے۔ تداخل کلام سے کوئی بات محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اور انسان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ بلکہ وہ وقت بالکل ضائع چلا جاتا ہے۔ میری عین مُراد یہی ہے کہ یہ سوالات آپ کے باترتیب ہوں اور ہر سوال کی ایک مدرکھی جاوے اور اس کو دُوسرا سوال قرار دے لیا جاوے۔ اس وقت میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں خلط مبحث کر کے اپنا وقت ضائع کروں

اور آپ کو فائدہ سے محروم رکھوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو پُورا فائدہ پہنچاؤں جو میرے امکان اور طاقت میں ہے۔اور اس کے لئے میری رائے میں یہی طریق مناسب ہے۔ جو اختیار کیا گیا ہے۔میں اس سوال کا جواب دیتے وقت آپ کو بتاؤں گا۔ کہ تحریف کے خیالات شروع میں مسلمانوں سے پیدا نہیں ہوئے۔بلکہ انجیل کے ماننے والوں ہی کی طرف سے اِن خیالات کی ابتدا ہوئی ہے۔اور میں اس کو جیسا میں نے کہا ہے۔اور دوسرے وقت پر رکھتا ہوں۔جب آپ پہلے سوالوں کے جوابات سمجھ لیں گے۔

جو لوگ بحث مباحثہ کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں اور تلاش حق اُن کا مقصد نہیں ہوتا۔وہ ایک ہی جلسہ میں سب کچھ طے کر لینا چاہتے ہیں۔میں اس کو مذہبی قمار بازی کہتا ہوں جیسے قمار باز اپنی چابکدستی اور چالاکی سے ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔اسی طرح پر یہ لوگ کرتے ہیں اور ہم نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے۔کہ اصل بات کو چھُپاتے ہیں۔اور فرضی اور خیالی باتیں پیش کرتے ہیں۔پس میں اس کو بہت ہی بُرا سمجھتا ہوں کہ انسان مذہبی قمار بازی کیلئے دست دراز ہو۔اور خدا کا ذرا بھی خوف اور حیا نہ کر کے اپنی چالاکیوں سے کام لے۔یہ مذہبی قمار بازی کب ہوتی ہے جب دنیا کی ہار جیت اور خیالی فتح و شکست مدنظر ہو۔اور احباب اور ہمعصروں کی نگاہ میں واہ وا سننے اور فتحیاب کہلانے کا خیال دل میں ہو یہ قمار بازی دنیا کی قمار بازی سے بہت ہی بڑھ کر نُقصان رساں ہے۔کیونکہ اس میں تو صرف مال کا زیان ہے مگر اس قمار بازی میں دین اور دنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں اور تمام اخلاقی اور رُوحانی قوتیں جو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات کا وارث بنا سکتی ہیں، ہار دی جاتی ہیں۔اور اس متاع کے ہارنے سے جو رنج پیدا ہوتا ہے وہ ابدی ہوتا ہے۔پس اس قمار بازی کے خیال کو کبھی پاس بھی آنے نہیں دینا چاہیئے۔اگر مقصدِ عظیم یہ ہو کہ راستبازوں کے نُور سے حصہ ملے۔کبھی کوئی شخص اس نُور کو نہیں پا سکتا اور اس متاع کو محفوظ نہیں رکھ سکتا جو فطرتِ سلیم اس کے پاس ہے جبتک حق گوئی اور حق جوئی اور پھر قبول حق کے لئے ساری دنیا کو اس کے سامنے مُردہ قرار نہ دے لے۔اور ان امور کے لئے

خدا تعالیٰ سے ایک عہد کرے۔ جو ایسا عہد خدا تعالیٰ سے نہیں کرتا وہ خدا کو مان کر بھی دہریہ ہے
ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جیسے امراض کا بحران ہوتا ہے۔ اسی طرح پر مختلف ملتوں اور
مذہبوں کے بحران کے یہ ایام ہیں۔ شیطان کی بھی یہ آخری جنگ ہے۔ اس لئے وہ اپنے تمام آلات
حرب وضرب لے کر حق کے مقابلہ میں نکلا ہے۔ اور وہ پورے زور اور پوری طاقت سے کوشش
کرتا ہے کہ حق پر غلبہ پاوے مگر خود اسے بھی یقین کامل ہے کہ اس کی یہ ساری کوشش بے سود
اور بیفائدہ ہوگی۔ اور بہت جلد وہ وقت آتا ہے کہ شیطان مارا جاوے گا۔ اور ملائک کی فتح
ہوگی مگر بایں ہمہ وہ اپنی پوری طاقت سے اس وقت میدان میں آیا ہے اور اس کے بالمقابل حق
بھی ہے اور اس کے سامان اور ہتھیار بھی آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت دونوں
میدان میں ہیں۔ پس تم کو واجب ہے کہ حق کا ساتھ دو۔

حق کی شناخت کے نشان

اور میں نے بارہا اس امر کو بیان کیا ہے اور اب پھر بتاتا ہوں کہ حق کی شناخت کیواسطے
تین نشان ہیں۔ ان پر اگر تم اس کو جسے حق کہا جاتا ہے۔ پرکھو گے تو تم کو شیطان دھوکا نہ دے
سکے گا۔ ورنہ اس نے اپنی طرف سے التباس حق و باطل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اور وہ نشان یہ ہیں۔ اوّل نصوص صریحہ یعنی جو معتقدات ہم رکھتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں
کہ کیا ان کا نام و نشان خدا تعالیٰ کی کتاب میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے متعلق منقولی
شہادت یعنی نصوص صریحہ قطعیہ نہ ہوں تو خود سوچنا چاہیئے کہ اس کو کہاں تک وقعت دی جاسکتی
ہے مثلاً جیسے کیمیاگر کہتا ہے کہ میں ایک ہزار کا دس ہزار کر دیتا ہوں تو کیا ضروری نہیں کہ ہمیں
علم ہو کہ پہلے کتنے ایسے بزرگ گزرے ہیں۔ لیکن جب ہم اس پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں
نے ایسی باتوں میں آکر نقصان اٹھایا ہے۔ ہمارے اسی علاقہ میں ایک کیمیاگر اسی طرح پر دو
آدمیوں کو ایک ہی وقت میں ٹھگ کر لے گیا۔ غرض پہلا نشان نصوص صریحہ کا ہے۔ اس کے
ذریعہ اگر ہم عیسائیوں کے عقائد کو پرکھنے لگیں۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا۔ کہ نرا ملمع ہے۔ حق

کی چمک اس میں نہیں ہے۔ جیسا کہ کل مَیں نے بیان کیا تھا کہ تثلیث اور یسُوع کی خدائی کی بابت اگر یہودیوں سے پُوچھا جاوے اور ان کی کتابوں کو ٹٹولا جاوے تو صاف جواب ہے۔ کہ وہ کبھی تثلیث کے قائل نہ تھے۔ اور نہ کبھی انہوں نے کسی جسمانی خدا کی بابت اپنی کتاب میں پڑھا تھا جو کسی عورت کے پیٹ سے عام بچوں کی طرح حیض کے خُون سے پرورش پاکر نو مہینے کے بعد پیدا ہونے والا ہو۔ اور انسانوں کے سارے دُکھ خسرہ چیچک وغیرہ جو انسانوں کو ہوتے ہیں اُٹھا کر آخر یہودیوں کے ہاتھ سے مار کھاتا ہوا صلیب پر چڑھایا جاوے گا۔ اور پھر ملعُون ہوکر تین دن ہاویہ میں رہے گا۔ یا باپ بیٹا رُوح القدس کے مجموعہ اور مرکب خدا ہی کا ذکر اُن کی کتابوں میں کہیں ہوتا۔ اگر ہے تو ہم عیسائیوں سے ایک عرصہ سے سوال کرتے رہے ہیں۔ وہ دکھائیں۔ برخلاف اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں نے منجملہ اور اعتراضوں کے جو اُس پر کئے۔ سب سے بڑا اعتراض یہی تھا۔ کہ یہ خدا کا بیٹا اور خدا بنتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اگر یہودیوں نے توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں یہ تعلیم پائی تھی کہ دنیا میں خود خدا اور اس کے بیٹے بھی ماریں کھانے کے لئے آیا کرتے ہیں۔ اور انہوں نے دس پانچ کو دیکھا تھا تو پھر انکار کی وجہ کیا ہوسکتی تھی؟ اصل حقیقت یہی ہے کہ اس معیار پر یہ عقیدہ کبھی پُورا نہیں اُتر سکتا اس لئے کہ اس میں حقانیت کی رُوح نہیں ہے۔

دوسرا طریق شناختِ حق اور اہلِ حق کا یہ ہے۔ کہ عقل سلیم بھی ان کی مُمد اور مُعاون ہو عقل ایسی چیز ہے کہ اگر اسے چھوڑ دو۔ تو دین اور دنیا دونوں کے کاموں میں فتور پیدا ہوتا ہے اب عقل کے معیار پر اس کو کَسا جاوے تو وہ دُور سے ان عقائد کو رَدّ کرتی ہے۔ کیا عقل کے نزدیک یہ بات قابلِ تسلیم ہوسکتی ہے۔ کہ ایک عاجز مخلُوق بھی جس میں انسانیت کے سارے لوازم اور بشری کمزوریوں کے سارے نمونے موجود ہیں، خدا ہوسکتا ہے۔ کیا عقل اس بات کو ایک لمحہ کے لئے بھی رَوا رکھ سکتی ہے کہ مخلُوق اپنے خالق کو کوڑے مارے اور خدا کے بندے اپنے قادر خدا کے مُنہ پر تھُوکیں اور اس کو پکڑیں اور سُولی پر کھینچیں اور وہ یہ ساری ذلت دیکھ کر

اور خدا ہو کر اپنی رسوائی کا تماشہ دکھاتا رہے؟ کیا عقل مان لیتی ہے کہ ایک عورت کا بچہ جو نو مہینے تک پیٹ میں رہے اور خونِ حیض کھاوے اور آخر عام بچوں کی طرح چلاتا ہوا شرمگاہ سے پیدا ہو وہ خدا ہوتا ہے۔ کیا کسی دل کو اس پر اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خدا کہلا کر ساری رات موت سے بچنے کے لئے دُعا کرتا رہے۔ اور قبول نہ ہو۔ ایسا ہی کبھی عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ کسی کی خودکشی سے دوسرے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر مسیح کے روٹی کھانے سے حواریوں کے پیٹ بھر جاتے تھے۔ اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے تو شاید یہ بھی سچ ہو کہ کسی کے دردِ سر کا علاج اپنے سر میں پتھر مارنا بھی ہے۔

تیسرا ذریعہ شناخت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی سچے مذہب کو ضائع نہیں کرتا اور اہلِ حق کو ہرگز نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا باغ ہے اور کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا۔ کہ ایک شخص باغ لگا کر اپنے باغ کی طرف سے بالکل لاپروا ہو جاوے نہیں بلکہ اس کی آبپاشی شاخ تراشی اور حفاظت وغیرہ تمام امور کا جو اس کی سرسبزی اور شادابی کے لئے ضروری ہیں۔ پُورا اہتمام کرتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ اپنے راستبازوں اور دی ہوئی صداقتوں کی تائید کے لئے ہمیشہ تازہ بتازہ تائیدات دیتا رہتا ہے جن کی روشنی میں صادق چلتا ہے اور شناخت کیا جاتا ہے۔

آزمائش عیسائیت میں کوئی زندہ نشان نہیں

اب عیسائیوں کے عقائد اور مذہب کو اس معیار پر بھی آزما کر دیکھ لو۔ کہ ان میں بجز بوسیدہ ہڈیوں اور مُردہ باتوں کے اور کیا رکھا ہے۔ بالاتفاق وہ مانتے ہیں کہ اُن میں آج ایک بھی ایسا شخص نہیں جو اپنے مذہب کی صداقت اور خونِ مسیح کی سچائی پر اپنے نشانات کی مُہر لگا سکے۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انجیل کے قرار دادہ نشانوں کے موافق تو شاید ایمان دار ہونا بھی ایک امرِ محال ہوگا۔

اچھا۔ زندہ نشانات کو تو جانے دو۔ عیسائی مذہب جو اپنے تائیدی نشانوں کیلئے مسیح کی قبر کا پتہ دیتا ہے کہ اس نے فلاں قبر سے مُردہ اٹھایا تھا۔ وہ بجز قصوں کے اور کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔

اسی لئے میں نے بارہا کہا ہے کہ یہ سلبِ امراض کے اعجُوبے جو بعض ہندُو سنیاسی بھی کرتے ہیں۔ اور اس ترقی کے زمانہ میں مسمریزم والے بھی دکھاتے ہیں۔ آج کوئی معجزات کے رنگ میں نہیں مان سکتا اور پیشگوئی ہی ایک ایسا زبردست نشان ہے۔ جو ہر زمانہ میں قابلِ عزت سمجھا جاتا ہے مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ مسیح کی جو پیشگوئیاں انجیل میں درج ہیں وہ ایسی ہیں کہ اُن کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ قحط پڑیں گے۔ زلزلے آئیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا وغیرہ۔ اب ہر ایک گاؤں میں جا کر دیکھو کہ ہر وقت مُرغ بانگ دیتے ہیں یا نہیں۔ اور قحط اور زلزلے بالکل معمولی باتیں ہیں۔ جو آجکل کے مدبّر تو اس سے بھی بڑھ کر بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت طُوفان آئے گا۔ فلاں وقت بارش شروع ہوگی۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو دیکھو کہ کس طرح پرچھ سو سال پہلے کہا کہ ایک آگ نکلے گی جو سبزہ کو چھوڑے گی۔ اور پتھر کو گلائے گی اور وہ پُوری ہوئی۔ اس قسم کی درخشاں پیشگوئیاں تو پیش کریں۔ میں نے ایک ہزار روپیہ کا انعام کا اشتہار مسیح کی پیشگوئیوں کے لئے دیا تھا مگر آج تک کسی عیسائی نے ثابت نہ کیا کہ مسیح کی پیشگوئیاں ثبوت کی قوت اور تعداد میں میری پیشگوئیوں سے بڑھ کر ہیں جن کا گواہ سارا جہان ہے۔

مسیح کے معجزات جو قصص کے رنگ میں ہیں ان سے کوئی فوق العادت تائیدِ الہٰی کا پتہ نہیں لگتا جبکہ آج اس سے بڑھ کر طبّی کرشمے اور عجائبات دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ خود انجیل میں ہی لکھا ہے کہ ایک تالاب تھا جس میں ایک وقت پر غسل کرنے والے شفا پا لیتے تھے۔ اور اب تک یورپ کے بعض ملکوں میں ایسے چشمے پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہندوستان میں بھی بعض چشموں یا کنوؤں کے پانی میں ایسی تاثیر ہوتی ہے۔ تھوڑے دن ہوئے۔ اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ ایک کنوئیں کے پانی سے جُذامی اچھے ہونے لگتے ہیں۔ اب عیسائی مذہب کے کن تائیدی نشانوں کو ہم دیکھیں۔ پچھلوں کا یہ حال ہے اور اب کوئی دکھا نہیں سکتا اگر اسی طرح پر ہی مان لینا ہے تو ہندوؤں نے کیا قصور کیا ہے۔" (الحکم جلد نمبر ۶ پرچہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء)

اب عیسائی مذہب کے کن تائیدی نشانوں کو ہم دیکھیں۔ پچھلوں کا یہ حال ہے۔ اور اب کوئی دکھا نہیں سکتا۔ اس طرح پر ہی اگر مان لینا ہے تو ہندوؤں نے کیا قصور کیا ہے کہ اُن کے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو نہ مانا جاوے اور پورانوں کے قصّوں کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ دیانند نے ایک جدید طریق نکال کر ہندوؤں کے مذہب پر تو ہاتھ صاف کیا کہ رام کا نام وید میں نہیں ہے۔ مگر خود جو کچھ ویدوں کا خلاصہ پیش کیا وہ بھی ایک گند نکلا۔

مذہب کا خلاصہ حقوق اللہ و حقوق العباد

مذہب کا خلاصہ دو ہی باتیں ہیں اور اصل میں ہر مذہب کا خلاصہ ان دو ہی باتوں پر آکر ٹھیرتا ہے یعنی حق اللہ اور حق العباد۔ مگر ان دونوں ہی کے متعلق اس نے گند پیش کیا اور اُسے وید کی تعلیم کا عطر بتایا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حق دو ہی ہیں۔ ایک خدا کے حقوق کہ اُسے کس طرح پر ماننا چاہیئے اور کس طرح اُس کی عبادت کرنی چاہیئے۔ دوم بندوں کے حقوق یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ کیسی ہمدردی اور مواسات کرنی چاہیئے۔

دیانند نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ میں پھر بتاؤں گا۔ پہلے یہ ظاہر کر دوں۔ کہ عیسائیوں نے بھی ان دونوں اصولوں میں سخت بیہودہ پن ظاہر کیا ہے۔ حق اللہ میں تو دیکھ لیا کہ انہوں نے اس خدا کو چھوڑ دیا۔ جو موسیٰؑ اور دیگر راستبازوں اور پاکیزہ لوگوں پر ظاہر ہوا تھا اور ایک عاجز انسان کو خدا بنا لیا اور حقوق العباد کی وہ مٹی پلید کی کہ کسی طرح پر وہ درست ہونے میں نہیں آتے۔

انجیل کی ساری تعلیم ایک ہی طرف جھکی ہوئی ہے اور انسان کی کل قوتوں کی مربّی نہیں ہو سکتی۔ اوّل تو کفارہ کا مسئلہ مان کر پھر حقوق العباد کے اتلاف سے بچنے کے لئے کوئی وجہ ہی نہیں مل سکتی ہے۔ کیونکہ جب یہ مان لیا گیا ہے۔ کہ مسیح کے خون نے گناہوں کی نجاست کو دُور کر دیا ہے اور دھو دیا ہے۔ حالانکہ عام طور پر بھی خون سے کوئی نجاست دُور نہیں ہو سکتی

ہے تو پھر عیسائی بتائیں کہ وہ کونسی بات ہے جو حقیقت میں انہیں روک سکتی ہے کہ وہ دنیا میں فساد نہ کریں اور کیونکر یقین کریں چوری کرنے، بیگانہ مال لینے۔ ڈاکہ زنی۔ خون کرنے۔ جھوٹی گواہی دینے پر کوئی سزا ملے گی۔ اگر باوجود کفارہ پر ایمان لانے کے بھی گناہ گناہ ہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کفارہ کے کیا معنی ہیں۔ اور عیسائیوں نے کیا پایا۔

غرض حقوق العباد کو پورے طور پر ادا کرنے اور بجا لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوتوں کا مالک بنا کر بھیجا تھا اور اس سے منشا رہی تھا کہ اپنے محل پر ہم ان قوتوں سے کام لے کر نوعِ انسان کو فائدہ پہنچائیں۔ مگر انجیل کا سارا زور حلم اور نرمی ہی کی قوت پر ہے حالانکہ یہ قوت بعض موقعوں پر زہر قاتل کی تاثیر رکھتی ہے۔ اس لئے ہماری یہ تمدنی زندگی جو مختلف طبائع کے اختلاط اور ترکیب سے بنی ہے۔ اپنی ترکیب اور صورت ہی میں بالطبع یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے تمام قویٰ کو محل اور موقع پر استعمال کریں لیکن انجیل محل اور موقع شناسی کو تو پس پشت ڈالتی ہے اور اندھا دھند ایک ہی امر کی تعلیم دیتی ہے۔ کیا ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینا عملی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ اور کرتہ مانگنے والے کو جُبّہ دینے والے آپ نے بھی دیکھے ہیں اور کیا کوئی آدمی جو انجیل کی تعلیم کا عاشق زار ہو کبھی گوارا کر سکتا ہے۔ کہ کوئی شریر اور نابکار انسان اس کی بیوی پر حملہ کرے تو وہ لڑکی بھی پیش کر دے؟ ہرگز نہیں۔

جس طرح پر ہم کو اپنے جسم کی صحت اور صلاحیت کے لئے ضرور ہے کہ مختلف قسم کی غذائیں موسم اور فصل کے لحاظ سے کھائیں اور مختلف قسم کے لباس پہنیں ویسے ہی رُوح کی صلاحیت اور اس کی قوتوں اور خواص کے نشوونما کے واسطے لازم ہے کہ اس قاعدہ کو مدنظر رکھیں جسمانی تمدن میں جس طرح پر گرم سرد۔ نرم سخت۔ حرکت وسکون کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی صحت کے لئے مختلف قوتوں کا عطا ہونا ایسی صاف دلیل اس امر کی ہے کہ رُوح کی بھلائی کے لئے ان سے کام لینا ضروری ہے اور اگر ان مختلف قوتوں سے ہم کام نہیں لیتے یا نہ لینے کی تعلیم دیتے ہیں تو ایک خدا ترس اور غیور انسان کی نگاہ میں ایسا

معلّم خدا کی توہین کرنے والا ٹھہرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے اس طریق سے یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا نے یہ قوتیں لغو پیدا کی ہیں۔ پس اگر انجیل ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے اور دیتی ہے۔ تو میں آپ سے انصافاً پوچھتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر بتائیں کہ یہ خدا کے اس فعل کی ہتک نہیں ہے کہ اُس نے مختلف قوتیں اور استعدادیں انسان کی رُوح میں رکھ دی ہیں۔ اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ صرف نرمی اور حلم ہی کی قوت سے ساری قوتوں کا نشوونما ہو سکتا ہے۔ تو اس کی دانشمندی میں کوئی شک کرے گا۔ بحالیکہ خود خدا کی صفات بھی مختلف ہیں۔ اور اُن سے مختلف افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور خود کوئی عیسائی پادری ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ مثلاً سردی کے ایام میں بھی گرمی ہی کے لباس سے کام لے۔ اور ویسی غذاؤں پر گزارہ کرے یا ساری عمر ماں ہی کا دُودھ پیتا رہے۔ یا بچپن ہی کے چھوٹے چھوٹے کُرتے پاجامے پہنا کرے۔ غرض اس قسم کی تعلیم پیش کرتے ہوئے شرم آجاتی ہے۔ اگر ایمان اور خدا کا خوف ہو۔ اگر نرمی اور حلم ہی کافی تھا۔ تو پھر کیا یہ مصیبت پڑی کہ انجیل کے ماننے والوں کو دیوانی فوجداری جرائم کی سزاؤں کے لئے قانون بنانے پڑے۔ اور سیاست اور مُلک داری کے آئین کی ضرورت ہوئی۔ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیرنے والوں کو فوجوں اور پولیس کی کیا ضرورت!! خدا کے لئے کوئی غور کرے۔ پس اس اصول نے تمام حقوق العباد پر پانی پھیر دیا ہے۔ جبکہ ساری قوتوں ہی کا خون کر دیا۔ اب اس کے مقابل میں دیکھو کہ اسلام نے کیسی تعلیم دی اور کس طرح پر ساری قوتوں اور طاقتوں کا تکفل فرمایا۔ اسلام نے سب سے اوّل یہ بتایا ہے کہ کوئی قوت اور طاقت جو انسان کو دی گئی ہے۔ فی نفسہٖ وہ بُری نہیں ہے بلکہ اس کی افراط یا تفریط اور بُرا استعمال اُسے اخلاق ذمیمہ کی ذیل میں داخل کرتا ہے اور اس کا برمحل اور اعتدال پر استعمال ہی اخلاق ہے۔ یہی وہ اصول ہے۔ جو دوسری قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور قرآن نے جس کو بیان کیا ہے۔ اب اس اصول کو مدّ نظر رکھ کر وہ کہتا ہے۔ جزاؤا سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح[1] الآیہ۔ یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے لیکن جس نے عفو کیا اور اس عفو میں اصلاح بھی ہو۔ عفو کو تو ضرور رکھا ہے۔ مگر یہ نہیں کہ اس عفو سے شریر اپنی شرارت میں بڑھے یا تمدّن اور سیاست کے اُصولوں اور انتظام میں کوئی

[1] الشوریٰ: ۴۱

خلل واقع ہو بلکہ ایسے موقعہ پر سزا ضروری ہے۔ عفو اصلاح ہی کی حالت میں روا رکھا گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ تعلیم انسانی اخلاق کی متمم اور مکمل ہو سکتی ہے یا نرے طمانچے کھانے۔ قانون قدرت بھی پکار کر اسی کی تائید کرتا ہے اور عملی طور پر بھی اس کی ہی تائید ہوتی ہے۔ انجیل پر عمل کرنا ہے تو پھر آج ساری عدالتیں بند کر دو۔ اور دو دن کے لئے پولیس اور پہرہ اٹھا دو۔ تو دیکھو کہ انجیل کے ماننے سے کس قدر خون کے دریا بہتے ہیں۔ اور انجیل کی تعلیم اگر ناقص اور ادھوری نہ ہوتی تو سلاطین کو جدید قوانین کیوں بنانے پڑتے۔

غرض یہ حقوق العباد پر انجیل کی تعلیم کا اثر ہے۔ اب میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ دیانند نے جو وید کا خلاصہ ان دونوں اصولوں کے رُو سے پیش کیا ہے وہ کیا ہے۔ حق اللہ کے متعلق تو اُس نے یہ ظلم کیا ہے کہ مان لیا ہے کہ خدا کسی چیز کا بھی خالق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذرات اور ارواح خود بخود ہی اس کی طرح ہیں۔ وہ صرف اُن کا جوڑنے جاڑنے والا ہے۔ جس کو عربی زبان میں مؤلف کہتے ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر حق اللہ کا اتلاف اور کیا ہوگا۔ کہ اس کی ساری صفات ہی کو اُڑا دیا۔ اور عظیم الشان صفت خالقیت کا زور سے انکار کیا گیا جبکہ وہ جوڑنے جاڑنے والا ہی ہے۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ وہ ایک وقت مَر بھی جاوے گا۔ تو اس سے مخلوق پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ جب اُس نے اُسے پیدا ہی نہیں کیا۔ تو وہ اپنے وجود کے بقا اور قیام میں قائم بالذات ہیں۔ اُس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جوڑنے جاڑنے سے اس کا کوئی حق اور قدر ثابت نہیں ہوتی جبکہ اجسام اور روحوں میں مختلف قوتیں اتصال اور انفصال کی بھی موجود ہیں۔ رُوح میں بڑی بڑی قوتیں ہیں۔ جیسے کشف کی قوت۔ انسانی رُوح جیسی یہ قوت دکھا سکتا ہے اور کسی کا رُوح نہیں دکھا سکتا مثلاً گائے یا بیل کا۔ اور افسوس ہے کہ آریہ ان ارواح کو بھی معہ اُن کی قوتوں اور خواص کے خدا کی مخلوق نہیں سمجھتا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب یہ اشیاء اجسام اور ارواح خود بخود قائم بالذات ہیں اور اُن میں اتصال اور انفصال کی قوتیں بھی موجود ہیں تو وجود باری پر اُن کے وجود سے کیا دلیل لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سوٹا ایک قدم چل سکتا ہے دوسرے

قدم پر اس کے نہ چلنے کی کیا وجہ ؟

وجود باری پر دو ہی قسم کے دلائل ہو سکتے ہیں۔ اول تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کے وجود کیطرف ہم انتقال ذہن کا کرتے ہیں۔ وہ تو یہاں مفقود ہے۔ کیونکہ اس نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا۔ کچھ پیدا کیا ہو تو اس سے وجود خالق پر دلیل پیدا کریں۔ اور یا دوسری صورت خوارق اور معجزات کی ہوتی ہے اس سے وجود باری پر زبردست دلیل قائم ہوتی ہے مگر اس کے لئے دیانند نے اور سب آریوں نے اعتراف کیا ہے کہ وید میں کسی پیشگوئی یا خارق عادت امر کا ذکر نہیں اور معجزہ کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اب بتاؤ کہ کونسی صورت خدا کی ہستی پر دلیل قائم کرنے کی اُن کے عقیدہ کے رُو سے رہی۔ اور پھر اُن کا ایسا خدا ہے کہ کوئی ساری عمر کتنی ہی محنت و مشقت سے اُس کی عبادت کرے مگر اس کو ابدی نجات ملیگی ہی نہیں۔ ہمیشہ جُونوں کے چکّر میں اُسے چلنا ہوگا۔ کبھی کیڑا مکوڑا اور کبھی کچھ کبھی کچھ بننا ہوگا۔

حقوق العباد کے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ اُن میں **نیوگ** کا مسئلہ موجود ہے کہ اگر ایک عورت کے اپنے خاوند سے اَولاد نہ ہوتی ہو تو وہ کسی دوسرے مَرد سے ہمبستر ہو کر اَولاد پیدا کرلے اور کھانے پینے مقویات اور بستر وغیرہ کے سارے اخراجات اُس بیرج داتا کے اس خاوند کے ذمہ ہوں گے جو اپنی عورت کو اُس سے اَولاد لینے کی اجازت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر قابلِ شرم اَور کیا بات ہوگی۔ یہ تو مختصر سا نمونہ ہے۔ یہاں قادیان میں پنڈت سومراج ایک مدرّس تھا جو آریہ ہے اُس کو میں نے ایک جماعت کے رُوبرو بُلایا جس میں بعض ہندو بھی تھے۔ اور اُس سے یہ مسئلہ پوچھا تو اُس نے کہا ہاں جی کیا مضائقہ ہے۔ اب ہمیں تو اُس کے مُنہ سے یہ سُنکر تعجب ہی ہوا۔ دوسرے ہندو رام رام کرنے لگے۔ میں نے سُنکر کہا کہ بس آپ جائیے۔ غرض یہ ہے اُن میں حقوق العباد کا لحاظ۔

مسٹر عبد الحق صاحب۔ میں نے آپ کی کتاب آریہ دھرم پڑھی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سچا مذہب اور سچا عقیدہ اِن تین نشانوں یعنی نصوص، عقل اور تائید سماوی سے شناخت کیا جاتا ہے اور عیسائی مذہب کی بابت میں نے مختلف پہلوؤں سے مختصر طور پر آپ کو دکھایا ہے۔ کہ اس معیار پر پُورا نہیں اُترتا۔ یہودیوں

کی کتابوں میں اس تثلیث اور کفارہ کا کوئی پتہ نہیں اور کبھی وہ بیٹے خدا کے منتظر ہی نہ تھے اور عقل دُور سے دھکے دیتی ہے۔ نشانات کا یہ حال کہ ایمانداروں کے نشان کا پایا جانا بھی مشکل ہے۔ ایک بار فتح مسیح نام ایک عیسائی نے کہا تھا کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ میں نے جب اُسے کہا کہ تُو پیشگوئی کر تو گھبرایا اور مجھے کہا کہ ایک مضمون بند لفافہ میں رکھا جاوے اور آپ اس کا مضمون بتاویں۔ مجھے خدا تعالےٰ نے اطلاع دی کہ تو اس کو قبول کرلے۔ جب میں نے اُس کو بھی قبول کرلیا تو کئی سَو آدمیوں کے مجمع میں آخر پادری وائٹ بریخیٹ نے کہا کہ یہ فتح مسیح جھوٹا ہے۔ غرض حق ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اپنے ساتھ نصوص اور عقل کی شہادت کے علاوہ نور کی شہادت بھی رکھتا ہے۔ اور یہ شہادت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے اور یہی ایک نشان مذہب کی زندگی کا ہے کیونکہ جو مذہب زندہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس میں ہمیشہ زندگی کی رُوح کا پایا جانا ضروری ہے تا اُس کے زندہ خدا سے تعلق ہونے پر ایک روشن نشان ہو۔ مگر عیسائیوں میں یہ ہرگز نہیں ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں جو سائنس اور ترقی کا زمانہ کہلاتا ہے ایسے خارق عادت نشانوں کی بڑی بھاری ضرورت ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی ہستی پر دلائل ہوں۔ اب اس وقت اگر کوئی عیسائی مسیح کے گذشتہ معجزات جن کی ساری رونق تالاب کی تاثیر دُور کر دیتی ہے۔ سُنا کر اُس کی خدائی منوانا چاہے تو اس کے لئے لازمی بات ہے کہ وہ خود کوئی کرشمہ دکھائے ورنہ آج کوئی منطق یا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو ایسے انسان کی خدائی ثابت کر دکھائے جو ساری رات روتا رہے۔ اور اُس کی دُعا بھی قبول نہ ہو اور جس کی زندگی کے واقعات نے اُسے ایک ادنیٰ درجہ کا انسان ثابت کیا ہو۔ پس میں دعوےٰ سے کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس میں سچا ہوں اور تجربہ اور نشانات کی ایک کثیر تعداد نے میری سچائی کو روشن کردیا ہے۔ کہ اگر یسوع مسیح ہی زندہ خدا ہے اور وہ اپنے صلیب برداروں کی نجات کا باعث ہوا ہے اور اُن کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے باوجودیکہ اس کی خود دُعا قبول نہیں ہوئی تو کسی پادری یا راہب کو میرے مقابلہ پر پیش کرو۔ کہ وہ یسوع مسیح سے مدد اور توفیق پاکر کوئی خارق عادت نشان دکھائے میں اب میدان میں کھڑا ہوں اور میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں اپنے خدا کو دیکھتا ہوں وہ ہر وقت

میرے سامنے میرے ساتھ ہے۔ میں پکار کر کہتا ہوں مسیح کو مجھ پر زیادت نہیں کیونکہ میں **نورِ محمدی کا قائمقام ہوں**۔ جو ہمیشہ اپنی روشنی سے زندگی کے نشان قائم کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ تسلّی پانے کیلئے اور زندہ خدا کو دیکھنے کے لئے ہمیشہ رُوح میں ایک تڑپ اور پیاس ہے اور اُس کی تسلّی آسمانی تائیدوں اور نشانوں کے بغیر ممکن نہیں۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ عیسائیوں میں یہ نُور اور زندگی نہیں ہے بلکہ یہ حق اور زندگی میرے پاس ہے۔ میں ۲۶ برس سے اشتہار دے رہا ہوں اور تعجّب کی بات ہے کہ کوئی عیسائی پادری مقابلہ پر نہیں آتا۔ اگر اُن کے پاس نشانات ہیں تو وہ کیوں انجیل کے جلال کے لئے پیش نہیں کرتے۔ ایک بار میں نے سولہ ہزار اشتہار انگریزی اُردو میں چھاپ کر تقسیم کئے جن میں سے اب بھی کچھ ہمارے دفتر میں ہوں گے۔ مگر ایک بھی نہ اُٹھا جو یسوع کی خدائی کا کرشمہ دکھاتا اور اس بُت کی حمایت کرتا۔ اصل میں وہاں کچھ ہے ہی نہیں کوئی پیش کیا کرے۔ مختصر یہ کہ حق کی شناخت کے لئے یہ تین ہی ذریعے ہیں اور عیسائی مذہب میں تینوں مفقود ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اچھا موقع مل گیا ہے اور آپ یہاں آگئے ہیں۔ ان تقریروں کی ترتیب سے بہت فائدہ ہوگا۔ آپ ان کو خوب غور سے سُن لیا کریں اور پھر جب آپ کو اس میں کچھ کلام باقی نہ ہو تو اُس پر دستخط کر دیا کریں تاکہ ہمارا یہ وقت رائگاں نہ جاوے اور سُود مند ثابت ہو۔ سراج الدین کے لئے جو وقت ہم نے دیا ہے اگر اس طرح پر تقریر لکھی جاتی تو ایک حجّت رہتی۔ اُس نے اپنے عمل سے دوسروں کو بھی بدظنی کا موقع دیا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص جب ایک جگہ سچائی کو چھوڑتا ہے وہ دوسری جگہ سچائی سے کیونکر پیار کر سکتا ہے۔

مسٹر عبدالحق۔ ہاں مجھے دستخط کرنے میں کیا عُذر ہو سکتا ہے اور میرا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ بات یہ ہے کہ ساری جُرأت دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دل صاف ہے تو اُسے کوئی بات روک نہیں سکتی۔

مسٹر عبدالحق۔ میں نے جب یہاں آنے کا ارادہ کیا تو ایک عیسائی سے ذکر کیا تو اُس نے آپ کو گالی دی۔

اور مجھے یہ ناگوار معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ یہ تو بُری بات ہے گالی دینے کے کیا معنے۔ اس نے کہا کہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ میں نے کہا۔ انجیل میں تو لکھا ہے کہ دشمنوں سے پیار کرو یہ کہاں لکھا ہے کہ دشمنوں کو گالیاں دو۔ پھر میں نے مسٹر سراج الدین سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے بھی اُس کو اچھا نہ سمجھا۔ بعض آدمیوں کی حالت یہانتک پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ گالیاں دیتے ہیں اس کی تو مجھے پروا نہیں ہے۔ بہت سے خطوط گالیوں کے آتے ہیں۔ جن کا مجھے محصُول بھی دینا پڑتا ہے۔ اور کھولتا ہوں تو گالیاں ہوتی ہیں۔ اشتہاروں میں گالیاں دی جاتی ہیں اور اب تو کھُلے لفافوں پر گالیاں لکھ کر بھیجتے ہیں۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ اور خدا کا نُور کہیں بُجھ سکتا ہے۔ ہمیشہ نبیوں۔ راستبازوں کے ساتھ ناشکروں نے یہی سلوک کیا ہے۔ ہم جس کے نقش قدم پر آئے ہیں مسیح ناصری اس کے ساتھ کیا ہوا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا۔ ابتک ناپاک طبع لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ میں تو بنی نوع انسان کا حقیقی خیر خواہ ہوں۔ جو مجھے دشمن سمجھتا ہے وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ (اتنے میں مکان کے قریب پہنچ گئے اور حضرتؑ نے پھر فرمایا کہ) آپ مہمان ہیں۔ آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو مجھے بے تکلّف کہیں کیونکہ میں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے آجکل مہمانوں کی کثرت کیوجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں تو مجھے لکھ کر بھجدیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء)

(الحکم جلد ۶ نمبر ۵ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۷ فروری ۱۹۰۲ء)

تیسری ملاقات

۲۴ دسمبر ۱۹۰۱ء

مسٹر عبد الحق۔ کفارہ کا مسئلہ تو میں نے سمجھ لیا ہے۔ تثلیث کا ردّ کریں۔

حضرت مسیح موعودؑ۔ میں نے سب سے پہلے اسی لئے آپ کو کہا تھا کہ آپ اپنے اعتراض پیش

کریں۔ جو اسلام پر ہوتے ہیں اور خود اپنی تقریر کے ضمن میں جہاد، غلامی، تعدد ازدواج پر کچھ باتیں کی تھیں تاکہ آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے۔

میری رائے میں طالب حق کا فرض ہے کہ جو بات اس کے دل میں خلجان کرے اس کو فوراً پیش کر دے ورنہ وہ ایمان کو کمزور کرے گی اور رُوحانی قوتوں پر بُرا اثر ڈالے گی۔ جیسے کوئی خراب غذا کھا لے تو وہ اندر جا کر خرابی پیدا کرتی ہے اور قے یا دست کی صورت میں نکلتی ہے۔ اسی طرح کوئی گندہ عقیدہ اندر رہ کر فساد کرنے سے نہیں رُکتا۔ اور اُس کا فساد یہی ہے کہ انسان کے اخلاق چال چلن پر بُرا اثر ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایک مجذوم کی مانند بن جاتا ہے۔

پس جو چیز آپ کے دل میں کھٹکے آپ اُسے پوچھیں اور تثلیث کے رد میں مختصراً میں کہہ چکا ہوں اور اب میں آپ سے اُس کے دلائل سُننا چاہتا ہوں کیونکہ اُس کا بارِ ثبوت آپ پر ہے جو اسے مدار نجات ٹھیراتے ہیں اور ایک گروہ کثیر سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً ایک شخص ایک معمولی بات کے خلاف جو دُنیا نے مانی ہے کہ انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اور زبان سے چکھتا اور بولتا ہے اور کانوں سے سُنتا ہے یہ کہے کہ انسان آنکھ سے بولتا ہے اور کان سے دیکھتا ہے تو قانون کی رُو سے ثبوت اس کے ذمہ ہے اسی طرح پر تثلیث کا تو کوئی قائل نہیں۔ یہودی جو ابراہیمی سلسلہ میں ہیں وہ اس سے انکار کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ برخلاف اس کے توحید کی تعلیم ہے اور نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ پانی میں غرض کہیں بھی دوسرا خدا تجویز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر میں نے قانون قدرت سے آپ کو ثابت کر دکھایا کہ توحید ہی ماننی چاہیئے۔ پھر باطنی شریعت میں توحید کے نقوش ہیں۔ اب آپ جو نقل عقل اور باطنی شریعت کے خلاف کہتے ہیں کہ خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں تو یہ ثبوت آپ ہی کے ذمہ ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہمیں تو فقط اس کے سُننے ہی کا حق ہے کیونکہ نبیوں اور راستبازوں کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں اور خدا نے میرے دل کو اس سے پاک بنایا ہے کہ اس میں بے انصافی ہو۔ اس کا بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ رکیک تاویلوں سے کام نہیں چلتا اور نہ اُن

سے تسلی ہو سکتی ہے۔ آپ خود دل میں انصاف کریں کہ راستباز کے بغیر کوئی وہ کام نہ کریگا جو میں کرتا ہوں۔

پس آپ جس قدر مفصّل اس پر لکھ سکیں وہ لکھ کر سُنا دیں مگر اتنا یاد رکھیں کہ دعویٰ اپنے نفس میں ابہام رکھتا ہے بعض آدمیوں کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ دعوے کے لئے دلیل ایک روشن چراغ ہوتی ہے۔ پس دعویٰ اور دلیل میں فرق کر لینا ضروری ہے۔ (اس پر مسٹر عبدالحق نے کہا کہ میں کل لکھ کر سُنا دونگا اور حضرت اقدس تشریف لے گئے)

(الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۳ پرچہ ۱۴ ر فروری ۱۹۰۲ء)

چوتھی ملاقات

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۱ء

آج احباب بہت کثرت سے آگئے تھے۔ اور لاہور۔ وزیر آباد۔ راولپنڈی۔ علاقہ کابل۔ جموں گوجرانوالہ۔ امرتسر۔ کپورتھلہ۔ لودھانہ۔ ساتھر وغیرہ مقامات سے اکثر دوست آچکے تھے حضرت اقدسؑ حسب معمول سیر کو نکلے اور خدام کے زمرہ میں یہ نُورِ خدا چلا۔ احباب کا پروانوں کی طرح ایک دوسرے پر گرنا بھی بجائے خود دیکھنے والے کے لئے ایک عجیب نظارہ تھا۔ الغرض مسٹر عبدالحق صاحب نے کل کے حضرت اقدسؑ کے ارشاد کے موافق ایک مختصر سی تحریر پڑھ کر سُنائی جو اُن کے اپنے خیال میں تثلیث اور مسیح کی الوہیت کے دلائل پر مشتمل تھی۔ اس کو سُن لینے کے بعد حضرت اقدسؑ نے اپنا سلسلہ کلام یُوں شروع فرمایا۔

تثلیث و اُلوہیّتِ مسیح کا رَدّ

اصل بات یہ ہے کہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے اور اس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کر سکتا کہ ہر آدمی جس غلطی میں مبتلا ہے یا جس غلط خیال میں گرفتار ہے وہ اس کے لئے اپنے پاس کوئی نہ کوئی وجوہات رکھکر ضرور رکھتا ہے مگر دانشمند اور سلیم الفطرت انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اُن کی

توزین کر کے اصل نتیجہ کو جو سچائی ہوتی ہے تلاش کرنے لگتا ہے۔ اب اسی اصول کے موافق عیسائیوں نے بھی اپنے اس عقیدہ تثلیث کے موافق کچھ باتیں بنا رکھی ہیں جن کو وہ دلائل قرار دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں مگر ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دلائل کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔ اور ان میں کہاں تک قوت اور زور ہے۔ جس حال میں عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی موجود ہیں جو مسیح کی الوہیت اور خدائی کے قائل نہیں اور نہ وہ تثلیث ہی کو مانتے ہیں جیسے مثلاً یونی ٹیرین تو کیا وہ اپنے دلائل اور وجوہات انجیل سے بیان نہیں کرتے وہ بھی تو انجیل ہی پیش کرتے ہیں۔ اب اگر صراحتاً بلاتاویل انجیل میں مسیح کی الوہیت یا تثلیث کا بیان ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ یونی ٹیرین فرقہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ وہ انجیل کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح دوسرے عیسائی۔

جو پیشگوئیاں توریت کی پیش کی جاتی ہیں ان کے متعلق بھی ان لوگوں نے کلام کی ہے۔ اور ایک یونی ٹیرین کی بعض تحریریں بھی میرے پاس ابتک موجود ہیں۔ کیا انہوں نے ان کو نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا۔ قرآن شریف نے کیا خوب کہا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ[۱]

میری مراد اس کے بیان کرنے سے صرف یہ ہے کہ تاویلات رکیکہ اور ظنی باتیں تو ایک باطل پرست بھی پیش کرتا ہے مگر کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ہم اس پر پورا غور کریں۔ یونیٹیرین لوگوں نے تثلیث پرستوں کے بیانات ان پیشگوئیوں کے متعلق سنکر کہا ہے کہ یہ قابل شرم باتیں ہیں جو پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں اور اگر تثلیث اور الوہیت مسیح کا ثبوت اسی قسم کا ہو سکتا ہے تو پھر بائیبل سے کیا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک محقق کے لئے غور طلب بات یہ ہے۔ کہ وہ ان کو پڑھ کر ایک امر تنقیح طلب قرار دے اور پھر اندرونی اور بیرونی نگاہ سے اس کو سوچے۔ اب ان پیشگوئیوں کے متعلق جہانتک میں کہہ سکتا ہوں یہ امر قابل غور ہیں:۔

اوّل۔ کیا ان پیشگوئیوں کی بابت یہودیوں نے بھی (جن کی کتابوں میں یہ درج ہیں) یہی سمجھا ہوا تھا کہ ان سے تثلیث پائی جاتی ہے یا مسیح کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوم۔ کیا مسیح نے خود بھی تسلیم کیا کہ یہ پیشگوئیاں میرے ہی لئے ہیں۔ اور پھر اپنے آپ کو

[۱] الروم: ۳۳

اُن کا مصداق قرار دے کر مصداق ہونے کا عملی ثبوت کیا دیا؟ اب اگرچہ یہ ایک لمبی بحث بھی ہو سکتی ہے کہ کیا درحقیقت وہ پیشگوئیاں اصل کتاب میں اسی طرح درج ہیں یا نہیں مگر اس کی کچھ چنداں ضرورت نہ سمجھ کر ان دو تنقیح طلب امور پر نظر کرتے ہیں۔

یہودیوں نے جو اصل وارث کتاب توریت ہیں اور جن کی بابت خود مسیح نے کہا ہے کہ وہ موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں۔ کبھی بھی ان پیشگوئیوں کے یہ معنے نہیں کئے جو آپ یا دوسرے عیسائی کرتے ہیں اور وہ کبھی بھی مسیح کی بابت یہ خیال رکھ کر کہ وہ تثلیث کا ایک جزو ہے منتظر نہیں چنانچہ میں نے اس سے پہلے بہت واضح طور پر اس کے متعلق سُنایا ہے۔ اور عیسائی لوگ محض زبردستی کی راہ سے ان پیشگوئیوں کو حضرت مسیح پر جماتے ہیں جو کسی طرح بھی نہیں جمتی ہیں ورنہ علماء یہود کی کوئی شہادت پیش کرنی چاہیئے کہ کیا وہ اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ جو تم لیتے ہو۔

پھر انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو (وہ کوئی بہت بڑی کتاب نہیں) اُس میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا۔ کہ حضرت مسیح نے ان پیشگوئیوں کو پُورا نقل کر کے کہا ہو کہ اس پیشگوئی کے رُو سے میں خدا ہوں اور یہ میری اُلوہیت کے دلائل ہیں۔ کیونکہ نرا دعویٰ تو کسی دانشمند کے نزدیک بھی قابل سماعت نہیں ہے۔ اور یہ بجائے خود ایک دعویٰ ہے کہ ان پیشگوئیوں میں مسیح کو خدا بنایا گیا ہے۔ مسیح نے خود کبھی دعویٰ نہیں کیا تو کسی دوسرے کا خواہ مخواہ اُن کو خدا بنانا عجیب بات ہے۔

اور پھر اگر بفرض محال کیا بھی ہو تو اس قدر تناقض اُن کے دعویٰ اور افعال میں پایا جاتا ہے کہ کوئی عقلمند اور خداترس اُن کو پڑھ کر انہیں خدا نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ کوئی بڑا عظیم الشان انسان کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ انجیل کے اس دعویٰ کو رد کرنے کے لئے تو خود انجیل ہی کافی ہے کیونکہ کہیں مسیح کا ادّعا ثابت نہیں بلکہ جہاں اُن کو موقع ملا تھا کہ وہ اپنی خدائی منوا لیتے وہاں انہوں نے ایسا جواب دیا کہ ان ساری پیشگوئیوں کے مصداق ہونے سے گویا انکار کر دیا اور اُن کے افعال اور اقوال جو انجیل میں درج ہیں وہ بھی اسی کے مؤید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ خدا کے لئے تو یہ ضرور ہے کہ اُس کے

افعال اور اقوال میں تناقض نہ ہو۔ حالانکہ انجیل میں صریح تناقض ہے۔ مثلاً مسیح کہتا ہے کہ باپ کے سوا کسی کو قیامت کا علم نہیں ہے۔ اب یہ کیسی تعجب خیز بات ہے کہ اگر باپ اور بیٹے کی عینیت ایک ہی ہے تو کیا مسیح کا یہ قول اس کا مصداق نہیں کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ کیونکہ ایک مقام پر تو دعویٰ خدائی اور دوسرے مقام پر الوہیت کے صفات کا انکار۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں مسیح پر بیٹے کا لفظ آیا ہے اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ انجیل محرف یا مبدل ہے بائبل کے پڑھنے والوں سے یہ ہرگز مخفی نہیں ہے کہ اس میں بیٹے کا لفظ کس قدر عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت لکھا ہے کہ اسرائیل فرزند من است بلکہ نخست زادہ من است۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا اور خدا کی بیٹیاں بھی بائبل سے تو ثابت ہوتی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے کہ تم خدا ہو اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا۔ اب ہر ایک منصف مزاج دانشمند غور کر سکتا ہے کہ اگر ابن کا لفظ عام نہ ہوتا تو تعجب کا مقام ہوتا لیکن جبکہ یہ لفظ عام ہے اور آدم کو بھی شجرۂ ابناء میں داخل کیا گیا ہے اور اسرائیل کو نخست زادہ بتایا گیا ہے اور کثرت استعمال نے ظاہر کر دیا ہے کہ مقدسوں اور راستبازوں پر یہ لفظ حسن ظن کی بناء پر بولا جاتا ہے۔ اب جبتک مسیح پر اس لفظ کے اطلاق کی خصوصیت نہ بتائی جاوے کہ کیوں اس ابنیت میں وہ سارے راستبازوں کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے اس وقت تک یہ لفظ کچھ بھی مفید اور مؤثر نہیں ہو سکتا کیونکہ جب یہ لفظ عام اور قومی محاورہ ہے تو مسیح پر اُن سے کوئی نرالے معنے پیدا نہیں کر سکتا۔ میں اس لفظ کو مسیح کی خدائی یا ابنیت یا الوہیت کی دلیل مان لیتا اگر یہ کسی اَور کے حق میں نہ آیا ہوتا۔

میں سچ سچ کہتا ہوں اور خدا تعالےٰ کے خوف سے کہتا ہوں کہ ایک پاک دل رکھنے والے اور سچے کانشنس والے کے لئے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہو سکتی اور ان الفاظ کی کچھ بھی وقعت نہیں ہو سکتی جبتک یہ ثابت کر کے نہ دکھایا جاوے کہ کسی اور شخص پر یہ لفظ کبھی نہیں آئے اور یا آئے تو ہیں مگر مسیح ان وجوہات قویہ کی بناء پر اَوروں سے ممتاز اور خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ تو دو رنگی ہے کہ مسیح کے لئے یہی لفظ آئے تو وہ خدا بنایا جاوے اور دوسروں پر اس کا اطلاق ہو تو وہ بندے کے بندے

اگر یہ اعتقاد کیا جاوے کہ خدا خود ہی آکر دنیا کو نجات دیا کرتا ہے یا اس کے بیٹے ہی آتے ہیں۔ تو پھر دَور لازم آئے گا۔ اور ہر زمانہ میں نیا خدا یا اس کے بیٹوں کا آنا ماننا پڑے گا۔ جو صریح خلاف بات ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اَور بات قابل غور ہے کہ وہ کیا نشانات تھے۔ جن سے حقیقتاً مسیح کی خدائی ثابت ہوتی۔ کیا مُعجزات ؟ اوّل تو سرے سے ان معجزات کا کوئی ثبوت ہی نہیں کیونکہ انجیل نویسوں کی نبوت ہی کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر ہم اس سوال کو درمیان نہ بھی لائیں اور اس بات کا لحاظ نہ کریں کہ انہوں نے ایک محقق اور چشم دید حالات لکھنے والے کی حیثیت سے نہیں لکھے۔ تب بھی ان معجزات میں کوئی رونق اور قوت نہیں پائی جاتی جبکہ ایک تالاب ہی کا قصہ مسیح کے سارے معجزات کی رونق کو دُور کر دیتا ہے اور مقابلتاً جب ہم انبیاء سابقین کے معجزات کو دیکھتے ہیں تو وہ کسی حالت میں مسیح کے معجزات سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ بائبل کے مطالعہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ پہلے نبیوں سے مُردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے۔ بلکہ بعض کی ہڈیوں سے مُردوں کا لگ کر بھی زندہ ہونا ثابت ہے حالانکہ مسیح کے خیالی معجزات میں ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ مسیح کی لاش نے کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا پھر بتاؤ کہ مسیح کو کونسی چیز خدا بنا سکتی ہے

کیا پیشگوئیاں ؟ ان کی حقیقت میں نے پہلے بتادی ہے کہ مسیح کی پیشگوئیاں پیشگوئی کا رنگ ہی نہیں رکھتی ہیں جو باتیں پیشگوئی کے رنگ میں مندرج ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک معمولی آدمی بھی اُن سے بہتر باتیں کہہ سکتا ہے اور قیافہ شناس مدبّر کی پیشگوئیاں اُن سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر اس وقت مسیح ہوتے تو جسقدر عظیم الشان تائیدی نشان پیشگوئیوں کے رنگ میں اب خدا نے میرے ہاتھ پر صادر کئے ہیں وہ ان کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتے اور اپنی پیشگوئیوں کا کہ زلزلے آئیں گے۔ مری اور قحط پڑیں گے یا مُرغ بانگ دیگا کبھی مارے ندامت کے نام نہ لیتے۔

پھر آپ ہی ہمیں بتائیں کہ کس طرح پر ہم مسیح کو مانیں کہ وہ خدا تھا۔ خدائی کا دعویٰ اُن میں نہیں صُحف سابقہ کی پیشگوئیوں کے اپنے متعلق ہونے کا انہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ اپنے

متعلق ہونے کا کوئی ثبوت دیا۔ پھر سلب صفات خدائی کو ہم ان میں دیکھتے ہیں۔ قیامت کی بابت انہیں اقرار ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ باپ اور بیٹے کے باوجود متحد فی الوجود ہونے کے ایک کا عالم دوسرے کا جاہل ہونا قابل لحاظ ہے۔ تقدس کا یہ حال کہ خود کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔ صرف باپ ہی کو نیک ٹھیراتا ہے۔ پھر یہ اختلاف بھی باپ بیٹے کی عینیت کے خلاف ہے۔ صرف ابن کا لفظ اُن کی خدائی کو ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حقیقت اور مجاز میں باہم تفریق کرنے کے ہم مجاز نہیں ہو سکتے۔ کہ کہدیں کہ یہاں تو حقیقت مراد ہے اور فلاں جگہ مجاز ہے۔ یہی لفظ یا اس سے بھی بڑھ کر جب دوسرے انبیاء اور راستبازوں اور قاضیوں پر بولا جاوے تو وہ نرے آدمی رہیں اور مسیح پر بولا جاوے۔ تو وہ خود خدا اور ابن بن جاویں۔ یہ تو انصاف اور راستی کے خلاف ہے۔ اور پھر گویا نئی شریعت اور نئی کتاب بنانا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

پادریوں نے خیالی اور فرضی طور پر مسیح کی خدائی کے ثبوت کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ مگر آجتک ایک بھی رسالہ یا تحریر اُن کی میری نظر سے نہیں گزری اور کوئی پادری میں نے نہیں دیکھا۔ جس نے مسیح کے معجزات کے چہرہ سے تالاب کے قصہ کے داغ کو دُور کیا ہو اور جب تک انجیل میں یہ قصہ درج ہے۔ یہ داغ اُٹھ نہیں سکتا۔ میں بار بار آپ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدا تعالے کی صفات کو دیکھو۔ رہا پولوس جس کی باتوں سے خدائی نکالی جاتی ہے۔ وہ اپنے چال چلن کے لحاظ سے بجائے خود غیر معتبر اور اس کے لئے مسیح کی کوئی پیشگوئی نہیں۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایک دانشمند اُسے خدا کس طرح مان لے۔ ایسے خدا کی کوئی پرستش کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ مسیح کی زندگی اس کی پوری ناکامی اور نامرادی کی تصویر ہے آج وہ زندہ ہوتے تو اُن کو وہ نشانات دیکھ کر جو اس مسیح کے ہاتھ پر صادر ہو رہے ہیں شرمندہ ہونا پڑتا۔ کیا یہی قبولیت دعا ہوتی ہے کہ ساری رات چلّاتا رہا۔ اور کسی نے بھی نہ سُنا۔ اور آخری ساعت میں خدا کا شکوہ کرتا ہوا رخصت ہوا کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔

خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا اور تائیدی نشانات دکھائے

اس وقت جو خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے اور جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے

ہیں اُن کی نظیر تو پیش کرو۔ مثلاً یہی ڈگلس کا مقدمہ جو دیندار پادریوں کی کوشش اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والوں کی طرف سے کیا گیا۔ کئی سَو آدمی اس بات کے گواہ موجود ہیں کہ کس طرح پر قبل از وقت کُل واقعات سے اطلاع دی گئی اور خدا نے کسطرح ہر قسم کی ذلت سے محفوظ رکھا۔

پہلے امرتسر میں جب یہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ تو ڈپٹی کمشنر نے چالیس ہزار کی ضمانت کیساتھ وارنٹ جاری کر دیا۔ مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ اُسے جاری نہ کر سکا۔ وہ اس کی کتاب میں رہ گیا۔ پیچھے جب اُسے یہ معلوم کرایا گیا کہ ایسے وارنٹ کا اجرا ناجائز ہے تو اُس نے گورداسپور تار دی کہ وارنٹ رد کا جاوے مگر وہاں پہنچا ہی نہ تھا۔ آخر یہ مقدمہ چلا۔ عیسائیوں نے ہر طرح سے میرے سزا دلانے میں سعی کی مگر خدا نے اپنی قدرت کا نشان دکھایا۔ اور میری اہانت چاہنے والوں کی اہانت کی۔ ڈگلس صاحب نے نہایت عزت و احترام سے مجھے بُلایا اور کُرسی دی۔ حالانکہ مجھے ان باتوں کی ایک ذرہ بھی پرواہ نہیں۔ آریہ اور بعض مسلمان بھی اُن کے شریک تھے۔ پنڈت رام بھجدت پلیڈر جو آریہ ہے وہ بلا فیس آتا تھا اور اُس نے مجھے خود کہا کہ وہ اس لئے شریک ہوا ہے کہ لیکھرام کے قاتل کا پتہ مل جاوے۔ محمد حسین گواہ ہو کر آیا اور کُرسی مانگ کر بہت ذلیل ہوا۔ آخر جب ساری کارروائی ہو چکی اور عبد الحمید نے صاف اقرار کر لیا۔ کہ مجھے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ پُوری مسل مرتب ہو جانے پر خدا نے اپنی قدرت کی چمکار دکھائی اور ڈگلس کے دل میں ڈال دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اُس نے کپتان لیمارچنڈ کو کہا کہ میرا دل اطمینان نہیں پاتا۔ پھر عبد الحمید سے دریافت کرو۔

آخر عبد الحمید نے اصل راز بتا دیا کہ مجھے سکھایا گیا تھا۔ پھر ڈپٹی کمشنر کو تار دیا گیا اور نتیجہ وہی ہوا جس کی خبر مقدمہ کے نام و نشان سے بھی پہلے تمام شہروں میں شائع ہو چکی تھی۔ ایسا ہی لیکھرام کا نشان اور صدہا نشان ہیں۔

جماعت کے لحاظ سے بھی اگر دیکھا جاوے تو مسیح ناکام اُٹھا۔ حواریوں نے سامنے قسمیں کھائیں اور لعنت کی۔ ادھر یہ حال ہے کہ ہمارے ایک مخلص دوست عبد الرحمٰن نام کو جو نواح کابل میں رہتا تھا۔ محض ہماری وجہ سے ایک سال تک قید رکھا گیا۔ کہ وہ توبہ کرے مگر اُس نے موت کو انکار پر ترجیح دی۔

آخر کہتے ہیں کہ اُسے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا اور جیسا اُس نے کہا تھا مرنے کے بعد ایک نشان اُس کا ظاہر ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی متاع پولوس کی باتوں پر ہار دیتے ہیں علاوہ براں انجیل کا ایک بہت بڑا حصہ بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مثلاً جب مسیح کو یہودیوں نے اس کے اس کفر کے بدلے میں کہ یہ ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پتھراؤ کرنا چاہا تو اُس نے انہیں صاف کہا کہ کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔ اب ایک دانشمند خوب سوچ سکتا ہے کہ اس الزام کے وقت تو چاہیئے تھا۔ مسیح اپنی پوری بریت کرتے اور اپنی خدائی کے نشان دکھا کر انہیں ملزم کرتے اور اس حالت میں کہ ان پر کفر کا الزام لگایا گیا تھا۔ تو اُن کا فرض ہونا چاہیئے تھا کہ اگر وہ فی الحقیقت خدا یا خدا کے بیٹے ہی تھے۔ تو یہ جواب دیتے کہ یہ کفر نہیں بلکہ میں واقعی طور پر خدا کا بیٹا ہوں۔ اور میرے پاس اس کے ثبوت کے لئے تمہاری ہی کتابوں میں فلاں فلاں موقع پر صاف لکھا ہے کہ میں قادر مطلق عالم الغیب خدا ہوں اور لاؤ میں دکھا دوں اور پھر اپنی قدرتوں طاقتوں سے ان کو نشانات خدائی بھی دکھا دیتے۔ اور وہ کام جو انہوں نے خدائی کے پہلے دکھائے تھے ان کی فہرست الگ دیدیتے۔ پھر ایسے بین ثبوت کے بعد کس یہودی فقیہہ یا فریسی کی طاقت تھی کہ انکار کرتا وہ تو ایسے خدا کو دیکھ کر سجدہ کرتے۔ مگر برخلاف اس کے آپ نے کیا تو یہ کیا کہہ دیا کہ تمہیں خدا لکھا ہے۔ اب خداترس دل لے کر غور کرو۔ کہ یہ اپنی خدائی کا ثبوت دیا یا ابطال کیا۔ غرض یہ باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ بس اس کو آپ ہی کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔ توراۃ۔ اسلام۔ قانون قدرت۔ باطنی شریعت توحید کی شہادت دیتے ہیں۔ اور عیسائی یسوع کی خدائی کے یہ دلائل دیتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس کی بشارتیں ہیں (جن کو یہودیوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ خود خدا یا اس کے کسی بیٹے کے لئے ہیں بلکہ وہ مسیح کے آنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں) اور پھر انجیل کے بعض اقوال بتاتے ہیں کہ اس کا یہ حال ہے کہ اصل کا پتہ ہی نہیں کیونکہ اصل زبان مسیح کی عبرانی تھی اور خود مسیح اپنی الگ انجیل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسیح نے کہیں اپنی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہودیوں کے پتھراؤ کرنے پر اور اس کفر کے الزام پر ان کا قومی اور کتابی محاورہ پیش کر کے نجات پائی۔ اپنی خدائی کا کوئی قوی ثبوت نہ دیا۔

اور اپنے سے کبھی فوق العادت کام کو نہ دکھایا۔ معجزات کا وہ حال پیشگوئیوں کی وہ حالت۔ علم کی یہ صورت کہ اتنا پتہ نہیں کہ انجیر کے درخت کو اِس وقت پھل نہیں ہوگا۔ اختیار کا یہ حال کہ اُسے لگا نہیں سکا۔ ساعت کا علم نہیں دے سکتا۔ ضعف و ناتوانی اتنی کہ طمانچے اور کوڑے کھاتا ہوا صلیب پر چڑھتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ خدا کا بیٹا ہے تو اُتر آ۔ اُترنا تو درکنار اُن کو کچھ جواب بھی نہیں دے سکتا۔ چال چلن کا وہ حال کہ اُستاد بھی عاق کر دیتا ہے اور یہودیوں کے الزامات کئی پُشت تک اُوپر ہوتے ہیں اور کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۳ پرچہ ۱۴ فروری سنہ ۱۹۰۲ء)

۲۶ دسمبر سنہ ۱۹۰۱ء

مسیح کے حالات از رُوئے بائیبل

اور پھر مسیح کے حالات کو پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ شخص کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکتا کہ نبی بھی ہو۔ چہ جائیکہ خدا یا خدا کا بیٹا۔

تدبیرِ عالم اور جزا و سزا کے لئے عالم الغیب ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کی عظیم الشان صفت ہے۔ مگر میں ابھی دکھا آیا ہوں کہ اُسے قیامت تک کا علم نہیں اور اتنی بھی اُسے خبر نہ تھی کہ بے موسم انجیر کے درخت کے پاس شدّت بھوک سے بیقرار ہو کر پھل کھانے کو جاتا ہے اور درخت کو جسے بذات خود کوئی اختیار نہیں ہے کہ بغیر موسم کے بھی پھل دے سکے۔ بد دُعا دیتا ہے۔ اوّل تو خدا کو بھوک لگنا ہی تعجب خیز امر ہے۔ اور یہ خوبی صرف انجیلی خدا ہی کو حاصل ہے کہ بھوک سے بیقرار ہوتا ہے۔ پھر اس پر لطیفہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اتنا علم بھی نہیں ہے کہ اس درخت کو پھل نہیں ہے اور پھر اگر یہ علم نہ تھا تو کاش کوئی خدائی کرشمہ ہی وہاں دکھاتے اور بے بہارے پھل اس درخت کو لگا دیتے۔ تا دُنیا کے لئے ایک نشان ہو جاتا۔ مگر اس کی بجائے بد دُعا دیتے ہیں۔ اب ان ساری باتوں کے ہوتے یسُوع کو خدا بنایا جاتا ہے؟ میں آپ کو سچی خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تکلّف سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص ایک ہی وقت میں اپنی دو حیثیتیں بناتا ہے۔ باپ بھی بیٹا بھی۔ خدا بھی اور انسان

بھی۔کیا ایسا شخص دھوکہ نہیں دیتا ہے ؟

انجیل کے جن مقامات کا آپ ذکر کرتے ہیں وہاں سیاق و سباق پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کی خدائی کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو اس کی انسانیت ہی کو ثابت کرتے ہیں اور انسانیت کے لحاظ سے بھی اُسے عظیم الشان انسانوں کی فہرست میں داخل نہیں کرتے۔جب اُسے نیک کہا گیا تو اُس نے انکار کیا۔ اگر اس کی رُوح میں بقول عیسائیاں کامل تطہر اور پاکیزگی تھی۔پھر وہ یہ بات کیوں کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔علاوہ بریں یسوع کی زندگی پر بہت سے اعتراض اور الزام لگائے گئے ہیں اور جس کا کوئی تسلی بخش جواب آج تک ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

ایک یہودی نے یسوع کی سوانحعمری لکھی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔اس نے لکھا ہے کہ یسوع ایک لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔اور اپنے اُستاد کے سامنے اس کے حُسن وجمال کا تذکرہ کر بیٹھا۔ تو اُستاد نے اُسے عاق کر دیا اور انجیل کے مطالعہ سے جو کچھ مسیح کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔وہ آپ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔کہ کس طرح پر وہ نامحرم نوجوان عورتوں سے ملتا تھا اور کس طرح پر ایک بازاری عورت سے عطر ملواتا تھا۔ اور یسوع کی بعض نانیوں اور دادیوں کی جو حالت بائبل سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ان میں سے تین جو مشہور و معروف ہیں۔اُن کے نام یہ ہیں۔بنت سبع۔راحاب۔تمر۔اور پھر یہودیوں نے اس کی ماں پر جو کچھ الزام لگائے ہیں۔وہ بھی ان کتابوں میں درج ہیں۔ان سب کو اگر اکٹھا کرکے دیکھیں۔تو اس کا یہ قول کہ مجھے نیک نہ کہو۔اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے اور یہ فروتنی یا انکسار کے طور پر ہرگز نہ تھا جیسا بعض عیسائی کہتے ہیں۔اب میں پوچھتا ہوں کہ جس شخص کے اپنے ذاتی چال چلن کا یہ حال ہو اور حسب نسب کا یہ تو کیا خدا ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔یہ باتیں اللہ تعالٰے کے تقدس کے صریح خلاف ہیں۔خدا اپنی قدرت سے کبھی الگ نہیں ہوا۔اور یسوع کی نسبت صاف معلوم ہے۔کہ پورا ناتواں اور بے علم تھا۔پھر یسوع کی راستبازی میں کلام ہے۔پہلے کہا کہ میں داؤد کا تخت قائم کرنے کے

واسطے آیا ہوں اور حواریوں کو کپڑے بیچ کر تلواریں خریدنے کی بھی تعلیم دی۔ لیکن جب دال گلتی نظر نہ آئی تو اُس کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آسمانی بادشاہت ہے کیا داؤد کا تخت آسمانی تھا۔

اصل یہ ہے کہ ابتدا میں اُسے خیال نہ تھا کہ کوئی مخبری کی جاوے گی لیکن آخر جب مخبری ہوئی اور عدالتوں میں طلبی ہوئی تو آنکھ کھلی اور آسمانی سلطنت پر اُسے ٹالا۔

بھلا اس قسم کے ضُعف اور بے علمی اور ایسے چال چلن کے ہوتے ہوئے کہیں خدا بننا۔ کہیں بیٹا کہلانا اور انسان ہونا یہ ساری باتیں ایک ہی وقت میں جمع ہو جائیں کس قدر حیرت کو بڑھانے والی ہیں۔

پولُوس کا اجتہاد اور یسُوع کی عاجزی

باقی رہا پولُوس کا اجتہاد یا اُس کے اقوال۔ جن لوگوں نے پولوس کے چال چلن پر غور کی ہے اور جیسا کہ اس کے بعض خطوط کے فقرات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر مذہب والے کے رنگ میں ہو جاتا تھا تمہیں خوب معلوم ہے اور اس کے حالات میں آزاد خیال لوگوں نے لکھا ہے۔ کہ اچھے چال چلن کا آدمی نہ تھا۔ بعض تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک کاہن کی لڑکی پر عاشق تھا اور ابتدا میں اُس نے بڑے بڑے دُکھ عیسائیوں کو دیئے اور بعد میں جب کوئی راہ اُسے نہ ملی اور اپنے مقصد میں کامیابی کا کوئی ذریعہ اُسے نظر نہ آیا تو اس نے ایک خواب بنا کر اپنے آپ کو حواریوں کا جمعدار بنا لیا۔ خود عیسائیوں کو اِس کا اعتراف ہے کہ وہ بڑا سنگدل اور خراب آدمی تھا اور یُونانی بھی پڑھا ہوا تھا۔ میں نے جہاں تک غور کی ہے۔ مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ ساری خرابی اس لڑکی ہی کے معاملہ کی تھی اور عیسائی مذہب کے ساتھ اپنی دشمنی کامل کرنے کے لئے اس نے یہ طریق آخری سوچا کہ اپنا اقتدار جمانے کے لئے ایک خواب سُنا دی اور عیسائی ہو گیا۔ اور پھر یسُوع کی تعلیم کو اپنے طرز پر ایک نئی تعلیم کے رنگ میں ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ عیسائی مذہب کی خرابی اور اس کی بدعتوں کا اصل بانی یہی شخص ہے اور اس کے سوا میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شخص ایسا ہی عظیم الشان تھا اور واقعی یسُوع کا رسُول تھا اور اس قدر انقلاب عظیم کا موجب ہونیوالا تھا کہ خطرناک مخالفت کے بعد پھر یسُوع کا رسُول ہونے

کو تھا تو ہمیں دکھاؤ کہ اس کی بابت کہاں پیشگوئی کی گئی ہے کہ ان صفات والا ایک شخص ہوگا اور اُس کا نام ونشان دیا ہو اور یہ بھی بتایا ہو کہ وہ یسوع کی خدائی ثابت کریگا۔ ورنہ یہ کیا اندھیر ہے کہ پطرس کے لعنت کرنے اور یہودا اسکریوطی کے گرفتار کرانے کی پیشگوئی تو یسوع صاحب کر دیں اور اتنے بڑے عیسوی مذہب کے مجتہد کا کچھ بھی ذکر نہ ہو۔

اِس لئے اِس شخص کی کوئی بات بھی قابلِ سند نہیں ہوسکتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وُہ کون سے دلائل ہیں۔ وہ بجائے خود نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ میں بار بار یہی کہتا ہُوں اور اس لئے مکرر سہ کرر اس بات کو بیان کرتا ہوں کہ آپ سمجھ لیں کہ انجیل ہی کو یسُوع کی خدائی کے ردّ کرنے کے لئے آپ پڑھیں۔ وہ خود ہی کافی طور پر اس کی تردید کر رہی ہے۔ اگر وہ خدا تھا تو کیوں اس نے بالکل نرالی طرز کے مُعجزات نہ دکھائے۔ میں نے تحقیق کر لیا ہے کہ اُن کے معجزات کی حقیقت سلبِ امراض سے کچھ بھی بڑھی ہوئی نہ تھی۔ جس میں آجکل یورپ کے مسمریزم کرنے والے اور ہندو اور دوسرے لوگ بھی مشّاق ہیں اور خیالات ایسے بیہودہ اور سطحی تھے کہ صرع کے مریض کو کہتا ہے کہ اس میں جنّ گھُسا ہوا ہے۔ حالانکہ اگر صرع کے مریض کو کونین۔ کچلہ۔ فولاد، دیں اور اندر دماغ میں رسولی نہ ہو۔ تو وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ بھلا جنّ کو مرگی سے کیا تعلق۔ چونکہ یہودیوں کے خیالات ایسے ہو گئے تھے۔ ان کی تقلید پر اُس نے بھی ایسا ہی کہہ دیا۔ اور یا یہ کہ جیسے آجکل جادو ٹُونے کرنیوالے کرتے ہیں کہ بعض ادویات کی سیاہی سے تعویذ لکھ کر علاج کرتے ہیں اور بیماری کو جنّ بتاتے ہیں ویسے ہی اس نے کہدیا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ مسیح کے معجزات کو مسلمانوں نے بھی غور سے نہیں دیکھا اور عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اور اُن سے سُن سُن کر اُن کے معنے غلط کر لئے ہیں۔ مثلاً اکمہ کا لفظ ہے۔ جس کے معنے شب کور کے ہیں۔ اور اب معنے یہ کر لئے جاتے ہیں کہ مادر زاد اندھوں کو شفا دیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ اکمہ وہ مرض ہے کہ جس کا علاج بکرے کی کلیجی کھانا بھی ہے اور اس سے بھی یہ اچھے ہو جاتے ہیں۔

یسُوع ضعف۔ ناتوانی۔ بیکسی اور نامرادی کی سچّی تصویر ہے اور عام کمزوریوں میں انسانوں کا شریک ہے۔ کوئی امر خاص اس میں پایا نہیں جاتا۔ کتب سابقہ کی پیشگوئیوں کا جو ذخیرہ پیش کیا

جاتا ہے۔ ان میں صدہا اختلاف ہے۔ اوّل تو خود یہودیوں میں اُن کے وہ معنی ہی نہیں جو عیسائی
کرتے ہیں۔ اور دوسرے ان تفسیروں کی تفسیروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ پُوری ہو چکی ہوئی
ہیں۔ ایک شخص عرصہ ہوا میرے پاس آیا تھا۔ آخر خدا نے اس پر اپنا فضل کیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔
اور مسلمان ہی مرا۔ اس کے واسطے یہودیوں کو لکھا تھا اور اُن سے دریافت کیا تھا اور اصل وارث
تو یہودی ہی ہیں کہ جو ہمیشہ نبیوں سے تعلیم پاتے چلے آئے تھے۔ انہی کا حق تو ہے کہ وہ اس کی
صحیح تفسیر کریں اور خود مسیح نے بھی فقیہوں اور فریسیوں کی بات ماننے کا حکم دیا ہے گو اُن کے عمل
سے منع کیا ہو۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں اختلاف یہ ہے۔ اوّل الذکر ان سے ابنیت اور الوہیت
نکالتے ہیں اور آخر الذکر کہتے ہیں پُوری ہو چکی ہیں۔ انصاف کی رُو سے وہی حق پر ہیں جنہوں نے ہمیشہ
نبیوں سے تعلیم پائی اور ان باتوں کی تجدید سے ایمان تازہ کئے اور برابر چودہ سو برس تک خدا کی باتیں
سنتے آئے تھے۔ حضرت مسیح موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو سال بعد یعنی چودھویں صدی میں
آئے تھے اور جیسے اس زمانہ میں مسیح دیا گیا تھا۔ کہ تا موسوی جنگوں کے اعتراض کو اپنی تعلیم سے
دُور کر دے اور خاتمہ جنگ و جدال پر نہ ہو۔ ویسے ہی اس امت کے لئے مثیل موسیٰ صلے اللہ
علیہ وسلم کے خلفاء میں سے چودھویں صدی پر مسیح موعود مبعوث کیا گیا۔ تا اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ
جہاد کے غلط خیال کی اصلاح کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیلایا
گیا بلکہ اسلام اپنے حقائق اور معارف کی وجہ سے پھیلا ہے۔

غرض یہودی پیشگوئیوں کی بحث میں غالب آجائیں گے اور حق اُن کے ساتھ ہے۔ اور
یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ یہودی معقول بات کہتے ہیں۔ جیسے ایلیا کے بارے میں انہوں
نے کہا ہے۔ اور ایسا ہی اس بارے میں اُن کے ہاتھ میں شہادتوں کا ایک زرّیں
سلسلہ ہے۔ اور اگر کوئی چاہے تو اُن کی کتابیں اب بھی منگوا کر دکھا سکتے ہیں یہی میں
نے سراج الدین کو بھی کہا تھا۔

دیکھو انسان ایک برتن کو لیتا ہے تو اسے بھی دیکھ بھال کر لیتا ہے۔ پھر ایمان کے معاملہ

میں اتنی لاپروائی کیوں کی جاتی ہے؟ پس یہ پیشگوئیاں تو یوں رد ہوئیں۔ اب باقی رہے انجیل کے اقوال تو سب سے پہلے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اصل انجیل ہی اُن کے ہاتھ میں نہیں ہے تو کیوں یہ امر قرین قیاس نہ مانا جائے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے۔ کیونکہ مسیح اور اس کی ماں کی زبان عبرانی تھی۔ جس ملک میں رہتے تھے۔ وہاں عبرانی بولی جاتی تھی۔ صلیب کی آخری ساعت میں مسیح کے مُنہ سے جو کچھ نکلا وہ عبرانی تھا۔ یعنی ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اب بتاؤ کہ جب اصل انجیل ہی کا پتہ ندارد ہے تو اس ترجمہ پر کیا دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے اصل انجیل پیش کرو۔ اس صورت میں تو عیسائی یہودیوں سے بھی گر گئے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنی اصلی کتاب کو تو گم نہیں کیا۔

پھر انجیل میں مسیح نے کہا ہے کہ "میری انجیل" اب اس لفظ پر غور کرنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ انجیل کا کوئی مسیح نے بھی لکھا ہو اور یہ تو نبی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خدا کی وحی کو محفوظ کرے اور اس کی حفاظت کا کام دوسروں پر نہ ڈالے کہ وہ جو چاہیں سو لکھ لیں۔

پولوس کی بابت میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ جس کی تحریروں یا تقریروں پر اپنی خدائی کا انحصار تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ خدا ہو کر اس کے واسطے مُنہ سے ایک لفظ بھی پیشگوئی کا نہ نکلا۔ بلکہ چاہیئے تھا کہ وصیت نامہ لکھ دیتے کہ پولوس اس مذہب کا مختار کیا جاوے گا اور جب یہ نہیں تو پھر اس کو کیا حق حاصل تھا کہ وہ خود بخود مجتہد بن بیٹھا۔ اس کو یہ سارٹیفکیٹ ملا کہاں سے تھا؟ یہی وجہ ہے کہ یہ یسُوعی مذہب نہیں بلکہ پولوسی ایجاد ہے۔ **غرض صدق اور اخلاص بڑی نعمت ہے جس کو خدا دے**

مختصر یہ کہ خدا بہتر جانتا ہے اور میں حلفاً کہتا ہوں کہ **میں تو اپنے دشمن کا بھی سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں۔** کوئی میری باتوں کو سُنے بھی۔ یہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ آپ اس پر غور کریں اور اس پر جو کچھ باقی رہ جاوے اُسے بیان کریں۔

(حضرت اقدسؑ نے اپنی تقریر کو اس مقام پر ختم کر دیا تھا کہ خاکسار ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ مسٹر عبدالحق صاحب نے اپنی تقریر میں عماد الدین کے حوالہ سے ایک بات تثلیث کے ثبوت میں کہی ہے کہ وضو کرتے وقت تین دفعہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ یہ تثلیث کا نشان ہے۔ اس پر بھی کچھ فرما دیا جاوے)۔ فرمایا :-

یہ تو بالکل بیہودہ اور کچی باتیں ہیں۔ اس طرح پر ثبوت دینا چاہو تو جتنے مرضی ہو خدا بنا لو۔ عمادالدین کی ان باتوں پر پادری رجب علی نے ایک ریویو لکھا تھا اور اس نے بڑا واویلا کیا تھا کہ ایسی باتوں سے عیسائیت کی توہین ہوتی ہے۔ چونکہ وہ کچھ ظریف طبع تھا کہ عمادالدین سے تثلیث کے ثبوت میں یہ بات رہ گئی اور پھر ایک ایسی مثال دی جو قابل ذکر نہیں۔

اُس نے لکھا کہ عمادالدین بالکل ایک جاہل آدمی تھا۔ میں نے اُس کو اُردو کی عبارت کا مطلب بیان کرنے ہی کی دعوت کی تھی۔ جس کا جواب نہ دے سکا۔ اور **نورالحق** کا جواب آجتک نہ ہوا۔ حالانکہ پانچ ہزار روپیہ انعام بھی تھا۔ ایسی باتیں تو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ دیکھو آخر مرنا ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہیئے دین کے معاملہ میں بڑی غور و فکر درکار ہے اور پھر خدا کا فضل۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۷۔ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۲۱ فروری ۱۹۰۲ء)

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء۔ بعد از نماز عصر

تقریر

مامور من اللہ کی باتیں توجہ سے سُننے والے اور نہ سُننے والے لوگ

سب کو متوجہ ہو کر سُننا چاہیئے اور پورے غور اور فکر کے ساتھ سُنو۔ کیونکہ یہ معاملہ ایمان کا معاملہ ہے۔ اس میں غفلت سُستی اور عدم توجہ بہت بُرے نتیجے پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ ایمان میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور جب ان کو مخاطب کرکے کچھ بیان کیا جاوے تو غور سے اس کو نہیں سُنتے ہیں۔ ان کو بولنے والے کے بیان سے خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا مفید اور مؤثر کیوں نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ کان رکھتے ہیں مگر سُنتے نہیں۔ دل رکھتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو کچھ بیان کیا جاوے اُسے توجہ اور بڑی غور سے سُنو۔ کیونکہ جو توجہ سے نہیں سُنتا ہے وہ خواہ عرصہ دراز تک فائدہ رساں وجود کی صحبت میں

رہے اُسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

جب خدا تعالےٰ انبیاء علیہم السّلام کو دنیا میں مامور کرکے بھیجتا ہے تو اس وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ایک وہ جو اُن کی باتوں پر توجہ کرتے اور کان دھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اُسے پُورے غور سے سُنتے ہیں۔یہ فریق وہ ہوتا ہے جو فائدہ اُٹھاتا ہے اور سچّی نیکی اور اس کے برکات وثمرات کو پالیتا ہے۔دوسرا فریق وہ ہوتا ہے جو اُن کی باتوں کو توجہ اور غور سے سُننا تو ایک طرف رہا۔اُن پر ہنسی کرتے اور اُن کو دُکھ دینے کے لئے منصوبے سوچتے اور کوششیں کرتے ہیں

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو اس وقت بھی اسی قاعدہ کے موافق دو فریق تھے۔ایک وہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی باتوں کو سُنا۔اور پُورے غور سے سُنا اور پھر آپ کی باتوں سے ایسے متاثر ہوئے۔اور آپ پر ایسے فدا ہوئے کہ والدین اور اولاد۔احبّاء اور اعزّہ غرض دنیا میں جو چیز انہیں عزیز ترین ہو سکتی تھی۔اس پر آپؐ کے وجود کو مقدم کرلیا۔ اچھے بھلے آرام سے بیٹھے تھے۔برادری کے تعلقات اور احباب کے تعلقات سے اپنے خیال کے موافق لُطف اُٹھا رہے تھے۔مگر اس پاک وجود کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہی وہ سارے رشتے دار اور تعلق اُن کو چھوڑنے پڑے اور اُن سے الگ ہونے میں اُنہوں نے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ کی۔ بلکہ راحت اور خوشی سمجھی۔اب غور کرنا چاہیئے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس وہ کیا چیز تھی؟ جس سے ان لوگوں کو اپنا ایسا گرویدہ ایسا بنالیا کہ وہ اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ اپنے تمام دنیوی مفاد اور منافع اور تمام قومی اور ملکی تعلقات کو قطع کرنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ نہ صرف آمادہ بلکہ اُنہوں نے قطع کرکے اور اپنی جانوں کو دے کر دکھا دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ کس خلوص اور ارادت سے ہوئے تھے۔بظاہر آپؐ کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا جو ایک دُنیادار انسان کیلئے تحریص اور ترغیب کا موجب ہو سکے۔خود آپؐ نے ہی یتیمی میں پرورش پائی تھی تو وہ اوروں کو کیا دکھا سکتے تھے۔

انبیاء کو دو چیزیں حق اور کشش دیجاتی ہیں

میں کہتا ہوں کہ بیشک آپؐ کے پاس کوئی مال و دولت اور دنیوی تحریص و ترغیب کا ذریعہ نہ

تھا اور ہرگز نہ تھا۔ لیکن آپؐ کے پاس وہ زبردست چیزیں جو حقیقی اور اصلی، موثر اور جاذب ہیں تھیں۔ وہی اُنہوں نے پیش کیں اور اُنہوں نے ہی دُنیا کو آپؐ کی طرف کھینچا۔ **وہ تھیں حق اور کشش**۔ یہ دو چیزیں ہی ہوتی ہیں جن کو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ جبتک یہ دونوں موجود نہ ہوں انسان کسی ایک سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا اور نہ پہنچا سکتا ہے۔ حق ہو کشش نہ ہو کیا حاصل؟ کشش ہو لیکن حق نہ ہو۔ اس سے کیا فائدہ؟ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں اور دُنیا میں موجود ہیں کہ اُن کی زبان پر حق ہوتا ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ وہ حق مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں؟ وہ حق صرف اُن کی زبان پر ہے اور دل اس سے آشنا نہیں۔ اور وہ کشش جو دل کی قبولیت کے بعد پیدا ہوتی ہے اُس کے پاس نہیں ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہتا ہے جس اوپرے دل سے کہتا ہے اسی طرح پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔

سچی کشش، حقیقی جذب اور **واقعی تاثیر** اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس حق کو جسے وہ بیان کرتا ہے، نہ صرف آپ قبول کرے بلکہ اس پر عمل کر کے اس کے چمکتے ہوئے نتائج اور خواص کو اپنے اندر رکھتا ہو۔ جبتک انسان خود سچا ایمان اُن امور پر جو وہ بیان کرتا ہے نہیں رکھتا اور سچے ایمان کے اثر یعنی اعمال سے نہیں دکھاتا وہ ہرگز ہرگز موثر اور مفید نہیں ہوتے۔ وہ باتیں صرف بدبُودار ہونٹوں سے نکلتی ہیں جو دوسروں کے کان تک پہنچنے میں اور بھی بدبُودار ہو جاتی ہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ ظالم و سفاک حق کا یُوں بھی خُون کرتے ہیں کہ چُونکہ اس کے برکات اور درخشاں ثمرات اُن کے ساتھ نہیں ہوتے اس لئے سُننے والے محض خیالی اور فرضی باتیں سمجھ کر ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور یُوں دوسروں کو محروم کر دیتے ہیں۔

غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص جو دنیا کی اصلاح اور بہتری کا مدعی ہے جبتک اپنے ساتھ حق اور کشش نہ رکھتا ہو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور وہ لوگ جو توجہ اور غور سے اس کی بات کو نہیں سُنتے وہ اُن سے بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ جو کشش اور حق بھی رکھتے ہوں۔

رُوحانی رات اور دن

جیسا کہ خدا تعالیٰ کا قانون قدرت ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اور اِس قانون قدرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح دُنیا پر اس قسم کے زمانے آتے رہتے ہیں کہ کبھی رُوحانی طور پر رات ہوتی ہے اور کبھی طلوع آفتاب ہو کر نیا دِن چڑھتا ہے چنانچہ پچھلا ایک ہزار جو گزرا ہے رُوحانی طور پر ایک تاریک رات تھی جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ ایک دن ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّ یوماً عند ربّک کالف سنۃٍ ممّا تعدّون[1]۔ اس ہزار سال میں دنیا پر ایک خطرناک ظلمت کی چادر چھائی ہوئی تھی جس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کو ایک ناپاک کیچڑ میں ڈالنے کے لئے پُوری تدبیروں اور مکاریوں اور حیلہ جوئیوں سے کام لیا گیا ہے اور خود ان لوگوں میں ہر قسم کے شرک اور بدعات ہو گئے جو مسلمان کہلاتے تھے۔ مگر اس گروہ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ لیسُوا منّی ولستُ منھم۔ یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ غرض جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا یہ ہزار سالہ رات تھی جو گذر گئی۔ اب خدا تعالےٰ نے تقاضا فرمایا۔ کہ دنیا کو روشنی سے حصّہ دے اس شخص کو جو حصّہ لے سکے کیونکہ ہر ایک اس قابل نہیں ہے کہ اس سے حصّہ لے۔

چنانچہ اُس نے مجھے اس صدی پر مامُور کر کے بھیجا ہے۔ تاکہ میں اسلام کو زندہ کروں۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پُورے طور پر اور اصلی معنوں میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ وہ بہتوں کو مخلص نہ بنا سکے۔ ذرا سی غیر حاضری میں قوم بگڑ گئی باوجودیکہ ہارُونؑ ابھی اُن میں موجود تھے۔ اور قوم نے گوسالہ پرستی اختیار کی اور ساری عمر قسم قسم کے شکوک و شبہات پیش کرتے رہے۔ کبھی بھی انشراح قلب کے ساتھ ساری قوم باوجود بہت سے نشانوں کے دیکھنے کے مخلص نہ ہو سکی۔ اور ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناکام رہے۔ یہانتک کہ

[1] الحج: ۴۸

حواری بھی جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ بگڑ گئے اور بعض مرتد ہو کر لعنتیں کرنے لگے۔ فقیہہ اور فریسی جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھنے والے تھے۔ اُن کو نصیب نہ ہوا کہ اس آسمانی نور سے حصہ لیتے اور ان سچائی کی باتوں کو جو حضرت مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ قبول کرتے اور توجہ سے سنتے۔ اگرچہ کہا جائے گا کہ اُن کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ جو مسیح کی علامتوں اور نشانات کے متعلق پیشگوئیوں کے رنگ میں تھیں۔ لیکن اگر توجہ کرتے اور رشید ہوتے اور اُن کو قوت حاسہ ملی ہوتی تو ضرور فائدہ اُٹھا لیتے اور زور دے کر مشکلات سے نکل جاتے۔ ان امور اور واقعات پر نگاہ کرنے سے طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہی ہے۔ کہ انسان اپنے ہی حربہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ جو لوگ توجہ نہیں کرتے اور اس کے وجود کو بیہودہ اور فضول قرار دیتے ہیں اور اس کی پاکیزہ باتوں پر کوئی غور نہیں کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسا میں نے شروع میں کہا تھا کہ توجہ اور غور سے سننا چاہیئے اور جو لوگ توجہ اور غور سے نہیں سنتے وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے۔ اسی طرح پر میں اب یوں کہتا ہوں کہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کے کانوں اور آنکھوں پر پردے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا تعالےٰ کے ماموروں اور مرسلوں کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور اُن سے فائدہ نہ اُٹھا کر محروم ہو جاتے ہیں اور آخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

مامورین الٰہی کی باتوں سے فائدہ اُٹھانیوالے لوگ

لیکن جو حُسن ظن سے کام لے کر صبر اور استقلال کے ساتھ اس کی باتوں کو متوجہ ہو کر سنتے ہیں وہ فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ آخر سچائی کی چمک خود اُن کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔ اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اُن کے کانوں میں نئی سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دل فکر کرتا ہے اور عمل کا رنگ پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سُکھ پاتے ہیں

دنیا ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو نیکی اور بھلائی کا موقع ملے اور وہ اُس کو کھو

دے تو اس موقع کے ضائع کرنے سے اس کو ہم و غم ہوتا ہے اور ایک درد محسوس کرتا ہے اس طرح پر جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کا زمانہ پایا اور اس موقعہ کو کھو دیا وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اہلِ دُنیا اس سے بیخبر ہیں۔ اگر اہلِ دُنیا کو مُردوں کے حالات پر اطلاع ہو سکتی اور مُردے دنیا میں دوبارہ آ کر اپنے حالات سُنا سکتے تو سب کے سب فرشتوں کی سی زندگی بسر کرنے والے ہوتے اور دنیا میں گناہ پر موت طاری ہو جاتی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اور اس معاملہ کو پردہ اور خفا میں رکھا ہے تاکہ نیکی کا اجر اور ثواب ضائع نہ ہو جاوے۔ دیکھو اگر امتحان سے پہلے سوالات کو شائع کر دیا جاوے تو ان کے جوابات میں لیاقت کیا معلوم ہو سکتی ہے؟ اسی طرح پر خدا تعالےٰ نے جو مواخذہ کا طریق رکھا ہے اس کو افراط و تفریط سے بچا کر رکھا ہے۔

ایمانیات میں اخفاء

اگر اللہ تعالےٰ سارے پردے کھول دیتا اور کوئی امر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتا اور مُردے آ آ کر کہدیتے کہ جنّت و نار سب حق ہیں تو بتاؤ کہ کوئی دہریہ اور بُت پرست رہ سکتا تھا؟

مثلاً اگر یہاں ہی کے دو چار مُردے آ کر حقیقت بتا دیں اور اپنے پوتوں اور عزیزوں کو بتائیں تو کوئی رُو گردان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اب اگر کوئی آفتاب پر ایمان لاوے کہ یہ ہے اور روشنی دیتا ہے تو بتاؤ اس ایمان کا کوئی ثواب اسے مل سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر و قیمت اور نیکی کی جزا کے لئے یہ پسند فرمایا ہے کہ کچھ خفا بھی ہو۔ دانشمند آدمی سعادت پاتا ہے۔ بیوقوف اس سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر کوئی ایمانی امر ایسا نہیں ہے جس میں حقیقت اور فلسفہ نہ ہو۔ اس خفا میں عظیم الشان فلسفہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ اگر ایسا انکشاف ہوتا کہ کوئی چیز مخفی نہ رہ جاتی۔ معاد کا حال، خدا کی رضا کا پتہ معلوم ہو جاتا تو نیکی نیکی نہ رہتی اور نہ اس کی کوئی قدر ہوتی۔ مشہود محسوس چیزوں پر ایمان لانے سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ مسجد پر یا درخت یا آفتاب پر ایمان لانیوالا اور

ان کے وجود کا اعتراف کرنے والا کسی جزا کا مستحق نہیں ہے لیکن جو مخفی کو معلوم کر کے ایمان لاتا ہے وہ بیشک قابل تعریف فعل کا کرنے والا ٹھہرتا ہے اور مدح اور تعریف کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جب بالکل انکشاف ہو گیا۔ پھر کیا؟ اسی طرح پر اگر کوئی ۲۹ دن کے ہلال کو دیکھتا ہے تو بیشک اس کی نظر قابلِ تعریف ہوگی۔ لیکن اگر کوئی چودہ دن کے بعد جبکہ بدر ہو گیا ہے اور عالمتاب روشنی نظر آتی ہے لوگوں کو کہے کہ آؤ میں تمہیں چاند دکھاؤں میں نے دیکھ لیا ہے تو وہ مسخرہ اور فضول گو ٹھیرایا جاوے گا

غرض قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا نے کچھ چھپایا ہے اور کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا اور اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے اور کوئی بات قابلِ اطمینان نہ ہو سکتی اور آج کوئی مذہب والا دوسرے کو نہ کہہ سکتا کہ تو غلطی پر ہے اور نہ مواخذہ کا اصول قائم رہ سکتا تھا کیونکہ یہ تکلیف مالایطاق تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [1]

پس خدا کا فضل ہے کہ ہلکا سا امتحان رکھا ہوا ہے۔ جس میں بہت مشکلات نہیں۔ باوجودیکہ وہ عالم ایسا ادق ہے کہ جو جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انوار و برکات کا ایک سلسلہ رکھا ہے۔ جس سے اس دنیا ہی میں پتہ لگ جاتا ہے اور وہ مخفی امور متحقق ہو جاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۲ء)

سِرّ الٰہی

آج کل کے فلاسفروں نے مُردوں کے واپس آنے کی بہت تحقیقات کی ہے امریکہ میں ایک شخص کو مار کر دیکھا کہ آیا مرنے کے بعد شعور باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اُس شخص کو جس پر یہ تجربہ کرنا چاہا۔ کہدیا گیا کہ تم نے آنکھ کے اشارے سے بتا دینا۔ مگر جب وہ ہلاک کیا گیا تو کچھ بھی نہ کر سکا کیونکہ یہ ایک سِرّ الٰہی ہے جس کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ انسان جب حد سے گزرتا ہے تو سِرّ کی تلاش کی فکر میں ہوتا ہے۔ مغربی دنیا جو زمینی تحقیقات میں لگی ہوئی ہے وہ ہر فلسفہ میں ادب سے دُور نکل جاتی ہے اور انسانی حدود کو چھوڑ کر آگے قدم رکھنا چاہتی ہے۔ مگر

[1] البقرۃ : ۲۸۷

بیفائدہ ۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن امور کو جو ایمانیات سے متعلق ہیں نہ تو اس قدر چھپایا ہے۔ کہ تکلف کی حد تک پہنچ جائیں اور نہ اس قدر ظاہر کیا ہے کہ ایمان ایمان ہی نہ رہے اور کوئی فائدہ اس پر مترتب نہ ہو سکے۔ باوجود ان ساری باتوں کے آج اسلام کے لئے خوشی کا دن ہے کہ معمورۂ عالم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات اور زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔

اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے

یہ بات کہ اسلام اپنی پاک تعلیم اور اس کے زندہ نتائج کے ساتھ اس وقت معمورۂ عالم میں ممتاز ہے۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے ذریعہ اس سچائی کو ثابت کر دیا ہے اور کل مذاہب و ملل کو دعوت حق کر کے اس نے بتا دیا ہے کہ فی الحقیقت اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور جسے ابھی تک شک ہو وہ میرے پاس آئے اور ان خوبیوں اور برکات کو خود مشاہدہ کرے مگر طالب صادق بن کر آئے نہ جلد باز معترض ہو کر۔

آنحضرت صلعم کی بعثت عین ضرورت کے وقت ہوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں دنیا میں ظاہر ہوئے اور خدا تعالےٰ کے جلال اور گم گشتہ توحید کو زندہ کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے۔ اس زمانہ ہی کی حالت پر اگر کوئی سعادتمند سلیم الفطرت غور کن دل لے کر فکر کرے تو اس کو معلوم ہو گا۔ کہ اس زمانہ کی حالت ہی آپ کی سچائی پر ایک روشن دلیل ہے۔ اور دانشمند اس وقت ہی کو دیکھ کر اقرار کرے اور معجزہ بھی طلب نہ کرے۔

پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب میزان الحق میں یہ سوال کیا ہے کہ کیا سبب ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خدا تعالےٰ نے اُن کو نہ روکا؟ اس سوال کا پھر آپ جواب دیتا ہے کہ اُس وقت چونکہ عیسائی بگڑ گئے تھے۔ اُن کے اخلاق اور اعمال بہت خراب تھے۔ اُنہوں نے سچی راست بازی کا طریق چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُن کی تنبیہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اس لئے آپ کو نہ روکا۔ اس سے یہ نادان عیسائی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا تو اعتراف نہیں کرتا بلکہ معترض کی صورت میں اس کو پیش کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کیا اس وقت کے حسب حال کسی مصلح کی ضرورت تھی یا یہ کہ ایک کا جو ایک ہاتھ کاٹا ہوا ہے تو دوسرا بھی کاٹا جاوے جو بیمار ہے پتھر مار کر مار دیا جاوے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کے رحم کے مناسب حال ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اس وقت جیساکہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں وہ تاریکی کا زمانہ تھا۔ اور دیانند نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے کہ ہندوستان میں بُت پرستی ہو رہی تھی۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کُل معمورہُ عالم میں ایک خطرناک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جس کا اعتراف ہر قوم اور ملّت کے مورخوں اور محققوں نے کیا ہے۔ اب ایسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود بے ضرورت نہ تھا۔ بلکہ وہ کل دنیا کے لئے ایک رحمت کا نشان تھا چنانچہ فرمایا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ[1] یعنی اے نبی کریم ہم نے تمہیں تمام عالم پر رحمت کے لئے بھیجا ہے۔ آپ کو تو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس وقت آریہ ورت کی کیا حالت ہے اور کس خطرناک بُت پرستی کے تاریک غار میں گرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ انسان کی شرمگاہ تک کی پرستش بھی ان وید کے ماننے والوں میں مروّج تھی اور نہ آپ کو معلوم تھا کہ بلاد شام کے عیسائیوں کا کیا حال ہے۔ وہ کس قسم کی انسان پرستی میں مصروف ہو کر اخلاق اور اعمال صالحہ کی قیود سے نکل کر بالکل تاریک زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ ایران اور مصر میں کیا ہو رہا ہے؟ غرض آپ تو ایک جنگل میں پیدا ہوئے تھے۔ نہ اس وقت کوئی تاریخ مدون ہوئی تھی جو آپ نے پڑھی ہوتی۔ نہ کسی مدرسہ اور مکتب میں آپ نے تعلیم پائی تھی جو معلومات وسیع ہوتے۔ اور نہ کوئی اور ذرائع لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے تھے جیسے تار یا اخبار یا ڈاک خانے وغیرہ۔

آپؐ کو تو دنیا کے بگڑ جانے کی اطلاع صرف خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی۔ جب یہ آیت اُتری۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[2] یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ دریاؤں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو پانی دیا گیا یعنی شریعت اور کتاب اللہ ملی۔ اور جنگل سے مراد وہ ہیں۔ جن کو

[1] الانبیاء: ۱۰۸ [2] الروم: ۴۲

اس سے حصہ نہیں ملا تھا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب بھی بگڑ گئے اور مشرک بھی۔ الغرض آپ کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ دنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

دلیل صداقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا تا تاریکی کو دُور کریں۔ ایسے پُرفتن زمانہ میں (کہ چاروں طرف فسق وفجور کی ترقی تھی اور شرک دُہریت کا زور تھا کہ نہ اعتقاد ہی درست تھے اور نہ اعمال صالحہ اور نہ اخلاق ہی باقی رہے تھے) آپ کا پیدا ہونا بجائے خود آپ کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ کاش کوئی اس پر غور کرے۔ عقلمند اور سلیم الفطرت انسان ایسے وقت پر آنیوالے مصلح کی تکذیب کے لئے کبھی جلدی نہیں کر سکتا۔ اور کم از کم اس کو اتنا تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت پر آیا ہے۔ وبا طاعون اور ہیضہ کی شدت کے وقت اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں ان کے علاج کے لئے آیا ہوں تو کیا اس قدر تسلیم کرنا نہیں پڑیگا۔ کہ یہ شخص ضرورت کے وقت پر آیا ہے؟ بیشک ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی حقانیت کے لئے پہلی دلیل یہی ہے کہ آپ جس وقت تشریف لائے وہ وقت چاہتا تھا کہ مَردے از غیب بیرون آید وکارے بکند اسی کی طرف قرآن کریم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ بالحق انزلناہ وبالحق نزل۔[1]

پس یاد رکھو کہ مامور من اللہ کی شناخت کی پہلی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اس وقت اور موقع پر نگاہ کی جاوے کہ کیا اس وقت کسی مرد آسمانی کے آنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

ایک شخص اگر نہروں کی موجودگی اور متعدد کنوؤں کے ہوتے ہوئے پھر ان میں ہی کنواں لگاتا ہے تو صاف کہنا پڑیگا کہ یہ وقت اور روپیہ کا خون کرتا ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے جنگل میں جہاں کوئی کنواں نہیں ہے کنواں لگاتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ اُس نے خیر جاری کے لئے یہ کام کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جیسے جسمانی جنگل میں پیدا ہوئے۔ ویسے ہی رُوحانی جنگل بھی تھا۔ مکہ میں اگر جسمانی اور رُوحانی نہریں نہ تھیں تو دوسرے ملک روحانی نہر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے تھے اور زمین مَر چکی تھی جیسا کہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ

[1] بنی اسرائیل: ۱۰۶

بعد موتہا[1] یعنی یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی۔ اب خدا تعالیٰ نئے سر سے اس کو زندہ کرتا ہے۔ پس یہ زبردست دلیل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی۔ کہ آپ ایسے وقت میں آئے کہ ساری دُنیا عام طور پر بدکاریوں اور بد اعتقادیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اور حق و حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے خالی ہوگئی تھی۔

دُوسری دلیل صداقت

پھر دُوسری دلیل آپ کی سچائی کی یہ ہے کہ آپ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے گئے جب وہ اپنے فرض رسالت کو پورے طور پر ادا کر کے کامیاب اور بامُراد ہو چکے۔ حقیقت میں جیسے مامور من اللہ کے لئے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آیا وہ وقت پر آیا ہے یا نہیں ؟ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ کامیاب ہوا یا نہیں۔ اُس نے اُن بیماروں کو جن کے علاج کے لئے وہ آیا اچھا بھی کیا یا نہیں ؟

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۳۔ ۴ پرچہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۲ء)

عرب میں قرآن مجید میں مذکورہ سب بدیاں موجود تھیں
قرآن مجید کی اعلیٰ اور امتیازی تعلیم

زیادہ تفصیل کی اس مقام پر ضرورت نہیں کیونکہ اس مجمع میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بخوبی علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا کیا حال تھا۔ کوئی بدی ایسی نہ تھی جو اُن میں نہ پائی جاتی ہو۔ جیسے کوئی ہر صیغہ اور امتحان کو پاس کر کے کامل اُستاد ہر فن کا ہو جاتا ہے اسی طرح پر وہ بدیوں اور بدکاریوں میں ماہر اور پورے تھے۔ شرابی۔ زانی۔ یتیموں کا مال کھانے والے۔ قمار باز۔ غرض ہر بُرائی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ بلکہ اپنی بدکاریوں پر فخر کرنیوالے تھے۔ اُن کا قول تھا۔ ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیا[2] ہماری زندگی اسی قدر ہے کہ یہاں ہی مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ حشر نشر کوئی چیز نہیں۔ قیامت کچھ نہیں۔ جنت کیا اور جہنم کیا ؟ قرآن شریف کے احکام جن بدیوں اور بُرائیوں سے روکتے ہیں وہ سب

[1] الحدید: ۱۸ [2] الجاثیۃ: ۲۵

مجموعی طور پر ان میں موجود تھیں۔ ان کی حالت کا یہ نقشہ ہے جس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کیا تھے۔ ایک موقع پر فرماتا ہے یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ[1] تمتع اٹھاتے ہیں اور کھاتے ہیں یعنی اپنے پیٹ کی اور دوسری شہوات میں مبتلا اور اسیر ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب انسان جذباتِ نفس اور دیگر شہوات میں اسیر اور مبتلا ہو جاتا ہے تو چونکہ وہ طبعی تقاضوں کو اخلاقی حالت میں نہیں لاتا۔ اس لئے ان شہوات کی غلامی اور گرفتاری ہی اس کے لئے جہنم ہو جاتی ہے اور اُن ضرورتوں کے حصول میں مشکلات کا پیش آنا اس پر ایک خطرناک عذاب کی صورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ وہ جس حال میں ہیں گویا جہنم میں مبتلا ہیں۔

سلسلہ احمدیہ نے قرآنی قصوں کو بھی ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا

یہ بات ہرگز ہرگز بھول جانے کے قابل نہیں ہے کہ قرآن شریف جو خاتم الکتب ہے در اصل قصوں کا مجموعہ نہیں ہے جن لوگوں نے اپنی غلط فہمی اور حق پوشی کی بنا پر قرآن شریف کو قصوں کا مجموعہ کہا ہے اُنہوں نے حقائق شناس فطرت سے حصہ نہیں پایا۔ ورنہ اس پاک کتاب نے تو پہلے قصوں کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا ہے اور یہ اس کا احسان عظیم ہے ساری کتابوں اور نبیوں پر۔ ورنہ آج ان باتوں پر ہنسی کی جاتی۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس علمی زمانہ میں جبکہ موجوداتِ عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں۔ اس نے آسمانی علوم اور کشف حقائق کے لئے ایک سلسلہ کو قائم کیا جس نے ان تمام باتوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں ایک معمولی قصوں سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتی تھیں اور اس سائنس کے زمانہ میں اُن پر ہنسی ہو رہی تھی۔ علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔

بہشت و دوزخ کی حقیقت

پہلے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل خیال اور سادہ طور پر بہشت و دوزخ کو رکھا گیا تھا حضرت مسیح نے پھانسی پانے والے چور کو یہ تو کہہ دیا کہ آج ہم بہشت میں جائیں گے مگر بہشت کی حقیقت پر کوئی نکتہ بیان نہ فرمایا۔ ہم اس وقت اس سوال کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں سمجھتے

[1] محمد: ۱۳

کہ عیسائیوں کے انجیلی عقیدے اور بیان کے موافق وہ بہشت میں گئے یا ہاویہ میں۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ بہشت کی حقیقت اُنہوں نے کچھ بیان نہیں کی۔ ہاں یُوں تو عیسائیوں نے اپنے بہشت کی مسافت بھی کی ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کسی تعلیم کو قصّے کے رنگ میں پیش نہیں کرتا تاکہ وہ ہمیشہ ایک علمی صورت میں اُسے پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسی بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاٰخرۃ اعمٰی۔[۱] یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ کیا مطلب کہ خدا تعالیٰ اور دوسرے عالم کے لذّات کے دیکھنے کے لئے اسی جہان میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں۔ جس کو اس جہان میں نہیں ملیں اس کو وہاں بھی نہیں ملیں گے۔ اب یہ امر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اِن حواس اور آنکھوں کے حاصل کرنے کے واسطے اسی عالم میں کوشش اور سعی کرے تاکہ دوسرے عالم میں بینا اُٹھے۔ ایسا ہی عذاب کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ[۲] یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک آگ ہے۔ جس کو وہ بھڑکاتا ہے اور انسان کے دل ہی پر اس کا شعلہ بھڑکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب الٰہی اور جہنّم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنّم کا ایندھن ہیں۔ اور پھر بہشت کے انعامات کے متعلق نیک لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یفجرونھا تفجیرا[۳] یعنی اسی جگہ نہریں نکال رہے ہیں اور پھر دوسری جگہ مومنوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کی جزار کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے جنّٰت تجری من تحتھا الانھار۔[۴] اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ان باتوں کو قصّہ قرار دے سکتا ہے۔ یہ کیسی سچی بات ہے۔ جو یہاں آبپاشی کرتے ہیں وہی پھل کھائیں گے۔ غرض قرآن شریف اپنی ساری تعلیموں کو علوم کی صورت اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور یہ زمانہ جس میں خدا تعالیٰ نے ان علوم حقّہ کی تبلیغ کے لئے اس سلسلہ کو خود قائم کیا ہے۔ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے۔

[۱] بنی اسرائیل: ۷۳ [۲] الھمزۃ: ۷-۸ [۳] الدھر: ۷ [۴] البقرۃ: ۲۶

قرآن کریم کے احسانات

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے۔ جو ان کی تعلیموں کو جو قصہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دیدیا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جبتک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وہ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ[1]۔ وہ میزان، مہیمن، نور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اُسے قصہ سمجھتے ہیں انہوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا بلکہ اس کی بیحرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوئے ہیں؟ صرف اسی لئے کہ ہم قرآن شریف کو جیساکہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نور، حکمت اور معرفت ہے، دکھانا چاہتے ہیں۔ اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارا نہیں کرسکتے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے۔ اس لئے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پروا کریں۔ غرض میں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشف حقائق کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ بدوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نور پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خوبی دنیا پر ظاہر ہو جیساکہ خدا نے مجھے اس کام کے لئے مامور کیا ہے۔ اس لئے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نِرا قصہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔

اب میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرکے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے بہشت اور دوزخ کی جو حقیقت بیان کی ہے کسی دوسری کتاب نے بیان نہیں کی۔ اس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ اسی دنیا سے یہ سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[2] یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس کے واسطے دوؔ بہشت ہیں یعنی ایک بہشت تو اسی دُنیا میں مل جاتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا خوف اُس کو بُرائیوں سے روکتا ہے۔ اور بدیوں کیطرف

[1] الطارق: ۱۴، ۱۵ [2] الرحمٰن: ۴۷

دوڑتا دل میں ایک اضطراب اور قلق پیدا کرتا ہے۔ جو بجائے خود ایک خطرناک جہنم ہے۔ لیکن جو شخص خدا کا خوف کھاتا ہے تو وہ بدیوں سے پرہیز کر کے اس عذاب اور درد سے تو دم نقد بچ جاتا ہے جو شہوات اور جذبات نفسانی کی غلامی اور اسیری سے پیدا ہوتا ہے اور وہ وفاداری اور خدا کی طرف جھکنے میں ترقی کرتا ہے جس سے ایک لذت اور سرور اُسے دیا جاتا ہے اور یوں بہشتی زندگی اسی دُنیا سے اُس کے لئے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر اس کے خلاف کرنے سے جہنمی زندگی شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ کی کامیابی

اس وقت میرا صرف یہ مطلب ہے کہ میں اس دوسری دلیل کی طرف تمہیں متوجہ کروں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت پر خدا تعالیٰ نے دی ہے یعنی یہ کہ آپ جس کام کے لئے آئے تھے اس میں پُورے کامیاب ہو گئے۔ میں نے بتایا ہے کہ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے ہزارہا مریضوں کو مرض کے آخری درجہ میں پایا جو اُن کی موت تک پہنچ گیا تھا بلکہ حقیقت میں وہ مَر ہی چکے تھے جیسا کہ اس وقت کی تاریخ کے پتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر انصافاً کوئی سوچے کہ اپنے خدمتگار کے عیب دُور نہیں کر سکتے تو جو شخص ایک بگڑی ہوئی قوم کی ایسی اصلاح کر دے کہ گویا وہ عیب اُس میں تھے ہی نہیں تو اِس سے بڑھ کر اس کی صداقت کی اَور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

مسیحؑ اور آنحضرتؐ کا مقابلہ اُن کے اتباع اور قوت قدسیہ کے لحاظ سے

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی ورنہ یہ ایسے روشن دلائل ہیں کہ دوسرے نبیوں میں اُس کے نظائر بہت ہی کم ملیں گے مثلاً جب ہم آپ کے بالمقابل حضرت مسیحؑ کو دیکھتے ہیں تو کس قدر افسوس ہوتا ہے کہ وہ چند حواریوں کی بھی کامل اصلاح نہ کر سکے اور ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے یہانتک کہ بعض کو شیطان بھی کہا۔ وہ ایسے لالچی تھے کہ یہودا اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا۔ بسا اوقات اس تھیلی میں سے جو اُس کے پاس رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی چُرا بھی لیا کرتا تھا۔ آخر اسی لالچ نے اُسے مجبور کیا کہ وہ تیس درہم لے کر اپنے اُستاد اور مُرشد کو گرفتار کرا دے

ادھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی طرف دیکھتے ہیں تو انہوں نے اپنی جانیں دے دینی آسان سمجھیں بجائے اس کے کہ اُن میں غداری کا ناپاک حصہ پایا جاتا۔ یورپین مورخوں تک کو اس امر کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں جو اُنس وفاداری اور اطاعت اپنے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اس کی نظیر کسی دوسرے نبیوں کے متبعین میں نہیں ملتی ہے خصوصاً مسیح علیہ السلام تو اس مقابلہ میں بالکل تہیدست ہیں۔ اب جبکہ اس قدر غلو اُن کی شان میں کیا گیا ہے اور باوجود کمزوریوں کی ان مثالوں اور واقعات کے ہوتے ہوئے جو انجیل میں موجود ہیں، اُن کو خدا بنایا گیا ہے۔ اُن کی قوت قدسی اور جذب وکشش کا یہ نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ چند حواریوں کو بھی درست نہ کر سکے تو اَور اُن سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ عیسائی جب حواریوں کی اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے تو یہ کہدیتے ہیں کہ مسیح کے بعد اُن میں قوت اور طاقت آگئی تھی اور وہ کامل نمونہ ہو گئے تھے مگر یہ جواب کیسا مضحکہ خیز اور عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کہ چراغ کی موجودگی میں تو کوئی روشنی نہیں۔ چراغ کے بجھ جانے کے بعد روشنی ہو گئی۔ کیا خوب !!!

ایک نبی کے سامنے تو وہ پاک وصاف نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہو گئے ؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ مسیح اپنی قوت قدسی کے لحاظ سے اَور بھی کمزور اور ناتواں تھا۔ معاذ اللہ یہ ایک نحوست تھی کہ جبتک حواریوں کے سامنے رہی وہ پاک نہ ہو سکے اور جب اُٹھ گئی تو پھر رُوح القدس سے معمور ہو گئے۔ تعجب !!!

بہت سے انگریز مصنّفوں نے بھی اس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے اور رائے ظاہر کی ہے۔ کہ مسیح نے ایک گروہ پایا تھا جو پہلے سے توریت کے مقاصد پر اطلاع پا چکے تھے اور فقیہوں فریسیوں سے خدا کی باتیں سُنتے تھے۔ اگر وہ راستباز اور پاکباز ہوتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی اور چودہ سو برس تک لگاتار اُن میں وقتاً فوقتاً نبی اور رسُول آتے رہے جو خدا کے احکام اور حدُود سے انہیں اطلاع دیتے رہے گویا اُن کے نُطفہ میں رکھا ہوا تھا کہ وہ خدا کو مانیں اور خدا

کے حدود کی عظمت کریں اور بدکاری سے بچیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس تعلیم سے جو مسیح انہیں دینا چاہتا تھا۔ بیخبر ہوتے۔

مسیح اگر انہیں درست بھی کر دیتے تب بھی یہ کوئی بڑی قابل تعریف بات نہ تھی۔ کیونکہ ایک طبیب کے کامل علاج کے بعد اگر دوسرا کوئی اچھا کر دے تو یہ خوبی کی بات نہیں۔ اس لئے بفرض محال اگر مسیح نے کوئی فائدہ پہنچایا بھی ہو تو بھی یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں کسی فائدہ کی نظیر بھی نظر نہیں آتی۔ یہودا نے تیس روپیہ لے کر اُستاد کو بیچ لیا اور پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر لعنت کی۔ اور دوسری طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ نے اُحد اور بدر میں آپ کے سامنے سر دیدیئے۔ اب انصاف کا مقام ہے کہ اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نہ آئے ہوتے اور قرآن شریف نہ ہوتا تو ایسے نبی کی بابت کیا کہتے۔ جس کی تعلیم اور قوت قدسی کے نمونے یہودا اسکریوطی اور پطرس ہیں۔

قوت قدسی کا یہ حال اور تعلیم ایسی ادھوری اور ناقص کہ کوئی دانشمند اُسے کامل نہیں کہہ سکتا اور نہ صرف یہی بلکہ انسان کی تمدّنی۔ معاشرتی اور سیاسی زندگی کو اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں اور پھر لُطف یہ کہ اُس کے کوئی تاثیرات باقی نہیں ہیں۔

دعویٰ ایسا کیا کہ عقل۔ کانشنس۔ قانون قدرت اور متقدمین کے عقائد اور مسلّمات کے صریح خلاف۔ ان انگریز مصنّفوں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اگر قرآن نہ آتا تو بہت بُری حالت ہوتی۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے درندوں، وحشیوں کو درست کیا اور پھر ایسے صادق اور وفادار لوگ تیار کئے کہ انہوں نے اس کی رفاقت میں کبھی اپنے جان و مال کی بھی پروا نہیں کی۔ اس قسم کی وفاداری اور اطاعت۔ ایثار اور جان نثاری پیدا نہیں ہو سکتی جبتک مقتدا اور متبوع میں اعلیٰ درجہ کی قوت قدسی اور جذب نہ ہو۔ پھر لکھتا ہے کہ عربوں کو سچی راستبازی ہی نہ سکھائی گئی تھی بلکہ اُن کی دماغی قوتوں کی بھی تربیت کی تھی۔ حواری تو ایک گاؤں کا بھی انتظام نہ کر سکتے تھے مگر صحابہ نے دنیا کا انتظام کر کے دکھا دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے

والدین نے حکومت اور سلطنت کی تھی اور اس لئے وہ انتظامِ مُلکداری اور قوانینِ سیاست سے آگاہ تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور قرآن شریف کی کامل تعلیم کا نتیجہ تھا۔ کہ ایک طرف اُس نے اُن کو فرشتے بنا دیا اور دوسری طرف وہ عقل مجسّم ہو گئے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء)

(بقیہ تقریر ۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء)

بمقابلہ مسیحؑ کے آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کا کمال

یہ کیسی بدیہی اور صاف بات ہے کہ ایک طبیب اگر ناقابل علاج مریضوں کو اچھا کر دے تو اس کو طبیب حاذق ماننا پڑیگا اور جو اس پر بھی اس کی حذاقت کا اقرار نہ کرے اس کو بجز احمق اور نادان کے اور کیا کہیں گے۔ اسی طرح پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے لاکھوں مریضانِ گناہ کو اچھا کیا۔ حالانکہ ان مریضوں میں سے ہر ایک بجائے خود ہزارہا قسم کی رُوحانی بیماریوں کا مجموعہ اور مریض تھا۔ جیسے کوئی بیمار کہے۔ سردرد بھی ہے۔ نزول ہے۔ استسقاء ہے۔ وجع المفاصل ہے۔ طحال ہے وغیرہ وغیرہ تو جو طبیب ایسے مریض کا علاج کرتا ہے اور اس کو تندرست بنا دیتا ہے۔ اس کی تشخیص اور علاج کو صحیح اور حکمی ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ایسا ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے جن کو اچھا کیا۔ اُن میں ہزاروں رُوحانی امراض تھے۔ جس جس قدر اُن کی کمزوریوں اور گناہ کی حالتوں کا تصور کر کے پھر اُن کی اسلامی حالت میں تغیّر اور تبدیلی کو ہم دیکھتے ہیں۔ اسی قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت اور قوت قدسی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ضد اور تعصب ایک الگ امر ہے جو اپنی تاریکی کی وجہ سے سچائی کے نُور کو دیکھنے کی قوت کو سلب کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دل انصاف سے خالی نہیں اور کوئی سر عقلِ صحیح سے حصہ رکھنے والا ہے تو اس کو صاف اقرار کرنا پڑیگا کہ آپ سے بڑھ کر عظیم الشان پاکیزگی کی طرف تبدیلی کرا دینے والا انسان دنیا میں نہیں گذرا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ۔

اب بالمقابل ہم پوچھتے ہیں کہ مسیح نے کس کا علاج کیا؟ اُنہوں نے اپنی رُوحانیت اور عقد

ہمت اور قوت قدسی کا کیا کرشمہ دکھایا؟

زبانی باتیں بنانے سے تو کچھ فائدہ نہیں جبتک عملی رنگ میں اُن کا نمونہ نہ دکھایا جاوے جبکہ اس قدر مبالغہ اُن کی شان میں کیا گیا ہے کہ بایں ضعف و ناتوانی اُن کو خدا کا منصب دے دیا گیا ہے۔ تو چاہیئے تو یہ تھا کہ اُن کی عام رحمت اپنا اثر دکھاتی اور اقتداری قوت کوئی نیا نمونہ پیش کرتی کہ گناہ کی زندگی پر دُنیا میں موت آجاتی اور فرشتوں کی زندگی بسر کرنے والوں سے دنیا معمور ہو جاتی۔ مگر یہ کیا ہو گیا کہ چند خاص آدمی بھی جو آپ کی صحبت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ درست نہ ہو سکے

عیسائی اپنے خدا یسوع کا مقابلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنے بیٹھ جاتے ہیں مگر تعجب ہے کہ انہیں شرم نہیں آتی کہ وہ اس طرز پر کبھی ایک قدم بھی چلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اس طریق پر وہ آنحضرت صلعم سے آپ کا مقابلہ کریں تو اُنہیں معلوم ہو جاوے۔

انبیاء اخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہوتے ہیں

یاد رکھو کہ نبی تخلقوا باخلاق اللہ ثابت کرنے کے لئے آتے ہیں اور وہ اپنی عملی حالت سے دکھا دیتے ہیں کہ وہ اخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں جس قدر اشیاء خدا تعالےٰ نے پیدا کی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لئے مفید ہیں جیسے درخت بنایا ہے۔ اس کے پتے، اس کا سایہ، اس کی چھال، اس کی لکڑی۔ اس کا پھل غرض اُس کے سارے حصے کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ بخش ہیں۔ سُورج کی روشنی سے انسان بہت سے فائدے حاصل کرتا ہے۔ اور اسی طرح پر تمام چیزیں ہیں جو انسان کے لئے مفید اور نفع رساں ہیں مگر ہم کو عیسائیوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ انہوں نے ایک عاجز انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا بھی قرار دیا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ دُنیا پر ثابت نہیں کر سکتے۔ اور کوئی اُس کی مقتدرانہ تجلی کا نمونہ اُن کے ہاتھ میں نظر نہیں آتا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اُن کا ابن اللہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہوتا۔ مگر جب اس کی سوانحعمری پر غور کرتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ نری خودکشی اور دوسروں کی مصیبت دیکھکر اپنی جان پر کھیل جانا یہ کیا دانشمندی اور مصلحت

ہے اور اس سے ان مصیبت زدوں کو کیا فائدہ؟

کامل نمونہ آنحضرتؐ تھے حضرت مسیحؑ نہ تھے

انصاف اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو بالکل ناکامیاب ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا موقع ملا ہے۔ مسیح کو نہیں ملا ہے۔ اور یہ اُن کی بدقسمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو کامل نمونہ ہم کہہ ہی نہیں سکتے۔ انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب وہ مصائب کا تختۂ مشق ہو اُس وقت وہ خدا تعالیٰ سے کیسا تعلق رکھتا ہے؟ کیا وہ صدق اخلاص، استقلال اور سچی وفاداری کے ساتھ اِن مصائب پر بھی انشراح صدر سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کرتا اور اس کی حمد و ستائش کرتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا ہے۔ اور دوسرے جب اس کو عُروج حاصل ہو اور اقبال اور فروغ ملے۔ تو کیا اس اقتدار اور اقبال کی حالت میں وہ خدائے تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اس کی حالت میں کوئی قابل اعتراض تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے یا اسی طرح خدا سے تعلق رکھتا اور اس کی حمد و ستائش کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عفو کرتا اور اُن پر احسان کر کے اپنی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کو کسی نے مارا ہے اگر وہ اس پر قادر ہی نہیں ہوا کہ اس کو سزا دے سکے اور اپنا انتقام لے۔ پھر بھی وہ کہے کہ دیکھو میں نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا تو یہ بات اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی اور اس کا نام بُردباری اور تحمّل نہیں رکھ سکتے کیونکہ اُسے قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ ایسی حالت ہے کہ گالی کے صدمہ سے بھی رو پڑے تو یہ تو ستر بی بی انبیچاری کا معاملہ ہے۔ اس کو اخلاق اور بُردباری سے کیا تعلق!!!

مسیح کے اخلاق کا نمونہ اسی قسم کا ہے۔ اگر اُنہیں کوئی اقتداری قوت ملتی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی توفیق انہیں ہوتی پھر اگر وہ اپنے دشمنوں سے پیار کرتے اور اُن کی خطائیں بخش دیتے تو بیشک ہم تسلیم کر لیتے کہ ہاں انہوں نے اپنے اخلاق فاضلہ کا نمونہ دکھایا۔ لیکن

جب یہ موقعہ ہی اُن کو نہیں ملا تو پھر انہیں اخلاق کا نمونہ ٹھہرانا صریح بیحیائی ہے۔ جبتک دونوں پہلو نہ ہوں خُلق کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب مقابلہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو۔ کہ جب مکّہ والوں نے آپؐ کو نکالا اور تیرہ برس تک ہر قسم کی تکلیفیں آپؐ کو پہنچاتے رہے۔ آپؐ کے صحابہ کو سخت سخت تکلیفیں دیں۔ جن کے تصور سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اُس وقت جیسے صبر اور برداشت سے آپ نے کام لیا، وہ ظاہر بات ہے۔ لیکن جب خدا تعالےٰ کے حکم سے آپؐ نے ہجرت کی اور پھر فتح مکّہ کا موقع ملا تو اس وقت ان تکالیف اور مصائب اور سختیوں کا خیال کر کے جو مکّہ والوں نے تیرہ سال تک آپ پر اور آپ کی جماعت پر کی تھیں آپؐ کو حق پہنچتا تھا کہ قتل عام کر کے مکّہ والوں کو تباہ کر دیتے اور اس قتل میں کوئی مخالف بھی آپ پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ان تکالیف کے لئے وہ واجب القتل ہو چکے تھے۔ اس لئے اگر آپ میں قوت غضبی ہوتی تو وہ بڑا عجیب موقع انتقام کا تھا۔ کہ وہ سب گرفتار ہو چکے تھے۔ مگر آپ نے کیا کیا؟ آپ نے اُن سب کو چھوڑ دیا اور کہا۔ لَا تثریب علیکم الیوم[1]۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ مکّہ کی مصائب اور تکالیف کے نظارہ کو دیکھو کہ قوت وطاقت کے ہوتے ہوئے کس طرح پر اپنے جانستاں دشمنوں کو معاف کیا جاتا ہے۔

یہ ہے نمونہ آپ کے اخلاق فاضلہ کا جس کی نظیر دُنیا میں پائی نہیں جاتی۔

محض اِنکار رُسُل کی سزا اِس دُنیا میں نہیں ملتی

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مکّہ والوں نے آپ کی نری تکذیب نہیں کی تھی۔ نری تکذیب سے جو محض سادگی کی بنا پر ہوتی ہے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سزائیں نہیں دیتا ہے۔ لیکن جب مکذب شرافت اور انسانیت کے حدود سے نکل کر بیحیائی اور دریدہ دہنی سے اعتراض کرتا ہے اور اعتراضوں ہی کی حد تک نہیں رہتا بلکہ ہر قسم کی ایذادہی اور تکلیف رسانی کے منصوبے کرتا ہے اور پھر اس کو حد تک پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اپنے مامور و مُرسل کے لئے وہ ان ظالموں کو ہلاک کر دیتا ہے جیسے نُوحؑ کی قوم کو ہلاک کیا۔ یا لُوط کی قوم کو۔ اس قسم کے عذاب ہمیشہ اُن شرارتوں اور مظالم کی وجہ سے آتے ہیں۔ جو خدا کے ماموروں اور اُن کی

[1] یوسف : ۹۳

جماعت پر کئے جاتے ہیں۔ ورنہ نِری تکذیب کی سزا اس عالَم میں نہیں دی جاتی۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور اُس نے ایک اَور عالَم عذاب کے لئے رکھا ہے۔ عذاب جو آتے ہیں۔ وہ تکذیب کو ایذا کے درجے تک پہنچانے سے آتے ہیں۔ اور تکذیب کو استہزا اور ٹھٹھے کے رنگ میں کر دینے سے آتے ہیں۔ اگر نرمی اور شرافت سے یہ کہا جاوے کہ میں نے اس معاملہ کو سمجھا نہیں۔ اس لئے مجھے اس کے ماننے میں تامّل ہے تو یہ انکار عذاب کو کھینچ لانیوالا نہیں ہے کیونکہ یہ تو صرف سادگی اور کمی علم کی وجہ ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر نوحؑ کی قوم کا اعتراض شریفانہ رنگ میں ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ نہ پکڑتا۔ ساری قومیں اپنی کرتُوتوں کی پاداش میں سزا پاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ قرآن سُننے کے لئے آتے ہیں۔ اُن کو امن کی جگہ تک پہنچا دیا جاوے خواہ وہ مخالف اور مُنکر ہی ہوں۔ اس لئے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ نہیں۔ جیسے فرمایا۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ [1]

لیکن اگر کوئی قتل کریگا یا قتل کے منصوبے کریگا اور شرارتیں اور ایذا رسانی کی سعی کرتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ سزا پاوے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مجرمانہ حرکات پر ہر ایک پکڑا جاتا ہے۔ پس مکّہ والے بھی اپنی شرارتوں اور مجرمانہ حرکات کے باعث اس قابل تھے کہ اُن کو سخت سزائیں دی جاتیں اور اُن کے وجود سے اس ارض مقدس اور اس کے گرد و نواح کو صاف کر دیا جاتا۔ مگر یہ رحمۃ للعالمین اور اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ [2] کا مصداق اپنے واجب القتل دشمنوں کو بھی پُوری قوت اور مقدرت کے ہوتے ہوئے کہتا ہے۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ [3]

اب پادری ہمیں بتائیں کہ مسیح کے اس خُلق کو ہم کہاں ڈھونڈیں؟ اُن کی زندگی میں آپؐ کا نمونہ کہاں سے لائیں جبکہ وُہ اُن کے عقیدے کے موافق ماریں ہی کھاتا رہا۔ اور جس کو سر رکھنے کی جگہ بھی نہ ملی (اگرچہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہم خدا کے ایک نبی اور مامور کی نسبت یہ گمان کریں کہ وہ ایسا ذلیل اور مفلوک الحال تھا) انسان کا سب سے بڑا نشان اُس کا خُلق ہے لیکن ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والے معلّم کی عملی حالت میں اس خُلق کا ہمیں کوئی پتہ نہیں لگتا۔

[1] البقرۃ : ۲۵۷ [2] القلم : ۵ [3] یوسف : ۹۳

دُوسروں کو کہتا ہے کہ گالی نہ دو مگر یہودیوں کے مقدس فریسیوں اور فقیہوں کو حرامکار سانپ اور سانپ کے بچے آپ ہی کہتا ہے۔ یہودیوں میں بالمقابل اخلاق پائے جاتے ہیں۔ وہ اُسے نیک اُستاد کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ اُن کو حرامکار کہتے ہیں اور کُتوں اور سُوروں سے تشبیہ دیتے ہیں باوجودیکہ وہ فقیہہ اور فریسی نرم نرم الفاظ میں کچھ پُوچھتے ہیں اور وہ دُنیوی وجاہت کے لحاظ سے بھی رُومی گورنمنٹ میں کرُسی نشین تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اُن کے سوالوں کا جواب تو بہت ہی نرمی سے دینا چاہیئے تھا اور خوب اُن کو سمجھانا چاہیئے تھا۔ حالانکہ یہ بجائے سمجھانے کے گالی پر گالی دیتے چلے جاتے ہیں کیا اس کا نام اخلاق ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف نہ ہوتا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئے ہوتے تو مسیح کی خدائی اور نبوت تو ایک طرف شاید کوئی دانشمند ان کو کوئی عالی خیال اور وسیع الاخلاق اِنسان ماننے میں بھی تامل کرتا۔ یہ قرآن شریف کا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عام ہے تمام نبیوں پر اور خصوصاً مسیح پر کہ اُس نے اُن کی نبوت کا ثبوت خود دیا۔

مسیح کی دُعا قبُول نہ ہوئی

پھر ایک اَور پہلو سے بھی مسیح کی خدائی کی پڑتال کرنی چاہیئے کہ اخلاقی حالت تو خیر یہ تھی ہی کہ یہود کے معزز بزرگوں کو آپ گالیاں دیتے تھے۔ لیکن جب ایک وقت قابو آ گئے تو اس قدر دُعا کی جس کی کوئی حد نہیں۔ مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ ساری رات کی دُعا عیسائیوں کے عقیدے کے موافق بالکل ردّ ہو گئی اور اُس کا کوئی بھی نتیجہ نہ ہوا۔ اگرچہ خدا کی شان کے ہی یہ خلاف تھا کہ وہ دُعا کرتے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنی اقتداری قوت کا کوئی کرشمہ اُس وقت دکھا دیتے جس سے بیچارے یہود اقرار اور تسلیم کے سوا کوئی چارہ ہی نہ دیکھتے۔ مگر یہاں اُلٹا اثر ہو رہا ہے۔ اور

او خود گم است کرا رہبری کُند

کا معاملہ نظر آتا ہے۔ دُعائیں کرتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ مگر افسوس وہ دُعا سُنی نہیں جاتی

اور موت کا پیالہ جو صلیب کی لعنت کے زہر سے لبریز ہے، نہیں ٹلتا۔ اب کوئی اُس خدا سے کیا پائے گا جو خود مانگتا ہے اور اُسے دیا نہیں جاتا۔ ایک طرف تو خود تعلیم دیتا ہے کہ جو مانگو سو ملیگا۔ دوسری طرف خود اپنی ناکامی اور نامُرادی کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اب انصاف سے ہمیں کوئی بتائے کہ کسی پادری کو کیا تسلی اور اطمینان ایسے خدائے ناکام میں مل سکتا ہے؟

ہر پہلو سے آنحضرتؐ بمقابلہ مسیحؑ کامل نمونہ ہیں

غرض جس پہلو سے مسیحؑ کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باایں دعویٰ خدائی کیا جاوے تو صاف نظر آتا ہے کہ مسیح کو آپؐ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک عظیم الشان کامیاب زندگی ہے۔

آپؐ کیا بلحاظ اپنے اخلاق فاضلہ کے اور کیا بلحاظ اپنی قوت قدسی اور عقد ہمت کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیم کی خوبی اور تکمیل کے اور کیا بلحاظ اپنے کامل نمونہ اور دعاؤں کی قبولیت کے غرض ہر طرح اور ہر پہلو میں چمکتے ہوئے شواہد اور آیات اپنے ساتھ رکھتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ایک غبی سے غبی انسان بھی بشرطیکہ اُس کے دل میں بیجا ضد اور عداوت نہ ہو صاف طور پر مان لیتا ہے کہ آپ تخلقوا باخلاق اللہ کا کامل نمونہ اور کامل انسان ہیں۔ لیکن جب کوئی مسیح کے حالات پر نظر کرتا ہے تو ایک دانشمند اور منصف مزاج انسان کو تامل ہوتا ہے کہ ایسے انسان کو جو مہذب اور شریفانہ باتوں کا جواب گالی سے دیتا ہے۔ نیک اُستاد کہنے والوں کو سانپ اور سانپ کے بچے اور حرامکار کہتا ہے خدا تو ایک طرف صرف نبی ہی تسلیم کرے۔

ایلیاہ کے آسمان سے اُترنے کی پیشگوئی

ان ساری باتوں کے علاوہ یہود کو ایک اور بڑی عجیب مشکل درپیش تھی۔ جس میں بظاہر وہ حق پر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ تھی کہ ملاکی نبی کی کتاب میں وہ پڑھ چکے تھے۔ کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیاہ کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ جبتک وہ نہ آوے مسیح نہ آوے گا۔ اب اُن کے سامنے کسی کے دوبارہ آنے کی نظیر موجود نہیں اور ایلیاہ کا آسمان سے اُترنا وہ اپنی

کتابوں میں پڑھتے آئے تھے۔ اُنہوں نے ایلیار کو آتے دیکھا نہیں۔ مسیح نے آنے کا دعویٰ کیا۔ اُسے تسلیم کریں تو کیونکر۔ مسیح نے جو فیصلہ ایلیار کے آنے کا کیا کہ وہ یُوحنا کے رنگ میں آگیا۔ یہودیوں کے پاس بظاہر اس کے انکار کے لئے وجوہات تھیں کیونکہ اُن کو ایلیار کا وعدہ دیا گیا تھا نہ مثیل ایلیار کا۔ اور اس سے پہلے کوئی واقعہ اس قسم کا نہ ہوا تھا۔ اس لئے اُن کو مسیح کا انکار کرنا پڑا۔

ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اُس نے بڑے زور سے اس امر پر بحث کی ہے اور پھر اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ایسی صورت میں ہم کیا کریں۔ بلکہ اُس نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر خدا تعالےٰ ہمیں اس کے متعلق باز پُرس کرے گا۔ تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیں گے۔

مصلُوب کا لعنتی ہونا

غرض ایک مشکل تو یہودیوں کو یہ پیش آئی کہ مسیح مصلُوب ہوگیا اور صلیب کی لعنت نے اُن کے کذب پر ایک اَور رنگ چڑھا دیا۔ کیونکہ وہ توریت میں پڑھ چکے تھے کہ جھُوٹا نبی صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور وہ ملعُون ہوتا ہے۔ پس انہوں نے یہ خیال کیا کہ ایک طرف تو ایلیار آیا نہیں اور یہ مسیح ہونے کا مدعی ہے اور ایلیار کے قِصّے پر جو فیصلہ دیتا ہے۔ وہ بظاہر ملاکی نبی کی کتاب کے مخالف ہے۔ اس لئے کاذب کی مخالفت اور خود مسیح کے طرزِ عمل اور سلوک نے یہودیوں کو اور بھی برافروختہ کر دیا تھا۔ جب وہ اُن کو حرامکار۔ سانپ اور سانپ کے بچے کہہ کر پکارتے تھے پس انہوں نے صلیب کے لئے کوشش کی اور جب صلیب پر چڑھا دیا تو اُن کے پہلے خیال کو اَور بھی مضبوطی ہوگئی کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ یہ صلیب پر لٹکایا جا کر لعنتی ہوگیا ہے۔ اس لئے سچّا نہیں ہے۔

اب اُنہوں نے یہ یقین کر لیا کہ جب یہ خود لعنتی ہوگیا تو دوسروں کا شفیع کیسے ہوسکتا ہے۔ صلیب نے اُس کے کاذب ہونے پر مُہر لگا دی۔ دو گواہوں کے ساتھ انسان پھانسی پا سکتا ہے اُنہوں نے اُس وقت بھی کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اُتر آ مگر وہ اُتر نہ سکا۔ اس امر نے اُن کو اَور بدظن کر دیا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۳-۵ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

(بقیہ تقریر ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء)

لعنت کا مفہوم

عیسائی چونکہ لعنت کے مفہوم اور منشاء سے ناواقف تھے۔ اس لئے مسیح کو ملعون قرار دیتے وقت انہوں نے کچھ نہیں سوچا کہ اُس کا انجام آخر کیا ہوگا؟ علاوہ بریں چونکہ عربی سے انہیں بُغض تھا۔ اس لئے عبرانی میں بھی پُوری مہارت حاصل نہ کر سکے۔ یہ دونوں زبانیں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور عربی جاننے والے کے لئے عبرانی کا پڑھنا سہل تر ہے۔ مگر عیسائی بوجہ بغض عبرانی لغت سے بھی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

لعنت کا مفہوم یہ ہے کہ . . . کوئی خدا تعالےٰ سے سخت بیزار ہو جاوے اور خدا تعالےٰ اس سے بیزار ہو جاوے۔ عیسائیوں کے اپنے مطبع کی چھپی ہوئی لُغت کی کتابیں جو بیروت سے آئی ہیں۔ ان میں بھی لعنت کے یہی معنے لکھے ہوئے ہیں۔ اور لعین شیطان کو کہتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی سمجھ پر سخت افسوس آتا ہے کہ انہوں نے اپنے مطلب کی خاطر ایک عظیم الشان نبی کی سخت بیحرمتی کی ہے اور اُس کو لعین ٹھہرایا ہے اور انہوں نے اُس پر کچھ بھی توجہ نہیں کی کہ لعنت کا تعلق دِل سے ہوتا ہے جبتک دِل خدا سے برگشتہ نہ ہولے۔ ملعون نہیں ہو سکتا۔ اب کسی عیسائی سے پُوچھو کہ کیا عربی اور عبرانی لُغت میں لعنت کے یہ معنی متفق علیہ ہیں یا نہیں؟ پھر اگر دل میں شرارت اور ہٹ دھرمی نہیں ہے۔ اور محض خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے ایک مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے تو کیا ایک لعنت ہی کا مضمون عیسائی مذہب کے استیصال کے لئے کافی نہیں ہے؟ اوّل غور کرے کہ جب یہ بات مسلّم تھی اور پہلے تورات میں کہا گیا تھا کہ وہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے اور وہ کاذب ہے۔ تو بتاؤ جو خود ملعون اور کاذب ٹھہر گیا۔ وہ دُوسروں کی شفاعت کیا کرے گا؟

او خویشتن گُم است کرا رہبری کُند

میں سچ کہتا ہوں کہ جب سے ان عیسائیوں نے خدا کو چھوڑ کر الُوہیت کا تاج ایک عاجز انسان

کے سر پر رکھ دیا ہے۔ اندھے ہوگئے ہیں اُن کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایک طرف اُسے خدا بناتے ہیں دوسری طرف صلیب پر چڑھا کر اُسے لعنتی ٹھہراتے ہیں اور پھر تین دن کے لئے ہاویہ میں بھی بھیجتے ہیں۔ کیا وہ دوزخ میں دوزخیوں کو نصیحت کرنے گئے تھے۔ یا اُن کے لئے وہاں جا کر کفارہ ہونا تھا؟

حضرت مریمؑ کے یوسف سے نکاح کرنے پر اعتراضات

مختصر یہ کہ اس قسم کے فساد موجود ہیں۔ اب اصل مطلب یہ ہے کہ یہی نہیں بلکہ کوئی بھی اخلاقی حالت مسیح کی ثابت نہیں۔ صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے سے مانا گیا ہے۔ اگر انجیل کی بنا پر ہی ماننا پڑتا تو پھر ان مشکلات میں پڑ کر کون تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائیوں نے اور انجیل نے تو اَور بھی داغ لگائے ہیں۔ یہودی جس قسم کے الزام لگاتے ہیں ان کے تو بیان کرنے سے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیر قوم تو اس کی ماں کو بھی متہم کرتی ہے۔ ایک اَور خطرناک معاملہ ہے جس کا جواب عیسائیوں کے پاس ہرگز نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ مریم کی ماں نے عہد کیا تھا کہ وہ بیت المقدس کی خدمت کرے گی اور تارکہ رہے گی نکاح نہ کرے گی۔ اور خود مریم نے بھی یہ عہد کیا تھا کہ میں ہیکل کی خدمت کروں گی۔ باوجود اس عہد کے پھر وہ کیا بَلا اور آفت پڑی کہ یہ عہد توڑا گیا اور نکاح کیا گیا۔ اُن تاریخوں میں جو یہودی مصنّفین نے لکھی ہیں اَور باتوں کو چھوڑ کر بھی اگر دیکھا جاوے تو یہ لکھا ہے کہ یُوسف کو مجبور کیا گیا کہ وہ نکاح کرلے اور اسرائیلی بزرگوں نے اُسے کہا کہ ہر طرح تمہیں نکاح کرنا ہوگا۔ اب اس واقعہ کو مدّنظر رکھ کر دیکھو کہ کس قدر اعتراض واقع ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جب عہد باندھا گیا تھا تو پھر خدا کی ماں اور نانی نے اپنے عہد کو کیوں توڑا ؟

دوم جبکہ عیسائیوں کے نزدیک کثرتِ ازدواج زناکاری ہے تو وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں کہ یُوسف کی پہلی بیوی بھی تھی اور مریم دوسری بیوی تھی۔ کیا وہ اپنے آپ یہ الزام اپنی مقدس کنواری پر قائم نہیں کرتے ؟

سوم۔ جبکہ حمل ہو چکا تھا تو پھر حمل میں نکاح کیوں کیا گیا ؟

یہ تین زبردست اعتراض ہیں جو اس پر ہوتے ہیں۔ اور باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے مثلاً

یہ کہ جب فرشتہ نے اگر مریم کو بشارت دی تھی کہ تیرے پیٹ میں خدا آتا ہے تو اُسے چاہیئے تھا کہ شور مچا دیتی اور دنیا کو آگاہ کرتی کہ خدا کا استقبال کرنے کو تیار ہو جاؤ وہ میرے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ پھر اس کو چھپایا کیوں گیا۔ ہم اس قسم کے اعتراضوں کو سردست چھوڑ دیتے ہیں لیکن جو تین بڑے اعتراض اُوپر کئے گئے ہیں اُن کا جواب عیسائیوں کے پاس حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کو ہیکل میں پیٹ ہو گیا تھا۔ اور مریم نے یہ سمجھا کہ لوگوں کو اگر بتایا گیا کہ مجھے فرشتہ نے آکر بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے تو لوگ ٹھٹھا کریں گے اور کہیں گے کہ اس کو بیاہ کے خواب آتے ہیں۔ کوئی بدکار ٹھہرائے گا۔ لیکن جب پیٹ چھپ نہ سکا۔ اور چرچا ہونے لگا تو آخر سب کو فکر پڑی۔ اگر پہلے سے بتا دیتی جب فرشتہ نے آکر کہا تھا تو شاید اس قدر شور نہ ہوتا۔ لیکن اُنہوں نے یہی سمجھا کہ اس وقت اگر بتایا تو یہی کہیں گے کہ خاوند مانگتی ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کنواری لڑکی ذرا سا بھی کوئی ذکر کر بیٹھے تو لوگ اس کی نسبت یہی نتیجہ نکال لیتے ہیں۔ پس وہ ڈرتی رہی اور یہی اُس نے سوچا کہ خاموش رہوں۔ لیکن چار پانچ مہینے کے بعد جب پیٹ بڑھا اور پردہ نہ رہ سکا۔ تو پھر رہا نہ گیا۔ تو ہیکل کے بزرگوں کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ مریم حاملہ ہے اور انہیں فکر پیدا ہوئی اور جیسا کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شریف خاندان کی لڑکی حاملہ ہو جاوے تو جھٹ پٹ اس کا نکاح کر دیتے ہیں تاکہ ناک نہ کٹ جاوے۔ ان بزرگوں کو بھی یہی فکر پیدا ہوئی کیونکہ وہ اصل واقعہ سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے۔ اس لئے اُنہوں نے ان باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ اس نکاح سے عہد شکنی کا ارتکاب ہوگا یا دوسری شادی کی وجہ سے بقول یسوع مسیح یہ زناکاری ٹھہرے گی۔ یا حاملہ کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ عزیزوں نے بھی سمجھا کہ اگر اب خاموشی کی گئی اور نکاح نہ کیا گیا تو ناک کٹ جائیگی۔ اس لئے یہ نکاح کر دیا گیا جس پر اس قدر اعتراض ہوتے ہیں

مُعجزات مسیح علیہ السلام کی حقیقت

مگر غور طلب سوال یہ ہے کہ ان انجیل نویسوں نے اس واقعہ پر کیوں دیانتداری کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی۔ یہ دیانتداری کے خلاف ہے۔ ایک جگہ ایک انجیل نویس لکھتا ہے کہ یسُوع نے

اس قدر کام کئے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دُنیا میں نہ سما سکتے مگر اس عقلمندی کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ اس ایک ہی جُملہ نے انجیل کی ساری حقیقت کھول دی کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسی مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔کیونکہ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے کہ جو کام تین برس میں ہو سکتے ہیں وہ دنیا میں نہیں سما سکتے۔جب محدود زمانہ میں سما گئے تو پھر مکانی طور پر کیوں محدود نہیں ہو سکتے؟

اس قسم کے ردّی مواد سے بھرا ہوا عیسائی مذہب کا پھوڑا ہے۔پھوڑوں کے پھُوٹنے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔نصرانی مذہب بھی ایک پھوڑا ہے جو اندر پیپ سے بھرا ہوا ہے اس لئے باہر سے چمکتا ہے۔مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ ٹُوٹ جاوے اور اس کی اندرُونی غلاظت ظاہر ہو جاوے۔

انگریزی گورنمنٹ کے عہد میں مذہبی آزادی

ابھی سکھوں کا زمانہ گزرا ہے جس میں شائستگی بالکل جاتی رہی تھی۔عالم باعمل نہ رہے تھے۔اگر کسی کو شبہات پڑتے اور وہ سوال کرتا تو اس کو واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا جاتا۔ یہ زمانہ ایسا ہی ہو گیا تھا مگر اب خدا تعالیٰ نے فضل کیا کہ ایک مہذب اور شائستہ علم دوست گورنمنٹ کو ہم پر حکمران کیا جس نے عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کرنی چاہی ہے اور مذہبی آزادی کی برکت سے ساری قوموں کو مستفید کیا۔اب وہ وقت آگیا ہے کہ مذہب کے متعلق سوال کرنیوالوں سے کوئی سختی نہیں کی جاتی اور ہر ایک سائل کو جواب دیا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض

جب زمانہ نے اس قسم کی ترقی کی اور اشاعت حق کے سارے سامان اور ذریعے پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کل مِلّتوں پر غالب کرنے کیلئے مجھے مامُور کر کے بھیجا۔

آنحضرت صلعم ہی حقیقی مُحی اموات تھے

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دنیا میں بھیجا تھا اُس وقت کل تری خشکی فساد سے بھر چکی تھی۔آپؐ نے آکر بہت سے بگڑے ہوؤں کو بنا دیا۔یہ بات سرسری نگاہ سے دیکھے جانے

کے قابل نہیں ہے بلکہ اس میں بڑے بڑے حقائق ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بزرگی کا پتہ لگتا ہے کیونکہ بجز اعلیٰ درجہ کے مقدس راستباز کے کوئی دوسرے کو درست نہیں کرسکتا۔ جس کی اپنی قوت قدسی کمال کے درجہ پر نہ پہنچی ہوئی ہو اور ایسی قوت اس میں پیدا نہ ہو چکی ہو۔ جو ساری ناپاکیوں کے اثر کو زائل کر دے وہ دوسروں کو درست نہیں کرسکتا۔ یوں تو ہر ایک نبی نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کی اصلاح کی اور اس کو درست کیا۔ مگر جس شان اور مرتبہ کی اصلاح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اُس کو کسی اَور کی اصلاح نہیں پہنچ سکتی بلکہ اُس کے مقابل میں دوسری اصلاحیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ٹیڑھی قوم کو پُورے طور سے درست نہ کرسکے اور حضرت مسیح چند حواریوں کی سچی تبدیلی نہ کرسکے۔ اس لئے جب اس مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جاوے تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہی ہے جس نے لاکھوں کروڑوں مُردوں کو زندہ کیا۔ مُحیی اگر ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح مُردے زندہ کیا کرتا تھا۔ جس نے اپنے چند حواری بھی زندہ نہ کئے اُن کے پاس ہمیشہ مُردے ہی رہے۔ میں ہمیشہ حیران ہوا کرتا ہوں اور حقیقت میں یہ حیران ہونے کی بات ہے کہ وہ حیات کیسی ہے جس کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے یہ مسئلہ ہی غلط ہے جو کہے کہ فلاں شخص زندہ کرتا ہے۔ اگر زندہ کرنے کا مفہوم اور مطلب اَور نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کیوں فیمسك التی قضیٰ علیها الموت[1] فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ محاورہ ہی اَور ہے ورنہ اس سے تو تناقض لازم آتا ہے کہ ایک طرف کہے کہ زندہ نہیں ہوتا اور دوسری طرف کہہ دے۔ کہ زندہ ہو جاتا ہے۔

اگر مسیح سچ مچ مردہ زندہ کرتا تھا۔ تو قرآن شریف ضرور اس کی نسبت فرماتا کہ یحیی المتوفی کیونکہ توفی کا لفظ وہاں آتا ہے جہاں قبض رُوح ہو۔ موت تو اس سے پہلے بھی آسکتی ہے۔ اور توفی کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاوے کہ مرنے کے بعد رُوح باقی رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کی جگہ ہے کہ مُعجزات مسیح پر بحث کرتے

[1] الزمر: ۴۳

ہوئے لوگ پوری توجہ نہیں کرتے۔ قرآن کریم کو اگر غور سے پڑھ لیتے اور سُنت اللہ پر نظر کرتے تو یہ مسئلہ سمجھ میں آجانا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

انبیاء کو معجزہ اُس کے زمانہ کے مُناسب حال دیا جاتا ہے

صحیح تاریخ ایک عمدہ معلم ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہر نبی کے معجزات اس رنگ کے ہوتے ہیں جس کا چرچا اور زور اُس کے وقت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سحر کا بہت بڑا زور تھا اس لئے اُن کو جو معجزہ دیا گیا وہ ایسا تھا کہ اُس نے اُن کے سحر کو باطل کر دیا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں فصاحت بلاغت کا زور تھا اس لئے آپ کو قرآن کریم بھی ایک معجزہ اسی رنگ کا ملا۔ یہ رنگ اسی لئے اختیار کیا کہ شعراء جادو بیان سمجھے جاتے تھے اور اُن کی زبان میں اتنا اثر تھا کہ وہ جو چاہتے تھے چند شعر پڑھ کر کرا لیتے تھے۔ جیسے آج کل جوش دلانے کے لئے انگریزوں نے باجا رکھا ہوا ہے۔ اُن کے پاس زبان تھی جو دلیری اور حوصلہ پیدا کر دیتی تھی۔ ہر حربہ میں وہ شعر سے کام لیتے تھے اور فِی کُلِّ وَادٍ یَّھِیۡمُوۡنَ[1] کے مِصداق تھے۔ اس لئے اُس وقت ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ اپنا کلام بھیجتا۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا اور اسی کلام کے رنگ میں اپنا معجزہ پیش کر دیا۔ جبکہ اُن کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ[2] ... الآیہ۔ تم جو اپنی زباندانی کا دم مارتے اور لاف زنی کرتے ہو اگر کوئی قوت اور حوصلہ ہے تو اس کلام کے معجزہ کے مقابل کچھ پیش کر کے دکھاؤ۔ لیکن باوجود اس کے کہ وہ جانتے تھے کہ اگر کچھ نہ بنایا (خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب تحدی کر دی گئی ہے کہ تم ہرگز ہرگز بنا نہ سکو گے) تو ملزم ہو کر ذلیل ہو جائیں گے۔ پھر بھی وہ کچھ پیش نہ کر سکے۔ اگر وہ کچھ بناتے اور پیش کرتے تو صحیح تاریخ ضرور شہادت دیتی۔ مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی نے کچھ بنایا ہو۔ پس خدا تعالیٰ نے اس وقت اسی رنگ کا معجزہ دکھایا تھا۔ ایسا ہی یہودیوں میں سلب امراض کا نُسخہ چلا آتا تھا۔ ہندوؤں میں بھی ہے۔ مسلمانوں میں بھی ہے۔ عیسائیوں میں بھی ہے۔ بلکہ انگریزوں میں تو آجکل یہ علم بہت ترقی کر گیا

[1] الشعراء: ۲۲۶ [2] البقرۃ: ۲۴

ہے۔اس سے نبوّت کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ نبوّت سے اس کو کوئی تعلق ہے کیونکہ یہ صرف مشق پر موقوف ہے اور ہر شخص جو مشق کرے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا دہریہ۔ غرض کوئی بھی ہو وہ مشق کرنے سے اس میں مہارت پیدا کر سکتا ہے۔اس لئے اس سلب امراض کو نبوّت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عام بات ہے۔ تو حضرت مسیح کے وقت میں چونکہ اس کا زور تھا اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ کا معجزہ حضرت مسیح کو دے دیا۔ یہ خاصیت ہر انسان میں موجود ہے۔ کہ وہ توجہ کرتا ہے۔ توجہ کرنے کے ساتھ ایک چیز اُس کے دل سے اُٹھ کر پڑتی ہے چنانچہ مسیح نے کہا۔ کس نے مجھے چھوا ہے کہ میری قوت نکلی ہے۔ سلب امراض والے بھی یہی کہتے ہیں۔

مُعجزاتِ مسیح کی حقیقت

مختصر یہ کہ مسیح کے معجزات اس رنگ میں آکر بہت ہی کمزور اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسیح کے معجزات پر ایک اَور بڑا اعتراض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک تالاب ایسا تھا کہ لوگ اس کے ہلنے کے پانی کے ہلنے کا انتظار کیا کرتے تھے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۵-۷ پرچہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۲ء)

۲۷؍دسمبر ۱۹۰۱ء۔ (بقیہ تقریر)

اور وہ مانتے تھے کہ اس کو فرشتہ ہلاتا ہے۔ پس جو سب سے پہلے اس میں اُتر پڑتا۔ وہ اچھا ہو جاتا تھا اور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسیح اس تالاب پر اکثر جایا کرتے تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مسیح نے بیماروں کے علاج کا کوئی نسخہ اس تالاب کی مٹی وغیرہ سے ہی تیار کیا ہو۔ تالاب کے اس قصہ نے جو اناجیل میں درج ہے مسیحی معجزات کی حقیقت کو اَور بھی مشتبہ کر دیا ہے اور ساری رونق کو دُور کر دیا ہے۔ اسی لئے عماد الدین جیسے عیسائیوں کو ماننا پڑا ہے کہ تالاب والا قصہ الحاقی ہے لیکن انجیل کے ان نادان دوستوں نے اتنا خیال نہیں کیا کہ اس باب کو محض الحاقی کہہ دینے سے مسیحی معجزات کی گئی ہوئی رونق نہیں آسکتی۔ بلکہ انجیل کو اَور بھی مشتبہ قرار دینا ہے کیونکہ پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ جس انجیل میں ایک باب الحاقی ہو اور حصہ اُس کا الحاقی نہ ہو۔ اور جبکہ نسب نامہ کو الحاقی کہنے

والے بھی موجود ہیں۔ پھر اس تالاب جیسے چشمے اَور ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک میں ایسے چشمے ہیں جہاں جاکر اکثر امراض کے مریض شفا پاتے ہیں۔ کشمیر میں بھی بعض چشموں کا پانی ایسا ہی ہے جن میں گندھک کا پانی اور نمک اور اَور اس قسم کے اجزاء ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس وہ معجزہ نما تالاب مسیح کے سارے معجزات پر پانی پھیرتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مسیح کا اس تالاب پر جانا اور اس کی مٹی کا آنکھوں پر لگانا اور اپنے پاس رکھنا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور پھر عماد الدین اُسے الحاقی مانتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک حصہ الحاقی مان کر پھر آسمانی کہتے ہوئے اُسے شرم نہیں آتی۔

مسیح کی لکھی ہوئی انجیل نہیں۔ حواریوں کی زبان عبرانی میں نہیں۔ تیسری مصیبت یہ ہے کہ الحاقی بھی ہے اور پھر آخر یہ کہ تعلیم ادھوری اور ناقص اور نامعقول ہے اور اُسے پیش کیا جاتا ہے کہ نجات کا اصلی ذریعہ یہی ہے۔

مسیح کی پیشگوئیوں کا حال اور اُس کی اُلوہیت کی تردید

معجزات کا تو یہ حال ہے پیشگوئیوں کا یہ حال ہے کہ ایسی پیشگوئیاں ہر مدبّر شخص تو درکنار عام لوگ بھی کر سکتے ہیں کہ لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا۔ ان پیشگوئیوں پر نظر کرو تو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ان کو یہودی خدائی کا ثبوت کب تسلیم کر سکتے تھے۔ خدائی کیلئے تو وہ جبروت اور جلال چاہیئے جو خدا کے حسب حال ہے۔ لیکن یسوع اپنی عاجزی اور ناتوانی میں ضرب المثل ہے یہانتک کہ ہوائی پرندوں اور لومڑیوں سے بھی ادنیٰ درجہ پر اپنے آپ کو رکھتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ کس بناء پر اس کی خدائی تسلیم کی جاوے۔ کس کس بات کو پیش کیا جاوے ایک صلیب ہی ایسی چیز ہے جو ساری خدائی اور نبوت پر پانی پھیر دیتی ہے کہ جب مصلوب ہو کر ملعون ہو گیا تو کاذب ہونے میں کیا باقی رہا۔ یہودی مجبور تھے۔ ان کی کتابوں میں کاذب کا یہ نشان تھا۔ اب وہ صادق کیونکر تسلیم کرتے؟ جو خود خدا سے دُور ہو گیا وہ اَوروں کے گناہ کیا اُٹھائیگا۔ عیسائیوں کی اس خوش اعتقادی پر سخت افسوس آتا ہے کہ جب دل ہی ناپاک ہو گیا تو اور کیا باقی

رہا۔ وہ دوسروں کو کیا بچائیگا۔ اگر کچھ بھی شرم ہوتی اور عقل و فکر سے کام لیتے تو مصلوب اور ملعون کے عقیدے کو پیش کرتے ہوئے یسوع کی خدائی کا اقرار کرنے سے اُن کو موت آجاتی۔ اب کسرِ صلیب کے سامان کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں اور عیسائی مذہب کا باطل ہونا ایک بدیہی مسئلہ ہو گیا ہے۔ جس طرح پر چور پکڑا جاتا ہے۔ تو اوّل اوّل وہ کوئی اقرار نہیں کرتا اور پتہ نہیں دیتا مگر جب پولیس کی تفتیش کامل ہو جاتی ہے تو پھر ساتھی بھی نکل آتے ہیں۔ اور عورتوں بچّوں کی شہادت بھی کافی ہو جاتی ہے۔ کچھ کچھ مال بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کو بیحیائی سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہاں۔ میں نے چوری کی ہے۔ اسی طرح پر عیسائی مذہب کا حال ہوا ہے۔ صلیب پر مرنا یسوع کو کاذب ٹھہراتا ہے۔ لعنت دل کو گندہ کرتی اور خدا سے قطع تعلق کرتی ہے۔ اور اپنا قول کہ یُونس کے مُعجزہ کے سوا اور کوئی معجزہ نہ دیا جاوے گا۔ باقی معجزات کو رد کرتا اور صلیب پر مرنے سے بچنے کو معجزہ ٹھہراتا ہے۔ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ انجیل میں کچھ حصہ الحاقی بھی ہے۔ یہ ساری باتیں مل ملا کر اس بات کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہیں جو یسوع کی خدائی کی دیوار کو جو ریت پر بنائی گئی تھی بالکل خاک سے ملا دیں اور سرینگر میں اس کی قبر نے صلیب کو بالکل توڑ ڈالا۔ مرہم عیسیٰ اس کے لئے بطور شاہد ہو گئی غرض یہ ساری باتیں جب ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ ایک دانشمند سلیم الفطرت انسان کے سامنے پیش کی جاویں تو اُسے صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اس لئے کفارہ جو عیسائیت کا اصل الاصول ہے۔ بالکل باطل ہے۔

مسیح موعُود کی بعثت کی غرض کسرِ صلیب اور دین کے نام پر تلوار اُٹھانے کے خیال کا بُطلان ہے

پس یاد رکھو کہ یہ وہ حقائق ہیں جو اس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسیح موعود پر کھولے ہیں۔ میں پکار کر کہتا ہوں کہ اب خدا کا وقت آگیا ہے۔ جو کچھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا تھا۔ اُس کے پُورا ہونے کا وقت آپہنچا کہ مسیح موعود صلیب کو توڑے گا۔

اس سے یہ مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ وہ صلیبیں توڑتا پھرے گا۔ کیونکہ اگر صلیب توڑنے ہی سے کوئی مسیح موعود ہو سکتا ہے تو پھر صلاح الدین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیوقت میں بہت سی صلیبیں توڑی گئی تھیں۔ علاوہ بریں صلیب کے اس طرح پر توڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اگر ایک لکڑی کی صلیب توڑی جاوے تو دس اور بن سکتی ہیں۔ چاندی سونے کی بن جاتی ہیں۔ مگر نہیں خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کے لئے جو کسر صلیب مقرر کیا تو اس سے یہ ہرگز مُراد نہیں تھی کہ ان صلیبوں کو توڑتا پھرے گا کیونکہ اس سے ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ پس جو لوگ یہ اعتقاد کرتے ہیں وہ دین کو بدنام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو اس جسمانی جنگ سے بَری رکھا ہے اور اس کے لئے یہ مقرر کیا کہ یضع الحرب تاکہ اس دُودھ میں مکھی نہ پڑ جاوے۔

مسیح موعود دنیا میں آیا ہے تاکہ دین کے نام سے تلوار اُٹھانے کے خیال کو دُور کرے۔ اور اپنی حجج اور براہین سے ثابت کر دکھائے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی اشاعت میں تلوار کی مدد کا ہرگز محتاج نہیں۔ بلکہ اس کی تعلیم کی ذاتی خُوبیاں اور اُس کے حقائق و معارف و حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات اور نشانات اور اس کا ذاتی جذب ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ اس کی ترقی اور اشاعت کا موجب ہوئی ہیں۔ اس لئے وہ تمام لوگ آگاہ رہیں جو اسلام کے بزور شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں اسلام کی تاثیرات اپنی اشاعت کے لئے کسی جبر کی محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی کو شک ہے تو وہ میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ اسلام اپنی زندگی کا ثبوت براہین اور نشانات سے دیتا ہے۔

اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ ان تمام اعتراضوں کو اسلام کے پاک وجود سے دُور کر دے جو خبیث آدمیوں نے اس پر کئے ہیں۔ تلوار کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا اعتراض کرنے والے اب سخت شرمندہ ہوں گے۔ یہ کہنا کہ سرحدی غازی آئے دن فساد کرتے ہیں جہاد کے خیال سے یہ ایک بیہودہ بات ہے۔ اور ان مُفسدوں کو غازی کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ اگر کوئی جاہل مسلمان اُن کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی رکھتا ہے اِس خیال

سے کہ وہ جہاد کرتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ اسلام کا دشمن ہے جو مُفسد کا نام غازی رکھتا ہے اور اسلام کے بدنام کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔

یہودیوں کے لئے خدا نے جو مسیح پیدا کیا تھا اُس کی غرض بھی یہی تھی کہ یہودیوں کی اس آلائش کو دھو ڈالے جو جبر کے ساتھ اشاعت مذہب کی اُن سے منسوب کی گئی تھی۔ اسی طرح پر چودھویں صدی میں جو مسیح موعود خدا نے اسلام کو دیا ہے۔ اس کی غرض اور مقصود بھی یہی ہے کہ اسلام کو اس اعتراض سے صاف کرے کہ اسلام کو جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے۔ اس لئے اس کا پہلا کام یہی ہے کہ وہ لڑائی نہ کرے گا۔

انگلستان اور فرانس اور دیگر ممالک یورپ میں یہ الزام بڑی سختی سے اسلام پر لگایا جاتا ہے۔ کہ وہ جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے مگر افسوس اور سخت افسوس ہے کہ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ[1] کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں نہیں معلوم کہ کیا وہ مذہب جو فتح پا کر بھی گرجے نہ گرانے کا حکم دیتا ہے کیا وہ جبر کر سکتا ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان مُلّاؤں نے جو اسلام کے نادان دوست ہیں یہ فساد ڈالا ہے۔ انہوں نے خود اسلام کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اپنے خیالی عقائد کی بنا پر دوسروں کو اعتراض کا موقعہ دیا۔ جو کچھ عقائد ان احمقوں نے بنا رکھے ہیں۔ اُن سے نصاریٰ کو خوب مدد پہنچی ہے۔ اگر یہ لوگ جہاد کی صورت میں دھوکا نہ دیتے یا نہ کھاتے تو کسی کو اعتراض کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔ مگر اب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے پاک اور درخشاں چہرہ سے یہ سب گرد و غبار دُور کرے۔ اور اس کی خوبیوں اور حُسن و جمال سے دنیا کو اطلاع بخشے۔ چنانچہ اسی غرض اور مقصد کے لئے اِس وقت جبکہ اسلام دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا بے کس اور یتیم بچہ کی طرح ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنا یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور مجھے بھیجا ہے۔ تا میں عملی سچائیوں اور زندہ نشانات کے ساتھ اسلام کو غالب کردوں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

[1] البقرۃ : ۲۵۷

۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء (بقیۃ تقریر)

دَابَّۃُ الْاَرْض کی لطیف تفسیر

ان لوگوں نے اپنی رائوں اور خیالوں کو داخل کر کے اصل امر کو بدنما بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی وہی مثال ہے۔ مادلّھم علٰی موتہٖ الّا دابّۃ الارض[1] یعنی سلیمان کی موت پر دلالت کرنے والا کوئی امر نہ تھا۔ یہ ساری شرارت گویا دابتہ الارض کی تھی کہ اس نے عصا کھالیا اور وہ گر پڑا۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سچ ہے۔ یہ قصّے اور داستانیں نہیں ہیں بلکہ یہ حقائق اور معارف ہیں۔ اسلام راستی کا عصا تھا۔ جو اپنے سہارے کھڑا تھا۔ اور اس کے سامنے کوئی آریہ ہندو عیسائی دم نہ مار سکتا تھا لیکن جب سے یہ دابتہ الارض پیدا ہوئے اور انہوں نے قرآن کو چھوڑ کر موضوع روایتوں پر اپنا انحصار رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہونے شروع ہو گئے۔ دابتہ الارض کے معنے اصل میں یہ ہیں کہ ایک دیمک ہوتی ہے جس میں کوئی خیر نہیں جو لکڑی اور مٹی وغیرہ کو کھا جاتی ہے۔ اس میں فنار کا مادہ ہے اور اچھی چیز کو فنا کرنا چاہتی ہے۔ اس میں آتشی مادہ ہے۔

اب اس کا مطلب یہ ہے کہ دابتہ الارض اس وقت کے علماء ہیں جو جھوٹے معنے کرتے ہیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی عظمت کو حد سے بڑھاتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ کی صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جبکہ اُن کو محی اور شافی عالم الغیب۔ غیر متغیر وغیرہ مانتے ہیں اور ایسا ہی اسلام پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وہ تلوار کے بدوں نہیں پھیلا۔ بھوپال کے ایک مُلّا بشیر نے مجھے دجّال کہا حالانکہ یہ لوگ خود دجّال ہیں جو مجھے کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ حق کو چھپاتے ہیں، ور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ غرض عصائے اسلام جس کے ساتھ اسلام کی شوکت اور رُعب تھا اور جس کے ساتھ امن اور سلامتی تھی اس دابتہ الارض نے گرا دیا۔ پس جیسے وہ دابتہ الارض تھا یہ اس سے بدتر ہیں۔ اس سے تو صرف ملک میں فتنہ پڑا تھا۔ مگر ان سے دین میں فساد پیدا ہوا۔ اور ایک لاکھ سے زائد لوگ مُرتد ہو گئے۔ ایک وہ وقت تھا کہ اگر ایک مُرتد ہو جاتا تو گویا قیامت آجاتی تھی یا اب یہ حال ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مُرتد ہو گیا۔ اور کسی کو خیال بھی نہیں۔ کئی کروڑ

[1] سبا: ۱۵

کتابیں اسلام کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ہجو میں لکھی گئی ہیں لیکن کسی کو خبر تک بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور دین کو ایک ایسی چیز قرار دیدیا ہے جس کا نام بھی مہذب سوسائٹی میں لیا جانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پر جو اعتراض طبعی فلسفہ کے رنگ میں کئے جاتے ہیں۔ اُن کا جواب یہ لوگ نہیں دے سکتے اور کچھ بھی بتا نہیں سکتے۔ حالانکہ اسلام پر جو اعتراض عیسائی کرتے ہیں وہ خود اُن کے اپنے مذہب پر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض جہاد پر کیا جاتا ہے لیکن جب غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض خود عیسائیوں کے مسلمات پر پڑتے ہیں۔ اسلام نے جہاد کو اٹھایا اسلام پر اعتراض نہیں۔ ہاں وہ اپنے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لڑائیوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور خود عیسائیوں میں جو مذہبی لڑائیاں ہوئی ہیں اور ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ کو قتل کیا۔ آگ میں جلایا اور دوسری قوموں پر جو کچھ ظلم و ستم کیا جیسا کہ سپین میں ہوا۔ اس کا کوئی جواب ان عیسائیوں کے پاس نہیں ہے اور قیامت تک یہ اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

یہ بات بہت درست ہے کہ اسلام اپنی ذات میں کامل، بے عیب اور پاک مذہب ہے۔ لیکن نادان دوست اچھا نہیں ہوتا۔ اس دابۃ الارض نے نادان دوست بن کر اسلام کو جو صدمہ اور نقصان پہونچایا ہے اس کی تلافی بہت ہی مشکل ہے۔ لیکن اب خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے۔ کہ اسلام کا نور ظاہر ہو اور دنیا کو معلوم ہو جاوے کہ سچا اور کامل مذہب جو انسان کی نجات کا متکفل ہے وہ صرف اسلام ہے۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:-

بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں بر منار بلند تر محکم اُفتاد

لیکن ان ناعاقبت اندیش نادان دوستوں نے خدا تعالےٰ کے اس سلسلہ کی قدر نہیں کی۔ بلکہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ نور نہ چمکے یہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے:-

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔[۱]

[۱] الصف: ۹

جماعت کو نصیحت گالیوں کا جواب گالیوں سے نہ دیں

یہ مجھے گالیاں دیتے ہیں لیکن میں اُن کی گالیوں کی پروا نہیں کرتا اور نہ اُن پر افسوس کرتا ہوں کیونکہ وہ اس مقابلہ سے عاجز آگئے ہیں۔ اور اپنی عاجزی اور فرومائیگی کو بجز اس کے نہیں چھپا سکتے کہ گالیاں دیں۔ کفر کے فتوے لگائیں۔ جھوٹے مقدمات بنائیں اور قسم قسم کے افترا اور بہتان لگائیں۔ وہ اپنی ساری طاقتوں کو کام میں لاکر میرا مقابلہ کرلیں اور دیکھ لیں کہ آخری فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ میں اُن کی گالیوں کی اگر پرواہ کروں تو وہ اصل کام جو خدا تعالےٰ نے مجھے سپرد کیا ہے رہ جاتا ہے۔ اس لئے جہاں میں ان کی گالیوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُن کو مناسب ہے کہ اُن کی گالیاں سُنکر برداشت کریں اور ہرگز ہرگز گالی کا جواب گالی سے نہ دیں کیونکہ اس طرح پر برکت جاتی رہتی ہے۔ وہ صبر اور برداشت کا نمونہ ظاہر کریں اور اپنے اخلاق دکھائیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے جب جوش اور غصہ آتا ہے تو عقل قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو صبر کرتا ہے اور بُردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اُس کو ایک نُور دیا جاتا ہے جس سے اس کی عقل وفکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہوجاتی ہے اور پھر نُور سے نُور پیدا ہوتا ہے۔ غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل ودماغ تاریک ہوتے ہیں۔ اس لئے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

میں پھر اصل مطلب کی طرف رجُوع کرکے کہتا ہوں کہ اسلام کی جو حالت اس وقت ہو رہی ہے اور یہ مختلف فرقہ بندیاں جو نئے دن ہوتی رہتی ہیں اور مخالف اس پر دلیر ہو رہے ہیں اور بیباکی سے حملے اور اعتراض کرتے ہیں۔ یہ سب اسی دابۃ الارض کا فساد ہے۔ انہوں نے ہی عیسائیوں کو مدد دی ہے مگر اب خدا کا شکر کرو کہ اُس نے عین وقت پر دستگیری فرمائی ہے۔ اور اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ اس لئے تم کو مُناسب ہے کہ اس فضل کو جو تم کو دیا گیا ہے۔ ضائع نہ کرو اور ادب کی نگاہ سے دیکھو اور اس مدد اور نصرت کی جو تمہیں دی گئی ہے قدر کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کی مدد بدُوں اور اُس کے بُلائے بغیر کوئی شخص راستی سے اور پُوری قوت سے

ایک امر کو بیان نہیں کر سکتا۔ بغیر اس کے دلائل ملتے ہی نہیں اور طرز بیان نہیں دیا جاتا۔ اور یہ بھی خدا کا خاص فضل ہوتا ہے کہ اس طرز بیان سے نیکی کی قوت رکھنے والے اُس شخص کو جو خدا کی قوت اور طاقت پاکر رُوح القدس سے بھر کر بولتا ہے شناخت کر لیتے ہیں۔ پس تم پر یہ خدا تعالےٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں یہ قوت عطا کی اور شناخت کی آنکھ دی۔ اگر وہ یہ فضل نہ کرتا تو جیسے اَور لوگ پردوں میں ہیں اور گالیاں دیتے ہیں تم بھی اُن میں ہی ہوتے۔ جس چیز نے تم کو کھینچا ہے وہ محض خدا کا فضل ہے۔ جیسے میاں عبدالحق ہی کو دیکھو کہ خدا کا فضل اُن کی دستگیری نہ کرتا تو یہ کیونکر اس عیش کی جگہ سے نکل سکتے تھے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس کئی ناصح بھی جمع ہوئے اور اُنہوں نے منع بھی کیا کہ قادیان مت جاؤ۔ بلکہ ایک نے گالی بھی دی۔ حالانکہ گالی دینا اُن کے مذہب میں منع ہے اور عام طور پر تہذیب اور شائستگی کے بھی خلاف ہے۔ لیکن ان تمام باتوں پر خدا کا فضل غالب آگیا اور اُن کو کھینچ لایا۔ اُن کو بدی کے اسباب ہی میسّر نہ آئے ورنہ اگر یہ بیوی کر لیتے تو پھر ابتلا پیش آجاتا۔ مگر خدا نے ہر طرح سے بچایا۔ خدا کا فضل مستحدث نہیں ہوتا۔ جس پر وہ اپنا کرم کرتا ہے اُسے ہر طرح سے بچا لیتا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور شکر کرو۔ اس کے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آجانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچّی اور کامل اطاعت ہے مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالےٰ کے حضور رکھ دیتا ہے بدُوں کسی امید پاداش کے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ[1] ☆

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۲ء)

فٹ نوٹ ☆ دابۃ الارض کے معنے طاعُون کے بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم انّ الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون[2]۔ یعنی جب لوگوں پر حجّت پوری ہو جائے گی۔ تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو لوگوں کو اس واسطے کاٹے گا کہ وہ خدا تعالےٰ کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ تکلمھم کے معنی اقرب الموارد میں صاف کاٹنے کے کئے ہیں۔

[1] البقرۃ: ۱۱۳ [2] النمل: ۸۳

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء (بقیہ تقریر)

سچے مُسلمان کی تعریف

یعنی مُسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجُود کو اللہ تعالےٰ کی رضا حاصِل کرنے کیلئے وقف کر دے اور سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اور تمام نیکیاں اور اعمال حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ بمشقت اور مشکل کی راہ سے نہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو۔ جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے۔

حقیقی مسلمان اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے یہ کہہ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب و مولا پیدا کرنے والا اور مُحسن ہے۔ اِس لئے اُس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ سچے مسلمان کو اگر کہا جاوے کہ ان اعمال کی پاداش میں کچھ بھی نہیں ملیگا اور نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے اور نہ آرام ہیں نہ لذات ہیں تو وہ اپنے اعمال صالحہ اور محبت الٰہی کو ہرگز ہرگز چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ اُس کی عبادات اور خدا تعالیٰ سے تعلق اور اُس کی فرماں برداری اور اطاعت میں فنا کسی پاداش یا اجر کی بنا اور امید پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ حقیقت میں خدا تعالےٰ ہی کی شناخت اُس کی محبّت اور اطاعت کے لئے بنائی گئی ہے اور کوئی غرض اور مقصد اُس کا ہے ہی نہیں۔ اسی لئے وہ اپنی خداداد قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد میں صرف کرتا ہے تو اس کو اپنے محبوب حقیقی ہی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ بہشت و دوزخ پر اس کی اصلاً نظر نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے اس امر کا یقین دلا دیا جاوے کہ خدا تعالےٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان تکلیفوں اور بلاؤں کو ایک لذت اور محبت کے جوش اور شوق کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہے اور باوجود ایسے یقین کے جو عذاب اور دُکھ کی صورت میں دلایا جاوے کبھی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک قدم باہر نکلنے کو ہزار بلکہ لاانتہا مَوت سے

بڑھ کر اور دُکھوں اور مصائب کا مجموعہ قرار دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ عام اعلان کرائے کہ اگر کوئی ماں اپنے بچّے کو دُودھ نہ دے گی تو بادشاہ اس سے خوش ہو کر انعام دیگا تو ایک ماں کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ اس انعام کی خواہش اور لالچ میں اپنے بچّے کو ہلاک کرے۔ اسی طرح ایک سچا مسلمان خدا کے حکم سے باہر ہونا اپنے لئے ہلاکت کا موجب سمجھتا ہے خواہ اس کو اس نافرمانی میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا وعدہ دیا جاوے۔

پس حقیقی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس قسم کی فطرت حاصل کی جاوے۔ کہ خدا تعالےٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا اور سزا کے خوف اور امید کی بنا پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو پھر وہ محبت بجائے خود اُس کے لئے ایک بہشت پیدا کر دیتی ہے اور حقیقی بہشت یہی ہے۔ کوئی آدمی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جبتک وہ اس راہ کو اختیار نہیں کرتا ہے۔ اس لئے میں تم کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اسی راہ سے داخل ہونے کی تعلیم دیتا ہوں کیونکہ بہشت کی حقیقی راہ یہی ہے۔

اتمامِ نعمت اور جُمعہ کا دن اور غلبہ اسلام بر دیگر ادیان

خدا تعالےٰ نے جو اتمام نعمت کی ہے وہ یہی دین ہے جس کا نام اسلام رکھا ہے۔ پھر نعمت میں جمعہ کا دن بھی ہے جس روز اتمام نعمت ہوا۔ یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ پھر اتمام نعمت جو لیظھرہٗ علے الدّین کلّہٖ[1] کی صورت میں ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشّان جمعہ ہوگا۔ وہ جمعہ اب آگیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ جمعہ مسیح موعود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس لئے کہ اتمام نعمت کی صورتیں دراصل دو ہیں۔ اوّل تکمیل ہدایت۔ دوّم تکمیل اشاعت ہدایت۔ اب تم غور کر کے دیکھو۔ تکمیل ہدایت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کامل طور پر ہو چکی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا کہ تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ دوسرا زمانہ ہو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بروزی رنگ میں ظہور فرماویں اور وہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے۔ یہی وجہ کہ لیظھرہٗ علے الدّین کلّہٖ اس شان میں فرمایا گیا ہے۔ تمام مفسّرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا

[1] الصف : ۱۰

ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔ درحقیقت اظہار دین اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ کُل مذاہب میدان میں نکل آویں اور اشاعت مذہب کے ہر قسم کے مفید ذریعے پیدا ہو جائیں۔ اور وہ زمانہ خدا کے فضل سے آگیا ہے چنانچہ اس وقت پریس کی طاقت سے کتابوں کی اشاعت اور طبع میں جو جو سہولتیں میسر آئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ڈاکخانوں کے ذریعہ سے کل دُنیا میں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اخباروں کے ذریعہ سے تمام دنیا کے حالات پر اطلاع ملتی ہے۔ ریلوں کے ذریعہ سفر آسان کر دیئے گئے ہیں۔ غرض جس قدر آئے دن نئی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اسی قدر عظمت کے ساتھ مسیح موعود کے زمانہ کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور اظہار دین کی صورتیں نکلتی آتی ہیں۔ اس لئے یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لیظھرہٗ علی الدین کلّہ کہہ کر فرمائی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جو الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی[1] کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعت ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمام نعمت کا زمانہ ہے اور پھر یہ وُہی وقت اور جمعہ ہے جس میں واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم[2] کی پیشگوئی پُوری ہوتی ہے۔ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ اتمام نعمت کا وقت آپہونچا ہے لیکن تھوڑے ہیں۔ جو اس سے آگاہ ہیں اور بہت ہیں جو ہنسی کرتے اور ٹھٹھوں میں اُڑاتے ہیں مگر وہ وقت قریب ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے وعدہ کے موافق تجلی فرمائے گا اور اپنے زور آور حملوں سے دکھا دیگا کہ اس کا نذیر سچا ہے۔

اپنی جماعت کو نصیحت

میں سچ کہتا ہوں کہ یہ ایک تقریب ہے جو اللہ تعالےٰ نے سعادت مندوں کے لئے پیدا کر دی ہے۔ مبارک وہی ہیں جو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تم لوگ جنہوں نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ اس بات پر ہرگز ہرگز مغرور نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ تم نے پانا تھا۔ پا چکے۔ یہ سچ ہے کہ تم ان منکروں کی نسبت قریب تر بہ سعادت ہو جنہوں نے اپنے شدید انکار اور توہین سے خدا کو

[1] المائدۃ: ۴ [2] الجمعۃ: ۴

ناراض کیا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ تم نے حُسنِ ظن سے کام لے کر خدا تعالیٰ کے غضب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کی۔ لیکن سچّی بات یہی ہے کہ تم اس چشمہ کے قریب آپہنچے ہو جو اس وقت خدا تعالیٰ نے ابدی زندگی کے لئے پیدا کیا ہے ہاں پانی پینا ابھی باقی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے توفیق چاہو کہ وہ تمہیں سیراب کرے کیونکہ خدا تعالیٰ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ جو اس چشمہ سے پئے گا وہ ہلاک نہ ہوگا کیونکہ یہ پانی زندگی بخشتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ کرتا ہے۔ اس چشمہ سے سیراب ہونے کا کیا طریق ہے؟ یہی کہ خدا تعالیٰ نے جو دو حق تم پر قائم کئے ہیں اُن کو بحال کرو اور پُورے طور پر ادا کرو۔ ان میں سے ایک خدا کا حق ہے دوسرا مخلوق کا۔

اپنے خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھو جیسا کہ اس شہادت کے ذریعہ تم اقرار کرتے ہو اشھد ان لا الٰہ الا اللہ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی محبوب مطلوب اور مطاع اللہ کے سوا نہیں ہے یہ ایک ایسا پیارا جُملہ ہے کہ اگر یہ یہودیوں عیسائیوں یا دوسرے مشرک بُت پرستوں کو سکھایا جاتا اور وہ اس کو سمجھ لیتے تو ہرگز ہرگز تباہ اور ہلاک نہ ہوتے اسی ایک کلمہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اُن پر تباہی اور مصیبت آئی اور اُن کی رُوح مجذوم ہو کر ہلاک ہو گئی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۷ مئی ۱۹۰۲ء)

۲۷ دسمبر ۱۹۰۱ء (بقیہ تقریر)

سُورۃ اخلاص میں توحید کی تعلیم

ایسا ہی فرمایا قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوًا احد[۱] یعنی کہدو کہ وہ خدا ایک ہے ھو خدا کا نام ہے۔ وہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ کھانے پینے کی اس کو ضرورت نہ زمان یا مکان کی حاجت نہ کسی کا باپ نہ بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر اور بے نظیر ہے۔ یہ چھوٹی سی سورت قرآن شریف کی ہے جو ایک سطر میں آجاتی ہے۔ لیکن دیکھو کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ہر قسم کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی گئی ہے۔

[۱] الاخلاص: ۲-۵

حصرِ عقلی میں شرک کے جس قدر قسم ہو سکتے ہیں اُن سے اُس کو پاک بیان کیا ہے۔ جو چیز آسمان اور زمین کے اندر ہے۔ وہ ایک تغیر کے نیچے ہے مگر خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ اب یہ کیسی صاف اور ثابت شدہ صداقت ہے۔ دماغ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نورِ قلب جس کی شریعت دِل میں ہے اس پر شہادت دیتا ہے۔ قانونِ قدرت اسی کا مؤید و مصدق ہے۔ یہانتک کہ ایک ایک پتہ اس پر گواہی دیتا ہے۔ پس اس کو شناخت کرنا ہی عظیم الشان بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو قرآن شریف میں یہ چھوٹی سی سُورت نازل کی یہ ایسی ہے کہ اگر توریت کے سارے دفتر کی بجائے اُس میں اسی قدر ہوتا تو یہود تباہ نہ ہوتے اور انجیل کے اتنے بڑے مجموعہ کو چھوڑ کر اگر یہی تعلیم اُن کو دی جاتی۔ تو آج دنیا کا ایک بڑا حصہ ایک مُردہ پرست قوم نہ بن جاتا۔

اسلام کی اعلیٰ اور اکمل تعلیم

مگر یہ خدا کا فضل ہے جو اسلام کے ذریعہ مسلمانوں کو ملا اور اس فضل کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے جس پہلو سے دیکھو۔ مسلمانوں کو بہت بڑے فخر اور ناز کا موقع ہے۔ مسلمانوں کا خدا پتھر، درخت، حیوان، ستارہ یا کوئی مُردہ انسان نہیں ہے۔ بلکہ وہ قادرِ مطلق خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے پیدا کیا اور حیّ وقیوم ہے۔

مسلمانوں کا رسُول وہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی نبوت اور رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے۔ آپ کی رسالت مُردہ رسالت نہیں بلکہ اس کے ثمرات اور برکات تازہ بتازہ ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں جو اس کی صداقت اور ثبوت کی ہر زمانہ میں دلیل ٹھہرتے ہیں۔

چنانچہ اس وقت بھی خدا نے ان ثبوتوں اور برکات اور فیوض کو جاری کیا ہے اور مسیح موعود کو بھیج کر نبوتِ محمدیہ کا ثبوت آج بھی دیا ہے اور پھر اُس کی دعوت ایسی عام ہے کہ کُل دنیا کے لئے ہے۔ قل یایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعًا[۱]۔ اور پھر فرمایا۔ ما ارسلنٰک الّا رحمۃً للعالمین[۲]۔

کتاب دی تو ایسی کامل اور ایسی محکم اور یقینی کہ لاریب فیہ[۳] اور فیھا کتب قیّمۃ[۴]۔

[۱] الاعراف: ۱۵۹ [۲] الانبیاء: ۱۰۸ [۳] البقرۃ: ۳ [۴] البیّنۃ: ۴

اور ایات محکمٰت۔ قولٌ فصلٌ۔ میزانٌ۔ مھیمنٌ۔

غرض ہر طرح سے کامل اور مکمل دین مسلمانوں کا ہے جس کے لئے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً[1] کی مُہر لگ چکی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے مسلمانوں پر کہ وہ ایسا کامل دین جو رضاء الٰہی کا موجب اور باعث ہے رکھ کر بھی بے نصیب ہیں اور اس دین کے برکات اور ثمرات سے حصہ نہیں لیتے بلکہ خدا تعالیٰ نے جو ایک سلسلہ ان برکات کو زندہ کرنے کے لئے قائم کیا تو اکثر انکار کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور لستَ مرسلاً اور لستَ مؤمناً کی آوازیں بلند کرنے لگے۔

یاد رکھو خدا تعالیٰ کی توحید کا اقرار محض ان برکات کو جذب نہیں کر سکتا جو اس اقرار اور اُس کے دوسرے لوازمات یعنی اعمال صالحہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ توحید اعلیٰ درجہ کی جُزو ہے جو ایک سچے مسلمان اور ہر خدا ترس انسان کو اختیار کرنی چاہیئے۔ مگر توحید کی تکمیل کے لئے ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ محبت الٰہی ہے۔ یعنی خدا سے محبت کرنا۔

قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدّعا یہی ہے کہ خدا تعالےٰ جیسا وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی محبت کی رُو سے بھی اس کو وحدہٗ لاشریک یقین کیا جاوے اور کُل انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے۔ چنانچہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیل محبت کی ہدایت بھی کرتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے۔ یہ ایک ایسا پیارا اور پُر معنی جملہ ہے کہ اس کی مانند ساری تورات اور انجیل میں نہیں اور نہ دنیا کی کسی اَور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔

اَللہ کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے۔ گویا اسلام کی یہ اصل محبت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ جو توحید بدُوں محبت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔

[1] المائدۃ : ۴

محبّت الٰہی اور اپنی جماعت کو نصائح

خدا کے ساتھ محبت کرنے سے کیا مُراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین۔ جورو۔ اپنی اولاد۔ اپنے نفس، غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضاء کو مقدم کر لیا جاوے چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذکرًا[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ خدا تعالےٰ نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تم خدا کو باپ کہا کرو بلکہ اس لئے یہ سکھایا ہے کہ نصاریٰ کی طرح دھوکہ نہ لگے اور خدا کو باپ کر کے پکارا نہ جائے اور اگر کوئی کہے کہ پھر باپ سے کم درجہ کی محبت ہوئی تو اس اعتراض کے رفع کرنے کیلئے او اشدّ ذکرا رکھ دیا۔ اگر او اشدّ ذکرا نہ ہوتا تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا۔ مگر اب اس نے اُس کو حل کر دیا جو باپ کہتے ہیں وہ کیسے گرے کہ ایک عاجز کو خدا کہہ اُٹھے۔

بعض الفاظ ابتلا کے لئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نصاریٰ کا ابتلا منظور تھا۔ اس لئے اُن کی کتابوں میں انبیاء کی یہ اصطلاح ٹھہر گئی۔ مگر چونکہ وہ حکیم اور علیم ہے اس لئے پہلے ہی سے لفظ اَب کو کثیر الاستعمال کر دیا۔ مگر نصاریٰ کی بدقسمتی کہ جب مسیح نے یہ لفظ بولا تو اُنہوں نے حقیقت پر حمل کر لیا اور دھوکا کھا لیا۔ حالانکہ مسیح نے یہ کہہ کر کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ تم الٰہ ہو اس شرک کو مٹانا چاہا اور اُن کو سمجھانا چاہا مگر نادانوں نے پرواہ نہ کی۔ اور اُن کی اس تعلیم کے ہوتے ہوئے بھی اُن کو ابن اللہ قرار دے ہی لیا۔

یہودیوں کو بھی اس قسم کا ابتلا آیا۔ چونکہ مُوذی قوم تھی۔ اُن کی درخواست پر منّ و سلویٰ نازل ہوا۔ کیونکہ یہ طاعون پیدا کرنے کا مقدمہ تھا۔ اللہ تعالےٰ چونکہ جانتا تھا کہ وہ حد سے نکل جائیں گے اور اُن کی سزا طاعون تھی۔ اس لئے پہلے سے وہ اسباب رکھ دیئے۔

میں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں کہ اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت سے پُورا حصہ لو۔ اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جبتک عملی حصہ میں کامل نہ ہو۔ نری زبان سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مصری کا نام لیتا رہے تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ

[1] البقرۃ : ۲۰۱

شیریں کام ہو جاوے یا اگر زبان سے کسی کی دوستی کا اعتراف اور اقرار کرے مگر مصیبت اور وقت پڑنے پر اس کی امداد اور دستگیری سے پہلوتہی کرے تو وہ دوست صادق نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی طرح پر اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا نرا زبانی ہی اقرار ہو اور اُس کے ساتھ محبت کا بھی زبانی ہی اقرار موجود ہو تو کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ حصہ زبانی اقرار کی بجائے عملی حصہ کو زیادہ چاہتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ زبانی اقرار کوئی چیز نہیں ہے۔ نہیں۔ میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو۔ اور یہی اسلام ہے یہی وہ غرض ہے جس کے لئے مجھے بھیجا گیا ہے۔ پس جو اس وقت اس چشمہ کے نزدیک نہیں آتا جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کیلئے جاری کیا ہے وہ یقیناً بے نصیب رہتا ہے اگر کچھ لینا ہے اور مقصد کو حاصل کرنا ہے تو طالب صادق کو چاہیئے کہ وہ چشمہ کیطرف بڑھے اور آگے قدم رکھے اور اس چشمہ جاری کے کنارے اپنا مُنہ رکھدے اور یہ ہو نہیں سکتا جبتک خدا تعالیٰ کے سامنے غیریت کا چولہ اُتار کر آستانہ رُبوبیت پر نہ گر جاوے اور یہ عہد نہ کرے کہ خواہ دنیا کی وجاہت جاتی رہے اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو بھی خدا کو نہیں چھوڑے گا۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے گا۔ ابراہیم علیہ السّلام کا یہی عظیم الشّان اخلاص تھا۔ کہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ابراہیم بنو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ

ولی پرست نہ بنو۔ بلکہ ولی بنو

اور پیر پرست نہ بنو۔ بلکہ پیر بنو

تم اُن راہوں سے آؤ۔ بیشک وہ تنگ راہیں ہیں۔ لیکن اُن سے داخل ہو کر راحت اور آرام ملتا ہے مگر یہ ضروری ہے کہ اس دروازہ سے بالکل ہلکے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ اگر بہت بڑی گٹھڑی سر پر ہو تو مشکل ہے۔ اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس گٹھڑی کو جو دُنیا کے تعلقات اور دُنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھڑی ہے، پھینک دو۔ ہماری جماعت خدا کو خوش کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو پھینک دے۔ تم یقیناً یاد رکھو کہ اگر تم میں وفاداری اور اخلاص نہ ہو تو تم جھوٹے ٹھہرو گے

اور خدا تعالیٰ کے حضور راستباز نہیں بن سکتے۔ ایسی صُورت میں دشمن سے پہلے وہ ہلاک ہوگا۔ جو وفاداری کو چھوڑ کر غداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فریب نہیں کھا سکتا۔ اور نہ کوئی اُسے فریب دے سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم سچا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔

تم پر خدا تعالیٰ کی حجت سب سے بڑھ کر پُوری ہوئی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا ہے۔ پس تم خدا تعالیٰ کے الزام کے نیچے ہو اس لئے ضروری ہے کہ تقویٰ اور خشیت تم میں سب سے زیادہ پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اس سلسلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے یہانتک کہ ہر ایک قصہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ذوالقرنین کا قِصہ ہے۔ اس میں اس کی پیشگوئی ہے چنانچہ قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف گیا تو اُسے آفتاب غروب ہوتا نظر آیا یعنی تاریکی پائی اور ایک گدلا چشمہ اس نے دیکھا۔ وہاں پر ایک قوم تھی۔ پھر مشرق کی طرف چلتا ہے تو دیکھا کہ ایک ایسی قوم ہے جو کسی اوٹ میں نہیں اور وہ دُھوپ سے جلتی ہے۔ تیسری قوم ملی جس نے یاجُوج ماجُوج سے بچاؤ کی درخواست کی۔ اب یہ بظاہر تو قصہ ہے لیکن حقیقت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس زمانہ سے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دیئے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں اس لئے کہ انسان اپنے قویٰ سے کام لے اگر انسان نرے منقولات سے کام لے تو وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ ذوالقرنین اس لئے نام رکھا کہ وہ دو صدیوں کو پائے گا۔ اب جس زمانہ میں خدا نے مجھے بھیجا ہے سب صدیوں کو بھی جمع کر دیا۔ کیا یہ انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر دو صدیوں کا صاحب ہو جاوے۔

ہندوؤں کی صدی بھی پائی اور عیسائیوں کی بھی۔ مفتی صاحب نے تو کوئی ۱۶ یا ۱۷ صدیاں جمع کر کے دکھائی تھیں۔

غرض ذوالقرنین کے معنے ہیں۔ دو صدیاں پانے والا۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کے لئے تین قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ پہلی قوم جو مغرب میں ہے اور آفتاب وہاں غروب

ہوتا ہے اور وہ تاریکی کا چشمہ ہے۔ یہ عیسائیوں کی قوم ہے جس کا آفتاب صداقت غروب ہو گیا اور آسمانی حق اور نور اُن کے پاس نہیں رہا۔

دوسری قوم اس کے مقابل میں وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے مگر آفتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ یہ مسلمانوں کی قوم ہے جن کے پاس آفتاب صداقت قرآن شریف اِس وقت موجود ہے۔ مگر دابۃ الارض نے اُن کو بے خبر بنا دیا ہے۔ اور وہ اِس سے اُن فوائد کو حاصل نہیں کر سکتے بجز جلنے اور دُکھ اُٹھانے کے جو ظاہر پرستی کی وجہ سے اُن پر آیا۔ پس یہ قوم اس طرح پر بے نصیب ہو گئی۔ اب ایک تیسری قوم ہے جس نے ذوالقرنین سے التماس کی کہ یاجوج ماجوج کے درے بند کر دے تا کہ وہ اُن کے حملوں سے محفوظ ہو جاویں۔

وہ ہماری قوم ہے جس نے اخلاص اور صدق دل سے مجھے قبول کیا۔ خدا تعالیٰ کی تائیدات سے میں اِن حملوں سے اپنی قوم کو محفوظ کر رہا ہوں۔ جو یاجوج ماجوج کر رہے ہیں۔ پس اس وقت خدا تعالیٰ تم کو تیار کر رہا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ سچی توبہ کرو۔ اور اپنی سچائی اور وفاداری سے خدا کو راضی کرو۔ تا کہ تمہارا آفتاب غروب نہ ہو۔ اور تاریکی کے چشمہ کے پاس جانے والے نہ ٹھہرو اور نہ تم اُن لوگوں سے بنو جنہوں نے آفتاب سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ پس تم پورا فائدہ حاصل کرو اور پاک چشمہ سے پانی پیئو تا خدا تم پر رحم کرے۔

وہ انسان بدقسمت ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان لا کر وفاداری اور صبر کے ساتھ اُن کا انتظار نہیں کرتا اور شیطان کے وعدوں کو یقینی سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس لئے کبھی بے دِل نہ ہو جاؤ اور تنگی اور عُسر کی حالت میں گھبراؤ نہیں۔ خدا تعالیٰ خود رزق کے معاملہ میں فرماتا ہے۔ وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ[1]۔

انسان جب خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر شیطان کا غلام بن جاتا ہے۔ وہ انسان بہت ہی بڑی ذمہ داری کے نیچے ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو دیکھ چکا ہو۔ پس کیا تم میں سے کوئی ہے جو یہ کہے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ بعض نشان اس قسم کے ہیں۔ کہ لاکھوں کروڑوں

[1] الذاریات : ۲۳

انسان اُن کے گواہ ہیں۔ جو ان نشانوں کی قدر نہیں کرتا اور اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ اپنی جان پر ظُلم کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ اُس کو دشمن سے پہلے ہلاک کرے گا۔ کیونکہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔ جو اپنے آپ کو درست نہیں کرتا وہ نہ صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے بیوی بچوں پر بھی ظُلم کرتا ہے کیونکہ جب وہ خود تباہ ہو جاوے گا تو اس کے بیوی بچے بھی ہلاک اور خوار ہوں گے۔ خدا تعالےٰ اس کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا[1]

مرد چونکہ الرّجال قوّامون علی النّساء[2] کا مصداق ہے اس لئے اگر وہ لعنت لیتا ہے تو وہ لعنت بیوی بچّوں کو بھی دیتا ہے اور اگر برکت پاتا ہے تو ہمسائیوں اور شہر والوں تک کو بھی دیتا ہے۔ اِس وقت کُل ملک میں طاعُون کی آگ لگ رہی ہے۔ وہ لوگ غلطی کر رہے ہیں جو اس کو ملعُون کہتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اس وقت ایک خاص کام کے لئے مامُور کیا گیا ہے۔ اس کا علاج خدا تعالےٰ نے مجھے یہی بتایا ہے اِنّ اللّٰہ لا یغیّر ما بقومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم[3]۔ یہ طاعُون بدکاریوں اور فسق و فجور اور میرے انکار اور استہزاء کا نتیجہ ہے۔ اور یہ رُک نہیں سکتا جب تک لوگ اپنے اعمال میں پاک تبدیلی نہ کریں۔ اور سبّ و شتم سے زبان کو نہ روک لیں پھر فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ

اِس گاؤں کو پریشانی اور انتشار سے حفاظت میں لے لیا۔ کیا اس گاؤں میں ہر قسم کے لوگ چوہڑے چمار دہریہ اور شراب پینے والے اور بیچنے والے اور اَور قسم کے لوگ نہیں رہتے مگر خدا نے میرے وجود کے باعث سارے گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اور اس افراتفری اور موت الکلاب سے اُسے محفوظ رکھا۔ جو دوسرے شہروں اور قصبوں میں ہوتی ہے۔

غرض یہ خدا تعالےٰ کے نشان ہیں ان کو عزّت اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو اور اپنی ساری قوتوں کو خدا تعالےٰ کی مرضی کے نیچے استعمال کرو۔ توبہ اور استغفار کرتے رہو تا خدا تعالیٰ تم پر اپنا فضل کرے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵-۷ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء)

[1] الشمس: ۱۶ [2] النساء: ۳۵ [3] الرعد: ۱۲

۲۸ دسمبر ۱۹۰۱ء

مُرشد اور مُرید کے تعلقات کی وضاحت

مُرشد اور مُرید کے تعلقات اُستاد اور شاگرد کی مثال سے سمجھ لینے چاہئیں۔ جیسے شاگرد اُستاد سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح مُرید اپنے مُرشد سے۔ لیکن شاگرد اگر اُستاد سے تعلق تو رکھے مگر اپنی تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھائے تو فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ یہی حال مُرید کا ہے۔ پس اس سلسلہ میں تعلق پیدا کر کے اپنی معرفت اور علم کو بڑھانا چاہیئے۔ طالب حق کو ایک مقام پر پہنچکر ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہیئے ورنہ شیطان لعین اَور طرف لگا دے گا۔ اور جیسے بند پانی میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اگر مومن اپنی ترقیات کے لئے سعی نہ کرے تو وہ گر جاتا ہے۔ پس سعادتمند کا فرض ہے کہ وہ طلب دین میں لگا رہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دنیا میں نہیں گزرا لیکن آپ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[1] کی دُعا تعلیم ہوئی تھی۔ پھر اَور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کر کے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جُوں جُوں انسان اپنے علم اور معرفت میں ترقی کریگا اُسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں۔ بعض امور کو وہ ابتدائی نگاہ میں (اس بچّے کی طرح جو اقلیدس کے اشکال کو محض بیہودہ سمجھتا ہے) بالکل بیہودہ سمجھتے تھے۔ لیکن آخر وہی امور صداقت کی صورت میں اُن کو نظر آئے۔ اس لئے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے ساتھ ہی علم کو بڑھانے کے لئے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔ تم نے بہت ہی بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلہ کو قبول کیا ہے۔ اگر تم اس کی بابت پُورا علم اور بصیرت حاصل نہیں کرو گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوا تمہارے یقین اور معرفت میں قوت کیونکر پیدا ہو گی۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوک اور شبہات پیدا ہوں گے اور آخر قدم کو ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔

دین کو ہر حال میں دُنیا پر مقدّم کرنا چاہیئے

دیکھو دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مصروف ہو جاتے ہیں شیطان اُن کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی

[1] طٰہٰ : ۱۱۵

منع ہے۔ نہیں صحابہ تجارتیں بھی کرتے تھے مگر وہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچّا علم جو یقین سے اُن کے دلوں کو لبریز کر دے اُنہوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگائے۔ کوئی امر اُن کو سچائی کے اظہار سے نہیں روک سکا۔

میرا مطلب اس سے صرف یہ ہے کہ جو بالکل دنیا ہی کے بندے اور غلام ہو جاتے ہیں گویا دنیا کے پرستار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان اپنا غلبہ اور قابُو پالیتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی ترقی کی فکر میں ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ گروہ ہوتا ہے جو حزب اللہ کہلاتا ہے اور جو شیطان اور اُس کے لشکر پر فتح پاتا ہے۔ مال چونکہ تجارت سے بڑھتا ہے اس لئے خدا تعالےٰ نے بھی طلب دین اور ترقی دین کی خواہش کو ایک تجارت ہی قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے هَلْ ادلكم علٰی تجارةٍ تنجیکم من عذابٍ الیم[۱] سب سے عُمدہ تجارت دین کی ہے جو دردناک عذاب سے نجات دیتی ہے پس میں بھی خدا تعالےٰ کے اِن ہی الفاظ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ هَلْ ادلكم علٰی تجارةٍ تنجیکم من عذابٍ الیم۔

دینی اور قرآن مجید کا عِلم حاصِل کرو

میں زیادہ امید اُن پر کرتا ہوں جو دینی ترقی اور شوق کو کم نہیں کرتے۔ جو اس شوق کو کم کرتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ شیطان اُن پر قابُو نہ پالے۔ اس لئے کبھی سُست نہیں ہونا چاہئیے ہر امر کو جو سمجھ میں نہ آئے پوچھنا چاہئیے تاکہ معرفت میں زیادت ہو۔ پُوچھنا حرام نہیں۔ بہ حیثیت انکار کے بھی پوچھنا چاہئیے اور عملی ترقی کے لئے بھی۔ جو علمی ترقی چاہتا ہے اس کو چاہئیے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کریں۔ اگر بعض معارف سمجھ نہ سکے تو دوسروں سے دریافت کر کے فائدہ پہنچالے۔

قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں۔ جب تم کسی عیسائی سے ملو گے تو دیکھو گے کہ اُن میں نقالوں اور ٹھٹھے والوں کی طرح دیانت

[۱] الصف: ۱۱

مفقود نظر آئے گی۔ یُوں تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کے ترجمہ سے واقف ہیں مگر اُنہوں نے مشق تو کی ہے لیکن اُن میں رُوحانیت نہیں ہے اور اس کا ہمیں بارہا تجربہ ہوا ہے جب اُن کو بُلایا گیا تو اُنہوں نے گریز کی ہے۔ اگر واقعی اُن میں رُوحانیت ہے اگر واقعی ان کی معرفت اور علم الیقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے تو پھر کیا وجہ کہ وہ گریز کرتے ہیں؟

لاہور کے بشپ کا فرار

دیکھو لاہور کے بشپ صاحب نے لاہور میں بڑے اہم مضامین پر لیکچر دیئے۔ اور اپنی قرآن دانی اور حدیث دانی کے ثبوت کے لئے بڑی کوشش کی۔ لیکن اُسے ہم نے دعوت کی۔ تو باوجودیکہ پائونیر نے بھی اس کو شرمندگی دلائی۔ مگر وہ صرف یہ کہہ کر کہ ہمارا دشمن ہے مقابلہ سے بھاگ گیا ہم کو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بشپ صاحب تو مسیح کی تعلیم کا کامل نمونہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور اپنے دشمنوں کو پیار کرو پر اُن کا پُورا عمل ہوتا۔ اگر میں اُن کا دشمن بھی ہوتا حالانکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ **نوع انسان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور دوست میں ہُوں**۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں اُن تعلیمات کا دشمن ہوں جو انسان کی رُوحانی دشمن ہیں۔ اور اس کی نجات کی دشمن ہیں۔ غرض بشپ صاحب کو کئی بار اخباروں نے اِس معاملہ میں شرمندہ کیا مگر وہ سامنے نہ آئے۔ عیسائیوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو سادہ دیکھتے ہیں تو چھوٹا ہے تو بیٹا بنا کر، اور بڑا ہے تو باپ بنا کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اگر وہ حالات سے واقف ہے تو پھر اس سے بغض کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جب خدا سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں تو مخلوق سے سچی ہمدردی کیونکر پیدا ہو۔ مگر ہماری جماعت خاص ہے اس کو عام مسلمانوں کی طرح نہ سمجھیں۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ کی بقیہ تفسیر

یہ مسلمان دابۃ الارض ہیں اور اس لئے اس کے مخالف ہیں جو **آسمان سے آتا ہے**۔ جو زمینی بات کرتا ہے وہ دابۃ الارض ہے۔ خدا تعالےٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ رُوحانی امور کو وہی دریافت کرتے ہیں جن میں مناسبت ہو۔ چونکہ ان میں مناسبت نہ تھی اس لئے اُنہوں نے عصا دین

لہ سبا : ۱۵

کو کھالیا۔ جیسے سلیمان کے عصا کو کھالیا تھا۔ اور اس سے آگے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جنّوں کو یہ پتہ لگا تو انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ اسی طرح پر عیسائی قوم نے جب اسلام کی یہ حالت دیکھی۔ یعنی اس دابتہ الارض نے اس عصائے راستی کو کمزور کر دیا تو ان قوموں کو اس پر وار کرنے کا موقع دے دیا۔ جنّ وُہ ہے جو چھپ کر وار کرے اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں۔ وُہی پیار جو حوّا سے آکر نحاش نے کیا تھا۔ اس پیار کا انجام وہی ہونا چاہیئے جو ابتدا میں ہوا۔ آدم پر اس سے مصیبت آئی۔ اُس وقت گویا وہ خدا سے بڑھ کر خیر خواہ ہو گیا۔ اسی طرح پر یہ بھی وُہی حیات ابدی پیش کرتے ہیں جو شیطان نے کی تھی۔ اس لئے قرآن شریف نے اوّل اور آخر کو اس پر ختم کیا۔ اس میں یہ سِرّ تھا کہ تا بتایا جاوے کہ ایک آدم آخر میں بھی آنیوالا ہے۔ قرآن شریف کے اوّل یعنی سورۃ فاتحہ کو وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر ختم کیا۔ یہ امر تمام مفسّر بالاتفاق مانتے ہیں کہ ضالین سے عیسائی مُراد ہیں اور آخر جس پر ختم ہوا وہ یہ ہے۔ قل اعوذ برب النّاس۔ ملك النّاس۔ اله النّاس۔ من شر الوسواس الخنّاس۔ الّذی یوسوس فی صدور النّاس۔ من الجنّة والنّاس[1]۔ سورۃ النّاس سے پہلے قُلْ ہُوَ اللّٰہ میں خدا تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس طرح پر گویا تثلیث کی تردید کی۔ اس کے بعد سورۃ النّاس کا بیان کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے۔ پس آخری وصیّت یہ کی کہ شیطان سے بچتے رہو۔ یہ شیطان وہی نحاش ہے جس کو اس سورۃ میں خنّاس کہا۔ جس سے بچنے کی ہدایت کی۔ اور یہ جو فرمایا کہ ربّ کی پناہ میں آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جسمانی امور نہیں ہیں بلکہ رُوحانی ہیں۔ خدا کی معرفت معارف اور حقائق پر پکے ہو جاؤ تو اس سے بچ جاؤ گے۔ اس آخری زمانہ میں شیطان اور آدم کی آخری جنگ کا خاص ذکر ہے۔ شیطان کی لڑائی خدا اور اُس کے فرشتوں سے آدم کے ساتھ ہو کر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کو پُورے سامان کے ساتھ اُترے گا اور خدا کا مسیح اس کا مقابلہ کرے گا۔ یہ لفظ مشیح ہے جس کے معنی خلیفہ کے ہیں۔ عربی اور عبرانی میں حدیثوں میں مسیح لکھا ہے اور قرآن شریف میں خلیفہ لکھا ہے۔ غرض اس کے لئے مقدر تھا کہ اس آخری جنگ میں خاتم الخلفاء

[1] النّاس : ۲-۷

جو چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو، کامیاب ہو۔

سُورۃ العصر میں دُنیا کی تاریخ اور خاتم الخلفاء کا زمانہ

سُورۃ العصر میں دنیا کی تاریخ موجود ہے جس پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام سے مجھ کو اطلاع دی ہے اور یہ اصلی اور سچی تاریخ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کس قدر زمانہ گزرا ہے۔ پس اس حساب سے اب ساتویں ہزار سے کچھ سال گزر گئے۔ اور خاتم الخلفا چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوا تا کہ اوّل را بآخر نسبتے دارد کا مصداق ہوا۔ آدم بھی چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس چھ دن کے چھ ہزار ہوئے اور پھر آدم کی پیدائش چھٹے دن کے آخر میں ہوئی تھی۔ اس لئے خاتم الخلفاء چھٹے ہزار کے آخر میں ہوا۔ اور ساتویں میں جنگ ہے۔ اس جنگ سے توپ و تفنگ کی لڑائی مراد نہیں بلکہ یہ عیسائیت اور الٰہی دین کی آخری جنگ ہے۔ عیسائیت نے زمینی خدا بنا لیا ہے اور یہ وہی خدا یا خیالی خدا ہے جیسے بہت سی عورتیں ایک وہمی حمل رجا کا کر لیتی ہیں۔ یہانتک کہ پیٹ میں وہی طور پر حرکت بھی معلوم ہوتی ہے اور پیٹ بڑھتا بھی ہے۔ اسی طرح پر فرضی مسیح بنا لیا گیا ہے جسے خدا سمجھا گیا ہے۔ غرض سچے مسیح کے مقابل وہ کھڑا ہے۔ اب یہ لڑائی ان دونوں میں شروع ہے۔ اور خدا اس میں اپنا چمکتا ہوا ہاتھ دکھلائیگا۔

عیسائیوں سے مسیح محمدی کا مقابلہ

چالیس کروڑ سے بھی زائد انسان عیسائی ہو چکے ہیں۔ جب اوّل ہی اوّل یہ لوگ آئے تو مولوی ان کے حملوں اور اعتراضوں سے محض ناواقف تھے۔ اُن کو پُورا علم نہ اُن کے اعتراضوں کا تھا اور نہ قرآن شریف کے حقائق ہی سے آگاہ تھے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کے پاس اقبال اور تالیف قلوب کے ذریعے تھے۔ اس لئے اُن کی ترقی ہوتی گئی۔ مگر اب اُن میں ایک بھی نہیں۔ جو اس کے تنزل کو دیکھ سکے۔ اب ان کا دَور ختم ہونے والا ہے اور مختصر طور پر جعلی فرضی خدا کو سمجھ لیں گے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کا تانا بانا آریہ اور سناتن سے بھی بودا ہے۔ کیونکہ

اُنہوں نے ساری بنیاد حیات مسیح پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ساری عمارت گرجاتی ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں کہ وہ زندہ آسمان پر گیا ہے کوئی مان نہیں سکتا جبکہ دلائل قطعیۃ الدلالت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ وہ مرگیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب تو لاش کے دکھا دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ کیونکہ (سرینگر) کشمیر میں اس کی قبر واقعات صحیحہ کی بناء پر ثابت ہوگئی ہے۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے کون عقلمند یہ قبول کرسکتا ہے۔ اور اُس کی موت کے ساتھ ہی صلیب۔ کفّارہ لعنت وغیرہ ساری باتیں علُوم یقینیہ کی طرح غلط ثابت ہوجائیں گی۔ اِن ساری باتوں کے علاوہ یہ مذہب ایسا کمزور ہے کہ جو پہلو اس نے اختیار کیا ہے وہی بودا۔ ایک لعنت ہی کے پہلو کو دیکھو۔ اگر اس پہلو کو اختیار نہ کرتے۔ تو بہتر تھا۔ کیونکہ جب یہ سچی بات ہے کہ لعنت کا تعلق دل سے ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ملعون خدا کا اور خدا ملعون کا دشمن ہوجاوے اور خدا سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے۔ اور وہ خدا سے برگشتہ ہوجاوے تو پھر کیا باقی رہا۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح کو شیطان لئے پھرا۔ اگر جسمانی طور پر شیطان لئے پھرا ہوتا تو مسیح تماشا دکھا سکتے تھے۔ اس کا کوئی معقول جواب تو نہیں دے سکے۔ کسی یہودی کو شیطان کہہ دیا اور پھر تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا۔ غرض اب عیسائی مذہب کے خاتمہ کا وقت آگیا۔

پس تم اپنی ہمت اور سرگرمی میں سُست نہ ہو۔ بہت سے مسلمان کہلا کر دوسرے امور میں منہمک ہوجاتے ہیں۔ مگر تم خدا سے ڈرو اور سچی تبدیلی اور تقویٰ طہارت پیدا کرو۔ اس راہ میں سُست ہونا شیطان کو نقب لگا کر ایمان کا مال لے جانے کا موقع دینا ہے۔

اس وقت وُہی خدا جو آدم پر ظاہر ہوا تھا۔ اور دوسرے نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا ہے وُہی مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ اس وقت خدا نے موقع دیا ہے کہ تم اپنے معلومات کو بڑھا سکو۔ اس لئے جو بات سمجھ میں نہ آئے اُس کو فوراً پُوچھ لینا چاہیئے۔ جو سمجھنے سے پہلے کہتا ہے کہ سمجھ لیا۔ اس کے دل پر ایک چھالا سا پڑ جاتا ہے آخر وہ ناسُور ہو کر بہہ نکلتا ہے۔ میں نکلتا

نہیں ہوں خواہ کوئی ایک سال تک پُوچھتا رہے۔ پس اس موقع کی قدر کرو۔ میری باتوں کو سُنو اور سمجھو اور اُن پر عمل کرو۔ پھر خادم دین بنو۔ سچائی کو ظاہر کرو۔ خدا سے محبت کرنا اور مخلوق سے ہمدردی کرنا، یہ دونوں باتیں دین کی ہیں۔ ان پر عمل کرو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ - ۷ پرچہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء)

۸ جنوری ۱۹۰۲ء

ابتلاء اور ہمّ و غم کا فائدہ

فرمایا۔

" اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا۔ مگر بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر بعض عجیب وغریب اوقات اور حالتیں آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک ہمّ و غم کی بھی حالت ہے۔ ان اختلاف حالات اور تغیر و تبدیل اوقات سے اللہ تعالےٰ کی عجیب در عجیب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے۔

ؔ اگر دُنیا بیک دستور ماندے
بسا اسرارہا مستور ماندے

جن لوگوں کو کوئی ہم و غم دنیا میں نہیں پہنچتا اور جو بجائے خود اپنے آپ کو بڑے ہی خوش قسمت اور خوشحال سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار اور حقائق سے ناواقف اور ناآشنا رہتے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ مدرسوں میں سلسلہ تعلیم کیساتھ یہ بھی لازمی رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک لڑکے ورزش بھی کریں اس ورزش اور قواعد وغیرہ سے جو سکھائی جاتی ہے۔ سر رشتہ تعلیم کے افسروں کا یہ منشا تو ہو نہیں سکتا کہ اُن کو کسی لڑائی کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ وقت ضائع کیا جاتا ہے اور لڑکوں کا وقت کھیل کود میں دیا جاتا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں۔ اگر اُن کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جائے تو پھر اُن کی طاقتیں زائل اور ضائع ہو جاویں اور اس طرح پر اُس کو پُورا کیا جاتا ہے بظاہر ورزش

کرنے سے اعضاء کو تکلیف اور کسی قدر تکان اُن کی پرورش اور صحت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر ہماری فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے تاکہ تکمیل ہو جاوے اس لئے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہوتا ہے۔ جو وہ انسان کو بعض اوقات ابتلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اس سے اُس کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی ہیں جس شخص کو خدا پر یقین نہیں ہوتا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر گھبرا جاتے ہیں اور وہ خودکشی میں آرام دیکھتا ہے۔ مگر انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اُس پر اس قسم کی ابتلا آویں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین بڑھے۔

عدم ابتلاء سے نقصان

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن جن کو تفرقہ اور ابتلا نہیں آتا اُن کا حال دیکھو کہ کیسا ہوتا ہے۔ وہ بالکل دنیا اور اس کی خواہشوں میں منہمک ہو گئے ہیں۔ اُن کا سر اُوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ خدا تعالیٰ کا اُن کو بھُول کر بھی خیال نہیں آتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیا اور بجائے اس کے ادنیٰ درجہ کی باتیں حاصل کیں۔ کیونکہ ایمان اور عرفان کی ترقی اُن کے لئے وہ راحت اور اطمینان کے سامان پیدا کرتے جو کسی مال و دولت اور دنیا کی لذت میں نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ ایک بچّہ کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں اور اُس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں لیکن جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور جن کو ایمان اور یقین کی دولت سے مالامال کرتا ہے اُن پر ابتلا آتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی ابتلا نہیں آیا۔ وہ بدقسمت ہیں۔ وہ ناز و نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی زبان ہے مگر وہ حق بول نہیں سکتی۔ خدا کی حمد و ثنا اس پر جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے کے لئے اور مزہ چکھنے کے واسطے ہے۔ اُن کی آنکھیں ہیں۔ مگر وہ قدرت کا نظارہ نہیں دیکھ سکتیں بلکہ وہ بدکاری کے لئے ہیں۔ پھر اُن کو خوشی اور راحت کہاں سے میسّر آتی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جس کو ہمّ و غم پہنچتا ہے۔ وہ بدقسمت ہے۔ نہیں۔

خدا اُس کو پیار کرتا ہے۔ جیسے مرہم لگانے سے پہلے چیرنا اور جراحی کا عمل ضروری ہے۔ غرض یہ انسانی فطرت میں ایک امر واقع شدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا بلائیں اور حوادث آتے ہیں۔ ابتلاؤں میں ہی دُعاؤں کے عجیب غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ ہمارا خدا تو دُعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

مُجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام پیش کرتا ہے

دُنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دعاؤں کو سُنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے رُوبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ میں اُس سے دُعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ میں نے یسُوع کو خدا مانا ہے۔ وہ میری دُعا کو سُنتا اور اُس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اِسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا۔ اُدعونی استجب لکم[1] تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دُوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچّی نیّت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔

قرآن شریف میں ایک مقام پر اُن لوگوں کیلئے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں۔ آیا ہے۔ اَلَّا یرجع الیھم قولاً[2] کہ وہ اُن کی بات کا کوئی جواب اُن کو نہیں دیتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں وہ گوسالہ ہی ہیں۔ ہم نے عیسائیوں سے بارہا پُوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ اور اُن کے جواب دیتا ہے تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے؟ تم جو یسُوع کو خدا کہتے ہو پھر اُس کو بُلا کر دکھاؤ۔ میں دعوےٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسُوع کو پکاریں۔ وہ یقیناً کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ وہ مر گیا۔

[1] المومن: ۶۱ [2] طٰہٰ: ۹۰

عیسائیوں کو مُلزم کرنے والا سوال

عیسائیوں کو مُلزم کرنے کے واسطے اس سے بڑھ کر کوئی تیز ہتھیار نہیں ہے۔ اُن سے پہلا سوال یہی ہونا چاہیئے کہ کیا وہ ناطق خدا ہے یا غیر ناطق؟ اگر غیر ناطق ہے تو اُس کا گونگا ہونا ہی اُس کے ابطال کی دلیل ہے لیکن اگر وہ ناطق ہے تو پھر اُس کو ہمارے مقابل پر بُلا کر دکھاؤ اور اُس سے وہ بولیاں بُلواؤ جن سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ انسان کی مقدرت اور طاقت سے باہر ہیں یعنی عظیم الشان پیشگوئیاں اور آئندہ کی خبریں۔

مگر وہ پیشگوئیاں اس قسم کی ہی نہیں ہونی چاہئیں جو یسوع نے خود اپنی زندگی میں کی تھیں کہ مُرغ بانگ دے گا۔ یا لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے بلکہ ایسی پیشگوئیاں جن میں قیافہ اور فراست کو دخل نہ ہو بلکہ وہ انسانی طاقت اور فراست سے بالاتر ہوں۔ میں دعوےٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی پادری یہ کہنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ کہ خدائے قادر کے مقابلہ میں ایک عاجز اور ضعیف انسان یسوع کی اقتداری پیشگوئیاں پیش کر سکے۔ غرض یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اُن کا خدا دُعاؤں کا سُننے والا ہے۔

دُعاؤں کے نتائج میں تاخیر اور توقف کیوجہ

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک طالب نہایت رقّت اور درد کے ساتھ دعائیں کرتا ہے مگر وہ دیکھتا ہے کہ ان دُعاؤں کے نتائج میں ایک تاخیر اور توقف واقع ہوتا ہے۔ اس کا ستر کیا ہے؟ اس میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اوّل تو جس قدر امور دنیا میں ہوتے ہیں اُن میں ایک قسم کی تدریج پائی جاتی ہے۔ دیکھو ایک بچہ کو انسان بننے کے لئے کس قدر مرحلے اور منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک بیج کا درخت بننے کے لئے کس قدر توقف ہوتا ہے اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امور کا نفاذ بھی تدریجاً ہوتا ہے۔ دوسرے اس توقف میں یہ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزم اور عقد ہمّت میں پختہ ہو جاوے اور معرفت میں استحکام اور رسُوخ ہو۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جسقدر انسان اعلیٰ مراتب اور مدارج کو حاصل کرنا چاہتا ہے

اُسی قدر اُس کو زیادہ محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے پس استقلال اور ہمت ایک ایسی عمدہ چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو انسان کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا۔ اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے مشکلات میں ڈالا جاوے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا[1] اسی لئے فرمایا ہے۔

دُنیا میں کوئی کامیابی اور راحت ایسی نہیں ہے جس کی ابتدا اور اوّل میں کوئی رنج اور مشکل نہ ہو۔ ہمت کو نہ ہارنے والے مستقل مزاج فائدہ اُٹھا لیتے ہیں اور کچے اور ناواقف راستہ میں ہی تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پنجابی میں کسی نے کہا ہے۔

ایہو ہیگی کیمیا جے دن تھوڑے ہو

پس جب خدا پر سچا ایمان ہو کہ وہ میری دُعاؤں کو سُننے والا ہے تو یہ ایمان مشکلات میں بھی ایک لذیذ ایمان ہو جاتا ہے اور غم میں ایک اعلیٰ یاقوتی کا کام دیتا ہے۔ ہموم و غموم کے وقت اگر انسان کو کوئی پناہ نہ ہو تو دل کمزور ہو جاتا ہے اور آخر وہ مایوس ہو کر ہلاک ہو جاتا اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوتا بلکہ بہت سے ایسے بدقسمت یورپ کے ملکوں میں خصوصاً پائے جاتے ہیں جو ذرا سی نامرادی پر گولی کھا کر مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خودکشی کرنا خود اُن کے مذہب کی مَوت اور کمزوری کی دلیل ہے۔ اگر اُس میں کوئی قوت اور طاقت ہوتی تو اپنے ماننے والوں کو ایسی یاس اور نامرادی کی حالت میں نہ چھوڑتا۔ لیکن اگر خدا تعالےٰ پر اُسے ایمان ہے اور اس قادر کریم ہستی پر یقین رکھتا ہے کہ وہ دعائیں سُنتا ہے تو اس کے دل میں ایک طاقت آتی ہے۔

حقیقت دُعا اور اِنکار تاثیر دُعا کی اصل وجہ

یہ دعائیں حقیقت میں بہت قابل قدر ہوتی ہیں اور دعاؤں والا آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے ہاں یہ نادانی اور سُوءِ ادب ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے ارادہ کے ساتھ لڑنا چاہے مثلاً یہ دُعا کرے کہ رات کے پہلے حصہ میں سُورج نکل آوے۔ اس قسم کی دعائیں گستاخی میں داخل ہوتی ہیں۔ وہ شخص نقصان اُٹھاتا ہے اور ناکام رہتا ہے جو گھبرانے والا اور قبل از وقت چاہنے والا ہو مثلاً اگر بیاہ کے دس دن بعد مرد و عورت یہ خواہش کریں کہ اب بچہ پیدا ہو جاوے۔ تو یہ کیسی حماقت ہوگی۔

[1] الم نشرح : ۷

اس وقت تو اسقاط کے خون اور چھیچھڑوں سے بھی بے نصیب رہے گی۔ اسی طرح جو سبزہ کو نمو نہیں دیتا وہ دانہ پڑنے کی نوبت ہی آنے نہیں دیتا۔

میں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار اور شرح و بسط کے ساتھ دُعا کے مضمون پر ایک رسالہ لکھوں۔ مسلمان دعا سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو بدقسمتی سے ایسا موقعہ ملا کہ دُعا کریں مگر انہوں نے صبر اور استقلال سے چونکہ کام نہ لیا اس لئے نامراد رہ کر سیّد احمد خانی مذہب اختیار کر لیا کہ دُعا کوئی چیز نہیں۔ یہ دھوکا اور غلطی اسی لئے لگتی ہے کہ وہ حقیقت دعا سے ناواقف محض ہوتے ہیں اور اس کے اثر سے بے خبر اور اپنی خیالی امیدوں کو پُورا نہ ہوتے دیکھ کر کہہ اُٹھتے ہیں کہ دعا کوئی چیز نہیں۔ اور اس سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

دُعا ربوبیّت اور عبودیّت کا ایک کامل رشتہ ہے۔ اگر دعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو پھر اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

۸ر جنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

ہستی باری تعالیٰ کی زبردست دلیل قبولیت دُعا ہے

اللہ تعالیٰ کی شناخت کی یہ زبردست دلیل اور اُس کی ہستی پر بڑی بھاری شہادت ہے۔ کہ محو و اثبات اُس کے ہاتھ میں ہے۔ یمحوا اللّٰہُ مایشاء و یثبت[1]۔

دیکھو اجرام سماوی کتنے بڑے اور عظیم الشان نظر آتے ہیں اور اُن کی عظمت کو دیکھ کر ہی بعض نادان اُن کی پرستش کی طرف جھک پڑے ہیں اور انہوں نے اُن میں صفات الٰہیہ کو مان لیا۔ جیسے ہندو یا اور دُوسرے بُت پرست یا آتش پرست وغیرہ جو سُورج کی پُوجا کرتے ہیں اور اس کو اپنا معبود سمجھتے ہیں کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سُورج اپنے اختیار سے چڑھتا ہے یا چھپتا ہے؟ ہرگز نہیں اور اگر وہ کہیں بھی تو وہ اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہیں۔ وہ ذرا سُورج کے سامنے یہ دُعا تو کریں کہ ایک دن وہ نہ چڑھے یا دوپہر کو مثلاً چھپ جاوے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کوئی اختیار اور ارادہ بھی رکھتا

[1] الرعد : ۴۰

ہے۔ اُس کا ٹھیک وقت پر طلوع اور غروب تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی اختیار اور ارادہ نہیں ہے۔

ارادہ کا مالک تب ہی معلوم ہوتا ہے کہ دعا قبول ہو اور کرنے والے امر کو کرے اور نہ کرنے والے کو نہ کرے۔

غرض اگر قبولیت دعا نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اور ہوئے اور حقیقت میں جو لوگ قبولیت دعا کے قائل نہیں ہیں اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ جہنم میں جائے گا۔ وہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شناخت کا یہی طریق ہے کہ اس وقت تک دُعا کرتا رہے جبتک خدا اس کے دل میں یقین نہ بھر دے اور انا الحق کی آواز اس کو نہ آجاوے۔

قبولیت دُعا کے لئے صبر و استقلال کی شرط

اس میں شک نہیں کہ اس مرحلہ کو طے کرنے اور اس مقام تک پہنچنے کے لئے بہت سے مشکلات ہیں اور تکلیفیں ہیں۔ مگر ان سب کا علاج صرف صبر سے ہوتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخُون جگر شود

یاد رکھو کوئی آدمی کبھی دعا سے فیض نہیں اُٹھا سکتا جبتک وہ صبر میں حد نہ کر دے اور استقلال کے ساتھ دُعاؤں میں نہ لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی اور بدگمانی نہ کرے۔ اُس کو تمام قُدرتوں اور ارادوں کا مالک تصور کرے، یقین کرے پھر صبر کے ساتھ دعاؤں میں لگا رہے وہ وقت آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دُعاؤں کو سُن لیگا۔ اور اُسے جواب دیگا۔ جو لوگ اس نسخہ کو استعمال کرتے ہیں۔ وہ کبھی بدنصیب اور محرومِ نہیں ہو سکتے بلکہ یقیناً وہ اپنے مقصد میں کامیاب

ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور طاقتیں بے شمار ہیں۔ اُس نے انسانی تکمیل کے لئے دیر تک صبر کا قانون رکھا ہے۔ پس اُس کو وہ بدلتا نہیں اور جو چاہتا ہے کہ وہ اس قانون کو اُس کے لئے بدل دے۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتا اور بے ادبی کی جُرأت کرتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بعض لوگ بے صبری سے کام لیتے ہیں اور مداری کی طرح چاہتے ہیں کہ ایک دم میں سب کام ہو جائیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بے صبری کرے تو بھلا بے صبری سے خدا تعالیٰ کا کیا بگاڑے گا۔ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ بے صبری کر کے دیکھ لے وہ کہاں جائے گا۔

میں اِن باتوں کو کبھی نہیں مان سکتا اور درحقیقت یہ جھوٹے قصّے اور فرضی کہانیاں ہیں۔ کہ فلاں فقیر نے پھُونک مار کر یہ بنا دیا اور وہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت اور قرآن شریف کے خلاف ہے اس لئے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

ہر امر کے فیصلہ کے لئے معیار قرآن ہے۔ دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیارا بیٹا یوسف علیہ السلام جب بھائیوں کی شرارت سے اُن سے الگ ہو گیا تو آپ چالیس برس تک اُس کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ اگر وہ جلد باز ہوتے تو کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوتا۔ چالیس برس تک دعاؤں میں لگے رہے اور اللہ تعالےٰ کی قدرتوں پر ایمان رکھا۔ آخر چالیس برس کے بعد وہ دعائیں کھینچ کر یوسف (علیہ السلام) کو لے ہی آئیں۔ اس عرصہ دراز میں بعض ملامت کرنے والوں نے یہ بھی کہا کہ تو یُوسف کو بے فائدہ یاد کرتا ہے۔ مگر اُنہوں نے یہی کہا کہ میں خدا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیشک اُن کو کچھ خبر نہ تھی مگر یہ کہا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ[1]۔ پہلے تو اتنا ہی معلوم تھا کہ دُعاؤں کا سلسلہ لمبا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر دُعاؤں میں محروم رکھنا ہوتا۔ تو وہ جلد جواب دے دیتا۔ مگر اس سلسلہ کا لمبا ہونا قبولیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کریم سائل کو دیر تک بٹھا کر کبھی محروم نہیں کرتا بلکہ بخیل سے بخیل بھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ بھی سائل کو اگر زیادہ دیر تک دروازہ پر بٹھائے تو آخر اس کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دعاؤں کے زمانہ کی درازی پر وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ[2] قرآن میں خود دلالت کر رہی ہیں۔ غرض دُعاؤں کے سلسلہ کے دراز ہونے

[1] یوسف: ۹۵ [2] یوسف: ۸۵

سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی تکمیل بھی جُدا جُدا پیرایوں میں کرتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اسی غم میں رکھی تھی۔

مختصر یہ کہ دُعا کا یہ اصول ہے جو اس کو نہیں جانتا وہ خطرناک حالت میں پڑتا ہے اور جو اس اصول کو سمجھ لیتا ہے اس کا انجام اچھا اور مبارک ہوتا ہے۔

متقی پر مصائب وتکالیف باعث ترقی ہوتی ہیں

اور جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ جب اُن کو پکڑتا بھی ہے۔ تو پھر جان لینے ہی کے لئے پکڑتا ہے۔ مگر مومن کے حق میں اُس کی یہ عادت نہیں ہے۔ اُن کی تکالیف کا انجام اچھا ہوتا ہے اور انجام کار متقی کے لئے ہی ہے۔ جیسے فرمایا۔

والعاقبة للمتقين [1]

اُن کو جو تکالیف اور مصائب آتے ہیں وہ بھی ان کی ترقیوں کا باعث بنتی ہیں تاکہ اُن کو تجربہ ہو جاوے۔ اللہ تعالےٰ پھر ان کے دن پھیر دیتا ہے۔ اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے شکنجہ کے دن آتے ہیں اس پر بہائمی زندگی کا اثر نہیں رہتا۔ اس پر ایک موت ضرور آجاتی ہے اور خداشناسی کے بعد وہ لذتیں اور ذوق جو بہائمی سیرت میں معلوم ہوتے تھے، نہیں رہتے۔ بلکہ اُن میں تلخی اور کدورت وکراہت پیدا ہوتی ہے اور نیکیوں کی طرف توجہ کرنا ایک معمولی عادت ہوجاتی ہے پہلے جو نیکیوں کے کرنے میں طبیعت پر گرانی اور سختی ہوتی تھی وہ نہیں رہتی۔

پس یاد رکھو کہ جبتک نفسانی جوشوں سے ملی ہوئی مُرادیں ہوتی ہیں۔ اس وقت تک خدا اُن کو مصلحتاً الگ رکھتا ہے اور جب رجُوع کرتا ہے تو پھر وہ حالت نہیں رہتی۔ اس بات کو کبھی مت بھولو کہ دُنیا روزے چند آخر کار با خداوند۔ اتنا ہی کام نہیں کہ کھا پی لیا اور بہائم کی طرح زندگی بسر کرلی۔ انسان بہت بڑی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے۔ اس لئے آخرت کی فکر کرنی چاہیئے اور اُس کی تیاری ضروری ہے۔ اس تیاری میں جو تکالیف آتی ہیں وہ رنج وتکلیف کے رنگ میں نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ

[1] القصص: ۸۴

تعالیٰ اُن پر بھیجتا ہے جن کو دونوں بہشتوں کا مزہ چکھانا چاہتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ۔[۱] مصائب آتے ہیں تاکہ ان عارضی امور کو جو تکلّف کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ نکال دے۔ مولوی رُومی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ے عشق اوّل سرکش و خُونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرُونی بود

سیّد عبدالقادر جیلانی بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب مومن، مومن بننا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس پر دُکھ اور ابتلا آویں اور وہ یہاں تک آتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو قریب موت سمجھتا ہے۔ اور پھر جب اس حالت تک پہنچ جاتا ہے تو رحمت الٰہیہ کا جوش ہوتا ہے۔ تو

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا[۲]

کا حکم ہوتا ہے۔ اصل اور آخری بات یہی ہے۔ مگر نہ شنیدۂ کہ خدا داری چہ غم داری۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱، ۲ پرچہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

۹ جنوری ۱۹۰۳ء

آیات مبین

میرے نزدیک آیات مبین وہ ہوتی ہیں مخالف جن کے مقابلہ سے عاجز ہو جاوے۔ خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ جس کا مخالف مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہر جائے گا جبکہ اس کی تحدی کی گئی ہو۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اقتراح کے نشانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہیگا کہ تم جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھانے کو تیار ہوں۔ اس کے مُنہ سے جب نکلیگا یہی نکلیگا۔ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ اور یہی اس کی صداقت کا نشان ہوتا ہے۔ کم نصیب مخالف اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ معجزات سے انکار کیا گیا ہے مگر وہ آنکھوں کے اندھے ہیں۔ اُن کو معجزات کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی اس لئے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ اور نہ ذات باری کی عزت اور جبروت کا ادب اُن کے دل پر ہوتا ہے۔ ہمارا خدا تعالیٰ پر کیا حق

[۱] الرحمٰن: ۴۷ [۲] الانبیاء: ۷۰

ہے کہ ہم جو کہیں وہ وہی کردے۔ یہ سُوءِ ادب ہے اور ایسا خدا خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ اس کا فضل ہے کہ اُس نے ہم کو امید اور حوصلہ دلایا کہ ادعونی استجب لکم[۱] یہ نہیں کہا کہ تم جو مانگو گے وہی دیا جاوے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض اقتراحی نشانات مانگے گئے۔ تو آپ نے یہی خدا کی تعلیم سے جواب دیا۔ . . . قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[۲]۔ خدا کے رسُول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آداب الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ باتیں منحصر ہیں معرفت پر۔ جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل پر مستولی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر معرفت انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے۔ اس لئے اُن کی ہر بات اور ہر ادا میں بشریت کا رنگ جدا نظر آتا ہے اور تائیدات الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے۔ جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھُلا ہوا ہو کہ جیسے سُورج تو پھر ایمان کیا رہا اور اُس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہوگا۔ جو انکار کرے گا۔ نشان بیّن ہوتے ہیں لیکن ان کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اَور کوئی نہیں۔ اور یہ دقّت نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقوٰے سے ملتی ہے۔ شقی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اُسوقت تک ایمان ہے۔ جبتک اس میں کوئی پہلو اخفا کا بھی ہو۔ لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو۔ اور کوئی بتادے کہ اس میں یہ ہے تو اس کی فراست قابل تعریف ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مٹھی کھول کر دکھادی اور پھر کسی نے کہا کہ میں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا۔ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے۔ لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اُسے پاگل کہیں گے۔ غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بند کرے کہ ایسا ہونا چاہیئے۔ یا ویسا ہونا چاہیئے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اُس میں عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں فرق

[۱] المومن: ۶۱ [۲] بنی اسرائیل: ۹۴

ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لئے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سُوء ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔

ایک پُرانا الہام

ابتدائے جنوری ۱۹۰۲ء کو ایک عرب صاحب آئے ہوئے تھے۔ بعض لوگ اُن کے متعلق مختلف رائیں رکھتے تھے۔ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۹ جنوری کی شب کو اس کے متعلق الہام ہوا۔

قد جرت عادة الله انّهٗ لا
ینفع الاموات اِلّا الدّعاء

اس وقت رات کے تین بجے ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ اس وقت پر میں نے دُعا کی تو یہ الہام ہوا۔ وکلمه من کل باب ولن ینفعه الّا ھٰذا الدواء (ای الدعاء)۔ اور پھر ایک اَور الہام اسی عرب کے متعلق ہوا کہ فیتبع القرآن ان القرآن کتاب الله کتاب الصادق۔

چنانچہ ۹ جنوری ۱۹۰۲ء کی صبح کو جب آپؑ سیر کو نکلے تو حضرت اقدس نے عربی زبان میں ایک تقریر فرمائی جس میں سلسلہ محمدیہ اور موسویہ کی مشابہت کو بتایا اور پھر سورہ نُور کی آیت استخلاف اور سورہ تحریم سے اپنے دعاوی پر دلائل پیش کئے اور قرآن شریف اور احادیث کے مراتب بتائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب صاحب جو پہلے بڑے جوش سے بولتے تھے بالکل صاف ہو گئے اور اُنہوں نے صدق دل سے بیعت کی اور ایک اشتہار بھی شائع کیا اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی طرف بغرض تبلیغ چلے گئے۔ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ ہم نے اس کی عزت و عظمت کے لحاظ سے ضروری سمجھا کہ گو پُرانا الہام ہے لیکن چونکہ آج تک یہ سلسلہ اشاعت میں نہیں آیا۔ اس کو شائع کر دیا جاوے۔

* * *

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں؟

اس سوال کا جواب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام نے ایک بار اپنی ایک مختصر سی تقریر میں دیا ہے۔ فرمایا:-

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں۔ جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں مثلاً ایک شخص خدا تعالےٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے۔ وہ ایسی وفاداری کرے کہ اُس کی وفا خارق عادت ہو جاوے۔ اُس کی محبت اُس کی عبادت خارق عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے لیکن اُس کا ایثار خارق عادت ہو۔ غرض اُس کے اخلاق۔ عبادات اور سب تعلقات جو خدا تعالےٰ کے ساتھ رکھتا ہے اپنے اندر ایک خارق عادت نمونہ پیدا کریں۔ تو چونکہ خارق عادت کا جواب خارق عادت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ ان میں خارق عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔

انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے کہ اُن کا تعلق اندرونی اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ اُن کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اَور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ پس اس کے مقابلہ میں ربُوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔ عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حیا اور شرم کیساتھ رہتی ہے اور جب مرد بیاہنے جاتا ہے تو وہ علانیہ جاتا ہے۔ اسی طرح پر عبودیت پردہ خفا میں ہوتی ہے لیکن الُوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے۔ تو پھر وہ ایک بیّن امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے رب میں ہوتے ہیں۔ خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے۔ اور چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ کے معجزات ہی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۳، ۴ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء)

۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء (شب)

طاعون اور لوگوں کی حالت

طاعون کی خبریں سُنکر فرمایا:۔

یہ خدا کی طرف سے کسقدر تنبیہ ہے اگر اب بھی دل بیدار نہ ہوں اور اب بھی خدا سے صُلح کا عہد باندھنے کے لئے مستعد نہ ہوں تو کیسی بد قسمتی ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اب بھی خدا تعالےٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے اور فسق و فجور اور شوخیوں سے باز نہیں آتے۔ اگر کسی کے اولاد اور عزیزوں پر آفت آجاوے تو ساری باتیں رہ جائیں۔ پھر کس شیخی اور بھروسہ پر انسان خدا سے اس قدر سرکشی کرتا ہے؟ وہ اُس کی حکومت سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ جب یہ حال ہے تو سب سے بہتر اور محفوظ طریق عذاب الٰہی سے بچنے کا تو خود اُس کی ہی پناہ میں آنا ہے۔ وہ احمق ہے جو خدا کے حدود کو توڑ کر نکلتا ہے اس لئے کہ امان پاوے وہ مصیبت کو بُلاتا ہے اور عذاب کو جذب کرتا ہے۔ اب وقت ہے کہ مسلمان اپنے ایمان اور توبہ کی تجدید کریں۔ یہ وقت آیا ہے کہ خدا اپنا وجود دکھانا چاہتا ہے اور اپنی ہستی کو منوانا چاہتا ہے۔

سُورۃ فاتحہ میں ایمان باللہ کے تین ذرائع اور طاعون کا ذکر

اللہ تعالےٰ پر ایمان لانے اور اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی تین صورتیں ہیں اور خدا تعالےٰ نے وہ تینوں ہی سُورۃ فاتحہ میں بیان کر دی ہیں۔

اوّل۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے حُسن کو دکھایا ہے جبکہ جمیع محامد کے ساتھ اپنے آپ کو متصف کیا ہے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ خوبی بجائے خود دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خوبی میں ایک مقناطیسی جذب ہے جو دلوں کو کھینچتی ہے جیسے موتی کی آب، گھوڑے کی خوبصورتی، لباس کی چمک دمک، غرض یہ حُسن پھولوں۔ پتوں۔ پتھروں جیوانات۔ نباتات۔ جمادات کسی چیز میں ہو اُس کا خاصہ ہے کہ بے اختیار دل کو کھینچتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ نے پہلا مرحلہ اپنی خدائی منوانے کا حُسن کا دکھایا ہے جب الحمد للہ فرمایا۔ کہ جمیع اقسام حمد و ستائش اُسی کے لئے سزاوار ہیں۔

پھر دوسرا درجہ احسان کا ہوتا ہے۔ انسان جیسے حُسن پر مائل ہوتا ہے ویسے ہی احسان پر بھی مائل ہوتا ہے۔ اس لئے پھر اللہ تعالیٰ نے ربّ العالمین۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ مالک یوم الدین صفات کو بیان کر کے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اگر انسان کا مادہ ایسا ہی خراب ہو اور وہ حُسن اور احسان سے بھی سمجھ نہ سکے تو پھر تیسرا ذریعہ سورۃ فاتحہ میں غیر المغضوب کہہ کر متنبّہ کیا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ تو حُسن سے فائدہ اُٹھاتے اور جو اُن سے کم درجہ پر ہوں وہ احسان سے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ لیکن جو ایسے ہی پلید طبع ہوں اُن کو اپنے جلال اور غضب سے متوجہ کیا ہے۔ یہودیوں کو مغضوب کہا ہے اور اُن پر طاعون ہی پڑی تھی۔ خدا تعالیٰ نے سُورۃ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یا یُوں کہو کہ طاعون کے عذاب شدید سے ڈرایا ہے۔ شیطان بیباک انسان پر ایسا سوار ہے کہ وہ سُن لیتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ جبتک جذبات اور شہوات پر ایک موت وارد ہو کر اُنہیں بالکل سرد نہ کر دے خدا تعالیٰ پر ایمان لانا مشکل ہے۔ اب تو غضب الٰہی کے نمونے خطرناک ہیں۔ ابھی تین مہینے باقی ہیں خدا جانے کیا ہونیوالا ہے۔

مُخالفین کے لئے لمحۂ فکریہ

مخالفوں کی خطرناک فحش تحریروں پر فرمایا:۔

کہ ہمارے اور اُن کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا تعالیٰ نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اُن افعال کو جو ہم کر رہے ہیں دیکھتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کر دیگا۔ اور سچّائی پر اپنی مُہر کر دیگا۔ ہم کو تو یہ تعجب آتا ہے کہ اگر یہ لوگ تقویٰ اور خدا ترسی سے کام لیتے تو خوف کے محل اور مقام سے ڈر جاتے اور مخالفت میں اس قدر زبان درازی نہ کرتے۔ وہ دیکھتے کہ کیا وہ وقت نہیں آیا۔ کہ مسیح موعود نازل ہو؟ کیا صلیب کا غلبہ نہیں؟ کیا اسلام کی توہین اور تضحیک نہیں کی جاتی؟ وہ دیکھتے کہ صدی میں سے انیس۱۹ سال گُزر گئے اور کوئی مدعی کھڑا نہ ہوا۔ جو درماندہ اسلام کی حمایت کے لئے میدان میں آتا۔

پھر ضرورت اور وقت ہی پر اپنی نگاہ محدود نہ کرتے اگر وہ غور کرتے تو اُن کو معلوم ہوتا۔ کہ

آسمان نے صاف شہادت دیدی اور کسوف خسوف ظاہر ہو گیا جو عظیم الشان نشان مقرر ہو چکا تھا۔ تائیدی نشانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے وہ اُسے دیکھتے اور سلسلہ کی ترقیات پر غور کرتے اور سوچتے کہ کیا مُفتری اسی طرح ترقی کیا کرتے ہیں؟

اِن سب امُور پر یکجائی نظر کے بعد تقویٰ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قدر بیّن شواہد ہوتے ہوئے بھی اگر ان کی نگاہ تاریک تھی تو وہ خاموش ہو جاتے اور صبر سے انتظار کرتے کہ انجام کیا ہوتا ہے؟ مگر یہاں تو شور عظیم میری مخالفت میں برپا کیا گیا اور گندی گالیاں دی گئیں جن کی نظیر پہلے مخالفوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔

حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ آیات پوری ہو گئی ہیں اور پھر اپنی اولاد کو سلام کی وصیت کرتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو خود بھی ان مخالفت کرنے والوں ہی کے ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ کب ماننے والے ہوتے ہیں جبتک وہی نظارہ آنکھوں سے نہ دیکھ لیں جو خیالی طور پر دل میں فرض کر رکھا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے میری مخالفت میں کریں مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ یہ میرا مقابلہ نہیں۔ یہ تو خدا سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اگر میری اپنی مرضی پر ہوتا۔ تو میں تخلیہ کو بہت پسند کرتا تھا۔ مگر میں کیا کر سکتا تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے ہی ایسا پسند کیا۔ یہ مقابلہ کریں۔ مگر دیکھ لیں گے کہ خدا کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کر سکتا۔ وہ ایک طرفۃ العین میں سالہا سال کی کارروائی کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں خوشی ہے کہ ان کی مخالفت سے ذرا بھی رنج نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارا خدا ایسا خدا ہے جو ساری خوبیوں سے متصف ہے جیسا کہ الحمد للہ میں ہم کو پہلے ہی بتایا گیا ہے۔ پھر خدا داری چہ غم داری ہمیں ان کی مخالفت کا کیا فکر؟

ہم کیوں بے حوصلہ ہوں؟ کیا معلوم ہے کہ اُس نے اس مخالفت کے طوفان کے انجام میں کیا مقدر رکھا ہے؟؟؟ یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء اور رُسُل آتے ہیں وہ ایک وقت تک صبر کرتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت جب انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو ایک وقت توجہ تام سے اقبال علی اللہ کر کے فیصلہ چاہتے

[1] ابراھیم: ۱۶

ہیں۔ اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے وخاب کل جبار عنید۔ استفتحوا سنت اللہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ چاہتے ہیں اور اس فیصلہ چاہنے کی خواہش ان میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہم اپنے مخالفوں کی مخالفت کی کیا پروا کریں۔ یہ مخالف نوبت بہ نوبت اپنے فرض منصبی کو سرانجام دیتے ہیں۔ ابتدا ان کی ہوتی ہے اور انجام متقیوں کا۔ والعاقبۃ للمتقین[1]

(الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۲ء)

---

۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء

عصمت اور شفاعت

(ایڈیٹر کے اپنے الفاظ ہیں)

تعجب ہے کہ عیسائی لوگ شفاعت کے لئے عصمت کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں نری عصمت شفاعت کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ شفاعت تب ہو سکتی ہے۔ جبکہ شفیع معصوم ہو اور پھر وہ ابن اللہ ہو اور پھر صلیب پر لٹکایا جا کر ملعون ہو۔ جبتک یہ تثلیث عیسائی مذہب کے عقیدہ کے موافق قائم نہ ہو۔ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ عصمت عصمت ہی کیوں پکارتے ہیں۔ کیا اگر کوئی معصوم اُن کے سامنے پیش کیا جاوے یا ثابت کر دیا جاوے۔ تو وہ مان لیں گے کہ وہ شفیع ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عیسائی عقیدہ کے موافق یہ ضروری ہے کہ وہ خدا بھی نہ ہو بلکہ ابن اللہ ہو اور وہ مصلوب ہو کر جب تک ملعون نہ ہو لے۔ ہرگز ہرگز وہ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اور بات قابل غور ہے کہ جبکہ یسوع خود خدا تھا اور اس لئے علۃ العلل تھا اور اس نے کُل جہان کے گناہ بھی اپنے ذمے لئے پھر وہ معصوم کیونکر ہوا۔ اور گناہوں کا تذکرہ ہم چھوڑتے ہیں جو یہودی مورخوں اور فری تھنکروں (آزاد خیال) نے ان کی انجیل سے ثابت کئے ہیں لیکن جب اس نے خود گناہ اٹھا لئے اور بوجہ علت العلل ہونے کے سارے گناہوں کا کرانیوالا بھی ٹھہرا تو پھر اسے معصوم قرار دینا عجیب دانشمندی ہے۔

[1] القصص: ۸۴

پھر خدا کا نام معصوم نہیں کیونکہ معصوم وہ ہے جس کا کوئی دوسرا عاصم ہو۔ خدا کا نام عاصم ہے۔ اس لئے جب شفاعت کیلئے ابنیت کی ضرورت ہے اور اُس کے لئے بھی مصلوبیت کی لعنت ضروری ہے تو یہ سارا تانا بانا ہی بنائے فاسد بر فاسد کا مصداق ہے۔

حقیقی اور سچی بات یہ ہے جو میں نے پہلے بھی بیان کی تھی۔ کہ شفیع کے لئے ضرورت ہے کہ اوّل خدا تعالےٰ سے تعلق کامل ہو۔ تاکہ وہ خدا سے فیض کو حاصل کرے اور پھر مخلوق سے شدید تعلق ہو تاکہ وہ فیض اور خیر جو وہ خدا سے حاصل کرتا ہے مخلوق کو پہنچا دے جبتک یہ دونوں تعلق شدید نہ ہوں شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر اسی مسئلہ پر تیسری بحث قابل غور یہ ہے کہ جب تک نمونے نہ دیکھے جائیں کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور ساری بحثیں فرضی ہیں۔ مسیح کے نمونہ کو دیکھ لو کہ چند حواریوں کو بھی درست نہ کر سکے۔ ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے بلکہ بعض کو شیطان بھی کہا اور انجیل کی رُو سے کوئی نمونہ کامل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالمقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں کہ کیسے رُوحانی اور جسمانی طور پر انہوں نے عذاب الیم سے چھوڑایا اور گناہ کی زندگی سے اُن کو نکالا کہ عالم ہی پلٹ دیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے بھی فائدہ پہنچا۔ عیسائی جو مسیح کو مثیل موسیٰ قرار دیتے ہیں تو یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ موسیٰ کی طرح انہوں نے گناہ سے قوم کو بچایا ہو۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کے بعد قوم کی حالت بہت ہی بگڑ گئی۔ اور اب بھی اگر کسی کو شک ہو تو لنڈن یا یُورپ کے دوسرے شہروں میں جا کر دیکھ لے کہ آیا گناہ سے چھڑا دیا ہے یا پھنسا دیا ہے اور یُوں کہنے کو تو ایک چُوہڑا بھی کہہ سکتا ہے کہ بالمیک نے چھوڑایا۔ مگر یہ ... ... نرے دعوے ہی دعوے ہیں جن کے ساتھ کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ پس عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح چھوڑانے کے لئے آیا تھا۔ ایک خیالی بات ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے بعد قوم کی حالت بہت بگڑ گئی اور روحانیت سے بالکل دُور جا پڑی۔

ہاں سچا شفیع اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنہوں نے قوم کو بُت پرستی اور ہر قسم کے فسق و فجور کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے نکال کر اعلیٰ درجہ کی قوم بنا دیا۔ اور

پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں آپؐ کی پاکیزگی اور صداقت کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نمونہ بھیج دیتا ہے اس کے بعد استغفار کا مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ عیسائیوں نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس پاک اصول پر بھی نکتہ چینی کی ہے حالانکہ یہ انسان کی طبعی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں۔ اَلْحَیّ اور الْقَیُّوم۔ الحی کے معنی ہیں خود زندہ اور دُوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔ القیوم خود قائم اور دوسروں کے قیام کا اصلی باعث۔ ہر ایک چیز کا ظاہری باطنی قیام اور زندگی انہیں دونوں صفات کے طفیل سے ہے۔ پس حَیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے جیسا کہ اس کا مظہر سُورۃ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہے اور القیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے۔ اس کو اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔

حیّ کا لفظ عبادت کو اس لئے چاہتا ہے کہ اس نے پیدا کیا اور پھر پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا۔ جیسے مثلاً معمار جس نے عمارت کو بنایا ہے اُس کے مَر جانے سے عمارت کا کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر انسان کو خدا کی ضرورت ہر حال میں لاحق رہتی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ خدا سے طاقت طلب کرتے رہیں۔ اور یہی استغفار ہے۔ اصل حقیقت تو استغفار کی یہ ہے۔ پھر اس کو وسیع کر کے اُن لوگوں کے لئے کیا گیا کہ جو گُناہ کرتے ہیں کہ اُن کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھا جاوے لیکن اصل یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے بچایا جاوے۔ پس جو شخص انسان ہو کر استغفار کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریّہ ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۴-۵ پرچہ ۱۷ر مارچ ۱۹۰۲ء)

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء

مخالفانہ تحریروں کا جواب

مخالف جو گالیاں دیتے ہیں اور گندے اور ناپاک اشتہار شائع کرتے ہیں۔ ہم کو اُن کا جواب

گالیوں سے کبھی دینا نہیں چاہیئے۔ ہم کو سخت زبانی کی ضرورت نہیں کیونکہ سخت زبانی سے برکت جاتی رہتی ہے اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ اپنی برکت کو کم کریں۔ اُن کو تو مخاطب کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بجائے خود واجب الرحم ہیں۔ ہاں فضول باتوں کو نکال کر اگر کسی معقول اعتراض کا جواب عوام کو دھوکہ سے بچانے کے لئے دیا جاوے تو نامناسب نہیں۔ اگر ہم ان کے مقابل پر سخت زبانی کا استعمال کریں۔ تو یہ تو اپنے مرتبہ کا بھی تذلل ہے اگر کبھی کوئی سخت لفظ استعمال کیا گیا ہے تو وہ حق کی لازمی مرارت ہے جو دوا کے طور پر ہے جس کی نظیر انجیل اور نبیوں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ رئیس اور تقلید کرنا انبیاء کا کام نہیں۔ نام تو وہی ہوتا ہے جو آسمان پر رکھا جاتا ہے کسی کے ظالم۔ کافر کہنے سے کیا بنتا ہے۔ زمینی ناموں کا آخر خاتمہ ہو جاتا ہے اور آسمانی نام ہی رہجاتے ہیں۔ پس دنیا کے کیڑوں کے ناموں کی کیا پرواہ؟ اُس نام کی قدر کرو جو آسمان پر نیک لکھا جاوے۔

مسیح کے دو زرد چادروں میں نزول سے مراد

زرد چادروں سے مُراد اگر یہی ہو جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں تو پھر عام ہندو جوگیوں اور مسیح میں مابہ الامتیاز کیا ہوگا۔ اصل میں خدا کی چادر اپنے الگ معنی رکھتی ہے اور وہ وہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہوئے ہیں کہ دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں جو مجھے لاحق حال ہیں۔

تبلیغی لحاظ سے انسانوں کی تقسیم

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ عوام۔ متوسط درجے کے۔ اُمراء۔ عوام عموماً کم فہم ہوتے ہیں۔ اُن کی سمجھ موٹی ہوتی ہے۔ اس لئے اُن کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اُمراء کے لئے سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ نازک مزاج ہوتے ہیں اور جلد گھبرا جاتے ہیں اور ان کا تکبّر اور تعلّی اور بھی سدّراہ ہوتی ہے اس لئے اُن کے ساتھ گفتگو کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اُن کے طرز کے موافق اُن سے کلام کرے یعنے مختصر مگر پُورے مطلب کو ادا کرنے والی تقریر ہو۔ قلّ ودلّ۔ مگر عوام کو تبلیغ کرنے کیلئے تقریر

بہت ہی صاف اور عام فہم ہونی چاہیئے۔ رہے اوسط درجہ کے لوگ۔ زیادہ تر یہ گروہ اس قابل ہوتا ہے کہ ان کو تبلیغ کی جاوے۔ وہ بات کو سمجھ سکتے ہیں اور اُن کے مزاج میں وہ تعلّی اور تکبّر اور نزاکت بھی نہیں ہوتی جو اُمرار کے مزاج میں ہوتی ہے اس لئے ان کو سمجھانا بہت مشکل نہیں ہوتا۔

بعثت انبیار کے وقت لوگ کس طرح ہدایت پاتے ہیں

جب انبیار علیہم السلام مامور ہو کر دنیا میں آتے ہیں تو لوگ تین ذریعوں سے ہدایت پاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ تین ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔

اوّل درجے کے لوگ تو سابق بالخیرات ہوتے ہیں جن کو دلائل اور معجزات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ ایسے صاف دل اور سعید ہوتے ہیں۔ کہ مامور کے چہرہ ہی کو دیکھ کر اس کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اُس کے دعویٰ کو ہی سُنکر اس کو برنگ دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ اُن کی عقل ایسی لطیف واقع ہوئی ہوتی ہے کہ وہ انبیار کی ظاہری صُورت اور اُن کی باتوں کو سُنکر قبول کر لیتے ہیں۔

دوسرے درجہ کے لوگ مقتصدین کہلاتے ہیں۔ جو ہوتے تو سعید ہیں مگر اُن کو دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ شہادت سے مانتے ہیں۔

تیسرے درجہ کے لوگ جو ظالمین ہیں ان کی طبیعت اور فطرت کچھ ایسی وضع پر واقع ہوتی ہے کہ وہ بجز مار کھانے اور سختی کے مانتے ہی نہیں۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اسلام جبر سے پھیلا ہے وہ تو بالکل جھوٹے ہیں کیونکہ اسلامی جنگیں دفاعی اصول پر تھیں۔ مگر ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے قانون میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ تیسرے درجہ کے لوگوں یعنی ظالمین کے لئے ایک طریق رکھا ہوا ہے جو بظاہر جبر کہلاتا ہے اور ہر نبی کے وقت میں عوام کی ہدایت جبر کے کسی نہ کسی پیرایہ میں ہوئی ہے۔ کیونکہ دُوربین سے دیکھنے والے کا مقابلہ مجرّد آنکھ سے دیکھنے والا نہیں کر سکتا جب استعدادیں مختلف ہیں تو پھر سب کے لئے ایک ہی ذریعہ کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔

بڑے مقبول اور مقرب اور رسالت کی سچی خلافت حاصل کرنے والے وہی ہوتے ہیں جو سابق بالخیرات ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سی ہے کہ آپ نے کوئی معجزہ اور نشان طلب نہیں کیا۔ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔

اور حقیقت میں یہ ہے بھی سچ اس لئے کہ جس شخص کو مامور کی اخلاقی حالت کی واقفیت ہو اس کو معجزہ اور نشان کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلایا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ[1]۔ سابقین کو تو یہ صورت پیش آتی ہے کہ وہ اپنی فراست صحیحہ سے ہی تاڑ جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو بہت سے لوگ آپؐ کو دیکھنے آئے۔ ایک یہودی بھی آیا اور اس سے جب لوگوں نے پوچھا تو اُس نے یہی کہا کہ یہ مُنہ تو جھُوٹوں کا نہیں ہے۔ اور مقتصد لوگ وہ ہوتے ہیں جو دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں اور تیسری قسم ظالمین کی ہے جو سختی سے مانتے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی طاعون سے اور کبھی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور دوسروں کے لئے عبرت گاہ بنے۔ یہ ایک قسم کا جبر ہے جو اس تیسری قسم کے لئے خدا تعالیٰ نے رکھا ہوا ہے۔ اور سلسلہ نبوت میں یہ لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔

مامور من اللہ شفیع ہوتا ہے

مامور من اللہ کی دُعاؤں کا کُل جہان پر اثر ہوتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک باریک قانون ہے۔ جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ جن لوگوں نے شفیع کے مسئلہ سے انکار کیا ہے انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ شفیع کو قانون قدرت چاہتا ہے۔ اُس کو ایک تعلق شدید خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اور دوسرا مخلوق سے۔ مخلوق کی ہمدردی اُس میں اس قدر ہوتی ہے کہ یُوں کہنا چاہیئے کہ اُس کے قلب کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ہمدردی کے لئے جلد متاثر ہو جاتا ہے اس لئے وہ خدا سے لیتا ہے اور اپنی عقدِ ہمت اور توجہ سے مخلوق کو پہنچاتا ہے اور اپنا اثر اُس پر ڈالتا ہے اور یہی شفاعت ہے۔ انسان کی دُعا اور توجہ کے ساتھ مصیبت کا رفع ہونا یا معصیت اور ذنوب کا کم ہونا یہ سب

[1] یونس: ۱۷

شفاعت کے نیچے ہے۔ توجہ سب پر اثر کرتی ہے خواہ مامور کو اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا نام بھی یاد ہو نہ ہو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۲ء)

۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

صادق کی صحبت بہترین معلّم ہے

شریعت کی کتابیں حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ لیکن حقائق اور معارف پر کبھی پوری اطلاع نہیں مل سکتی جبتک صادق کی صحبت اخلاص اور صدق سے اختیار نہ کی جاوے! اسی لئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ[1]۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اتقاء کے مدارج کامل طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جبتک صادق کی معیت اور صحبت نہ ہو۔ کیونکہ اس کی صحبت میں رہ کر وہ اس کے انفاس طیبہ عقد ہمت اور توجہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

قبول ہونے والی دُعا کا راز

دُعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ اس کیلئے دل میں ایک سچا جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ خود ہی ایک دعا سکھاتا ہے اور الہامی طور پر اُس کا پیرایہ بتا دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ[2]۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو قبول ہونیوالی دعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے۔

بعض اوقات ایسی دعا میں ایسا حصہ بھی ہوتا ہے جس کو دعا کرنے والا ناپسند کرتا ہے مگر وہ قبول ہو جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق ہے۔ عَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ[3]۔

مامورین الٰہی اور سچی ہمدردی

مامور من اللہ جب آتا ہے تو اس کی فطرت میں سچی ہمدردی رکھی جاتی ہے اور یہ ہمدردی عوام سے بھی ہوتی ہے اور جماعت سے بھی۔ اس ہمدردی میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] البقرۃ: ۳۸ [3] البقرۃ: ۲۱۷

سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ آپؐ کُل دُنیا کے لئے مامُور ہو کر آئے تھے۔ اور آپؐ سے پہلے جس قدر نبی آئے وہ مختص القوم اور مختص الزمان کے طور پر تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل دنیا اور ہمیشہ کے لئے نبی تھے۔ اس لئے آپؐ کی ہمدردی بھی کامل ہمدردی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لعلك باخع نفسك ان لا یکونوا مومنین۱۔ اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ کیا تو ان کے مومن نہ ہونے کی فکر میں اپنی جان دے دیگا۔ اس آیت سے اس درد اور فکر کا پتہ لگ سکتا ہے جو آپؐ کو دُنیا کی تباہ حالت دیکھ کر ہوتا تھا کہ وہ مومن بن جاوے۔ یہ تو آپؐ کی عام ہمدردی کے لئے ہے۔ اور یہ معنے بھی اس آیت کے ہیں کہ مومن کو مومن بنانے کی فکر میں تو اپنی جان دیدیگا یعنی ایمان کو کامل بنانے میں۔

اسی لئے دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۲ بظاہر تو یہ تحصیل حاصل معلوم ہوتی ہو گی لیکن جب حقیقت حال پر غور کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کئی مراتب ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ تکمیل چاہتا ہے۔

غرض مامُور کی ہمدردی مخلوق کے ساتھ اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وہ بہت جلد اُس سے متاثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالےٰ اور مامور رسُول

اللہ تعالےٰ اور اُس کے مامُوروں کے درمیان دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ مامُور تو اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوتا ہی ہے لیکن بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ بھی مامُور کا رسُول ہو جاتا ہے۔ یہ ایک باریک بھید ہے جس کو ہر شخص جلدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مامور اپنی جماعت کو اپنی منشاء کے موافق نہیں دیکھتا تو اُس کے دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایک ٹھوکر لگتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ تمثیلی طور پر بعض افراد کو اُن کے عیُوب اُن پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اور کبھی اس فعل کا علم مامُور اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے انسان دونوں کو ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی کو۔

۱؎ الشعراء: ۴ ۲؎ النساء: ۱۳۷

ہم اس عقدہ کو حل کرنے کے لئے ذرا مثال کے طور پر سمجھا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے بلکہ قریباً ہر ایک شخص پر اس قسم کے واقعات گذرے ہوں گے کہ جب کبھی وہ کسی گناہ کی حالت میں گرفتار ہونے کو ہوا ہے تو رؤیا میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس نے زیارت کی اور اس گناہ کی حالت سے بچ گیا۔ اس قسم کے تمثلات وہ ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ مامور کا رسول ہو کر اپنا فیض پہنچاتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۔ پرچہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء)

بغیر تاریخ کے ۱۹۰۲ء

جبر و قضا و قدر اور دُعا

قدر اور جبر پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ لوگ اس پر کیوں بحث کرتے ہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد ہی اس قسم کی بحثوں کی بنیاد پڑی ہے ورنہ انسانیت یہ چاہتی تھی کہ ان پر توجہ نہ کی جاوے جب رُوحانیت کم ہو گئی تو اس قسم کی بحثوں کا بھی آغاز ہو گیا۔

جس شخص کا یہ ایمان نہ ہو کہ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ[۵۷]۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اُس نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور ایسا ہی اس شخص نے بھی شناخت نہیں کیا جو اس کو علیم بذات الصدور اور حی و قیوم کہ دوسروں کی حیات و قیام اسی سے ہے اور وہ مدبّر بالارادہ ہے مدبّر بالطبع نہیں مانتا جو فلاسفروں کا عقیدہ ہے۔ غرض ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بات قریب بہ کفر ہو جاتی ہے اگر یہ تسلیم کریں کہ کوئی حرکت یا سکون یا ظلمت یا نُور بدُوں خدا کے ارادے کے ہو جاتا ہے اس پر ثبوت اوّل قانون قدرت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں دو کان ایک ناک دیئے ہیں۔ اتنے ہی اعضا لیکر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح عُمر ہے اور بہت سے امور ہیں جو ایک دائرہ کے اندر محدود ہیں بعض کے اولاد نہیں ہوتی۔ بعض کے لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ غرض یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے قدیر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

---

۵۷ یٰسٓ: ۸۳

پس ہمارا مذہب یہ ہے کہ خدا کی الوہیت اور ربوبیت ذرہ ذرہ پر محیط ہے اگرچہ احادیث میں آیا ہے کہ بدی شیطان یا نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بدی جس کو بدی سمجھا جاوے مگر بعض بدیاں ایسی ہیں کہ اُن کے اسرار اور حکم اور مفہوم سے ہم آگاہ نہیں ہیں جیسے مثلاً آدم کا دانہ کھانا۔ غرض ہزارہا اسرار ہیں جو مستحدثات کا رنگ دکھانے کے لئے کر رکھے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ ما کان لنفس ان تموت الّا باذن اللہ[1]۔ تموت میں روحانی اور جسمانی دونوں باتیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ لغو ہو جاتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ کوئی ایسی فہرست پیش کرو جس میں لکھا ہو کہ فلاں شقی ہے۔

انبیاء علیہم السلام جب دعوت کرتے تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی اثر مترتب ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی دُعا کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالےٰ قضا و قدر کو بدل دیتا ہے اور قبل از وقت اس تبدیلی کی اطلاع بھی دیدیتا ہے۔ اس وقت ہی دیکھو کہ جو رجوع لوگوں کا اس سلسلہ کی طرف اب ہے براہین احمدیہ کے زمانہ میں کب تھا اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

میں نے خود عیسائیوں کی کتابیں پڑھی ہیں لیکن اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے۔ کہ ایک طرفۃ العین کے لئے بھی عیسائی مذہب کی سچائی کا خیال میرے دل میں نہیں گزرا وہ قرآن شریف کی اس تعلیم پر کہ خدا کے ہاتھ میں ضلالت اور ہدایت ہے اعتراض کرتے ہیں لیکن اپنی کتابوں کو نہیں پڑھتے۔ جن میں لکھا ہے کہ شریر جہنّم کے لئے بنائے گئے ہیں۔ یا مثلاً یہ لکھا ہے کہ فرعون کا دل سخت ہونے دیا۔ اگر لفظوں پر ہی اعتراض کرنا ہو تو عیسائی ہمیں بتائیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں بددیانت آدمی سے تو مَرے ہوئے کُتّے سے بھی زیادہ بدبُو آتی ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان پادریوں کا اسلام پر ایسا اعتراض نہیں ہے جو توریت اور انجیل کے ورق ورق پر صاف صاف نہ آتا ہو ایسا ہی رگوید اور فارسیوں اور ستاتنیوں کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔

قرآن شریف نے ان امور کو جن سے احمق معترضوں نے جبر کی تعلیم نکالی ہے محض اس

[1] آل عمران: ۱۴۶

عظیم الشان اصول کو قائم کرنے کے لئے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے اور ہر ایک امر کا مبدء اور مرجع وہی ہے وہی علت العلل اور مسبّب الاسباب ہے۔ یہ غرض ہے جو اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اُٹھا کر اپنے علت العلل ہونے کا ذکر فرمایا ہے ورنہ قرآن شریف کو پڑھو اس میں بڑی صراحت کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا جس کی وجہ سے انسان مکلف ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں قرآن شریف جس حال میں اعمال بد کی سزا ٹھہراتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے اگر قضا و قدر میں کوئی تبدیلی ہونیوالی نہ تھی اور انسان مجبور مطلق تھا۔ تو ان حدود و شرائع کی ضرورت ہی کیا تھی پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف دہریوں کی طرح تمام امور کو اسباب طبیعہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا بلکہ خالص توحید پر پہنچانا چاہتا ہے اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے دعا کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ قضا و قدر کے تعلقات کو جو دعا کے ساتھ ہیں تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جو لوگ دعا سے کام لیتے ہیں اللہ تعالےٰ اُن کے لئے راہ کھول دیتا ہے۔ وہ دعا کو رد نہیں کرتا۔ ایک طرف دُعا ہے۔ دوسری طرف قضا و قدر۔ خدا نے ہر ایک کے لئے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ربُوبیت کے حصہ کو عبودیت میں دیا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ ادعونی استجب لکم[1] مجھے پکارو میں جواب دُوں گا۔ میں اس لئے ہی کہا کرتا ہوں کہ ناطق خدا مسلمانوں کا ہے لیکن جس خدا نے کوئی ذرہ پیدا نہیں کیا یا جو خود یہودیوں سے طمانچے کھا کر مر گیا وہ کیا جواب دیگا۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

جبر اور قدر کے مسئلہ کو اپنی خیالی اور فرضی منطق کے معیار پر کسنا دانشمندی نہیں ہے۔ اس سِر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا بیہودہ ہے۔ الُوہیت اور ربُوبیت کا کچھ تو ادب بھی چاہیئے اور یہ راہ تو ادب کے خلاف ہے کہ الُوہیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔ الطریقۃ کلہا ادب ٭

[1] المومن : ۶۱

قضا و قدر کا دعا کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ دعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے جب مشکلات پیدا ہوتے ہیں تو دعا ضرور اثر کرتی ہے۔ جو لوگ دعا سے منکر ہیں۔ اُن کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ قرآن شریف نے دعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور دوسرے پہلو میں بندے کی مان لیتا ہے۔

ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع[1] میں تو اپنا حق رکھ کر منوانا چاہتا ہے۔ نون ثقیلہ کے ذریعہ سے جو اظہار تاکید کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ قضائے مبرم کو ظاہر کریں گے تو اس کا علاج اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ[2] ہی ہے۔ اور دوسرا وقت خدا تعالےٰ کے فضل و کرم کی امواج کے جوش کا ہے وہ ادعونی استجب لکم[3] میں ظاہر کیا ہے۔

پس مومن کو ان دونو مقامات کا پورا علم ہونا چاہیئے۔ صُوفی کہتے ہیں کہ فقر کامل نہیں ہوتا۔ جب تک محل اور موقع کی شناخت حاصل نہ ہو بلکہ کہتے ہیں کہ صوفی دعا نہیں کرتا۔ جبتک کہ وقت کو شناخت نہ کرے۔

سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو یہانتک کہتے ہیں کہ شدید الاختفا امور مشبہ بالمبرم بھی دور کئے جاتے ہیں۔

الغرض دُعا کی اس تقسیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور کبھی وہ مان لیتا ہے۔ یہ معاملہ گویا دوستانہ معاملہ ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دعاؤں کی ہے۔ اس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔

چنانچہ آپ کے گیارہ بچے مر گئے مگر آپؐ نے کبھی سوال نہ کیا کہ کیوں؟ جو لوگ فقرا اور اہل اللہ کے پاس آتے ہیں۔ اکثر اُن میں سے محض آزمائش اور امتحان کے لئے آتے ہیں۔ وہ دعا کی حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لئے پُورا فائدہ نہیں ہوتا۔ عقلمند انسان اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دُعا نہ ہوتی تو اہل اللہ مر جاتے۔ جو لوگ دُعا کے منافع سے محروم ہیں ان کو دھوکا ہی

[1] البقرۃ: ۱۵۶ [2] البقرۃ: ۱۵۷ [3] المومن: ۶۱

لگا ہوا ہے کہ وہ دعا کی تقسیم سے ناواقف ہیں۔

میرا جب سب سے پہلا لڑکا فوت ہوا۔ تو اس کو ایک سخت غشی کی حالت تھی۔ گھر میں اُس کی والدہ نے جب دیکھا کہ حالت نازک ہے تو اُنہوں نے کہا کہ یہ تو امید نہیں اب جانبر ہو۔ میں اپنی نماز کیوں ضائع کروں چنانچہ وہ نماز میں مصروف ہو گئے اور جب نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا تو اُس وقت چونکہ انتقال ہو چکا تھا میں نے کہا کہ لڑکا مر گیا ہے انہوں نے پُورے صبر اور رضا کے ساتھ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔

خدا جس امر میں نامراد کرتا ہے اس نامرادی پر صبر کرنیوالوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اسی صبر کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ایک کی بجائے چار لڑکے عطا فرمائے۔

الغرض دعا بڑی دولت ہے۔ بے صبر ہو کر دعا نہ کرے۔ بلکہ دعاؤں میں لگا رہے یہانتک کہ وہ وقت آجاوے۔

قرآن مجید میں دجّال کا ذکر
اوّل باآخر نسبتے دارد

قرآن شریف کو سُورۃ فاتحہ سے شروع کر کے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین[1] پر ختم کیا ہے۔ لیکن جب ہم مسلمانوں کے معتقدات پر نظر کرتے ہیں تو دجّال کا فتنہ اُن کے ہاں عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ دجّال کا ذکر ہی بھُول گیا ہو نہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ دجّال کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ سُورۃ فاتحہ میں جو دُو فتنوں سے بچنے کی دُعا سکھائی ہے۔ اوّل غیر المغضوب علیھم۔ غیر المغضوب سے مراد باتفاق جمیع اہل اسلام یہود ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اُمت پر آنیوالا ہے جبکہ وہ یہود سے تشابہ پیدا کرنے گی۔ اور وہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے جبکہ اس کے انکار اور کُفر پر اسی طرح زور دیا جائے گا جیسا کہ حضرت مسیح ابن مریم کے کفر پر یہودیوں نے دیا تھا۔ غرض اس دعا میں یہ سکھایا گیا کہ یہود کی طرح مسیح موعود کی توہین اور تکفیر سے ہم کو بچا اور دوسرا عظیم الشان

[1] الفاتحہ: ۷

فتنہ جس کا ذکر سُورۃ فاتحہ میں کیا ہے اور جس پر سُورۃ فاتحہ کو ختم کر دیا ہے وہ نصاریٰ کا فتنہ ہے۔ جو ولا الضالین میں بیان فرمایا ہے۔ اب جب قرآن شریف کے انجام پر نظر کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی ان دونوں فتنوں کے متعلق کھلی کھلی شہادت دیتا ہے۔ مثلاً غیر المغضوب کے مقابل میں سُورۃ تبّت یدا ہے۔ مجھے بھی فتوے کفر سے پہلے یہ الہام ہوا تھا۔ اذیمکربك الّذی کفر۔ اوقد لی یاھامان لعلّی اطلع علیٰ الٰہ موسیٰ وانّی لاظنّہ من الکاذبین۔ تبّت یدا ابی لھب وتب ماکان لہٗ ان یدخل فیھا الّا خائفًا وما اصابك فمن اللہ۔ یعنی وہ زمانہ یاد کر کہ جبکہ مکفّر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا۔ اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکتا ہو۔ کہیگا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ تا میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدّعی ہے۔ خدا اس کا معاون ہے یا نہیں۔ اور میں تو اُسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور آپ بھی ہلاک ہو گیا۔ اس کو نہیں چاہیئے تھا کہ اس میں دخل دیتا مگر ڈر ڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا وہ خدا کی طرف سے ہے۔

غرض سُورۃ تبّت میں غیر المغضوب علیھم کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ولا الضّالین کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سُورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ النّاس ان دونوں کی تفسیر ہیں۔ اِن دونوں سورتوں میں اس تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جبکہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مغضوب علیھم کا فتنہ پیدا ہو گا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دُنیا پر محیط ہونے لگے گی۔ پس جیسے سُورۃ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے۔ اِن دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دُعا تعلیم کی۔ تا کہ یہ بات ثابت ہو جاوے کہ اوّل با آخر نسبتے دارد۔

سُورۃ فاتحہ میں جو اِن فتنوں کا ذکر ہے وہ کئی مرتبہ بیان کیا ہے مگر قرآن شریف کے آخر میں جو اِن فتنوں کا ذکر ہے وہ بھی مختصر طور پر سمجھ لو۔

الضّالین کے مقابل آخر کی تین سُورتیں ہیں۔ اصل تو قل ھو اللہ ہے اور باقی دونوں سُورتیں

اس کی شرح ہیں۔ قُلْ ھُوَاللہ کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ نصاریٰ سے کہدو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

پھر سُورۃ الفلق میں اس فتنہ سے بچنے کے لئے یہ دعا سکھائی۔ قل اعوذ برب الفلق۔ یعنی تمام مخلوق کے شر سے اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو رب الفلق ہے یعنی صبح کا مالک ہے۔ یا روشنی ظاہر کرنا اسی کے قبضہ و اقتدار میں ہے۔ رب الفلق کا لفظ بتاتا ہے کہ اس وقت عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کی تکفیر اور توہین کے فتنہ کی اندھیری رات احاطہ کرے گی۔ اور پھر کھول کر کہا کہ شر غاسقٍ اذا وقب اور میں اس اندھیری رات کے شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کے انکار کے فتنہ کی شب تار ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا ومن شر النفّٰثٰت فی العقد[1] اور میں ان زنانہ سیرت لوگوں کی شرارت سے پناہ مانگتا ہوں جو گنڈوں پر پھونکیں مارتے ہیں۔ گرہوں سے مُراد وہ معضلات اور مشکلات شریعت محمدیہ ہیں جن پر جاہل مخالف اعتراض کرتے ہیں اور ان کو ایک پیچیدہ صورت میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں۔ اور یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو پادری اور ان کے دوسرے پس خوردہ کھانے والے اور دوسرے وہ ناواقف اور ضدی مُلّاں ہیں جو اپنی غلطی کو تو چھوڑتے نہیں اور اپنی نفسانی پھونکوں سے اس صاف دین میں اَور بھی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں۔ اور زنانہ خصلت رکھتے ہیں کہ خدا کے مامور و مرسل کے سامنے آتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی شرارتوں سے پناہ مانگتے ہیں اور ایسا ہی اِن حاسدوں کے حسد سے پناہ مانگتے ہیں اور اس وقت سے پناہ مانگتے ہیں جب وہ حسد کرنے لگیں۔

اور پھر آخر سُورۃ میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم فرمائی ہے جیسے سُورۃ فاتحہ کو الضّالین پر ختم کیا تھا۔ ویسے آخری سورۃ میں خنّاس کے ذکر پر ختم کیا تاکہ خنّاس اور ضالین کا تعلق معلوم ہو۔ اور آدم کے وقت میں بھی خناس جس کو عبرانی زبان میں نحاش کہتے ہیں جنگ کے لئے آیا تھا۔ اس وقت بھی مسیح موعُود کے زمانہ میں جو آدم کا مثیل بھی ہے۔ ضروری تھا کہ وہی نحاش ایک دوسرے لباس میں آتا۔ اور اسی لئے عیسائیوں اور مسلمانوں نے باتفاق یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ آخری

[1] الفلق : ۵

زمانہ میں آدم اور شیطان کی ایک عظیم الشان لڑائی ہوگی جس میں شیطان ہلاک کیا جاوے گا۔ اب ان تمام امور کو دیکھ کر ایک خدا ترس آدمی ڈر جاتا ہے۔ کیا یہ میرے اپنے بنائے ہوئے امور ہیں۔ جو خدا نے جمع کر دیئے ہیں۔

کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے۔ ولا الضالین پر سورۃ فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا۔ اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وہ سورتیں رکھیں۔ جن کا تعلق سورۃ فاتحہ کے انجام سے ہے

ادھر مسیح اور آدم کی مماثلت ٹھہرائی اور مجھے مسیح موعود بنایا۔ تو ساتھ ہی آدم بھی میرا نام رکھا۔

یہ باتیں معمولی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ایک علمی سلسلہ ہے۔ جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی ہے۔

شفیع کون ہو سکتا ہے

شفیع کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے معنے جفت کے ہیں۔ اس لئے شفیع وہ ہو سکتا ہے جو دو مقامات کا مظہر اتم ہو یعنی مظہر کامل لاہوت اور ناسوت کا ہو۔ لاہوتی مقام کا مظہر کامل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا خدا کی طرف صعود ہو۔ وہ خدا سے حاصل کرے اور ناسوتی مقام کے مظہر کا یہ مفہوم ہے کہ مخلوق کی طرف اس کا نزول ہو جو خدا سے حاصل کرے وہ مخلوق کو پہنچا دے اور مظہر کامل ان مقامات کا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی۔[1]

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدُوں کامل حصہ مقام لاہوت کا کسی نبی میں نہیں آیا۔ اور ناسوتی حصہ چاہتا ہے بشری لوازم کو ساتھ رکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ ساری باتیں پوری پائی جاتی ہیں۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ بچے بھی ہوئے۔ دوستوں کا زمرہ بھی تھا۔ فتوحات کر کے اختیاری قوتوں کے ہوتے ہوئے انتقام چھوڑ کر رحم کر کے بھی دکھایا۔ جبتک

[1] النجم : ۹-۱۰

انسان کے پیرایہ پُورے نہ ہوں وہ پُوری ہمدردی نہیں کرسکتا۔ اس حصہ اخلاق فاضلہ میں وہ نامکمل رہے گا۔ مثلاً جس نے شادی ہی نہیں کی وہ بیوی اور بچوں کے حقوق کی کیا قدر کرسکتا ہے اور اُن پر اپنی شفقت اور ہمدردی کا کیا نمونہ دکھا سکتا ہے۔ رہبانیت ہمدردی کو دُور کردیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت کو نہیں رکھا۔ غرض کامل شفیع وہی ہوسکتا ہے جس میں یہ دونوں حصے کامل طور پر پائے جائیں۔ چونکہ یہ ایک ضروری امر تھا کہ شفیع ان دونوں مقامات کا مظہر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی اس سلسلہ کا ظل قائم رکھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کو جب پیدا کیا تو لاہوتی حصہ تو اس میں یوں رکھ دیا جب کہا۔ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین[1] اور ناسوتی حصہ یوں رکھا کہ حوّا کو اس سے پیدا کیا۔

یعنی جب رُوح پھُونکی تو ایک جوڑ آدم کا خدا تعالیٰ سے قائم ہوا۔ اور جب حوّا نکالی تو دوسرا جوڑ مخلوق کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ناسُوتی ہوگیا۔ پس جبتک یہ دونوں حصے کامل طور پر کامل انسان میں نہ پائے جائیں وہ شفیع نہیں ہوسکتا۔ جیسے آدم کی پسلی سے حوّا نکلی اسی طرح پر کامل انسان سے مخلُوق نکلتی ہے۔

تصویر اور نماز

ایک شخص نے دریافت کیا کہ تصویر کی وجہ سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی۔ جواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

کفار کے تتبع پر تو تصویر ہی جائز نہیں۔ ہاں نفس تصویر میں حرمت نہیں بلکہ اس کی حرمت اضافی ہے اگر نفس تصویر مُفسد نماز ہو تو میں پوچھتا ہوں کہ کیا پھر روپیہ پیسہ نماز کے وقت پاس رکھنا مفسد نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب اگر یہ دو کہ روپیہ پیسہ کا رکھنا اضطراری ہے۔ میں کہوں گا کہ کیا اگر اضطرار سے پاخانہ آجاوے تو وہ مفسد نماز نہ ہوگا۔ اور پھر وضو کرنا نہ پڑے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ تصویر کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اس سے کوئی دینی خدمت

[1] الحجر: ۳۰

مقصود ہے یا نہیں۔ اگر یُونہی بیفائدہ تصویر رکھی ہوئی ہے اور اس سے کوئی دینی فائدہ مقصود نہیں تو یہ لغو ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ والّذین ھم عن اللغو معرضون[1]۔ لغو سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیئے لیکن ہاں اگر کوئی دینی خدمت اس ذریعے سے بھی ہو سکتی ہو تو منع نہیں ہے کیونکہ خدا تعالےٰ علوم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

مثلاً ہم نے ایک موقعہ عیسائیوں کے مثلث خدا کی تصویر دی ہے جس میں رُوح القدس بشکل کبوتر دکھایا گیا ہے اور باپ اور بیٹے کی بھی جُدا جُدا تصویر دی ہے۔ اس سے ہماری یہ غرض تھی کہ تا تثلیث کی تردید کر کے دکھائیں۔ کہ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہے۔ جو حیّ و قیّوم ازلی و ابدی غیر متغیر اور تجسم سے پاک ہے۔ اس طرح پر اگر خدمت اسلام کے لئے کوئی تصویر ہو تو شرع کلام نہیں کرتی کیونکہ جو امور خادم شریعت ہیں اُن پر اعتراض نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس کُل نبیوں کی تصویریں تھیں۔ قیصر رُوم کے پاس جب صحابہ گئے تھے تو اُنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اس کے پاس دیکھی تھی۔ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ نفس تصویر کی حُرمت نہیں بلکہ اس کی حُرمت اضافی ہے جو لوگ لغو طور پر تصویریں رکھتے اور بناتے ہیں وہ حرام ہے۔ شریعت ایک پہلو سے حرام کرتی ہے اور ایک جائز طریق پر اُسے حلال ٹھہراتی ہے۔ روزہ ہی کو دیکھو رمضان میں حلال ہے لیکن اگر عید کے دن روزہ رکھے تو حرام ہے۔ ؎

گر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی

حُرمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بالنفس حرام ہوتی ہے ایک بانسبت۔ جیسے خنزیر بالکل حرام ہے خواہ وہ جنگل کا ہو یا کہیں کا سفید ہو یا سیاہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ایک قسم کا حرام ہے یہ حرام بالنفس ہے لیکن حرام بالنسبت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص محنت کر کے کسب حلال سے روپیہ پیدا کرے تو حلال ہے لیکن اگر وہی روپیہ نقب زنی قمار بازی سے حاصل کرے تو حرام ہوگا۔ بخاری کی پہلی ہی حدیث ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات ایک خُونی ہے اگر اس کی تصویر اس غرض سے لے لیں کہ اس کے ذریعہ اس کو شناخت کر کے گرفتار کیا جاوے تو یہ نہ صرف جائز ہوگی بلکہ اس سے کام لینا فرض ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر

[1] المومن : ۴

ایک شخص اسلام کی توہین کرنیوالے کی تصویر بھیجتا ہے تو اس کو اگر کہا جاوے حرام کام کیا ہے۔ تو یہ کہنا موذی کا کام ہے۔

یاد رکھو اسلام بُت نہیں بلکہ زندہ مذہب ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل نا سمجھ مولویوں نے لوگوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ دیا ہے۔

آنکھوں میں ہر شے کی تصویر بنتی ہے۔ بعض پتھر ایسے ہیں کہ جانور اُڑتے ہیں تو خود بخود اُن کی تصویر اُتر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام مصوّر ہے یصورکم فی الارحام[1] پھر بلا سوچے سمجھے کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ اصل بات وہی ہے جو میں نے بیان کی ہے کہ تصویر کی حُرمت غیر حقیقی ہے کسی محل پر ہوتی ہے اور کسی پر نہیں۔ غیر حقیقی حُرمت میں ہمیشہ نیّت کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر نیّت شرعی ہے تو حرام نہیں ورنہ حرام۔

حدیثوں ہی پر تکیہ نہ کرلو۔ اگر قرآن شریف پر حدیث کو مقدم کرتے ہو تو پھر گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام لگاتے ہو کہ کیوں اُنہوں نے احادیث کو خود جمع نہیں کرایا۔ کیونکہ آپ نے کوئی حکم احادیث کے جمع کرنے کو نہیں فرمایا۔ حالانکہ قرآن شریف کو آپؐ خود لکھواتے اور سُناتے تھے۔ بعض صحابہ نے احادیث کو اپنے طور پر جمع کیا لیکن آخر انہوں نے جلا دیا۔ جب سبب دریافت کیا تو یہی بتلایا کہ آخر راویوں سے سُنی ہیں ممکن ہے ان میں کمی بیشی ہوئی ہو۔ اپنے ذمّے کیوں بوجھ لیں۔ پس قرآن کو مقدم کرو اور حدیث کو قرآن پر عرض کرو۔ حکم نہ بناؤ۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۳-۶ پرچہ ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء)

۱۳؍ فروری ۱۹۰۲ء

ضروری اعلان

حضرت مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الحکم کے ذریعہ اپنے تمام دوستوں کو

[1] آل عمران : ۷

اطلاع دی جاوے کہ چونکہ طاعون پنجاب کے اکثر حصوں میں زور کے ساتھ پھیل گیا ہے اور پھیلتا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ امر قرین مصلحت نہیں کہ ایسا مجمع ہو جس میں وبا زدہ علاقوں کے لوگ بھی شامل ہوں اس لئے عید الاضحیہ پر جو تجویز امتحان کی قرار پائی تھی وہ کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کی جاتی ہے وہ لوگ جن کے شہروں اور دیہات میں طاعون شدت کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ اپنے شہروں سے دوسری جگہ نہ جائیں۔ اپنے مکانوں کی صفائی کریں اور انہیں گرم رکھیں اور ضروری تدابیر حفظ ما تقدم کی عمل میں لائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سچی توبہ کریں اور پاک تبدیلی کر کے خدا تعالےٰ سے صلح کریں۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں دعائیں مانگیں۔ ہر ایک قسم کے فسق و فجور خیانت اور غلط کاری کی راہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنی حالت کی سچی تبدیلی ہی خدا کے اس عذاب سے بچا سکے گی۔ ونعم ماقیل

خور تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم
زمین طاعون ہمی آرد پئے تخویف و انذارے
بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی
علاجے نیست بہر دفع آں جز حُسن کردارے

(الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۱ پرچہ ۱۴ ؍فروری ۱۹۰۲ء)

۱۲ ؍فروری ۱۹۰۲ء۔ (ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

معراج اور آسمان

معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کو مختلف آسمانوں پر دیکھا ہے حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ زمانی طور پر بتایا ہے۔ سب سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو ابو الانبیاء تھے۔ دکھایا ہے اور دوسرے آسمان پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو۔ چونکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسٰی کا زمانہ مشترک تھا اس لئے ان کو اکٹھے بٹھایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے درجے پر تھے اس لئے دوسرے آسمان پر ان کو دکھایا اور آدم کو پہلے آسمان پر دکھایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم تھے۔ اس لئے آپ کو پہلے

آسمان پر دکھایا گیا۔

مذہب ایک سائنس ہے

اس وقت خدا تعالیٰ نے مذہبی امور کو قصے اور کہتا کے رنگ میں نہیں رکھا ہے۔ بلکہ مذہب کو ایک سائنس (علم) بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ زمانہ کشف حقائق کا زمانہ ہے جبکہ ہر بات کو علمی رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ میں اس لئے ہی بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد کو اور قرآن کریم کے قصص کو علمی رنگ میں ظاہر کروں۔

ذوالقرنین اور مسیح موعود

یہ زمانہ چونکہ کشف حقائق کا زمانہ ہے اور خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق اور معارف مجھ پر کھول رہا ہے۔ ذوالقرنین کے قصے کی طرف جو میری توجہ ہوئی تو مجھے یہ سمجھایا گیا ہے کہ ذوالقرنین کے پیرایہ میں مسیح موعود ہی کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذوالقرنین اس لئے رکھا ہے۔ کہ قرن چونکہ صدی کو کہتے ہیں اور مسیح موعود دو قرنوں کو پائے گا اس لئے ذوالقرنین کہلائے گا۔ چونکہ میں نے تیرھویں اور چودھویں صدی دونوں پائی ہیں اور اسی طرح پر دوسری صدیاں ہندوؤں اور عیسائیوں کی بھی پائی ہیں۔ اس لحاظ سے تو **ذوالقرنین** ہے۔ اور پھر اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قومیں پائیں۔ اوّل وہ جو غروب آفتاب کے پاس ہے اور کیچڑ میں ہے۔ اس سے مراد عیسائی قوم ہے جس کا آفتاب ڈوب گیا ہے۔ یعنی شریعت حقہ اُن کے پاس نہیں رہی۔ رُوحانیت مر گئی۔ اور ایمان کی گرمی جاتی رہی یہ ایک کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دُوسری قوم وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے اور جھلسنے والی دھوپ ہے۔ یہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے۔ آفتاب یعنی شریعت حقہ اُن کے پاس موجود ہے مگر یہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے کیونکہ فائدہ تو حکمت عملی سے اُٹھایا جاتا ہے جیسے مثلاً روٹی پکانا۔ وہ گو آگ سے پکائی جاتی

ہے لیکن جبتک اس کے مناسب حال انتظام اور تدبیر نہ کی جاوے وہ روٹی تیار نہیں ہو سکتی اسی طرح پر شریعت حقہ سے کام لینا بھی ایک حکمت عملی کو چاہتا ہے۔ پس مسلمانوں نے اس وقت باوجودیکہ اُن کے پاس آفتاب اور اس کی روشنی موجود تھی اور ہے لیکن کام نہیں لیا اور مفید صورت میں اس کو استعمال نہیں کیا اور خدا کے جلال اور عظمت سے حصہ نہیں لیا۔

اور تیسری وہ قوم ہے جس نے اس سے فریاد کی کہ ہم کو یاجُوج ماجُوج سے بچا۔ یہ ہماری قوم ہے جو مسیح موعود کے پاس آئی اور اُس نے اس سے استفادہ کرنا چاہا ہے۔ غرض آج ان قصّوں کا علمی رنگ ہے ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصّہ پہلے بھی کسی رنگ میں گزرا ہے لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصّہ میں واقعہ آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا جو آج اس زمانہ میں پُورا ہوگیا۔

الھُدیٰ اور الحق سے مُراد

ھوالّذی ارسل رسوله بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدّین کلّه[1] پر سوچتے سوچتے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے اس میں دو لفظ ھدیٰ اور حق کے رکھے ہیں۔ ھدیٰ تو یہ ہے کہ اندر روشنی پیدا کرے۔ معمّا نہ رہے۔ یہ گویا اندرونی اصلاح کی طرف اشارہ ہے جو مہدی کا کام ہے اور حق کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی طور پر باطل کو شکست دیوے۔ چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے۔ جاء الحق و زھق الباطل[2]۔ اور خود اس آیت میں بھی فرمایا ہے لیظھرہٗ علی الدین کلّه۔ یعنی اس رسُول کی آمد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حق کو غلبہ دے گا۔ یہ غلبہ تلوار اور تفنگ سے نہیں ہوگا۔ بلکہ وجُوہ عقلیہ سے ہوگا۔

یاد رکھو کہ پاک صاف عقل کا خاصہ ہے کہ وہ قصّوں پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اسرار کو کھینچ لاتی ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جن کو حکمت دی گئی۔ اُن کو خیر کثیر دی گئی ہے۔

[1] الصف : ۱۰ [2] بنی اسرائیل : ۸۲

الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کے معنے

آجکل ہمارے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ طاعون کی طرف زیادہ ہے اور چونکہ یہ لوگ عارف تر ہوتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی غناء ذاتی سے خائف تر بھی ہوتے ہیں۔ عموماً سیر اور بعد شام طاعون پر کچھ نہ کچھ تقریر ہو جاتی ہے۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کا جو الہام ایک عرصہ سے آنحضرتؑ کو ہو چکا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ میں اس کے معنی یقیناً یہی سمجھتا ہوں کہ وہ افرا تفری اور قیامت خیز نظارہ جو طاعون کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ قادیان کو ضرور محفوظ رکھے گا۔ اگرچہ یہ امر ممکن ہی ہو کہ کوئی کیس خدانخواستہ یہاں ہو جائے مگر النادر کالمعدوم کے ضمن میں ہے تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور وعدہ کے موافق یقین ہے کہ وہ ہمیں تشویش اور سخت اضطراب سے ضرور محفوظ رکھے گا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۴ پرچہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

---

۲۳ مارچ ۱۹۰۲ء

مکذبین مامور من اللہ سے خدا تعالیٰ کا معاملہ

مامور من اللہ کی صحبت میں رہنے والے لوگ بہت کچھ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور ایک حد تک علم صحیح اس تعلق کے متعلق جو مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ میں ہوتا ہے حاصل کرتے ہیں۔ مگر وہ کامل علم جو اس مامور کو دیا جاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کا علم تو پھر اَور ہی رنگ رکھتا ہے۔ جب مامور کی تکذیب اور انکار حد تک پہنچ جاتا ہے تو پھر ٹھیک اسی طرح جیسے زمیندار جب فصل پک جاتی ہے تو اس کے کاٹنے کے واسطے درانتی کو درست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی مکذبوں کے لئے تیاری کرتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے حجت پوری کر چکا ہے۔ اس لئے اب ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ وہ خاموشی سے آسمانی ہتھیار اور حربے کو دیکھے۔ دنیا میں ہم یہ قانون دیکھتے ہیں کہ جب ایک حاکم کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں مظلوم ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جس کا علم سب سے زیادہ صحیح اور یقینی ہے جو ہر حال کا بینا

ہے کیوں اس مظلوم صادق کی مدد نہ کرے گا۔ جو محض اس لئے ستایا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے الہام پاکر یہ کہا کہ میں خدا کی طرف سے اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اُن کی مدد کرتا ہے۔ لیکن ہاں یہ سنّت اللہ ہے کہ وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کو اس تکذیب اور انکار کی خبر نہیں کفر ہے۔ وہ تو ابتدا سے جانتا ہے کہ کیا کیا جاتا ہے۔

دو فریق

اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے دو فریق ہو گئے ہیں جس طرح ہماری جماعت شرح صدر سے اپنے آپ کو حق پر جانتی ہے۔ اسی طرح مخالف اپنے غلو میں ہر قسم کی بیحیائی اور جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں۔ شیطان نے اُن کے دلوں میں جما دیا ہے کہ ہماری نسبت ہر قسم کا افترا اور بہتان اُن کے لئے جائز ہے اور نہ صرف جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔ اس لئے اب ضروری ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو اُن کے مقابلے میں بالکل چھوڑ دیں اور خدا تعالیٰ کے فیصلہ پر نگاہ کریں جس قدر وقت اُن کی بیہودگیوں اور گالیوں کی طرف توجہ کرنے میں ضائع کریں بہتر ہے کہ وہی وقت استغفار اور دعاؤں کے لئے دیں۔

متقی خوش قسمت ہے

ہماری جماعت کو یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ اگر کوئی خیال آتا ہے تو یہی آتا ہے کہ دنیا میں تو رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے خوبصورتی کے لحاظ سے ہوتے ہیں بعض خاندان یا دولت کے لحاظ سے اور بعض طاقت کے لحاظ سے لیکن جناب الٰہی کو اِن امور کی پروا نہیں۔ اُس نے تو صاف طور پر فرما دیا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1]۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معزز و مکرّم ہے جو متقی ہے۔ اب جو جماعت اتقیا ہے خدا اس کو ہی رکھے گا۔ اور دوسری کو ہلاک کرے گا یہ نازک مقام ہے اور اس جگہ پر دو کھڑے نہیں ہو سکتے کہ متقی بھی وہیں رہے اور شریر اور ناپاک

[1] الحجرات: ۱۴

بھی وہیں ضرور ہے کہ متقی کھڑا ہو اور خبیث ہلاک کیا جاوے اور چونکہ اس کا علم خدا کو ہے کہ کون اُس کے نزدیک متقی ہے۔ پس یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو متقی ہے۔ اور بدبخت ہے وہ جو لعنت کے نیچے آیا ہے۔

الہام الٰہی اور الہام شیطانی میں مابہ الامتیاز

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ان میں عُلماء بھی ہیں۔ مُلہم بھی ہیں تو یہ ایک خیالی بات ہے اور اس سے کوئی فائدہ اس مقصد کو نہیں پہنچ سکتا جو انسانی ہستی کا ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو وہ امر جس پر خدا راضی ہوتا ہے جبتک وہ نہ ہو نہ علم صحیح ہوتا ہے نہ الہام مفید۔ جو شخص پاخانہ کے پاس کھڑا ہے پہلے تو اُسے بدبُو ہی آئے گی۔ پھر اگر عطر اس کے پاس کیا جاوے تو وہ اس سے کیا فائدہ اُٹھائے گا جبتک خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل نہ ہو کچھ نہیں ملتا۔ اور خدا سے قریب کرنیوالی بات صرف تقویٰ ہے۔ سچی آواز سُننے کے لئے متقی بننا چاہیئے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو انہیں آجاوے الہام ہی سمجھتے ہیں حالانکہ اضغاث احلام بھی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سُنائی دیتی ہیں وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں اُن کو آوازیں آتی ہوں گی۔ مگر ہم ہر آواز کو خدا تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے جبتک اس کے ساتھ وہ انوار اور برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔
اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ان الہام کے دعویٰ کرنے والوں کو اپنے الہاموں کو اس کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے اور اس بات کو بھی اُنہیں فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ بعض آوازیں نری شیطانی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان آوازوں پر ہی فریفتہ ہو جانا دانشمند انسان کا کام نہیں بلکہ جبتک اندرُونی نجاست اور گند دُور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جاوے۔ جو دنیا ایک مَرے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آوے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر قول و فعل میں مقصود ہو اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان اپنے اللہ کی آواز کو سُنتا ہے۔ اور وہ آواز حقیقت میں اسی کی ہوتی ہے کیونکہ اس وقت یہ تمام نجاستوں سے پاک ہو گیا ہوتا ہے۔
غرض نری آوازیں اور چند رسمی کتابوں کے پڑھ لینے سے فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ فیصلہ کی اصل

اور سچی راہ وہی ہے جس کو تائیدات الٰہیہ کہتے ہیں۔ اُن سے ہی فیصلہ ہوتا ہے اور خدا ہی کا حربہ فیصلہ کرتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور ایسے مقام پر کھڑا ہے جو نجاست سے بالکل الگ ہے۔ وہ وہی پاک آوازیں سُنتا ہے جو حضرت موسےٰ حضرت عیسےٰ حضرت نُوح حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام نے سُنیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جن کو سُنا تھا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان آوازوں کی صداقت اور عملی ظہور کے لئے انسانی ہاتھوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود خدا تعالیٰ ان کی چمکار دکھاتا ہے۔ اگرچہ یہ بہت ہی باریک باتیں ہیں جو معرفت کے اسرار میں داخل ہیں۔ تاہم خوشبو اور بدبُو اپنے مختلف نظاروں سے شناخت کی جاسکتی ہے۔ اچھے درخت کو کئی طرح پہچان لیتے ہیں۔ پتّوں سے بھی شناخت کر لیتے ہیں۔ میں نے ایکبار الائچی کا درخت انبالہ میں دیکھا اور ایک پتا اُس کا لے کر سُونگھا تو اس میں الائچی کی خوشبو موجود تھی اگرچہ ابھی اس کے تین درجے باقی تھے۔ مگر خوشبو موجود تھی۔ دانشمند انسان بہت سے قرائن سے امر واقعی کو معلوم کر لیتا ہے۔ خباثت بھی ہزاروں پردوں میں چھپی رہتی ہے اور تقویٰ بھی ہزاروں پردوں میں مخفی رہتا ہے مگر اُن کے آثار اور قرائن سے بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے کوئی آدمی عین بدکاری کی حالت میں پکڑا جاوے تو اسے بہت ہی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ایسے ہی ایک متقی جب اپنے تقویٰ کے سیر و عبادت میں مصروف ہو اور کوئی اجنبی اس پر گرے تو اس کو بھی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ شرمندگی کے موجبات تو ایک ہی ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری کو امر مستور رکھنا چاہتا ہے اور متقی اپنے تقویٰ کو۔ غرض تقویٰ کے امور بہت پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اصل تو یہ ہے کہ اس کی خبر ملائکہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر دوسرے کو کیسے مل سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جو تعلق تبتّل کا تھا اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جس قدر سمجھتا تھا اس کو کسی دوسرے نے ہرگز نہیں سمجھا۔ نہ حضرت ابوبکر نے اُسے سمجھا نہ حضرت علی نے اور نہ کسی اور نے۔ آپ کا انقطاع تام اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔ اور مخلوق کو مرے ہوئے کیڑے سے ہیچ سمجھنا ایک ایسا امر تھا جو دوسروں کو نظر نہ آسکتا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی تائیدوں کو دیکھ کر لوگ یہ نتیجہ ضرور نکالتے تھے۔ کہ جیسا خدا تعالیٰ سے سچا اور قوی تعلق اُس نے پیدا کیا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اس سے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

انجیلی تعلیم کا قرآنی تعلیم سے مقابلہ

کیسی عظیم الشان بات ہے کہ آپ کو کوئی مقام ذلّت کا کبھی نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ ہر میدان میں آپ ہر طرح معزز و مظفر ثابت ہوئے ہیں لیکن بالمقابل اگر مسیح کی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کیسی ذلّت پر ذلّت نصیب ہوئی ہے۔ بسا اوقات ایک عیسائی شرمندہ ہو جاتا ہوگا۔ جب وہ اپنے اس خدا کی حالت پر غور کرتا ہوگا جو انہوں نے فرضی اور خیالی طور پر بنایا ہوا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوئی ہے کہ عیسائی اس تعلیم کو جو انجیل میں بیان ہوئی ہے اور اس خدا کو جس کے واقعات کسی قدر انجیل سے ملتے ہیں۔ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر اسے ترجیح کیونکر دیتے ہیں مثلاً یہی تعلیم ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری بھی پھیر دو۔ اب اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرو تو صاف نظر آجائے گا کہ یہ کیسی بودی اور نکمّی تعلیم ہے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے بچّے خوش ہو جاتے ہیں بعض سے متوسط درجے کے لوگ اور بعض سے اعلیٰ درجے کے لوگ۔

انجیل کی تعلیم صرف بچوں کا کھلونا ہے کہ جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیا اللہ تعالےٰ نے جو انسان کو اس قدر قویٰ عطا فرمائے ہیں۔ ان سب کا موضوع اور مقصود یہی ہے کہ وہ طمانچے کھایا کرے؟ انسان انسان تب ہی بنتا ہے کہ وہ سارے قویٰ کو استعمال کرے۔ مگر انجیل کہتی ہے کہ سارے قویٰ کو بیکار چھوڑ دو اور ایک ہی قوت پر زور دیئے جاؤ۔ بالمقابل قرآن شریف تمام قوتوں کا مربّی ہے اور برمحل ہر قوت کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ مسیح کی اس تعلیم کی بجائے قرآن شریف فرماتا ہے جزٰٓؤا سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح[1] یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے مگر عفو بھی کرو تو ایسا عفو کہ اس کے نتیجہ میں اصلاح ہو۔ وہ عفو بے محل نہ ہو۔ مثلاً ایک فرمانبردار خادم ہے۔ اور کبھی کوئی خیانت اور غفلت اپنے فرض کے ادا کرنے میں نہیں کرتا۔ مگر ایک دن اتفاقاً اس کے ہاتھ سے گرم چائے کی پیالی گر جاوے اور نہ صرف پیالی ہی ٹوٹ جاوے بلکہ کسی قدر گرم چائے سر پر بھی پڑ جاوے۔ تو اس وقت یہ ضروری نہیں کہ آقا اس کو سزا دے بلکہ اس کے حسب حال سزا یہی ہے کہ اس کو معاف کر دیا جاوے۔ ایسے وقت پر موقع شناس آقا تو خود شرمندہ ہو جاتا ہے کہ اس

[1] الشوریٰ: ۴۱

بیچارے نوکر کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ لیکن کوئی شریر نوکر اس قسم کا ہے کہ وہ ہر روز نقصان کرتا ہے اگر اس کو عفو کر دیا جائے تو وہ اور بھی بگڑے گا۔ اس کو تنبیہ ضروری ہے۔ غرض اسلام انسانی قویٰ کو اپنے موقع اور محل پر استعمال کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور انجیل اندھا دھند ایک ہی قوت پر زور دیتی چلی جاتی ہے۔ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

غرض حفظ مراتب کا مقام قرآن شریف نے رکھا ہے کہ وہ عدل کی طرف لے جاتا ہے تمام احکام میں اس کی یہی صورت ہے۔ مال کی طرف دیکھو۔ نہ ممسک بناتا ہے نہ مسرف یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کا نام ہی اُمَّۃً وسطاً رکھ دیا گیا ہے۔

آنحضرتؐ کا بلند مقام اور حضرت مسیحؑ سے مقابلہ

پھر دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب کو دیکھنا چاہیئے۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے دل کی بات تو بادشاہ ہی جانتا ہے مگر جس پر وہ اسرار ظاہر کرتا ہے یا اپنی رضامندی کے آثار جس پر دکھاتا ہے ضروری ہے کہ ہم اس کو مقرب کہیں۔ اسی طرح پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آپ کے قرب کا مقام وہ نظر آتا ہے جو کسی دوسرے کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ وہ عطایا اور نعماء جو آپ کو دیئے گئے ہیں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور جو اسرار آپ پر ظاہر ہوئے اور کوئی اس حد تک پہنچا ہی نہیں۔ قرآن شریف ہی کو دیکھ لو۔ کہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئیاں اس میں موجود ہیں۔ حضرت مسیح کا مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ یہ نادان عیسائی کس شیخی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا مقابلہ کرنے بیٹھتے ہیں حضرت مسیح کا تو دعویٰ ہی بجائے خود محدود ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ ضربت علیہم الذلۃ الآیۃ[1] کی مصداق آپ کی دعوت کی مخاطب قوم تھی۔ یہ دعویٰ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نمبرداری یا پٹی داری کا دعویٰ کرے۔ اب اُن کی ہمت استقلال اور توجہ اسی دعویٰ کی نسبت سے ہونی چاہیئے دوسری طرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قل یاایھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعًا[2]۔ اب اس ہمت اور بلند نظری اور توجہ کا مقابلہ کرو۔ کیا ہی خدائی کی شان ہے کہ یہودیوں کے

[1] آل عمران: ۱۱۳ [2] الاعراف: ۱۵۹

چاہ گھروں کے سوا اور کسی کی اصلاح کے لئے بھی نہیں آئے؟

خدا کے حسب حال تو ہونا چاہیئے تھا کہ آپ کی دعوت کا میدان بڑا وسیع ہوتا۔ خیر بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے ہی دعوت سہی۔ مگر اب یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اس میں کامیابی کیا ہوئی۔ غور کیا جاوے اور انجیلی واقعات پر نگاہ کی جاوے تو یہ راز بھی کھل جاتا ہے کہ آپ کو ہر میدان میں ذلیل ہونا پڑا۔ دشمنوں پر کامیابی نہ ملی۔ انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اور قصہ پاک ہوا۔

اس خدا کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاتا ہے۔ آپ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ کے دشمن آپ پر کبھی قابو اور غلبہ نہ پا سکے۔ اور آپ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے۔ آپ کو بھیجا ایسے وقت میں گیا جبکہ زمانہ آپ کی ضرورت کو خود ثابت کرتا تھا۔ اور اٹھائے ایسے وقت گئے جبکہ کامل اصلاح ہو چکی اور آپ اپنے فرض منصبی کو پوری کامیابی کے ساتھ ادا کر چکے اور اليوم اكملت لكم دينكم[1] کی آواز آپ نے سن لی۔

پھر مسیح کی طرف دیکھو آپ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور ایلی ایلی لما سبقتنی کی فریاد کرتے ہیں یہودا اسکریوطی تیس روپیہ پر اپنے پاک استاد کو پکڑوا چکا ہے اور پطرس صاحب لعنت دے رہے ہیں مسیح کے لئے وہ نظارہ کیسا مایوسی بخش ہے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کے جاں نثار رفیق کس طرح پر اپنی جانیں آپ کے قدموں پر قربان کر رہے رہیں۔ ایسے وفادار اور فرمانبردار اصحاب اور رفیق کس کو ملے اور یہ وفاداری اور اطاعت میں فنا کہ اپنی جانوں تک کے دے دینے میں دریغ نہ کیا۔ آپ کی ذاتی قوت قدسی کا ثبوت ہے جو مقابلہ کرنے سے مسیح میں کچھ بھی نظر نہیں آتی

قرآن اور توریت و انجیل کا مقابلہ

پھر اسرار کی طرف نگاہ کرو۔ جس قدر اسرار اور رموز قرآن شریف میں ہیں تورات اور انجیل میں وہ کہاں؟ پھر قرآن شریف تمام امور کو صرف دعویٰ ہی کے رنگ میں بیان نہیں کرتا جیسے کہ توریت یا انجیل جو دعویٰ ہی دعویٰ کرتی ہیں بلکہ قرآن شریف استدلالی رنگ رکھتا ہے۔ کوئی بات وہ بیان نہیں کرتا جس کے ساتھ اس نے ایک قوی اور مستحکم دلیل نہ دی ہو جیسی قرآن شریف کی فصاحت

[1] المائدہ : ۴

بلاغت اپنے اندر ایک جذب رکھتی ہے۔ جس طرح پر اس کی تعلیم میں معقولیت اور کشش ہے ویسے ہی اس کے دلائل مؤثر ہیں۔ غرض میرا مطلب ان ساری باتوں سے یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر کامل اور مؤثر نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

قرآن اور اسلام اور آنحضرت کی حقیقی وارث جماعت

اسی طرح پر اب بھی وہی خدا ہے۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان اور انعام کئے اور اسی طرح پر اب بھی اس کے فضل اور برکات کے انعام ہو رہے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو فریق اس حق کی مخالفت کرتا ہے اور اُسے مُفتری کہتا ہے وہ جس قدر مخالفت چاہیں کریں۔ مخالف الہام سُنائیں اُن کو آخر معلوم ہو جائے گا کہ غالب وہی ہوتا ہے جس کو خدا نے اپنا نور اور فضل دے کر بھیجا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت اور عادت کے موافق اس قوم پر اپنا فضل کریگا جس کو اُس نے منتخب کیا ہے۔ وہی دنیا پر پھیلے گی اور وہی قرآن شریف، اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچی وارث ہوگی۔

ایمان لانیوالے انسانوں کے تین طبقے

دُنیا میں ہمیشہ انسانوں کے تین طبقے ہوتے ہیں۔ سابق بالخیرات، مقتصد اور ظالم۔ سابقین کو نشانات اور معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو قرائن اور حالات موجودہ سے پہچان لیتے ہیں۔ مقتصدین کو کچھ حصہ روشن دماغی کا ملا ہوا ہوتا ہے اور کچھ تاریکی کا۔ اس لئے وہ دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر تیسرا طبقہ جو ظالمین کا ہوتا ہے وہ چونکہ بہت ہی غبی اور بلید ہوتے ہیں بجُز مار کھانے کے وہ نہیں مانتے۔ یہ ایک قسم کا جبر ہوتا ہے۔ جو ہر مذہب حق میں پایا جاتا ہے کیونکہ ظالمین بجُز اس کے سمجھ نہیں سکتے۔ حضرت مسیح کے لئے طیطاؤس رُومی کا اتفاق ہوگیا۔ موسیٰ کی قوم جو پہلے ہی سے مزدُوریوں اور فرعون کی سختیوں سے نالاں تھی اُس نے حضرت موسیٰ کی دعوت کو قبول کر لینا اپنی نجات کا مُوجب سمجھا اور پھر بھی اللہ تعالےٰ اُن کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً اُن پر عذاب بھیجتا رہا۔ کبھی طاعُون کبھی زلزلے مختلف طریق پر اُنہیں منوایا اور اسی طرح ہوتا رہا ہے۔

غرض یہ ایک سُنّت اللہ ہے کہ ظالمین کو اللہ تعالیٰ اس طریق پر سمجھاتا ہے کیوں ؟ یہ فرقہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور غبی بھی۔ اس وقت بھی یہ فرقہ زیادہ ہے۔ جو نشانات خدا نے ظاہر کئے ان پر بھی جرح کرتے ہیں۔ کسوف خسوف کی حدیث کو مجروح قرار دیدیا۔ لیکھرام کی پیشگوئی پر اعتراض کردیا ہر نشان جو ظاہر ہوتا ہے اعتراض کر دیتے ہیں۔ مگر خدا تو سب کا مُرشد ہے اس نے تیسری صورت اور آخری حجت اختیار کی ہے جو طاعون ہے۔

طاعون کا علاج

طاعون کا علاج توبہ و استغفار ہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بلا نہیں بلکہ ارادہ الٰہی سے نازل ہوئی ہے۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری جماعت میں سے کسی کو نہ ہو۔ صحابہ میں سے بھی بعض کو طاعون ہو گئی تھی لیکن ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو خدا تعالےٰ کے حضور تضرع اور زاری کرتا ہے اور اس کے حدود و احکام کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے جلال سے ہیبت زدہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے۔ وہ خدا کے فضل سے ضرور حصہ لیگا۔ اس لئے ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجّد کی نماز کو لازم کرلیں۔ جو زیادہ نہیں۔ وہ دو ہی رکعت پڑھ لے کیونکہ اس کو دعا کرنے کا موقع بہر حال مل جائیگا اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جبتک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو۔ اس وقت تک ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے؟ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک درد دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیت دعا کا موجب ہو جاتے ہیں لیکن اگر اُٹھنے میں سُستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دُور کر دیتی ہے لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔ پھر ایک اَور بات بھی ضروری ہے۔ جو ہماری جماعت کو اختیار کرنی چاہیئے۔ اور وہ یہ ہے کہ زبان کو فضول گوئیوں سے پاک رکھا جاوے۔ زبان وجود کی ڈیوڑھی ہے اور زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے۔ جب خدا ڈیوڑھی میں

آگیا تو پھر اندر آنا کیا تعجب ہے؟

پھر یاد رکھو کہ حقوق اللہ اور حقوق عباد میں دانستہ ہرگز غفلت نہ کی جاوے۔ جو ان امور کو مدنظر رکھ کر دعاؤں سے کام لیگا۔ یا یُوں کہو کہ جسے دُعا کی توفیق دی جاویگی ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس پر اپنا فضل کرے گا اور وہ بچ جاوے گا۔ ظاہری تدابیر صفائی وغیرہ کی منع نہیں ہیں بلکہ 'بر توکل زانوئے اشتر بہ بند' پر عمل کرنا چاہیئے۔ جیساکہ ایاك نعبد وایاك نستعین سے معلوم ہوتا ہے مگر یاد رکھو کہ اصل صفائی وہی ہے جو فرمایا ہے قد افلح من زکّٰھا۔[1] ہر شخص اپنا فرض سمجھ لے کہ وہ اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مجھے الہام ہوا تھا

ایّام غضب اللہ۔ غضبت غضباً شدیداً

یہ طاعون کے متعلق ہے مگر وہی خدا کے فضل کا امیدوار ہو سکتا ہے جو سلسلہ دعا۔ توبہ اور استغفار کا نہ توڑے اور عمداً گناہ نہ کرے۔

گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور خدا کے غضب کو بھڑکاتی ہے۔ گناہ سے صرف خدا تعالیٰ کا خوف اور اس کی محبت ہٹاتی ہے۔ طاعون بھی گناہوں سے بچانے کے لئے ہے۔ صُوفی کہتے ہیں کہ سعید کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ بعض کے حالات سُنے ہیں کہ انہوں نے دُعا کی کہ کوئی ہیبت ناک نظارہ ہو تا کہ دل میں رقت اور درد پیدا ہو۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہیبت ناک نظارہ ہوگا۔ کہ لاکھوں بچے یتیم کئے جاتے ہیں۔ بیواؤں سے گھر بھر جاتے ہیں۔ ہزاروں خاندان بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کو ایسے موقعوں پر ہمیشہ بچا لیتا ہے جبکہ بلائیں عذاب الٰہی کی صورت میں نازل ہوں۔ پس اس وقت خدا کا غضب بڑھا ہوا ہے اور حقیقت میں یہ خدا کے غضب کے ایّام ہیں اس لئے کہ خدا کے حدود و احکام کی بے حرمتی کی جاتی ہے اور اس کی باتوں پر ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ پس اس سے بچنے کے لئے یہی علاج ہے کہ دُعا کے سلسلہ کو نہ توڑو۔ اور توبہ و استغفار سے کام لو۔ وہی دعا مفید ہوتی ہے جبکہ دل خدا کے آگے پگھل جاوے اور خدا کے سوا کوئی مفر نظر نہ آوے۔ جو خدا کی طرف بھاگتا ہے اور اضطرار

[1] الشمس: ۱۰

کے ساتھ امن کا جویاں ہوتا ہے وہ آخر بچ جاتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳۔۶ پرچہ ۳۱؍مارچ ۱۹۰۲ء)

۵؍اپریل ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

استغفار، توبہ، نماز وغیرہ کے متعلق نصیحت

استغفار کرتے رہو اور موت کو یاد رکھو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں ہے۔ جب انسان سچے دل سے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرتا ہے۔

جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے گناہ بخش دیتا ہے پھر بندے کا نیا حساب چلتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی ذرا سا بھی گناہ کرے تو وہ ساری عمر اس کا کینہ اور دشمنی رکھتا ہے اور گو زبانی معاف کر دینے کا اقرار بھی کرے لیکن پھر بھی جب اُسے موقع ملتا ہے تو اپنے اس کینہ اور عداوت کا اس سے اظہار کرتا ہے۔ یہ خدا تعالےٰ ہی ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اس کی طرف آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا۔ اور رجُوع بہ رحمت فرماتا ہے۔ اپنا فضل اس پر نازل کرتا ہے اور اس گناہ کی سزا کو معاف کر دیتا ہے اس لئے تم بھی اب ایسے ہو کر جاؤ کہ تم وہ ہو جاؤ جو پہلے نہ تھے۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ خدا جو یہاں ہے وہاں بھی ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ جب تک تم یہاں ہو تمہارے دلوں میں رقت اور خدا کا خوف ہو اور جب پھر اپنے گھروں میں جاؤ تو بے خوف اور نڈر ہو جاؤ۔ نہیں بلکہ خدا کا خوف ہر وقت تمہیں رہنا چاہیئے۔ ہر ایک کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس سے خدا تعالےٰ راضی ہوگا یا ناراض۔ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لئے نہیں کہ ٹکریں ماری جاویں یا مُرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں مار لیں۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ کسی کے کہنے سُننے سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔

نماز خدا تعالےٰ کی حضوری ہے اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اُس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکّب صورت کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدنظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو۔ تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتا دے کہ تم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اور نمازوں میں اپنے دین اور دنیا کے لئے دعا کرو۔

طاعُون ایک غضب الٰہی ہے

طاعُون جو دنیا میں آئی ہے اور اُس نے لاکھوں انسانوں کو زیر زمین کر دیا ہے جس سے لاکھوں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں بلکہ کئی گھر بالکل تباہ ہو گئے اور خاندانوں کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک غضب ہے جو انسانوں کی غفلت اور حد سے بڑھی ہوئی شرارت اور انکار کی وجہ سے آیا ہے

خدا تعالےٰ کا قانون یہی ہے کہ جب انسان غافل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس وقت خدا کا غضب جوش میں آتا ہے۔ اس وقت بھی دُنیا کی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ کچھ تو خود گمراہ ہی تھے اور غفلت اور سُستی اُن میں آ گئی تھی۔ سچے مذہب کے سچے عقائد کو چھوڑ بیٹھے تھے اور تمام اعمال صالحہ کی جگہ صرف چند رسُومات نے لے لی تھی۔ اس پر پادریوں نے اَور بھی مٹی پلید کی۔ اُنہوں نے مختلف ذریعوں سے اس بیہودہ مذہب کو جس میں ایک عاجز انسان کو جو مَر گیا ہے خدا بنایا گیا۔ لوگوں کے سامنے عجیب عجیب رنگ دے کر پیش کیا۔ اور اس کے خُون کو گناہوں کا کفارہ قرار دے کر بیباک زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی۔ حیلہ جو طبیعتوں کو ایک بہانہ مل گیا اور بہت سے مُرتد ہو گئے۔ اور اکثروں نے دین کی عظمت کو دل سے دُور کر دیا۔ پادریوں کے اس فتنہ کے ساتھ ہی یہ نقص پیدا ہوا کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی وضع نے بھی ایک قسم کی نصرانیت پھیلا دی۔ جبکہ سروں میں آزادی ہی آزادی کا خیال بھر گیا۔

ادھر یورپ کے فلسفہ اور طبیعات نے اپنی جدید تحقیقاتیں جو پیش کیں تو علماء نے اپنی کمی معرفت اور علوم حقہ سے بے خبری کے باعث اور بھی نقصان اسلام کو پہنچایا۔ ان میں سے بعض نے تو قرآن کریم کی تعلیمات کی اس فلسفہ سے دب کر ایسی تاویلیں شروع کر دیں جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے منشاء کے صریح خلاف تھیں اور بعض نے سرے سے ان علوم جدیدہ کے پڑھنے والوں کے اعتراضوں پر ان کو کُفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی تعلیم نے جو آزادی پھیلا دی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہوئے بچوں کو بالکل بیباک کر دیا۔ اور پھر ایک اَور آفت یہ آئی کہ مسلمانوں میں سُستی اور غفلت تو پیدا ہو ہی چکی تھی۔ سچے عقائد کو چھوڑ کر قسم قسم کی بدعتیں اور سلسلے خدا تعالیٰ کے سچے دین اور سلسلے کے خلاف پیدا کئے گئے اور مشرکانہ تعلیمات اور وظائف قائم کر لئے تھے

ان ساری آفتوں کے ہوتے ہوئے جب خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم قانون کے موافق محض اپنے فضل سے ایک بندہ بھیج دیا جو ان ساری مصیبتوں کا چارہ گر اور مداوا تھا۔ ان لوگوں نے ناحق اُسے تکلیف دی اس کی مخالفت کے لئے اُٹھے جب ان کی مخالفت اور شرارت حد سے بڑھ گئی اور خدا تعالیٰ کے حضور ان کی شوخیاں اور گستاخیاں اور بے جا ضد اور عداوت سے ملا ہوا انکار قابلِ سزا ٹھہر گیا۔ تو اُس نے اپنے وعدہ کے موافق اس بندہ کی تائید کے لئے طاعون بھیجا۔ ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اس مرض سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے۔ طاعون کوئی معمولی مرض نہیں ہے اور نہ اس کے دورہ کا کوئی خاص نظام ہے بلکہ بعض اوقات یہ سالہائے دراز تک اپنا سلسلہ جاری رکھتی ہے اور اس وقت تو طاعون خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص کام کے لئے مامور کی گئی ہے۔ وہ لوگ غلطی اور گناہ کرتے ہیں جو طاعون کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ خدا کا فرشتہ ہے جو اس کے بندے کی سچائی پر ایک گواہی قائم کرنے کے لئے آیا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۱ر مئی ۱۹۰۲ء)

۵ر اپریل ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

طاعون کی شدت اور اُس کے متعلق پیشگوئیاں

پس ہمیشہ دعا کرتے رہو کہ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بظاہر طاعون ہر ایک گاؤں کا دورہ کرے گی

یہ نہ سمجھو کہ کوئی باقی رہ جاوے گا وہی بچ سکتا ہے جو توبہ اور استغفار میں مصروف ہے۔ اس لئے اس وقت ضروری ہے کہ اپنی جان اور اپنی بیوی بچوں پر رحم کرو۔ یہ خدا تعالےٰ کے غضب کے دن ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی بدکاریاں اور شوخیاں اس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ جب وہ خدا کے غضب سے ہلاک ہوتا ہے تو اس لعنت اور غضب کا اثر اُس کی اولاد تک بھی پہنچتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے ولا یخاف عقبٰہا[۱] عقبٰہا سے اولاد اور پسماندگان مُراد ہیں۔ جہاں جہاں طاعون پھیلا ہے۔ لوگ کتّوں کی طرح مرتے ہیں بعض مُردہ چوہوں کی طرح بدبُودار ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُن کو اُٹھا بھی نہیں سکتا اور اُن کے جنازوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر قبروں میں ڈالتے ہیں۔ بہت سے خطوط طاعون زدہ علاقوں اور گاؤں سے آئے ہیں۔ جن میں لکھا ہوا تھا کہ کوئی جنازہ نہیں پڑھتا۔ مُرداروں کی طرح مُردوں کو گڑھے کھود کر ڈال دیا جاتا ہے مگر تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ خدا تعالیٰ کا یہ غضب کیوں آیا؟

میں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے جو لوگ آتے ہیں۔ جب اُن کی باتوں کو لوگ نہیں مانتے اور شرارت اور شوخی سے اُن کا انکار کر کے ایذارسانی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر خدا تعالیٰ کا غضب کسی نہ کسی رنگ میں جوش میں آتا ہے۔ چنانچہ پہلے نبیوں کے وقت میں کسی قوم کو کسی عذاب سے ہلاک کیا۔ کسی کو کسی سے۔ مگر اس وقت جو مسیح موعود کا زمانہ ہے خدا تعالےٰ نے اس شرارت اور شوخی سے ملے ہوئے انکار کی سزا کے لئے طاعون کو مقرر کیا ہے چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسیح موعود کے زمانہ کا نشان طاعون قرار دیا اور انجیل میں بھی اسی کی صداقت موجود ہے۔ براہین احمدیہ میں بھی آج سے پچیس برس پیشتر خدا تعالیٰ نے طاعون کے پھیلنے کی خبر دی تھی چونکہ انکار حد سے زیادہ بڑھ گیا اور انکار کے ساتھ شرارت اور ایذارسانی بھی ہے اور قسم قسم کے طعن کئے جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے طاعون ہی کو سزا کیلئے بھیجا۔ اور یہ بات کہ مامور من اللہ کی تکذیب اور ایذارسانی پر عذاب کیوں آتا ہے ایسی صاف ہے کہ تم اس کی مثال ایسی سمجھ سکتے ہو جیسے سرکار کسی چپڑاسی کو معاملہ وصُول کرنے کیلئے بھیجے حالانکہ وہ چپڑاسی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا ملازم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس کو معاملہ نہ دے یا شرارت کر کے

[۱] الشمس: ۱۶

اس کو دُکھ دے تو گورنمنٹ سارے گاؤں کو سزا دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہے خواہ اس میں کیسے ہی معزز اور دولتمند زمیندار بھی ہوں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے ماموروں کی بے عزتی کی جاوے تو خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اُس کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ اس وقت وہ شریروں کو سزا دینے کے لئے اپنے بندے کی حمایت میں نشان ظاہر کرتا ہے۔

مسیح موعود غلطیوں کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے

پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا کی طرف سے جو آتے ہیں وہ کوئی بُری بات تو کہتے ہی نہیں۔ وہ تو یہی کہتے ہیں کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور مخلوق سے نیکی کرو۔ نمازیں پڑھو اور جو غلطیاں مذہب میں پڑ گئی ہوئی ہیں انہیں نکالتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت جو میں آیا ہوں تو میں بھی اُن غلطیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال کو خاک میں مِلا دیا گیا ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور اہم اور اعلیٰ تعلیم توحید کو مشکوک کیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی کہتے ہیں کہ یسوع زندہ ہے اور تمہارے نبی صلعم زندہ نہیں ہیں اور وہ اس سے حضرت عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ دو ہزار برس سے زندہ چلے آتے ہیں۔ نہ زمانہ کا کوئی اثر اُن پر ہوا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ بیشک مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور دو ہزار برس سے ابتک اسی طرح موجود ہے۔ کوئی تغیر و تبدل اس کی حالت اور صورت میں نہیں ہوا۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَر گئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل کانپ جاتا ہے جب میں ایک مسلمان مولوی کے مُنہ سے یہ لفظ سُنتا ہوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَر گئے۔ زندہ نبی کو مُردہ رسُول قرار دیا گیا۔ اس سے بڑھ کر بے حرمتی اور بے عزتی اسلام کی کیا ہوگی۔ مگر یہ غلطی خود مسلمانوں کی ہے۔ جنہوں نے قرآن شریف کے صریح خلاف ایک نئی بات پیدا کر لی۔ قرآن شریف میں مسیح کی موت کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے لیکن اصل میں اس غلطی کا ازالہ میرے ہی لئے رکھا تھا۔ کیونکہ میرا نام خدا نے حَکَم رکھا ہے اب جو اس فیصلہ کے لئے آوے وہی اس غلطی کو نکالے۔ دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا۔ پر خدا اُس کو قبول کرے گا اور بڑے

زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس قسم کی باتوں نے دنیا کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ سب جھوٹ ظاہر ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ نے جس کو حکم کر کے بھیجا اس سے یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتی ہیں۔ بھلا دائی سے پیٹ چھُپ سکتا ہے۔ قرآن نے صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ آخری خلیفہ مسیح موعود ہوگا اور وہ آگیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس پر لکیر کا فقیر رہے گا جو فیج اعوج کے زمانہ کی ہے تو وہ نہ صرف خود نقصان اُٹھائے گا بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانیوالا قرار دیا جاوے گا۔ اور حقیقت میں اس غلط اور ناپاک عقیدہ نے لاکھوں آدمیوں کو مُرتد کر دیا ہے۔ اس اصول نے اسلام کی سخت ہتک کی ہے اور رسول اللہ صلعم کی توہین۔ جب یہ مان لیا کہ مُردوں کو زندہ کرنے والا، آسمان پر جانے والا، آخری انصاف کرنے والا یسوع مسیح ہی ہے تو پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تو معاذ اللہ کچھ بھی نہ ہوئے۔ حالانکہ اُن کو رحمۃٌ للعالمین کہا گیا اور وہ کافۃ الناس کیلئے رسُول ہو کر آئے۔ خاتم النّبیین وہی ہوئے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے مسلمان کہلا کر ایسے بیہودہ عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بھی مذہب ہے کہ اس وقت جو پرندے موجود ہیں اُن میں کچھ مسیح کے ہیں اور کچھ خدا تعالیٰ کے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ میں نے ایک بار ایک موحّد سے سوال کیا کہ اگر اس وقت دو جانور پیش کئے جاویں اور پُوچھا جاوے کہ خدا کا کونسا ہے اور مسیح کا کونسا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ مِل جُل ہی گئے ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۸۔ پرچہ ۱۰ جُون ۱۹۰۲ء)

۵ اپریل ۱۹۰۲ء (بقیۃ تقریر)

طاعون ظاہر ہونے کی وجہ

پھر وہ دین جو خدا تعالیٰ کی توحید کا سرچشمہ تھا اور جس کی حمایت اور آبیاری کے لئے زمین صحابہ کے پاک خون سے سُرخ ہو گئی تھی۔ اسی کے ماننے کا دعویٰ کرنیوالوں نے ایک عورت کے بچہ کو عیسائیوں کا تتبع کر کے خدا بنا دیا۔ اور خدا کی صفات کو اس میں قائم کر دیا جب یہانتک نوبت پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی غیرت اور جلال کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور اُس نے اس

نبی ناصری کے نمونہ پر (جس کو نادان مسلمانوں نے خدائی صفات سے متصف کرنا چاہا ہے) مجھے بھیجا ہے۔ مگر ان لوگوں نے جو ضد اور تعصب سے خالی نہ تھے بلکہ اُن کے دل ان تاریک بخارات سے سیاہ ہو چکے تھے، میری مخالفت کی اور اس مخالفت کو شرارت اور ایذا رسانی کی حد تک پہنچایا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے لئے غیرت رکھتا ہے، طاعون کو بھیجا۔ اور یہ اس وقت ہوا ہے جب ہر قسم کی حجت پوری ہو چکی۔ عقلی دلائل اُن کے سامنے پیش کئے گئے۔ نصوص قرآنیہ حدیثیہ سے اُن پر حجت پوری کی اور آخر خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانات بھی کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ ہر قسم کے نشان اُن کو ملے مگر اُنہوں نے اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اُن پر ٹھٹھا کیا۔ اس لئے آخری علاج طاعون رکھا گیا۔ یہ وہ نشان ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آج سے پچیس برس پہلے براہین میں بھی کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بھی مسیح موعود کے زمانہ کا یہ ایک نشان رکھا ہے۔ اس سے وہی بچیں گے جو توحید اختیار کریں گے اور عاجز انسان کو خدا نہ بنائیں گے۔ اور خدائی صفات سے اس کو متصف نہ ٹھہرائیں گے اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی قدر کریں گے

مسئلہ وفات مسیحؑ کی اہمیت

سب سے پہلی بات جو یاد رکھنی چاہیئے وہ وفات مسیحؑ کا ہی مسئلہ ہے۔ یہ لوگ بعض وقت دھوکا دیتے ہیں کہ وفات مسیحؑ کی بحث کی ضرورت ہی کچھ نہیں۔ حالانکہ اصل جڑ یہی ہے۔ اس مسئلہ سے عیسائیوں کی ساری کارروائی باطل ہوتی ہے اور حضرت مسیح کی خدائی کی ٹانگ ٹوٹتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دنیا میں قائم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے وفات مسیح کے مسئلہ پر برخلاف اور نبیوں کی وفات کے بہت ہی بڑا زور دیا ہے اور تیس۳۰ سے بھی زیادہ آیتوں میں اس مضمون کو بیان کیا چنانچہ یٰعیسٰی اِنّی متوفّیک اور فلمّا توفّیتنی وغیرہ آیتوں میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بیوقوف کہتے ہیں کہ وفات نہیں ہوئی بلکہ خدا نے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہ غلطیاں ہیں جو کتاب اللہ کے خلاف دین کی ہتک کیلئے لوگوں نے از خود پیدا کر لی ہیں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی صفات عاجز انسان کو دی جاویں۔ پھر

کس شیخی پر یہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ یہ اقرار کیا جاوے کہ کچھ مخلوق خدا کی ہے اور کچھ مسیح کی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے عقائد بنا کر ان لوگوں نے اسلام کی ہتک کی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین کی ہے اور خدا تعالیٰ کی مخالفت کی ہے۔

افسوس!

کیا اسلام یہی برکت لیکر دنیا میں آیا تھا؟ اسی کا نام اتمام نعمت تھا؟

خالص توحید اسلام نے سکھائی

اسلام وہ مصفّا اور خالص توحید لیکر آیا تھا جس کا نمونہ اور نام و نشان بھی دوسرے ملتوں اور مذہبوں میں پایا نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ میرا ایمان ہے کہ اگرچہ پہلی کتابوں میں بھی خدا کی توحید بیان کی گئی ہے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اور منشا بھی توحید ہی کی اشاعت تھی لیکن جس اسلوب اور طرز پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم توحید لے کر آئے اور جس نہج پر قرآن نے توحید کے مراتب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کا ہرگز پتہ نہیں ہے۔ پھر جب ایسے صاف چشمہ کو انہوں نے مکدر کرنا چاہا ہے تو بتاؤ۔ اسلام کی توہین میں کیا باقی رہا۔ اس پر اُن کی بدقسمتی یہ ہے کہ جب اُن کو وہ اصل اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم لے کر آئے تھے پیش کیا جاتا ہے اور اور قرآن شریف کے ساتھ ثابت کر کے دکھایا جاتا ہے کہ تم غلطی پر ہو تو کہدیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح مانتے آئے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا اتنی بات کہکر یہ اپنے آپ کو بری کر سکتے ہیں؟ نہیں! بلکہ قرآن شریف کے موافق اور خدا تعالیٰ کی سنت قدیم کے مطابق اس قول سے بھی ایک حجت اُن پر پوری ہوتی ہے جب کبھی کوئی خدا کا مامور اور مُرسل آیا ہے تو مخالفوں نے اس کی تعلیم کو سُنکر یہی کہا ہے

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ۔[1]

مجدد بھیجنے کی غرض

تعجب کی بات ہے کہ تجدید کا قانون یہ روزمرّہ دیکھتے ہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد کپڑے بھی مَیلے

[1] المومنون: ۲۵

ہو جاتے ہیں اور اُن کے دُھلانے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن کیا پوری صدی گزر جانے کے بعد بھی مجدد کی ضرورت نہیں ہوتی ؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاحِ خلق کے لئے آتا ہے کیونکہ صدی کے اس درمیانی حصہ میں بہت سی غلطیاں اور بدعتیں دین میں شامل کر لی جاتی ہیں اور خدا تعالےٰ کبھی پسند نہیں فرماتا کہ اس کے پاک دین میں خرابی رہ جاوے۔ اس لئے وہ ان کی اصلاح کی خاطر مجدد بھیج دیتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلفائے راشدین پھر تابعین پھر تبع تابعین کے زمانے کیسے مبارک زمانے تھے۔ ان تین زمانوں کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی خیر القرون فرمایا ہے۔ بعد اس کے نیکی اور خیر میں کمی آتی رہی اور غلطیاں پیدا ہونے لگیں۔ یہانتک کہ بہت ہی خطرناک غلطیاں پیدا ہو گئیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کا نام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فیج اعوج رکھا ہے جس میں جھوٹ کثرت سے پھیل گیا۔ اور جس کی بابت آپؐ نے فرمایا۔ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ۔

ظہور مہدی و مسیح موعود اور اُس کی غرض

اب اس زمانہ کے بعد خدا نے چاہا ہے کہ ان غلطیوں کو دُور کرے اور اسلام کا حقیقی چہرہ پھر دنیا کو دکھائے اور شرک اور مُردہ انسان کی پرستش کو دُور کرے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا بروزی طور پر ظہور ہوا۔ اور آپ کی عظمت کو مسیح کے مقابلہ میں ظاہر کرنے کے لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ **احمدؐ کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیا۔**

اسی بات کے لئے سُورج چاند کو رمضان میں مقررہ تاریخوں پر پیشگوئی کے موافق گرہن لگا۔ یہ مولوی جبتک یہ واقع نہ ہوا تھا۔ مہدی کی علامتوں میں بڑے زور شور سے ممبروں پر چڑھ چڑھ کر اُس کو بیان کرتے تھے لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وقت پر اس نشان کو ظاہر کر دیا تو میری مخالفت کے لئے یہ خدا تعالیٰ کے اس جلیل الشان نشان کی بیحرمتی کرتے ہیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پاک پیشگوئی کی توہین کرتے ہوئے حدیثوں کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔!!! افسوس۔

اسی طرح پر یہود کے بڑے بڑے مولوی فقیہ اور فریسی کرتے تھے۔ جب حضرت مسیح آئے اُنہوں

نے بھی انکار کیا۔ یاد رکھو حق میں ایک خوشبو ہوتی ہے اور وہ خود بخود پھیل جاتی ہے اور خدا اس کی حمایت کرتا ہے جب خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا تھا۔ اس وقت میں اکیلا تھا اور کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا مگر اب پچاس ہزار سے بھی زیادہ انسان اس سلسلہ میں شامل ہیں اور اطراف عالم میں اس دعویٰ کا شور مچ گیا ہے خدا تعالےٰ اگر ساتھ نہ ہوتا اور اُس کی طرف سے یہ سلسلہ نہ ہوتا تو اُس کی تائید کیونکر ہو سکتی تھی اور یہ سلسلہ قائم کیونکر رہ سکتا تھا؟

اہل مذاہب کی ناراضگی اور مخالفت

اور پھر یہ نہیں کہ اس طریق میں سب کو خوش کیا گیا تھا۔ نہیں بلکہ سب سے مخالفت اور سب کو ناراض کیا گیا۔ عیسائی الگ ناراض اور سب سے بڑھ کر ناراض ہیں جبکہ اُن کو سُنایا گیا کہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کرنے آیا ہوں اور اُن کو دعوت کی گئی کہ تمہارا یسوع مسیح جس کو تم نے خدا بنایا ہے اور جس کی صلیبی موت پر جو تمہارے نزدیک لعنتی موت ہے۔ تمہاری نجات منحصر ہے وہ ایک عاجز انسان تھا اور وہ کشمیر میں مرا پڑا ہے۔ عیسائی اگر ناراض تھے تو اَور کسی قوم کے ساتھ بھی صُلح نہ رہی۔ آریوں کے ساتھ الگ مخالفت جبکہ اُن کے نیوگ، تناسخ اور دوسرے معتقدات کی ایسی تردید کی گئی کہ جس کا جواب اُن سے کبھی نہ ہو سکے گا۔ اور آخر خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بیّن نشان کے ساتھ اُن پر حجت پُوری کی اور اگر باہر والے ناراض تھے۔ تو مسلمان ہی خوش ہوتے۔ مگر تم دیکھ لو۔ کہ ان لوگوں کی جب غلطیاں نکالی گئیں۔ اُن کے مشائخ، پیرزادوں، مولویوں اور دوسرے لوگوں کی بدعتوں اور مشرکانہ رسُومات کو ظاہر کیا گیا اور اُن کے خانہ ساز عقائد کو کھولا گیا تو یہ سب سے بڑھ کر دشمن ثابت ہوئے۔ اب ان سب لوگوں کی مخالفت کے ہوتے ہوئے اس سلسلہ کا ترقی کرنا۔ اور دن بدن بڑھنا بتاؤ خدا کی تائید کے بغیر ہو سکتا ہے؟ کیا انسانی منصوبوں سے یہ عظیم الشان سلسلہ چل سکتا ہے؟

انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جب اس کی عادت اور عقیدہ کے خلاف کہا جاوے تو وہ مخالف ہو جاتا ہے اور ناراض ہو جاتا ہے۔ ایک ہندو کو جب گنگا کے خلاف ذراسی بات بھی کہی

جاوے تو وہ دشمن بن جاتا ہے۔ پھر کُل مذاہب کے خلاف کہا گیا۔ وہ کیوں ناراض نہ ہوتے اور اس پر اگر خدا کی طرف سے یہ کام نہ ہوتا تو تباہ ہو جاتا۔ اس قدر مخالفت کے ہوتے ہوئے اُس کا سرسبز ہونا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔

پھر عام پیروں اور مشائخ کی طرح نہیں کہ نذر و نیاز سے ہی کام ہے خواہ وہ چوری کی ہی ہو۔ اور کچھ بھی خدا تعالیٰ کی سچی شریعت کے متعلق نہیں بتاتے۔ بلکہ بتاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ وہ اِس قدر جرأت نہیں کر سکتے کہ ایک چور مُرید کو چوری کرنے سے منع کر سکیں یا سود خوار یا بدکار کو اس کے عیبوں سے آگاہ کر سکیں۔ دنیا کے گدی نشینوں اور مہنتوں کا اس طرح پر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ **خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے کہ وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا اور بڑھتا ہے۔**

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۲ صفحہ ۴-۵ پرچہ ۱۷ جون ۱۹۰۲ء)

۵ اپریل ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے

اُنہوں نے بڑے بڑے منصوبے کئے خون تک کے مقدمے بنوائے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں ہوتی ہیں وہ ضائع نہیں ہو سکتیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر انسانی ہاتھوں اور انسانی منصوبوں کا نتیجہ ہوتا تو انسانی تدابیر اور انسانی مقابلے ابتک اُس کو نیست و نابود کر چکے ہوتے۔ انسانی منصوبوں کے سامنے اس کا بڑھنا اور ترقی کرنا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے پس جس قدر تم اپنی قوت یقین کو بڑھاؤ گے۔ اسی قدر دل روشن ہو گا۔

جماعت کو نصائح

قرآن شریف کو پڑھو اور خدا سے کبھی نا امید نہ ہو۔ مومن خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ کافروں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خدا عَلٰی کُلِّ

شَیْئٍ قَدِیْرٌ[1] خدا ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو اور نمازوں کو سنوار کر پڑھو اور اس کا مطلب بھی سمجھو۔ اپنی زبان میں بھی دعائیں کر لو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو بلکہ اُس کو خدا تعالےٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ نماز کو اسی طرح پڑھو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ البتہ اپنی حاجتوں اور مطالب کو مسنون اذکار کے بعد اپنی زبان میں بیشک ادا کرو۔ اور خدا تعالیٰ سے مانگو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے نماز ہرگز ضائع نہیں ہوتی۔ آجکل لوگوں نے نماز کو خراب کر رکھا ہے۔ نمازیں کیا پڑھتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ نماز تو بہت جلد جلد مُرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر پڑھ لیتے ہیں اور پیچھے دعا کے لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ نماز کا اصل مغز اور رُوح تو دعا ہی ہے۔ نماز سے نکل کر دُعا کرنے سے وہ اصل مطلب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جاوے اور اس کو اپنا عرض حال کرنے کا موقع بھی ہو لیکن وہ اس وقت تو کچھ نہ کہے لیکن جب دربار سے باہر جاوے تو اپنی درخواست پیش کرے، اسے کیا فائدہ۔ ایسا ہی حال ان لوگوں کا ہے جو نماز میں خشوع خضوع کے ساتھ دعائیں نہیں مانگتے۔ تم کو جو دعائیں کرنی ہوں نماز میں کر لیا کرو۔ اور پورے آداب الدعا کو ملحوظ رکھو۔

سُورۃ فاتحہ کا مختصر ترجمہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے شروع ہی میں دعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دُعا کے آداب بھی بتا دیئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دُعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی میں ہوتی ہے چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے یُوں سکھایا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ[2] الیٰ آخرہ۔ یعنی دُعا سے پہلے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے رُوح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو۔ اس لئے فرمایا۔ الحمد للہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ رب العٰلمین سب کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا۔ الرحمٰن جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ الرحیم پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مالک یوم الدّین[3]۔ ہر بدلہ اُسی

[1] البقرۃ: ۲۱ [2] الفاتحۃ: ۲-۳ [3] الفاتحۃ: ۴

کے ہاتھ میں ہے۔ نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پُورا اور کامل موحّد تب ہی ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو مالک یوم الدّین تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکام کے سامنے جاکر ان کو سب کچھ تسلیم کرلینا یہ گُناہ ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو حاکم بنایا ہے۔ اُن کی اطاعت ضروری ہے مگر اُن کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ ایاك نعبد و ایاك نستعین[1]۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم[2]۔ ہم کو سیدھی راہ دکھا یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تُو نے انعام کئے اور وہ نبیّوں۔ صدّیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دُعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور جو گمراہ ہوئے۔ غرض یہ مختصر طور پر سُورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح پر سمجھ سمجھ کر ساری نماز کا ترجمہ پڑھ لو۔ اور پھر اسی مطلب کو سمجھ کر نماز پڑھو۔ طرح طرح کے حرف رٹ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ یقیناً سمجھو کہ آدمی میں سچّی توحید آ ہی نہیں سکتی جبتک وہ نماز کو طوطے کی طرح پڑھتا ہے رُوح پر وہ اثر نہیں پڑتا اور ٹھوکر نہیں لگتی۔ جو اس کو کمال کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ عقیدہ بھی یہی رکھو کہ خدا تعالیٰ کا کوئی ثانی اور نِدّ نہیں ہے اور اپنے عمل سے بھی یہی ثابت کر کے دکھاؤ۔

سلسلہ احمدیہ کے برحق ہونے کا ثبوت

خدا تعالیٰ کی دو زبردست گواہیاں ہر بات میں ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اوّل گواہی اُس کی کتاب کی ہے جو قرآن شریف ہے۔ قرآن شریف میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سب صحیح اور سچ ہے۔ اور ہم ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس اس کو مانو۔ اور دوسری گواہی اس کے کام کی ہے۔ زمین و آسمان اپنی شہادتوں سے اس کی سچّائی کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جو قائم کیا ہے اور مجھے جو پیدا کیا ہے تو اس میں بھی ان دو گواہیوں کو ساتھ رکھا ہے۔

اوّل۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے کا بڑی صفائی کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر

[1] الفاتحۃ: ۵ [2] الفاتحۃ: ۶

کیا اور ۳۰ آیتوں میں کھول کھول کر اُس کی موت بیان کی۔

دوم۔قرآن شریف نے یہ بھی تعلیم دی کہ حقیقی مُردے کبھی واپس نہیں آسکتے۔

سوم۔رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ ٹھہرا کر یہ تعلیم دی کہ جس طرح سلسلہ موسوی میں رسُول آتے رہے محمدی سلسلہ میں بھی اس کا نمونہ اور نظیر ہوگی۔گویا اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کے نام پر مسیح کے نام سے آئے گا۔

چنانچہ ان وعدوں کے موافق جب خدا نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا تو میری تائید میں زمین اور آسمان نے بھی اپنی شہادت کو ادا کر دیا۔

یعنی زمین کی حالت بجائے خود ایسی ہوگئی کہ وہ پُکار پُکار کر کہہ رہی تھی کہ خدا کا مامور اور مُصلح اس وقت آئے۔وہ ہر قسم کے فساد سے لبریز ہوگئی تھی۔اسلام پر خطرناک حملے شروع ہو چکے تھے آسمان نے اپنے نشانوں سے میری شہادت دی۔چنانچہ جس طرح پر پہلے کہا گیا تھا۔اُسی طرح اپنے وقت پر کسوف وخسوف ہوگیا۔زمین کے دوسرے نشانات میں سے طاعون بھی ایک بڑا نشان ہے۔غرض جو کچھ تسلی کے لئے ضروری تھا۔وہ خدا نے سب پُورا کر دیا۔اگر کسی کو خبر نہیں تو اُسے چاہیئے کہ ان کتابوں کو جو ہم نے لکھی ہیں پڑھے یا سُنے کہ کیونکر خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کو وقت پر پورا کیا ہے۔بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے اور جہالت ایک موت ہے۔پس اس نابینائی اور موت سے بچنا چاہیئے۔خدا کے نشانات سمندر کی طرح بہہ رہے ہیں۔ایک زبردست اور کھُلا کھُلا نشان طاعون کا ہے جو خدا تعالیٰ نے طعنہ کرنیوالوں اور سفیہوں کے لئے رکھا ہوا تھا۔وہ بھی پُورا ہوگیا۔میں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ اس وقت غضب میں ہے۔اُس کی باتوں پر ہنسی کی گئی۔اس کے نشانوں کو ذلیل قرار دیا گیا۔اس لئے خدا کے قہر کے دن آگئے۔اب دیکھو گے کہ وہ کیا کریگا۔اب وہ وقت آیا ہے کہ یہ الہام پورا ہو رہا ہے:۔

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا۔اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا"

اس لئے اب وہ وقت ہے کہ نیکبخت کو بھی ڈرنا چاہیئے کیونکہ خدا بے نیاز ہے۔موت کو یاد

رکھو کہ یہ دن خدا کے غضب کے ہیں۔ نمازوں پر پکے ہو جاؤ۔ تہجد پڑھو اور عورتوں کو بھی نماز کی تاکید کرو۔

طاعون قہر الٰہی ہے

غرض یہ طاعون خدا کا قہر ہے۔ عقلمند وہی ہے جو ہوا پہچان لے۔ اور خدا کی باتوں پر صدق دل سے ایمان لے آئے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ جو اس وقت عذاب دے رہا ہے۔ وہ ایک خاص کام کیلئے عذاب دے رہا ہے ہمارے سلسلہ کی بابت مولویوں صوفیوں یا سجادہ نشینوں سے بات کرو۔ تو وہ پہلے ہی گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کا صبر کتنا بڑا صبر ہے کہ ہزار برس سے اُوپر ہونے کو آیا کہ خدا کے پاک نبیوں اور راستبازوں اور برگزیدوں کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اُن کی بیحرمتی اور ذلّت کے لئے ہر قسم کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں آخر اُس نے ان سب نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کو قائم کرنے کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور جب سے یہ قائم ہوا۔ اِس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو پہلے راستبازوں کے ساتھ ہوا تھا۔ مگر آخر خدا تعالیٰ نے ان حد سے بڑھے ہوئے بیباکوں اور شوخ چشموں کا علاج کرنا چاہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ بہت حلیم ہے مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے۔ شعر ؎

ہاں مشو مغرور بر حلمِ خدا

دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

طاعون سے بچنے کا علاج

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ سعید الفطرت ہوتے ہیں جو پہلے ہی مان لیتے ہیں یہ لوگ بڑے ہی دُور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ایک بیوقوف ہوتے ہیں۔ جب سر پر آ پڑتی ہے تب کچھ چونکتے ہیں۔ اس لئے تم اس سے پہلے کہ خدا کا غضب آجاوے، دُعا کرو اور اپنے آپ کو خدا کی پناہ اور حفاظت میں دیدو۔ دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں درد اور رقت پیدا ہو۔ اور مصائب اور غضب الٰہی دُور ہو۔ لیکن جب

بَلا سر پر آئی ہے بیشک اس وقت بھی ایک درد پیدا ہوتا ہے مگر وہ درد قبولیت دُعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر دگے اور خدا تعالےٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارے خاندان اور تمہارے بچے طاعون کے عذاب سے بچائے جائیں گے۔ اگر دنیاداروں کی طرح رہو گے تو اس سے **کچھ فائدہ نہیں کہ تم نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔**

بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں۔ میری بیعت سے خدا دل کا اقرار چاہتا ہے۔ پس جو سچّے دل سے مجھے قبول کرتا اور اپنے گناہوں سے سچّی توبہ کرتا ہے۔ غفور و رحیم خدا اُس کے گُناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ہے تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک گاؤں میں اگر ایک آدمی نیک ہو تو اللہ تعالیٰ اس نیک کی رعایت اور خاطر سے اس گاؤں کو تباہی سے محفوظ کر لیتا ہے۔ لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں کو کسی نہ کسی نہج سے بچا لیتا ہے۔ سُنّت اللہ یہی ہے کہ اگر ایک بھی نیک ہو تو اس کے لئے دوسرے بھی بچائے جاتے ہیں۔

جیسے حضرت ابراہیمؑ کا قصّہ ہے کہ جب لُوط کی قوم تباہ ہونے لگی۔ تو اُنہوں نے کہا کہ اگر سَو میں سے ایک ہی نیک ہو تو کیا تباہ کر دے گا۔ کہا نہیں۔ آخر ایک تک بھی نہیں کروں گا۔ فرمایا۔ لیکن جب بالکل حد ہی ہو جاتی ہے تو پھر لَا یَخَافُ عُقْبٰھَا[1] خدا کی شان ہوتی ہے۔ پلیدوں کے عذاب پردہ پرواہ نہیں کرتا۔ کہ اُن کی بیوی بچّوں کا کیا حال ہو گا۔ اور صادقوں اور راستبازوں کے لئے کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا[2] کی رعایت کرتا ہے۔ حضرت موسٰی اور خضر کو حکم ہوا تھا۔ کہ ان بچّوں کی دیوار بنا دو۔ اس لئے کہ اُن کا باپ نیک بخت تھا۔ اور اس کی نیک بختی کی خدا نے ایسی قدر کی کہ پیغمبر راج مزدور ہوئے غرض ایسا تو رحیم کریم ہے لیکن اگر کوئی شرارت کرے اور زیادتی کرے تو پھر بہت بُری طرح پکڑتا ہے وہ ایسا غیور ہے کہ اس کے غضب کو دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دیکھو لُوط کی بستی کو کیسے تباہ کر ڈالا۔

[1] الشمس : ۱۶ [2] الکہف : ۸۳

اس وقت بھی دُنیا کی حالت ایسی ہی ہو رہی ہے۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو کھینچ لائی ہے تم بہت اچھے وقت آ گئے ہو۔ اب بہتر اور مناسب یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو بدلا لو۔ اپنے اعمال میں اگر کوئی انحراف دیکھو تو اُسے دُور کرو۔ تم ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پہ باقی رہے نہ خدا کا۔ یاد رکھو جو مخلوق کا حق دباتا ہے اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ ظالم ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۲-۴ پرچہ ۲۴ جون ۱۹۰۲ء)

۵ر اپریل ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرو

اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو۔ یہ مت سمجھو کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے محتاج ہو جاؤ گے یا تمہارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ نہیں۔ خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا۔ اس پہ کبھی بُرے دن نہیں آ سکتے۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو۔ اگر تمام دنیا اس کی دشمن ہو جاوے تو کچھ پرواہ نہیں۔ مومن اگر مشکلات میں بھی پڑے تو وہ ہرگز تکلیف میں نہیں ہوتا بلکہ وہ دن اس کے لئے بہشت کے دن ہوتے ہیں۔ خدا کے فرشتے ماں کی طرح اسے گود میں لے لیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خدا خود اُن کا محافظ اور ناصر ہو جاتا ہے۔ یہ خدا جو ایسا خدا ہے کہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] ہے وہ عالم الغیب ہے وہ حیّ و قیّوم ہے، اُس خدا کا دامن پکڑنے سے کوئی تکلیف پا سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے حقیقی بندے کو ایسے وقتوں میں بچا لیتا ہے۔ کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ آگ میں پڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ نکلنا کیا دنیا کے لئے حیرت انگیز امر نہ تھا۔ کیا ایک خطرناک طوفان میں حضرت نوحؑ اور آپ کے رفقاء کا سلامت بچ رہنا کوئی چھوٹی سی بات تھی۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ اور خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت کے کرشمے دکھائے ہیں۔ دیکھو مجھ پر خون اور اقدام قتل کا مقدمہ بنایا گیا۔ ایک بڑا بھاری ڈاکٹر جو پادری ہے وہ اس میں مدعی ہوا۔ اور آریہ اور بعض مسلمان اُس کے معاون ہوئے۔

[1] البقرة : ۲۱

لیکن آخر وہی ہوا جو خدا نے پہلے سے فرمایا تھا۔ ابراء (بے قصور ٹھہرانا)

پس یہ وقت ہے کہ تم توبہ کرو۔ اور اپنے دلوں کو پاک صاف کرو۔ ابھی طاعون تمہارے گاؤں میں نہیں۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہے۔ اس لئے توبہ کا وقت ہے۔ اور اگر مصیبت سر پر آ پڑی اس وقت توبہ کیا فائدہ دیگی۔ جموں سیالکوٹ اور لدھیانہ وغیرہ اضلاع میں دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے ایک طوفان برپا ہے اور قیامت کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ اس قدر خوفناک موتیں ہوئی ہیں کہ ایک سنگدل انسان بھی اس نظارہ کو دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتا۔ چھوٹا سا بچہ پاس پڑا ہوا تڑپ رہا اور بلبلا رہا ہے۔ ماں باپ سامنے مرتے ہیں۔ کوئی خبر گیر نہیں ہے۔ بہت عرصہ کا ذکر ہے۔ کہ میں نے ایک رویا دیکھی تھی کہ ایک بڑا میدان ہے۔ اس میں ایک بڑی نالی کھدی ہوئی ہے جس پر بھیڑیں لِٹا کر قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پاس ٹہل رہا ہوں۔ اتنے میں مَیں نے پڑھا۔ قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم[1]۔ یہ سنتے ہی انہوں نے جھٹ چھری پھیر دی۔ بھیڑیں تڑپتی ہیں۔ اور وہ قصاب انہیں کہتے ہیں کہ تم ہو کیا۔ گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ وہ نظارہ اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے ہے

غرض خدا بے نیاز ہے۔ اُسے صادق مومن کے سوا اور کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور بعد از وقت دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اُس وقت اُسے راضی کرنا چاہیئے۔ لیکن جب اپنی سیہ کاریوں اور گناہوں سے اُسے ناراض کر لیا اور اس کا غضب اور غصہ بھڑک اُٹھا۔ اُس وقت عذاب الٰہی کو دیکھ کر توبہ استغفار شروع کی اس سے کیا فائدہ ہوگا جب سزا کا فتویٰ لگ چکا۔

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شہزادہ بھیس بدل کر نکلے اور کسی دولتمند کے گھر جا کر روٹی یا کپڑا پانی مانگے اور وہ باوجود مقدرت ہونے کے اس سے مسخری کریں اور ٹھٹھے مار کر نکال دیں۔ اور وہ اسی طرح سارے گھر پھرے۔ لیکن ایک گھر والا اپنی چارپائی دے کر بٹھائے اور پانی کی بجائے شربت اور خشک روٹی کی بجائے پُلاؤ دے اور پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے اپنی خاص پوشاک اُس

[1] الفرقان : ۷۸

کو دے تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ چونکہ دراصل تو بادشاہ تھا۔ اب ان لوگوں سے کیا سلوک کرے گا صاف ظاہر ہے کہ ان کمبختوں کو جنہوں نے باوجود مقدرت ہونے کے اس کو دھتکار دیا۔ اور اس سے بدسلوکی کی سخت سزا دے گا۔ اور اس غریب کو جس نے اس کے ساتھ اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر سلوک کیا وُہ دے گا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ خدا کہیگا کہ میں بھُوکا تھا۔ مجھے کھانا نہ دیا۔ میں ننگا تھا مجھے کپڑا نہ دیا۔ میں پیاسا تھا مگر مجھے پانی نہ دیا۔ وہ کہیں گے کہ یا رب العالمین کب ؟ وہ فرمائے گا۔ فُلاں جو میرا حاجتمند بندہ تھا۔ اس کو دینا ایسا ہی تھا جیسا مجھ کو۔ اور ایسا ہی ایک شخص کو کہیگا کہ تونے روٹی دی کپڑا دیا۔ وہ کہیگا کہ تُو تو رب العالمین ہے تو کب گیا تھا کہ میں نے دیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں بندہ کو دیا تھا۔

غرض نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہے۔ اگر بعد میں کچھ کرے تو کچھ فائدہ نہیں۔ خدا نیکی قبول نہیں کرتا۔ جو صرف فطرت کے جوش سے ہو۔ کشتی ڈوبتی ہے تو سب روتے ہیں مگر وہ رونا اور چلانا چونکہ تقاضا فطرت کا نتیجہ ہے اس لئے اس وقت سُود مند نہیں ہوسکتا۔ اور وہ اس وقت مفید ہے جو اس سے پہلے ہوتا ہے جبکہ امن کی حالت ہو۔

یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گُر ہے۔ جو قبل از وقت چوکنا اور بیدار ہوتا ہے۔ ایسا بیدار کہ گویا اس پر بجلی گرنے والی ہے اس پر ہرگز نہیں گرتی لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلاتا ہے۔ اُس پر گرے گی اور ہلاک کرے گی۔ وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے۔

اسی طرح پر جب طاعون گھر میں آگئی اس وقت اگر توبہ و استغفار شروع کیا تو وہ طاعون کا خوف ہے نہ خدا کا۔ اُس کا بُت طاعون ہے خدا معبود نہیں۔ اگر خدا سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالےٰ اُس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کو نقصان کو نہ پہنچاؤ۔ یہ مت سمجھو کہ طاعون گرمی میں ہٹ جاتی ہے۔ سردی میں پھر یہی بلا آن موجود ہوتی ہے۔ بعض وقت اس کا دورہ ستّر ستّر برس تک ہوتا ہے۔ یہود پر بھی یہی بلا پڑی تھی۔

غیر المغضوب میں اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ان یہودیوں کی راہ سے بچائیو جن پر طاعون پڑی تھی۔ پس قبل از وقت عاجزی کرو گے تو ہماری دعائیں بھی تمہارے لئے نیک نتیجے پیدا کریں گی۔ لیکن اگر تم غافل ہو گئے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو ہر وقت یاد رکھو اور موت کو سامنے موجود سمجھو۔ زمیندار بڑے نادان ہوتے ہیں۔ اگر ایک رات بھی امن سے گزر جاوے تو بےخوف ہو جاتے ہیں۔

دیکھو۔ تم لوگ کچھ محنت کر کے کھیت تیار کرتے ہو تو فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ اسی طرح پر امن کے دن محنت کے لئے ہیں۔ اگر اب خدا کو یاد کرو گے تو اس کا مزہ پاؤ گے۔ اگرچہ زمینداری اور دنیا کے کاموں کے مقابلہ میں نمازوں میں حاضر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اور تہجّد کے لئے اور بھی مگر اب اگر اپنے آپ کو اس کا عادی کر لو گے تو پھر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔ اپنی دعاؤں میں طاعون سے محفوظ رہنے کی دعا ملا لو۔ اگر دعائیں کرو گے تو وہ کریم رحیم خدا احسان کرے گا۔

دُعائیں کرنے کے لئے نصیحت

دیکھو اب کام تم کرتے ہو۔ اپنی جانوں اور اپنے کنبہ پر رحم . . . . کرتے ہو بچوں پر تمہیں رحم آتا ہے جس طرح اب اُن پر رحم کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق ہے کہ نمازوں میں اُن کے لئے دعائیں کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو۔ پھر سجدہ میں دعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بَلا کو پھیر دے۔ اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ جو دعا کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ دعائیں کرنے والا غافل بلید کی طرح مارا جاوے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جاوے۔ وہ اپنے صادق بندوں اور غیروں میں امتیاز کر لیتا ہے۔ ایک پکڑا جاتا ہے۔ دوسرا بچایا جاتا ہے۔ غرض ایسا ہی کرو۔ کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جاوے۔

(الحکم۔ جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء)

۱۰؍اپریل ۱۹۰۲ء

انبیاء اور دُعا

انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں یہی رہا ہے کہ وہ پیشگوئیوں کے دیئے جانے پر بھی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھ کر بھی دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غنار ذاتی پر بھی ایمان لاتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی شان لایدرک ہے اور یہ سُوءِ ادب ہے کہ دعا نہ کی جاوے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اضطراب سے دعا کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور! اب دعا نہ کریں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فتح کا وعدہ دیا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں مصروف رہے۔ بعض نے اس پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ہر کہ عارف تر باشد خائف تر باشد۔ وہ معرفت آپ کو اللہ تعالیٰ کے غنار ذاتی سے ڈراتی تھی۔ پس دعا کا سلسلہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیئے۔

مسیح موعود کی دُعاؤں کی عظمت

۱۰؍اپریل ۱۹۰۲ء صبح کی سیر میں فرمایا کہ

میں آج کل طاعون سے قادیان کے محفوظ رہنے کے لئے بہت دعائیں کرتا ہوں اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے فرمائے ہیں لیکن یہ سُوءِ ادب اور انبیا کے طریق سے دُور ہے کہ خدا کی لایدرک شان اور غنار ذاتی سے خوف نہ کیا جاوے۔ آج پہلے وقت ہی یہ الہام ہوا۔

دِلم مے بلرزد چو یاد آورم
مُناجات شوریدہ اندر حرم

شوریدہ سے مراد دُعا کرنے والا ہے اور حرم سے مراد جس پر خدا نے تباہی کو حرام کر دیا ہو۔ اور دلم مے بلرزد خدا کی طرف ہے۔ یعنی یہ دعائیں قوی اثر ہیں میں انہیں جلدی قبول کرتا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کے

فضل اور رحمت کا نشان ہے۔ دلم سے بلمرزد بظاہر ایک غیر محل سا محاورہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ اسی کے مشابہ ہے۔ جو بخاری میں ہے کہ مومن کی جان نکالنے میں مجھے تردد ہوتا ہے۔

توریت میں جو پچھتانا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ دراصل وہ اسی قسم کے محاورہ ہیں۔ جو اس سلسلہ کی ناواقفی کی وجہ سے لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس الہام میں خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور رحمت کا اظہار ہے اور حرم کے لفظ میں گویا حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔ د حرم کے لفظ پر اس وقت خاکسار ایڈیٹر نے عرض کیا تھا۔ من دخلہ کان آمنا[۱] اور بھی اس لفظ حرم کی تصدیق کرتا ہے اور اب ہم کہتے ہیں کہ انی احافظ کل من فی الدار کا الہام بھی اسی کا موید ہے۔ یاد آورم اسی طرح ہے جیسے اذکرونی اذکرکم[۲])

تفسیر آیت مَنْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا

اللہ تعالیٰ جو قرض مانگتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے اور وہ محتاج ہے ایسا وہم کرنا بھی کفر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جزا کے ساتھ واپس کروں گا۔ یہ ایک طریق ہے اللہ تعالیٰ جس سے فضل کرنا چاہتا ہے۔

رَاَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَۃِ اَبِیْ
باپ کی شکل پر خدا تعالیٰ کو دیکھنا

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رایت ربی علی صورۃ ابی یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ میں نے بھی اپنے والد صاحب کی شکل پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان کی شکل بڑی بارعب تھی۔ انہوں نے ریاست کا زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ اس لئے بڑے بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے۔ غرض میں نے دیکھا کہ وہ ایک عظیم الشان تخت پر بیٹھے ہیں اور میرے دل میں ڈالا گیا۔ کہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس میں سر یہ ہوتا ہے کہ باپ چونکہ شفقت اور رحمت میں بہت بڑا ہوتا

[۱] آل عمران : ۹۸ [۲] البقرۃ : ۱۵۳

ہے اور قرب اور تعلق شدید رکھتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا باپ کی شکل میں نظر آنا اس کی عظمت تعلق اور شدت محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ کَذِکْرِکُمْ اٰبَاءَکُمْ[1] اور میرے الہامات میں یہ بھی ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ۔ یہ قرآن شریف کی اسی آیت کے مفہوم اور مصداق پر ہے۔

الہام

۱۰ر اپریل کو الہام ہوا۔ **افسوس صد افسوس** ۔ اور ۱۱ر اپریل کو الہام ہوا۔

رہگرائے عالم جاودانی شد

بعثت مسیح موعود کا اصل منشاء اور مدّعا

ہمارا اصل منشاء اور مدعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جلال ظاہر کرنا ہے اور آپ کی عظمت کو قائم کرنا۔ ہمارا ذکر تو ضمنی ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم میں جذب اور افاضہ کی قوت ہے اور اسی افاضہ میں ہمارا ذکر ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶-۷ پرچہ ۱۰ر مئی ۱۹۰۲ء)

۱۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

طاعون سے متعلق ایک اعتراض کا جواب

بعد از نماز مغرب فرمایا

طاعون کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر غریب مرتے ہیں اور اُمراء اور ہمارے بڑے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں۔ لیکن سنّت اللہ یہی ہے کہ ائمۃ الکفر اخیر میں پکڑے جایا کرتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ کے وقت جس قدر عذاب پہلے نازل ہوئے۔ اُن سب میں فرعون بچا

[1] البقرۃ : ۲۰۱

رہا چنانچہ قرآن شریف میں بھی آیا۔ کہ نأتی الارض ننقصها من اطرافها[1] یعنی ابتدا عوام سے ہوتا ہے۔ اور پھر خواص پکڑے جاتے ہیں اور بعض کے بچانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوتی ہے۔ کہ انہوں نے آخر میں توبہ کرنی ہوتی ہے یا اُن کی اولاد میں سے کسی نے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے۔

مسیح موعود تمام صفات میں نبی کریمؐ کے ظِلّ ہیں

فرمایا۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسُول کریمؐ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے۔ اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسُول کریمؐ سے ظلّی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ اور اسی لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوُح، داوُد، یُوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیم ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وہ بُتخانہ تھا اور لوگ بُت پرست تھے۔ اور اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ قسم قسم کے خیالی اور وہمی بُتوں کی پرستش میں مصروف ہیں اور وحدانیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں پہلے تمام انبیاء ظِلّ تھے نبی کریمؐ کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریمؐ کے ظِلّ ہیں۔ مولانا رُوم نے خوب فرمایا ہے

نام احمدؐ نام جُملہ انبیاء است

چوں بیامد صد نو دہم پیش ما است

نبی کریمؐ نے گویا سب لوگوں سے چندہ وصول کیا اور وہ لوگ تو اپنے اپنے مقامات اور حالات پر رہے پر نبی کریمؐ کے پاس کروڑوں روپے ہوگئے۔

ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کیطرف توجّہ کرے گی

فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عالمگیر طوفان دبا میں یہ ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کی طرف توجہ کرے چنانچہ جب ہم نے باہر مکان بنوانے کی تجویز کی تھی۔ تو ایک ہندو نے ہم کو آ کر کہا تھا کہ ہم تو قوم سے علیحدہ ہو کر آپ ہی کے پاس باہر رہا کریں گے۔ اور نیز دو دفعہ ہم نے رویاء میں دیکھا

[1] الرعد: ۴۲

کہ بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں اور ہمارے آگے نذریں دیتے ہیں اور ایک دفعہ الہام ہوا ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو تیری استتی گیتا میں موجود ہے۔ لفظ رودر کے معنے نذیر اور گوپال کے معنے بشیر کے ہیں۔

طاعون سے عیسائیوں پر حجت

فرمایا۔ عیسائیوں نے جو شور مچایا تھا کہ عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ اور وہ خدا تھا اسواسطے غیرت الٰہی نے جوش مارا کہ دنیا میں طاعون پھیلائے اور ہمارے مقام کو بچائے تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ اُمت محمدی کا کیا شان ہے کہ احمدؐ کے ایک غلام کی اس قدر عزت ہے۔ اگر عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا تو اب عیسائیوں کے مقامات کو اس بلا سے بچائے۔ اس وقت غیرت الٰہی جوش میں ہے۔ تاکہ عیسیٰ کی کسرِ شان ہو جس کو خدا بنایا گیا ہے

؎ چہ خوش ترانہ زد ایں مطرب مقام شناس
کہ درمیان غزل قول آشنا آورد

قرآن میں مسیحؑ کی معصومیت کے ذکر کی وجہ

قرآن شریف اور احادیث میں جو حضرت عیسٰی کے نیک اور معصوم ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی نیک یا معصوم نہیں بلکہ قرآن شریف اور حدیث نے ضرورتاً یہود کے منہ کو بند کرنے کے لئے یہ فقرے بولے ہیں کہ یہود نعوذ باللہ مریم کو زناکار عورت اور حضرت عیسٰے کو ولدالزنا کہتے تھے۔ اس لئے قرآن شریف نے اُن کا ذب کیا ہے کہ وہ ایسا کہنے سے باز آویں۔

آنحضرتؐ کے جسمانی برکات

فرمایا۔ حضرت رسُول کریمؐ کے ہزاروں جسمانی برکات بھی تھے۔ آپؐ کے جُبہ سے بعد وفات آپؐ کے لوگ برکات چاہتے تھے۔ بیماریوں میں لوگوں کو شفا دیتے تھے اور بارش نہ ہوتی تو دُعا

کرتے تھے اور بارش ہو جاتی تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ آپ کے اصحابی تھے۔ بہتوں کی جسمانی تکلیفات آپؐ کی دعاؤں سے دُور ہو جاتی تھیں۔ عیسٰی کو نبی کریمؐ کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے جس کے ساتھ چند آدمی تھے اور اُن کا حال بھی انجیلوں سے ظاہر ہے کہ وہ کس مرتبہ رُوحانیت کے تھے۔

ابوجہل اس اُمّت کا فرعون تھا

فرمایا۔ ابوجہل اس اُمّت کا فرعون تھا۔ کیونکہ اس نے بھی نبی کریمؐ کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعون مصری نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی تھی۔ اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتدا میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔

ایک الہام کی تشریح

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پُرانا الہام سُنایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ اور فرمایا کہ

اس میں ہم کو حضرت یحییٰؑ کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحییٰؑ کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

اذان کیوقت کوئی اور نیکی کا کام کرنا

ایک شخص اپنا مضمون اشتہار دربارہ طاعون سُنا رہا تھا۔ اذان ہونے لگی۔ وہ چُپ ہو گیا۔ فرمایا۔

پڑھتے جاؤ۔ اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے اہل خانہ اور بچے ایک ایسے مقام میں ہیں جہاں طاعون کا زور ہے۔ میں گھبرایا ہوا ہوں اور وہاں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا۔

مت جاؤ۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ[1]۔ پچھلی رات کو اٹھ کر ان کے لئے دعا کرو۔ یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم خود جاؤ۔ ایسے مقام پر جانا گناہ ہے۔

قرآن شریف کے الفاظ میں الہام ہونے میں حکمت

حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ انت معی و انّی معک۔ اِنّی بَایعتک بایعنی ربّی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ قرآن شریف کو حل کیا جائے اس واسطے اکثر الہامات جو قرآن شریف کے الفاظ میں ہوتے ہیں۔ ان کی ایک عملی تفسیر ہو جاتی ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہی زندہ اور بابرکت زبان ہے اور تاکہ ثابت ہو جائے کہ تیرہ سو سال اس سے قبل بھی اسی طرح یہ خدا کا کلام نازل ہوا۔

قرآن مجید میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی

فرمایا کہ

اس آیت قرآن کریم میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے۔ والمرسلٰت عرفًا۔ فالعٰصفٰت عصفًا۔ والنّٰشرٰت نشرًا۔ فالفٰرقٰت فرقًا۔ فالملقیات ذکرًا۔ عذرًا او نذرًا[2]۔ قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ چلتی ہیں۔ یعنی پہلا وقت ایسا ہوگا کہ کوئی کوئی واقعہ طاعون کا ہو جایا کرے۔ پھر وہ زور پکڑے اور تیز ہو جاوے۔ پھر وہ ایسی ہو کہ لوگوں کو پراگندہ کر دے۔ اور پریشان خاطر کر دے۔ پھر ایسے واقعات ہوں کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق اور تمیز کر دیں۔ اس وقت لوگوں کو سمجھ آجائے گی کہ حق کس امر میں ہے۔ آیا اس امام کی اطاعت میں یا اس کی

[1] البقرۃ : ۱۹۶ [2] المرسلات : ۲-۷

کی مخالفت میں۔ یہ سمجھ میں آنا بعض کے لئے صرف حجت کا موجب ہوگا۔ (عذرًا) یعنی مرتے مرتے اُن کا دل اقرار کر جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے اور بعض کے لئے (نذرًا) یعنی ڈرانے کا موجب ہوگا کہ وہ توبہ کرکے بدیوں سے باز آویں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۷-۹ پرچہ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۲ء)

۱۸؍اپریل ۱۹۰۲ء

الہامات

فرمایا کہ آج رات کو یہ الہام ہوا۔

اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ
وَمَنْ یَّلُوْمُہٗ اَلُوْمُ
اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ

یعنی میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوؤنگا۔ اُس کی مدد کروں گا اور جو اُس کو ملامت کریگا۔ اُس کو ملامت کروں گا۔ روزہ افطار کروں گا اور روزہ رکھوں گا یعنی کبھی طاعون بند ہوجائیگی اور کبھی زور کریگی۔

نماز جمعہ کے بعد انجمن حمایت اسلام کا اشتہار دربارہ دعا برائے دفعیہ طاعون آپ کو دکھایا گیا جس کی تحریک پر آپ نے طاعون کا مختصر اردو اشتہار لکھا۔

بدگو بدباطن مخالف سے اعراض مناسب ہے

قادیان میں ایک بدگو بدباطن مخالف آیا ہوا تھا۔ اس نے احباب میں سے ایک کو بلایا۔ وہ اس کے ساتھ بات کرنے کو گیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ

ایسے خبیث مفسد کو اتنی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ کہ اُس کے ساتھ تم میں سے کوئی بات کرے۔

خوابوں کو جمع کرنے کیلئے ارشاد

فرمایا کہ مختلف لوگوں کو جو رؤیا ہوئے ہیں۔ کہ قادیان میں طاعون نہیں ہوگی۔ ان خوابوں کو جمع کرکے شائع کردینا چاہیئے۔

اصل مقصد تقدیس رسُول ہے

مولوی محمد احسن صاحب ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اُن کو فرمایا کہ

اصل میں ہمارا منشاء یہ ہے کہ رسول کریمؐ کی تقدیس ہو اور آپ کی تعریف ہو۔ اور ہماری تعریف اگر ہو تو رسول اللہؐ کے ضمن میں ہو۔

سلف صالحین کے متعلق مسلک

فرمایا۔ وفات مسیح یا ایسے مسائل کے متعلق پہلے لوگ جو کچھ کہہ آئے ان کے متعلق ہم حضرت موسیٰؑ کی طرح یہی کہتے ہیں کہ علمها عند ربّی[1] یعنی گذشتہ لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ بہتر واقف ہے ہاں حال کے لوگوں کو ہم نے کافی طور پر سمجھا دیا ہے اور حجت قائم کردی ہے۔

ایک الہام کی تشریح

فرمایا۔ خدا تو چور کا بھی دشمن ہے۔ اگر میں مفتری ہوتا تو وہ مجھے اتنی مہلت کیوں دیتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی عادت میں سے ہے کہ موافق مخالف ہر طرح کے لوگ دنیا میں ہوں تاکہ ایک نظارۂ قدرت ہو۔ جن دنوں لڑکی پیدا ہوئی تھی اور لوگوں نے غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے شور مچایا کہ پیشگوئی غلط نکلی اُن دنوں میں یہ الہام ہوا تھا۔

دشمن کا بھی خوب وار نکلا
تس پر بھی وہ وار پار نکلا

[1] الاعراف: ۱۸۸

یعنی مخالفوں نے تو یہ شور مچایا ہے کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ مگر جلد فہیم لوگ سمجھ جائیں گے۔ اور ناواقف شرمندہ ہوں گے۔

فرمایا۔ مکہ والوں کو جب فتح کا وعدہ دیا گیا۔ تو اُن کو ۱۳ سال اس کے انتظار میں گذر گئے مگر آخر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا دن آگیا اور دشمن ہلاک ہوگئے۔ ورنہ وہ کہا کرتے تھے مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ[1]

ابتلا تمحیص کے لئے آتے ہیں

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمحیص کرنا چاہتا ہے تاکہ جیسا دوسرے پیروں کا حال ہے ہمارے پاس بھی ہر طرح کے گندے اور ناپاک لوگ شامل نہ ہوجاویں۔ اس واسطے اس قسم کے ابتلا بھی درمیان میں آجاتے ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۶-۷ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

۲۶ اپریل ۱۹۰۲ء

سوالات متعلقہ

زیور پر زکوٰۃ۔ غیر احمدی کا جنازہ اور غیر احمدی کے پیچھے نماز اور اُن کے جوابات

ایک شخص نے عرض کی کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ

جو زیور استعمال میں آتا ہے اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے تو دیدیا جاوے وہ زکوٰۃ سے مُستثنیٰ ہے۔

سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اُس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا۔

اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا اور سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔

[1] السجدۃ: ۲۹

سوال ہوا۔ کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ فرمایا۔

پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو۔ اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔

فرمایا۔ اگر کوئی ایسا آدمی جو تم میں سے نہیں۔ اور اُس کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے غیر لوگ موجود ہوں اور وہ پسند نہ کرتے ہوں کہ تم میں سے کوئی جنازہ کا پیش امام بنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایسے مقام کو ترک کرو۔ اور اپنے کسی نیک کام میں مصروف ہو جاؤ۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

---

۲۷ اپریل ۱۹۰۲ء

موجودہ عیسائی مذہب درحقیقت پولوسی مذہب ہے

فرمایا۔ جیسا کہ یہودی فاضل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ مذہب نصاریٰ جس میں شریعت کا کوئی پاس نہیں۔ اور سؤر کھانا اور غیر مختون رہنا وغیرہ تمام باتیں شریعت موسوی کے مخالف ہیں۔ یہ باتیں اصل میں پولوس کی ایجاد ہیں۔ اور اس واسطے ہم اس مذہب کو عیسوی مذہب نہیں کہہ سکتے بلکہ دراصل یہ پولوسی مذہب ہے اور ہم تعجب کرتے ہیں کہ حواریوں کو چھوڑ کر اور اُن کی رائے کے برخلاف کیوں ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کر لیا گیا تھا۔ جس کی ساری عمر یسوع کی مخالفت میں گذری تھی۔ مذہب عیسوی میں پولوس کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ باوا نانک صاحب کی اصل باتوں کو چھوڑ کر قوم سکھ گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھی ہے۔ کوئی سند ایسی مل نہیں سکتی جس کے مطابق عمل کر کے پولوس جیسے آدمی کے خطوط اناجیل اربعہ کے ساتھ شامل کئے جا سکتے تھے۔ پولوس خواہ مخواہ معتبر بن بیٹھا تھا۔ ہم اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتے۔ جو

خواہ مخواہ صحابی بن بیٹھا ہو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷ پرچہ ۳۰؍اپریل ۱۹۰۲ء)

۲۸؍اپریل ۱۹۰۲ء

اشتہار دافع البلاء کی اشاعت کیلئے شیخ یعقوب علی صاحب کی امداد

اشتہار دافع البلاء کے متعلق حضرتؑ بہت تاکید کر رہے تھے کہ اس کو بہت جلد شائع کیا جائے۔ مگر مطبع میں ہفتہ کے اندر آٹھ سو چھپ سکتا ہے۔ اس پر شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کی کہ اخبار الحکم کے ہر دو پریس ہم دو دن کے لئے خالی کروا دیتے ہیں۔ حضرتؑ نے بہت پسند فرمایا۔ اور حکم دیا کہ ایسا کیا جائے تاکہ یہ اشتہار وقت پر جلد شائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ اُن کے مطبع سے اس طرح وقتاً فوقتاً حضرت کے زیادہ ضروری کاموں میں نصرت ملتی رہتی ہے۔

الہام

حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا۔ اِنّی احافظ کلّ من فی الدّار۔ فرمایا۔

دار کے معنے نہیں کھلے کہ اس سے مُراد صرف یہ گھر ہے یا قادیان میں جتنے ہمارے سلسلہ کے متعلق گھر ہیں۔ مثلاً مدرسہ اور مولوی صاحب کا گھر وغیرہ۔

۲۹؍اپریل ۱۹۰۲ء

چراغ الدین جمونی کا توبہ نامہ

ظہر کے وقت فرمایا۔

میاں چراغ الدین جموں والے نے اپنا توبہ نامہ بھیجدیا ہے۔ یہ اُن کی بڑی سعادت ہے اور ہم مانتے ہیں کہ اُنہوں نے دراصل کوئی افتراء نہیں کیا تھا بلکہ حدیث نفس اور اضغاث احلام

سے ایک دھوکا لگ جاتا ہے۔ شیخ یعقوب علی الحکم میں شائع کر دیں۔ کہ سب لوگ اُن کو اپنا بھائی سمجھیں اور خُلق کے ساتھ اُن سے پیش آویں۔

۲۸ر اپریل کے الہام کا ذکر تھا۔ فرمایا۔ کہ

ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا گھر اتنا بڑا ہوتا کہ سارے جماعت والے اس کے اندر آجاتے۔

عیسائیوں کے باہمی اختلافات

عیسائیوں کے باہمی اختلافات کا ذکر تھا۔ اور ایک کتاب پڑھی جا رہی تھی۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ موجودہ مذہب عیسوی اصل میں پولوس نے فریب دہی سے بنایا ہے۔ مسیح کا یہ مذہب نہ تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

دیکھو یہ لوگ آپ ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں کیونکہ لکھا ہے کہ اگر مسیح دجال کو نہ ماریگا۔ تب بھی وہ گل گل کر مر جائیگا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء)

۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

الہام

فرمایا۔ آج رات کو الہام ہوا۔

لَوْلَا الْاَمْرُ لَهَلَكَ النَّمْرُ

یعنی اگر سنت اللہ اور امر الٰہی اس طرح پر نہ ہوتا کہ ائمۃ الکفر اخیر میں ہلاک ہوا کریں۔ تو اب بھی بڑے بڑے مخالف جلد تباہ ہو جاتے لیکن چونکہ بڑے مخالف جو ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک خوبی اور عزم اور ہمت اور لوگوں پر حکمرانی اور اثر ڈالنے کی ہوتی ہے۔ اس واسطے اُن کے متعلق یہ امید بھی ہوتی ہے کہ شاید لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑ کر توبہ کریں اور دین کی خدمت میں اپنی قوتوں کو کام میں لاویں۔

فرمایا۔ اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھے کہ وہ ہے اور رسُول کو برحق جانے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے گزارے کے مطابق اپنی معیشت کو حاصل کرے اور دنیا کی بہت مُراد یا بیوی کی خواہش کے پیچھے نہ پڑے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶۔ صفحہ ۸ پرچہ ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء)

---

۵ مئی ۱۹۰۲ء

الہامات

رات کے تین بجے حضرت اقدس کو الہام ہوا۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ

یعنی میں دار کے اندر رہنے والوں کی حفاظت کروں گا سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے تکبّر کے ساتھ علو کیا۔

فرمایا۔ علو دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جائز ہوتا ہے اور دوسرا ناجائز۔ جائز کی مثال وہ علو ہے جو حضرت موسٰی علیہ السلام میں تھا اور ناجائز کی مثال وہ علو تھا جو فرعون میں تھا۔

اور فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد یہ الہام ہوا۔

اِنِّیْ اَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ الشِّدَادَ

یعنی میں سخت فرشتوں کو دیکھتا ہوں جیسا کہ مثلاً ملک الموت وغیرہ ہیں۔

فرمایا کہ خدا کے غضب شدید سے بغیر تقوٰی و طہارت کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ پس سب کو چاہیئے کہ تقوٰی و طہارت کو اختیار کریں اور اگر کوئی فاسق اور فاجر دار میں داخل ہو جائے۔ تو اُس کا بچ رہنا یقینی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں اس میں پھر بھی ایک قسم کی خصوصیت کی گئی ہے۔ کیونکہ جو لوگ علو استکبار نہ کریں۔ اُن کی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن اٰوَی الْقَرْیَۃَ میں یہ امر نہیں۔ وہاں انتشار اور حطم شدید سے بچنے کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا امر نہیں

کرتا جس سے لوگوں کو جرأت پیدا ہو جائے اور گناہ کی طرف جھکنے لگیں۔ متکبر علو کرنے والوں کے استثناء کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک کافر نے حضرت رسول کریمؐ کے زمانہ میں بیت اللہ کی پناہ لی تھی۔ تو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ کہ اس کو اسی جگہ قتل کر دو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا گھر مُفسد کو پناہ نہیں دیتا۔

اس گاؤں میں دراصل اس قسم کے سخت دل اور مخالف دین اسلام لوگ موجود ہیں۔ کہ اگر اس سلسلہ کا اکرام نہ ہوتا۔ تو یہ سارا گاؤں ہلاک ہو جاتا۔ اور اب بھی اگرچہ ممکن ہے کہ بعض واردات ہوں۔ مگر تاہم اللہ تعالےٰ ایک مابہ الامتیاز قائم رکھے گا۔

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کے سُود کا حکم

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سُود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سُود جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جبتک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے ہرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کئے جاویں ہم اس کے متعلق اپنی رائے دینے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کئے ہیں۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اُن کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے۔ ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالےٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹالدینا گناہ ہے مثلاً اگر دُنیا میں سور کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لئے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے تب ہم فمن اضطرّ غیر باغ ولا عاد کے نیچے لاکر اس کو جائز کہہ دیں گے۔ مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ ہم فی الحال بڑے بڑے عظیم الشان امور دینی کیطرف متوجہ ہیں ہمیں تو لوگوں کے ایمان کا فکر پڑا ہوا ہے۔ ایسے ادنیٰ امور کی طرف ہم توجہ نہیں کر سکتے۔ اگر

ہم بڑے عالیشان مہمات کو چھوڑ کر ابھی سے ایسے ادنیٰ کاموں میں لگ جائیں تو ہماری مثال اس بادشاہ کی ہوگی جو ایک مقام پر ایک محل بنانا چاہتا ہے۔ مگر اس جگہ بڑے شیر اور درندے اور سانپ ہیں اور نیز مکھیاں اور چیونٹیاں ہیں۔ پس اگر وہ پہلے درندوں اور سانپوں کی طرف توجہ نہ کرے اور ان کو ہلاکت تک نہ پہنچائے اور سب سے پہلے مکھیوں کے فنا کرنے میں مصروف ہو تو اس کا کیا حال ہوگا اس سائل کو لکھنا چاہیئے کہ تم پہلے اپنے ایمان کا فکر کرو اور دو چار ماہ کے واسطے یہاں آکر ٹھہرو۔ تاکہ تمہارے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہو اور ایسے خیالات میں نہ پڑو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۲ء)

---

۲۶ رمئی ۱۹۰۲ء

مخالفین پر اتمام حجت ہوچکی جماعت کو مجادلوں اور مقابلوں سے روکنا

۲۶ رمئی ۱۹۰۲ء کو ۹ بجے دن کے خدام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مختلف باتوں کے تذکرہ کے اثناء میں فرمایا:-

میں بڑی تاکید سے اپنی جماعت کو جہاں کہیں وہ ہیں منع کرتا ہوں کہ وہ کسی قسم کا مباحثہ مقابلہ اور مجادلہ نہ کریں۔ اگر کہیں کسی کو کوئی درشت اور نا ملائم بات سننے کا اتفاق ہو۔ تو اعراض کرے میں بڑے وثوق اور سچے ایمان سے کہتا ہوں کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری تائید میں آسمان پر خاص تیاری ہو رہی ہے۔ ہماری طرف سے ہر پہلو کے لحاظ سے لوگوں پر حجت پوری ہوچکی ہے۔ اس لئے اب خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اُس کارروائی کے کرنے کا ارادہ فرمایا ہے جو وہ اپنی سنت قدیم کے موافق اتمام حجت کے بعد کیا کرتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر ہماری جماعت کے لوگ بدزبانیوں اور فضول بحثوں سے باز نہ آئیں گے تو ایسا نہ ہو کہ آسمانی کارروائی میں کوئی تاخیر اور روک پیدا ہو جاوے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہمیشہ اس کا عتاب ان لوگوں پر ہوتا ہے جن پر اس کے فضل اور عطایات بے شمار ہوں اور جنہیں وہ اپنے نشانات دکھا چکا ہوتا ہے۔ وہ

ان لوگوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا کہ انہیں عتاب یا خطاب یا ملامت کرے جن کے خلاف اس کا آخری فیصلہ نافذ ہونا ہوتا ہے چنانچہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لھم[۱] اور فرماتا ہے ولا تکن کصاحب الحوت[۲] اور فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض[۳] - الآیۃ - یہ حجّت آمیز عتاب اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد فیصلہ کفار کے حق میں چاہتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور سُنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے لیکن آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیسا کہ اُن کا نام و نشان مٹا دیا۔ اسی طرح پر ممکن ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ طرح طرح کی گالیاں افترا پردازیاں اور بدزبانیاں خدا تعالیٰ کے سچے سلسلے کی نسبت سُنکر اضطراب اور استعجال میں پڑیں۔ مگر انہیں خدا تعالےٰ کی اس سُنّت کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ برتی گئی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ اس لئے میں پھر اور بار بار بتاکید حکم کرتا ہوں کہ جنگ جدال کے مجمعوں تحریکوں اور تقریبوں سے کنارہ کشی کرو۔ اس لئے کہ جو کام تم کرنا چاہتے ہو۔ یعنی دشمنوں پر حجت پُوری کرنا۔ وہ اب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

تمہارا کام اب یہ ہونا چاہیئے کہ دعاؤں اور استغفار اور عبادت الٰہی اور تزکیہ و تصفیہ نفس میں مشغول ہو جاؤ۔ اس طرح اپنے تئیں مستحق بناؤ خدا تعالےٰ کی ان عنایات اور توجہات کا جن کا اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کے میرے ساتھ بڑے بڑے وعدے اور پیشگوئیاں ہیں جن کی نسبت یقین ہے کہ وہ پُوری ہوں گی۔ مگر تم خواہ نخواہ اُن پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ ہر قسم کے حسد، کینہ، بغض، غیبت اور کبر اور رعونت اور فسق و فجور کی ظاہری اور باطنی راہوں اور کسل اور غفلت سے بچو اور خوب یاد رکھو کہ انجام کار ہمیشہ متقیوں کا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

والعاقبۃ للمتقین[۴] اس لئے متقی بننے کی فکر کرو۔

سلسلہ احمدیہ کی عزّت و عظمت

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا کہ حضور کی بیماری کی شدت میں میرے دل

[۱] الاحقاف: ۳۶ [۲] القلم: ۴۹ [۳] الانعام: ۳۶ [۴] الاعراف: ۱۲۹

میں بہت رقت پیدا ہوئی تو میں نے بہت دعا کی کہ مولا کریم اسلام کی عزت، قرآن کی عزت، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بالآخر تیری اپنی عزت اور جلال کے اظہار کا بھی اس وقت یہی ذریعہ ہے۔ تو اس پر فرمایا:۔

بیماری کی شدت میں جبکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ رُوح پرواز کر جائے گی۔ مجھے بھی الہام ہوا۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہِ الْعِصَابَةَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا

یعنی اے خدا اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس کے بعد اس زمین میں تیری پرستش کبھی نہ ہوگی

فرمایا۔ یقیناً یاد رکھو۔ یہ سلسلہ اس وقت اللہ تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا تو دنیا میں نصرانیت پھیل جاتی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید قائم نہ رہتی۔ یا یہ مسلمان ہوتے جو اپنے ناپاک اور جھوٹے عقیدوں کے ساتھ نصرانیت کو مدد دیتے ہیں۔ اور اُن کے معبود اور خدا بنائے ہوئے مسیح کے لئے میدان خالی کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب کسی ہاتھ اور طاقت سے نابُود نہ ہوگا۔ یہ ضرور بڑھے گا اور پھُولے گا اور خدا کی بڑی بڑی برکتیں اور فضل اس پر ہوں گے جب ہمیں خدا کے زندہ اور مبارک وعدہ ہر روز ملتے ہیں اور وہ تسلّی دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری دعوت زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ پھر ہم کسی کی تحقیر اور گالی گلوچ پر کیوں مضطرب ہوں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء)

---

۳۰ مئی ۱۹۰۲ء

مسیحؑ اور امام حسینؓ پر فضیلت کے اعتراض کا جواب

۳۰ مئی ۱۹۰۲ء کی شام کو مختلف باتوں کے تذکرہ میں یہ ذکر شروع ہوا کہ لوگ جناب کے اس فقرہ پر کہ میں مسیحؑ اور حسینؓ سے بڑھ کر ہوں۔ بہت جھگڑ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خواہ مخواہ بلا کسی قسم کے استحقاق کے اپنے تئیں محامد، مناقب اور صفات محمودہ سے موصوف کرنا چاہتے ہیں۔ گویا وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ

خدا تعالیٰ کی کبریائی کی چادر آپ اوڑھ لیں۔ ایسے لوگ لعنتی ہوتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو طبعاً ہر قسم کی مدح و ثنا اور منقبت سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں اور اگر وہ اپنے اختیار پر چھوڑ دیئے جاویں تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ گوشۂ گمنامی میں زندگی گزار دیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور باریک حکمتوں کی بناء پر اُن کی تعریف اور تمجید کرتا ہے اور درحقیقت ہونا بھی اسی طرح چاہیئے کیونکہ جن لوگوں کو وہ مامور کرکے بھیجتا ہے۔ اُن کی ماموریت سے اس کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ اس کی حمد و ثناء اور جلال دنیا میں ظاہر ہو۔ اگر ان ماموروں کی نسبت وہ یہ کہے کہ فلاں مامور جسے میں نے مبعوث کیا ہے ایسا نکما۔ بزدل۔ نالائق۔ کمینہ۔ سفلہ اور ہر قسم کے فضائل سے عاری اور بیگانہ ہے تو کیا خدا تعالےٰ کی اس کے ذریعہ سے کوئی صفت قائم ہو سکے گی؟ حقیقت میں خدا کا ان کی تمجید اور مدارج اور فضائل بیان کرنا اپنے ہی جلال اور عظمت کی تمہید کے لئے ہوتا ہے۔

وہ تو اپنے نفس سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور ہر قسم کے مدح و ذم سے بے پروا ہوتے ہیں چنانچہ سالہا سال اس سے پہلے جبکہ نہ کوئی مقابلہ تھا نہ گرد و پیش میں کوئی مجمع تھا نہ یہ مجلس اور اس کی کوئی تمہید تھی اور نہ دنیا میں کوئی شہرت تھی۔

خدا تعالےٰ نے براہین احمدیہ میں میری نسبت یہ فرمایا کہ

یحمدكَ اللہ من عرشہٖ۔ نحمدكَ ونصلّی۔ کنتم خیر اُمّة اخرجت للنّاس و افتخاراً للمؤمنین۔ یا احمدُ فاضت الرحمة علیٰ شفتیك۔ انّك باعیننا۔ یرفع اللہ ذکرك ویتمّ نعمتهٗ علیك فی الدّنیا والاٰخرة۔ یا احمدی انت مرادی ومعی غرست کرامتك بیدی۔ یا احمد یتم اسمك ولا یتم اسمی۔ بورکت یا احمد وکان ما بارك اللہ فیك حقاً فیك۔ شأنك عجیبٌ واجرك قریبٌ۔ اِنّی جاعلك للنّاس اماماً۔ انت وجیهٌ فی حضرتی۔ اخترتك لنفسی۔ الارض والسّماء معك کما ھو معی۔ سرّك سرّی۔ انت منّی

بمنزلۃ توحیدی و تفریدی۔ سبحان اللہ تبارک و تعالےٰ زاد مجدک۔ سلامٌ علیک جعلت مبارکًا۔ و انّی فضّلتک علی العٰلمین۔ ولقد کرّمنا بنی اٰدم وفضّلنا بعضھم علیٰ بعضٍ۔ دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ و انّ علیک رحمتی فی الدّنیا والدّین۔ والقیت علیک محبّۃ منّی۔ ولتصنع علیٰ عینی۔ یحمدک اللہ و یمشی الیک۔ خلق اٰدم فاکرمہٗ۔ جری اللہ فی حُلل الانبیاء انت معی و انا معک۔ خلقت لکَ لیلاً و نھارًا۔ اعمل ما شئتَ قد غفرتُ لکَ۔ انتَ منّی بمنزلۃ لایعلمھا الخلق۔ ویعصمک اللہ ولو لم یعصمک النّاس یعصمک اللہ۔ انت المسیح الّذی لایضاع وقتہ۔ کمثلک دُرٌّ لایضاع۔ انت الشیخ المسیح وانّی معک و مع انصارک۔ وانت اسمی الاعلیٰ وانت منّی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی وانت منّی بمنزلۃ المحبوبین۔ علیک برکاتٌ وسلامٌ۔ سلامٌ قولاً من رّب رّحیم۔ مظہر الحقّ۔ وانت منّی مبدء الامر۔ وماینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحیٌ یوحیٰ۔

فرمایا۔ میں اپنے قلب کو دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ کل انبیاء علیہم السّلام طبعاً ہر قسم کی تعریف اور مدح و ثنا سے کراہت کرتے تھے۔ مگر جو کچھ خدا تعالےٰ نے اُن کے حق میں بیان فرمایا ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے الفاظ نہیں خدا تعالےٰ کے الفاظ ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی عزت اور جلال اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عزت اور عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور حضرت عیسٰی اور حضرت حسین کے حق میں ایسا غلو اور اطرا کیا گیا ہے کہ اس سے خدا کا عرش کانپتا ہے۔

اب جبکہ کروڑہا آدمی حضرت عیسٰی کی مدح و ثنا سے گمراہ ہو چکے ہیں اور ایسا ہی بے انتہا مخلوق حضرت حسین کی نسبت غلو اور اطرا کرکے ہلاک ہو چکی ہے تو خدا کی مصلحت اور غیرت اس وقت یہی چاہتی ہے کہ وہ تمام عزتوں کے کپڑے جو بیجا طور پر اُن کو پہنائے گئے تھے۔ اُن سے اُتار کر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کو پہنائے جاویں۔ پس ہماری نسبت یہ کلمات درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنی عزت کے اظہار اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے ہیں۔

فرمایا۔ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب . . . . اور تمام صفات جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کردوں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصلی غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دُنیا میں قائم ہو۔ میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ یہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف راجع ہیں۔ اس لئے کہ میں آپ کا ہی غلام ہوں اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نُور حاصل کرنیوالا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں۔ اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعوےٰ کرے کہ میں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مامور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذول ہے خدا تعالیٰ کی ابدی مُہر لگ چکی ہے اس بات پر کہ کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا ہے بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰۔ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء)

۱۳؍ مئی ۱۹۰۲ء

شرک کی تین قسمیں

شرک تین قسم کا ہے۔ اوّل یہ کہ عام طور پر بُت پرستی۔ درخت پرستی وغیرہ کی جاوے۔ یہ سب سے عام اور موٹی قسم کا شرک ہے۔ دوسری قسم شرک کی یہ ہے کہ اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ کیا جاوے کہ فلاں کام نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم شرک

کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جاوے۔ موٹے شرک میں تو آجکل اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں کوئی گرفتار نہیں ہوتا۔ البتہ اس مادی ترقی کے زمانہ میں شرک فی الاسباب بہت بڑھ گیا ہے۔ طاعون کے پھیلنے پر یہ کوئی خیال نہیں کرتا کہ شامت اعمال سے پھیلی ہے اور اَور اسباب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

نماز اصل عربی زبان میں پڑھنی چاہیئے

نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ خدا تعالےٰ نے جس زبان میں قرآن شریف رکھا ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں خدا تعالےٰ کے سامنے بعد مسنون طریق اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں۔ مگر اصل زبان کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔

قرآن مجید میں طاعون کے انتشار سے متعلق پیشگوئی

قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے کوئی جگہ باقی نہ رہے گی۔ جیسے فرمایا ہے۔ ان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا[1] الآیۃ۔ اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی قریہ مس طاعون سے باقی نہ رہے۔ اس لئے قادیان کی نسبت یہ فرمایا۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ یعنی اس کو انتشار اور افراتفری سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک بالکلیتہ اہلاک کرنیوالی۔ جس کے مقابلہ میں فرمایا۔ لولا الاکرام لھلک المقام یعنی یہ مقام اہلاک سے بچایا جائے گا۔

دوسری قسم کی سزا بطور تعذیب ہوتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے قادیان کو ہلاکت سے محفوظ رکھا ہے۔ اور تعدی سزا ممنوع نہیں بلکہ ضروری ہے۔

[1] بنی اسرائیل : ۵۹

جمع آیات اللہ رُوحانی سیری کا مُوجب ہے

دانے کا کیا وجود ہوتا ہے لیکن جمع کئے جاویں تو سیری کا موجب ہو جاتا ہے۔ ایک سیر خام میں قریباً پندرہ ہزار کے دانہ ہوتے ہیں۔ جس سے ایک آدمی بخوبی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر آیات اللہ کو اگر جمع کیا جاوے اور قدر کی جاوے تو وہ رُوحانی سیری کا موجب ہو جاتی ہیں۔ ہمارے نشانات کو اگر یک جائی طور پر دیکھا جاوے تو اُن کی قوت اور شوکت معلوم ہوتی ہے۔

بستیٔ لُوطؑ کی تباہی پتھروں سے

آج کل جو ایک پہاڑ کی وجہ سے جزائر غرب الہند میں سینٹ پیری اور مارٹینک ہلاک ہوئے ہیں ان کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لُوطؑ کی بستی پر بھی اسی طرح پتھر برسے جیسے کوہ آتش فشاں سے پڑتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ موجودہ واقعہ جو ہلاکت کا ہوا ہے۔ یہ مسیح کے زمانہ کا ایک نشان ہے۔

قرآن کے ذریعہ توریت کی اصلاح

ہم قرآن کریم کے ذریعہ توریت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ توریت کے ذریعہ قرآن کی اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔ توریت کا مقابلہ ہی قرآن سے کیا ہے۔ جہاں قرآن اور توریت کا اختلاف ہے وہاں صاف نظر آتا ہے کہ توریت میں ایک گند اور جھوٹ ہے جو بعد میں ملایا گیا ہے۔

انبیاء اور مامُورین الٰہیہ کو تدریجی ترقی ملتی ہے

انبیاء اور مامُور ہمیشہ کزرع آتے ہیں۔ ابتداء میں حقیر اور ذلیل نظر آتے ہیں۔ فلسفی اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن آخر خدا تعالےٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۸ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء)

۱۴ جون ۱۹۰۲ء

مُردوں کا جی اُٹھنا

ہم خدا تعالےٰ کے اسی قانون قدرت کو مانتے ہیں جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ جو مُردہ ایسے ہیں کہ قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ اور اُن کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اُن کی نسبت قرآن شریف کا یہی فتویٰ ہے۔ فیمسك الّتی قضٰی علیھا الموت[1]۔ مگر برنگ دیگر غیر حقیقی موت میں احیا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات خود ہمارے ساتھ بھی پیش آئے ہیں چنانچہ مبارک کے متعلق اس قسم کی موتیں فیمسك الّتی قضٰی علیھا الموت سے نہیں۔ اور وہ یہ احیاء ہے جس پر ہم ایمان لاتے ہیں کہ مُردہ جی اُٹھتا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے جو قانون باندھا ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اگر اس پر اعتبار نہ کریں اور یقین نہ لائیں تو امان اُٹھ جاتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ کا قانون قدرت جو کتاب اللہ میں درج ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اور ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی صفات کے خلاف نہیں کرتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ قادر ہے تو کیا خودکشی بھی کرلیتا ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے۔ کہ کبھی نہیں۔ کیونکہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی[2]۔ کوئی صفت اس سے منسوب نہیں کرسکتے۔ وہ اپنی صفات قدیمہ کیخلاف نہیں کرتا۔ غرض احیائے موتیٰ اور قانون قدرت کے متعلق ہمارا یہی مذہب ہے کہ ہم اس احیا کے قائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے اور وہ قانون قدرت ہمارا امام ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ یورپ کا فلسفہ اور اس کی محدود تحقیقاتیں ہمارے لئے رہبر نہیں ہوسکتی ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ایمانی قوت

ہم اپنے خدا تعالےٰ پر یہ قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیم کی طرح اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں اگر ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اُس میں ڈالا جاوے

[1] الزمر: ۴۳ [2] الحشر: ۲۵

تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ آگ میں ڈالا جاوے تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہیں سکے گی اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے تو وہ کھا نہ سکیں گے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق کی مدد نہ کرسکے بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا بھی ایک فضول شئے ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ میں خدا تعالیٰ کی نسبت بیان کرتا ہوں۔ اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کرسکتے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ کو جلا نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی محض اس بناء پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی۔ انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کرکے یہ کہدیا فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا[1] تم سب مکر کرکے دیکھ لو میں اس کو ضرور بچالوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ جل جاتے یہ کفر ہے۔ قرآن شریف سچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں وہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپ کی جان لینے کے لئے کرتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اُن کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھا دیا۔ خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے۔ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے۔ جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔

تبلیغ کا جوش

ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بگھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنیوالے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لوگوں کو

[1] ھود : ۵۶

بچالیں۔ اگر خدا تعالےٰ نے ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دَورہ کر کے تبلیغ کریں۔
اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔

مسیح کی قبر کی اشاعت یُورپ میں

یُورپ اور دوسرے ملکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحے کا ہو تاکہ سب اُسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیح کی قبر سرینگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعات صحیحہ کی بناء پر ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرلے۔ اس قسم کا اشتہار ہو جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جاوے

پان حُقّہ وغیرہ پر نصیحت

حدیث میں آیا ہے۔ ومن حسن الاسلام ترك ما لا يعنيه. یعنی اسلام کا حُسن یہ بھی ہے کہ جو چیز ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جاوے۔

اسی طرح پر یہ پان۔ حُقّہ۔ زردہ (تمباکو) افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اگر کوئی اَور بھی نقصان اُن کا بفرض محال نہ ہو۔ تو بھی اس سے ابتلا آجاتے ہیں۔ اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً قید ہو جاوے تو روٹی تو ملے گی لیکن بھنگ چرس یا اور منشی اشیا نہیں دی جاوے گی۔ یا اگر قید نہ ہو کسی ایسی جگہ میں ہو جو قید کے قائمقام ہو تو پھر بھی مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ عمدہ صحت کو کسی بیہودہ سہارے سے کبھی ضائع کرنا نہیں چاہیئے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مُضر صحت چیزوں کو مُضر ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔

یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ افیون کا نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے طبّی طور پر یہ شراب سے بھی بڑھ کر ہے اور جسقدر قویٰ لے کر انسان آیا ہے اُن کو ضائع کر دیتی ہے۔

عصائے موسیٰ کا مصنف

مولوی عبداللہ غزنوی اور مسیح موعودؑ

منشی الٰہی بخش اور اُس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں کہ میں بید مشک اور کیوڑہ کا استعمال کرتا ہوں یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں۔ تعجب ہے کہ حلال اور طیب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر وہ غور کر کے دیکھتے اور مولوی عبداللہ غزنوی کی حالت پر نظر رکھتے تو میرا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شرم آجاتی۔ مولوی عبداللہ کو بیویوں کا استغراق تھا۔ اس لئے انڈے اور مُرغ کثرت سے کھاتے تھے۔ یہانتک کہ اخیر عمر میں شادی کرنا چاہتے تھے میری شہادت مل سکتی ہے کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کس وقت پڑتی ہے۔ میں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب بہت محنت کرتا ہوں تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ غش آجاوے اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے اور اسی لئے ہر روز باہر سیر کو جاتا ہوں۔

مگر مولوی عبداللہ جو کچھ کرتے تھے یعنی مُرغ۔ انگور۔ انڈے وغیرہ جو استعمال کرتے تھے اس کی وجہ کثرت ازدواج تھی اور کوئی سبب نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کو استعمال کرتے تھے مگر وہ خدا کی راہ میں فدا تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھبراتے تھے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مار کر کہتے کہ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو سارا جہان دشمن تھا۔ پھر اگر اُن کے لئے کوئی راحت کا سامان نہ ہو۔ تو یہ خدا کی شان کے ہی خلاف ہے۔ یہ خدا تعالےٰ کی حکمت ہوتی ہے کہ جیسے کافور کے ساتھ دو چار مرچیں رکھی جاتی ہیں کہ اُڑ نہ جائے۔

اِسلام میں جبر نہیں ہُوا

اللہ تعالےٰ جو کچھ کرتا ہے وہ تعلیم اور تربیت کے لئے کرتا ہے۔ چونکہ شوکت کا زمانہ دیر

تک رہتا ہے اور اسلام کی قوت اور شوکت صدیوں تک رہی اور اُس کے فتوحات دُور دراز تک پہنچے۔ اس لئے بعض احمقوں نے سمجھ لیا۔ کہ اسلام جبر سے پھیلایا گیا۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم ہے۔ لا اکراہ فی الدین[1]۔ اس امر کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے اسلام جبر سے نہیں پھیلا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الخلفاء کو پیدا کیا اور اس کا کام یضع الحرب رکھ کر دوسری طرف لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ[2] قرار دیا۔ یعنی وہ اسلام کا غلبہ ملل ہالکہ پر حجت اور براہین سے قائم کرے گا اور جنگ وجدال کو اٹھا دے گا۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کا انتظار کرتے ہیں۔

اسلام کا عظیم الشان اعجاز

اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ وہ اس کی حقانیت اور روشنی ہے۔ وہ کسی پہلو سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ تمام حقائق اور صداقتیں اسلام میں موجود ہیں۔ ہر ایک پہلو سے کامل۔ سب کے حملوں کا جواب دیتا ہے۔ اور دوسروں پر ایسا حملہ کرتا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

درازیٔ عمر کا راز

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو۔ لیکن بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس اصول اور طریق پر غور کی ہو جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے۔ و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض[3]۔ یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید ہیں۔ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت۔ دوسرے بنی نوع سے ہمدردی لیکن یہاں یہ پہلو اس لئے اختیار کیا ہے۔ کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے۔ اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔

[1] البقرۃ: ۲۵۷ [2] الصف: ۱۰ [3] الرعد: ۱۸

اور اس کی صورت یہ ہے۔ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے جیسا کہ وتواصوا بالحق[۱] سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کو چاہیئے۔ کہ محنت اور کوشش کرکے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے۔ ہمدردی خلائق یہی ہے۔ کہ محنت کرکے دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تاکہ عمر دراز ہو۔ امّا ما ینفع النّاس[۲] کے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے۔ جو دراصل اس وسوسہ کا جواب ہے۔ کہ عابد کے مقابل نفع رساں کی عمر زیادہ ہوتی ہے۔ اور عابد کی کیوں نہیں ہوتی؟ اگرچہ میں نے بتایا ہے کہ کامل عابد وہی ہو سکتا ہے۔ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اس آیت میں اَور بھی صراحت ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ قل ما یعبؤا بکم ربّی لولا دعاؤکم[۳] یعنی ان لوگوں کو کہہ دو۔ کہ اگر تم لوگ رب کو نہ پکارو تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عابد کی پروا کرتا ہے۔ وہ عابد زاہد جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ بنوں اور جنگلوں میں رہتے اور تارک الدنیا تھے ہمارے نزدیک وہ بودے اور کمزور تھے۔ کیونکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اس حد تک پہنچ جاوے کہ اللہ اور اس کے رسُول کی کامل معرفت ہو جاوے وہ کبھی خاموش رہ سکتا ہی نہیں۔ وہ اس ذوق اور لذّت سے سرشار ہو کر دوسروں کو اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

یقین ایک ایسی شَے ہے جو انسان کو ایک قوت اور شجاعت عطا کرتا ہے یقین معلومات سے بڑھتا ہے اور جب معلومات وسیع ہوں تو یقین کی قوت سے ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے اپنے مقصد کو بیان کرنے سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اگر معلومات کم ہوں تو یقین میں بھی ایک قسم کی کمزوری ہوگی اور پھر خواہ وہ افسر بھی ہو تو اُسے بھی دبنا پڑتا ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ زندگی اور طاقت تب پیدا ہوتی ہے جب پُورا علم ہو۔ اس وقت انسان

[۱] العصر: ۴ [۲] الرعد: ۱۸ [۳] الفرقان: ۷۸

اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالتا ہوا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ جیسے صحابہ جو یقین اور معرفت کے نُور سے بھر کر دل میں ایک قوت اور شجاعت رکھتے تھے وہ بادشاہوں کے سامنے کس دلیری سے جا بولے۔ یقین ایسی چیز ہے جو موت کو بھی آسان کر دیتا ہے۔ اسی لئے شہادت کی موت سہل اور آسان ہے۔

اگر ایک پکے مسلمان کو قتل کی دھمکی دی جاوے تو وہ قتل اس کو سہل معلوم ہوگا۔ یقین ایک رُوحانی مُسکن ہے۔

شہادت کی موت والا دنیا اور طول امل کو طاق پر رکھ دیتا ہے۔ غرض انسان کو یقین حاصل کرنا چاہیئے۔ اس سے پہلے کہ وہ فلسفہ اور طبیعات میں ترقی کرے۔

اے کہ خواندی حکمتِ یُونانیاں
حکمتِ ایسانیاں را ہم بخواں

جس نے حکمت ایمان نہیں پڑھی وہ مردہ پرست ہی رہا۔

ہر نیا دن موت کے قریب کرتا ہے

جوں جوں انسان بڈھا ہوتا جاتا ہے دین کی طرف بے پروائی کرتا جاتا ہے۔ یہ نفس کا دھوکا اور سخت غلطی ہے۔ جو موت کو دور سمجھتا ہے۔ موت ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے اور وہ قریب ہی قریب ہے۔ ہر ایک نیا دن موت کے زیادہ قریب کرتا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض آدمی اوائل عمر میں بڑے نرم دل تھے لیکن آخر عمر میں آکر سخت ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ نفس دھوکا دیتا ہے کہ موت ابھی بہت دُور ہے۔ حالانکہ بہت قریب ہے۔ موت کو قریب سمجھو۔ تاکہ گناہوں سے بچو۔

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست

خدا تعالے کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر سچے دل سے اخلاص

ئے کر رجوع کرے تو وہ غفور رحیم ہے اور توبہ کو قبول کرنیوالا ہے۔ یہ سمجھنا کہ کس کس گنہگار کو بخشے گا خدا تعالےٰ کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے وسیع اور لا انتہا ہیں۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اس کے دروازے کسی پر بند نہیں ہوتے۔ انگریزوں کی نوکریوں کی طرح نہیں کہ اتنے تعلیم یافتہ کو کہاں سے نوکریاں ملیں۔ خدا کے حضور جس قدر پہنچیں گے سب اعلیٰ مدارج پائیں گے۔ یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بدقسمت اور بدبخت ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے مایوس ہو۔ اور اس کی نزع کا وقت غفلت کی حالت میں اس پر آجاوے۔ بیشک اس وقت دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۲-۴ پرچہ ۱۰ جولائی ۱۹۰۲ء)

---

۱۴ جون ۱۹۰۲ء

علم نور ہے اور جہالت حجاب اکبر

یاد رکھو لغزش ہمیشہ نادان کو آتی ہے۔ شیطان کو جو لغزش آئی وہ علم کی وجہ سے نہیں بلکہ نادانی سے آئی۔ اگر وہ علم میں کمال رکھتا تو لغزش نہ آتی۔ قرآن شریف میں علم کی مذمت نہیں۔ بلکہ انّما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمٰؤا[1] ہے۔ اور نیم ملاں خطرہ ایمان مشہور مثل ہے۔ پس میرے مخالفوں کو علم نے ہلاک نہیں کیا بلکہ جہالت نے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ قل ربّ زدنی علمًا[2]۔ پس اگر علم کوئی معمولی اور چھوٹی سی چیز ہوتی تو یہ دعا آپ کو تعلیم نہ کی جاتی۔ اور پھر فرمایا۔ من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا[3]۔ غرض ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں۔ یہ جس قدر لوگ نصرانی ہوئے ہیں وہ جہالت کے سبب ہوئے۔ اگر علم کامل ہوتا تو انسان کو خدا نہ بناتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنمی کہیں گے۔ لوکنّا نسمع او نعقل ماکنّا فی اصحاب السعیر[4]۔ یہ جو کہتے ہیں۔ العلم الحجاب الاکبر۔ یہ غلط ہے۔ الجہل الحجاب الاکبر۔ علم نور ہے وہ حجاب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جہالت حجاب اکبر ہے۔ خدا کا نام علیم ہے۔ اور پھر قرآن میں

[1] فاطر: ۲۹ [2] طٰہٰ: ۱۱۵ [3] البقرۃ: ۲۷۰ [4] الملک: ۱۱

آیا ہے۔ الرّحمٰن۔ علّم القراٰن[1]۔ اسی لئے ملائکہ نے کہا۔ لاعلم لنا الّا ما علّمتنا[2]۔ مختصر یہ کہ یاد رکھو کہ ساری زہریں نادانی میں ہیں۔ جہالت سچ مچ ایک موت ہے۔ تمام اطبّاء اور ڈاکٹر اور دوسرے لوگ جو غلطی کھاتے ہیں وہ قصورِ علم کی وجہ سے کھاتے ہیں۔ انبیاء علم لے کر آتے ہیں۔ جب دنیا میں ظلمت چھا جاتی ہے اور مخلوق شیطان ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہتا اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تجدید کے لئے بھیجتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ پرچہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء)

موت کے متعلق

موت کے متعلق ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"موت سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ مگر خدا کے غضب سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ موت تو بہرحال آنے والی ہے۔"

"موت نہیں ٹلتی مگر جو خدا کے دین کے خادم ہوں۔ اعلائے کلمۃ اللہ چاہتے ہوں اُن کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ جو اپنی زندگی کھانے پینے تک محدود رکھتے ہیں اُن کا خدا ذمہ وار نہیں۔ موت مومن کے لئے خوشی کی باعث ہے۔ کیونکہ وہ ایک مَرکَب ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتی ہے۔"

"قُربِ الٰہی کے حصول کی دو چیزیں ہیں۔ اوّل سچا ایمان۔ دوم اعمالِ صالحہ۔ عیسائی مذہب میں دونوں باتیں نہیں ہیں۔ اصول ایمان کی جگہ کفّارہ نے لے لی اور اس کے ساتھ ہی اعمال صالحہ حذف ہوئے۔ کیونکہ ضرورت نہ رہی۔"

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ پرچہ ۱۷ جولائی ۱۹۰۲ء)

نماز اور حج

عبادت کے دو حصّے تھے۔ ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو ڈرنے کا حق

[1] الرحمٰن: ۲-۳ [2] البقرۃ: ۳۳

ہے۔ خدا تعالےٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اور اس کی رُوح گُداز ہو ہو کر اُلوہیت کی طرف بہتی ہے۔ اور عبُودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسرا حصّہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے اسی لئے فرمایا ہے۔ والّذین اٰمنوا اشدّ حُبًّا للّٰہ[1]۔ اور دنیا کی ساری محبتوں کو غیر فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالےٰ ہی کو قرار دیا جاوے۔

یہ دُو حق ہیں جو اللہ تعالےٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ ان دونوں قسم کے حقوق کے ادا کرنے کے لئے یُوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے۔ مگر اسلام نے دُو مخصوص صورتیں عبادت کی اس کے لئے مقرر کی ہوئی ہیں۔

خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں۔ کہ بظاہر اُن کا جمع ہونا بھی محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے مگر اللہ تعالےٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے۔ جس قدر انسان خدا کے خوف میں ترقی کرے گا۔ اسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی۔ اور جس قدر محبت الٰہی میں ترقی کرے گا۔ اسی قدر خدا تعالےٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور بُرائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا۔

پس اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لئے ایک صورت نماز کی رکھی جس میں خدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے۔ اور محبت کی حالت کے اظہار کے لئے حج رکھا ہے۔ خوف کے جسقدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان سے بخوبی واضح ہیں۔ کہ کس قدر تذلّل اور اقرار عبُودیت اس میں موجود ہے۔ اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں بعض وقت شدّت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے۔ کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ سیالکوٹ میں ایک عورت ایک درزی پر عاشق تھی۔ اسے بہتیرا پکڑ کر رکھتے تھے۔ وہ کپڑے پھاڑ کر چلی آتی تھی۔ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے۔ وہ حج میں موجود ہے سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑتے ہیں۔ محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے۔ جو خدا کی ساری شریعتوں میں

[1] البقرۃ: ۱۶۶

تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ اسلام نے پُورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔ نادان ہے وہ شخص جو اپنی نابینائی سے اعتراض کرتا ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ پرچہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء)

یکم اگست ۱۹۰۲ء

دارُالاماں کی ایک شام

بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعود حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ سیّد ناصر شاہ صاحب جموں سے تشریف لائے تھے۔ کئی سال بعد آئے تھے۔ وہ پاؤں دبانے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ

"آپ بیٹھ جائیے"

سیّد صاحب جوشِ ارادہ اور حُسنِ عقیدت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ دیر تک قدم مبارک کو دباتے رہیں۔ آپ نے پھر کمال لُطف اور پیار سے فرمایا۔ کہ

"آپ بیٹھ جائیں"

الامر فوق الادب۔ یہ سُنکر سیّد صاحب اُوپر شہ نشین پر بیٹھ گئے۔

جناب مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے استفسار کیا کہ آج جناب نے کیا لکھا ہے۔ مولانا ممدوح کی غرض اس قسم کے استفسار سے محض ایک تحریک کرنا ہوتی ہے۔ کہ حضرت امامؑ کچھ بطور خلاصہ بیان فرمادیں۔ فرمایا:۔

"آج تو میں پچھلا مسودہ دیکھتا رہا کیونکہ کاتب لکھ رہا ہے"

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے پھر قصیدوں کی بابت دریافت کیا جو حضرت حُجۃ اللہ اس کتاب کے ساتھ منضم فرمادیں گے۔ فرمایا:۔

"وہ آخر میں لگائے جائیں گے۔ نثر میں اس کے تداخل کی ضرورت نہیں۔ اس لئے بعد ہی میں اُن کو پورا کروں گا۔" فرمایا:۔

فیصلہ بہت ہی آسان تھا۔ اگر یہ لوگ فیصلہ کرنے والے ہوتے۔ اب ان کو کیا معلوم ہے کہ جب

میں عربی لکھتا ہوں تو کس طرح افواج کی طرح الفاظ اور فقرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہاں ان کو پتہ لگ جاتا اگر یہ مقابلہ کرتے اور کچھ لکھنے کے لئے قلم اُٹھاتے۔ یہ جو سرقہ کا بیہودہ الزام لگاتے ہیں ہماری طرف سے اُن کو اجازت ہے کہ ساری دنیا کی کتابوں سے سرقہ کر لیں۔ مگر جب علمی مضمون کو ادا ہی نہیں کر سکتے اور معارف سے آگاہ ہی نہیں تو نرے الفاظ اور جُملوں کے سرقہ سے کیا ہوگا۔ الفاظ کے معانی کے تابع علمی رنگ میں کسی مضمون کو یہ لوگ ہرگز لکھ نہیں سکتے۔ یہ تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص معمار ہو اور اینٹیں چُرا کر جمع کر لیں اور بس۔ مگر محض اینٹیں چُرانے سے تو عمارت تیار نہیں ہو سکتی۔ سرقہ کا الزام تو حریری پر بھی لگایا گیا۔ یہ لوگ الفاظ کی تتبع کرتے ہیں مضمون کا نہیں کر سکتے چنانچہ حریری کی بابت بھی مشہور ہے۔ کہ جب اُسے ایک اظہار لکھنے کے لئے کہا گیا تو نہ لکھ سکا۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ عبارت بھی فصیح و بلیغ ایسی ہے۔ کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور مضامین بھی عالی اور علمی ہیں۔

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک بار میرے دل میں آیا کہ میں کوشش کر کے مقامات حریری کی طرح مسجع عبارت میں فرضی قصے لکھ سکتا ہوں؟ آخر یہ بات کُھل گئی کہ الفاظ اپنے اغراض کے ماتحت کر کے افسانے لکھ لینے آسان ہیں۔ مگر حقائق و معارف اور واقعات فصیح و بلیغ عبارت میں لکھنا قریب محال ہے۔ فرمایا:۔

"یہی تو معجزہ قرآن شریف کا ہے"

پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

"فیصلہ کی کیسی آسان راہ تھی۔ یہ جو مشہور کرتے ہیں کہ گولڑی کے مقابلے میں لاہور نہ آئے۔ ہم نے کہا تھا کہ تفاؤل کے طور پر قرآن کہیں سے کھول کر اس کی تفسیر بالمقابل لکھنی چاہیئے۔ اس کا جواب اس وقت گولڑی نے یہ دیا کہ پہلے عقائد پر تقریر کر کے مولوی محمد حسین کا فیصلہ مان لو۔ اگر وہ کہہ دے کہ یہ عقیدہ غلط ہے تو معاً میرے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ پھر تفسیر لکھو۔ اب بتاؤ یہ کیا فیصلہ ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ لاہور نہیں آئے۔"

حضرت حکیم الامت نے سید علی حایری لاہوری شیعہ کے رسالہ کا ذکر کیا کہ اس میں حضرت امام حسینؓ کی فضیلت پر بحث کرتے ہوئے . . . لکھا ہے کہ بارہ امام نورالٰہی سے پیدا ہوئے تھے۔ جس کا ظاہری ثبوت یہی ہے کہ اُن کا سایہ نہ تھا۔ پس جبکہ وہ نورالٰہی سے بنے تھے تو پھر اُن پر کسی کو فضیلت کیسی! اور پھر لکھا ہے کہ قرآن شریف کی چودہ۱۴ منزلیں ہیں۔ یہ تقسیم اپنے طور پر کی ہے۔ کہ لوح محفوظ پر آیا۔ پھر جبرائیل کے پاس، علی ہذا القیاس۔ (اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا۔ کہ

کیا چودھویں منزل یہ نہیں لکھی کہ آخر حضرت عثمان کے پاس محرّف مبدّل ہو گیا چودھویں منزل تو ان کے اعتقاد کے موافق یہی ہو گی نا)

اور مدینہ منورہ سے کربلا چودہ۱۴ منزل ہیں۔ اس سے حضرت حسین کی فضیلت قرآن سے ثابت ہو گئی غرض اس قسم کے لغویات اس میں بھرے ہیں۔ اور ایک جگہ باب کی کتاب ہی ثبوت کیلئے کافی قرار دیدی ہے اور ایک مقام پر لکھا ہے کہ غایت المقصود پڑھ کر اتنے ہزار مرزائی مومن ہو گئے۔ اس پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ گولڑی کہتا ہے کہ میری کتاب پڑھ کر اتنے ہزار نے توبہ کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو تعداد کم بتاتے ہیں اور پھر ہزاروں نکل کر ان میں بھی شامل ہو جاتے ہیں اور ختم نہیں ہوتے

حضرت حجۃ اللہ نے ہنس کر فرمایا:۔

"یہ عجیب حساب ہے جو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا نام رکھا جاوے۔ اربعہ ہے یا کیا۔ کہ جس قدر کم ہوتے جاویں وہ بڑھتے جاویں"

حضرت اقدسؑ نے ضمناً ایڈیٹر الحکم سے خطاب کرکے اشاعت السنّۃ کے متعلق دریافت فرمایا کہ ابھی شائع ہوا یا نہیں۔ عرض کی گئی کہ اشتہار اشاعت کے بعد کچھ معلوم نہیں ہوا۔ اسی کے ضمن میں دہلی کے ایک پنجابی کاتب والے اخبار کا ذکر ایڈیٹر نے کیا کہ اس میں ایک نوٹ لکھ کر گویا ۱۸ مختلف مقامات پر نالش کی دھمکی دی ہے۔

پھر ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک لڑکے کا خواب بتلایا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ہر شخص کی خواب اس کی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے معبّرین نے یہی لکھا ہے۔

ضمناً میاں جان محمد صاحب مرحوم امام مسجد قادیان کی ایک رؤیا کا تذکرہ فرمایا۔ پھر فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا فیضان ظرف اور استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے لیکن جیسے روشنی صاف اور روشن چیز پر جیسے شیشہ ہے بہت صفائی سے پڑتی ہے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے فیضان کا حال ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بہت ہی بلند تھی۔ اس لئے قرآن شریف جیسا کلام آپ پر نازل ہوا۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی صاف تصویر نظر آتی ہے۔ اور کتابوں میں دھندلی سی روشنی پڑتی ہے۔ مسیح ہی کو دیکھ لو۔ کہ اسرائیل کی قوم ہی پیش نظر ہے۔ مگر قرآن شریف کسی خاص قوم کو خطاب نہیں کرتا۔ شروع ہی سے الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بلند ہمت اور عام دعوت ہے کہ کہتے ہیں یاایھا النّاس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا[1]۔ مگر انجیل میں اسرائیل ہی کا ذکر ہے۔ جو پیشگوئیاں ہیں وہ بھی اُن ہی کے متعلق ہیں۔ اسی سبب سے یہودیوں کو ٹھوکر لگی اور خدا کے وعدوں کے مصداق اپنی ہی قوم کو سمجھ کر تمام قوموں سے بے تعلق اور غافل ہو گئے۔ اور خدا کے وعدوں کے ایفاء کی آخری منزل اسی دنیا کو خیال کر کے قیامت سے بے خبر اور بہتیرے منکر ہو گئے۔" اور فرمایا

"ہمت بلند ہونی چاہیئے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ہمت بلند دار کہ دادار کردگار"

ان باتوں میں ہی اذان ہو گئی۔ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لئے اُٹھے اور بعد نماز تشریف لے گئے

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کریں جو اعمال صالحہ کی قوت عطا کرتا ہے اور گناہ سوز فطرت پیدا کرتا ہے کیونکہ اعمال صالحہ کبھی نہیں ہو سکتے۔ جبتک اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان اور معرفت پیدا نہ ہو۔ ہر ایک عمل معرفت صحیح اور عرفان کامل کے بعد اعمالِ صالحہ کی مد میں آتا ہے۔ لوگ جو کچھ اعمال صالحہ کرتے ہیں یا صدقات و خیرات کرتے ہیں

[1] الاعراف: ۱۵۹

یہ رسم اور عادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اُس معرفت کا نتیجہ نہیں ہوتے جو ایمان علی اللہ کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ دنیا کی نیکیاں اور بظاہر اعمال صالحہ رسم اور عادت کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور دُنیا خداشناسی اور خدا رسی کے مقاموں سے دُور ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے جو آکر دنیا کو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔ باقی تمام امور اسی ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اصل غرض انبیاء کے بعثت کی یہی ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اس کی زندگی کے اصل منشاء عبودیت تامہ سے آگاہ کریں اور خدا تعالیٰ پر عرفان بخش ایمان لانے کی تعلیم دیں۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

انبیاء علیہم السلام تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے وقت پر آیا کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو رسم اور عادت سے نجات دینے اور سچا اخلاص اور ایمان حاصل کرنے کی یہ راہ بتائی ہے کہ کونوا مع الصادقین[1]۔ یہ سچی بات ہے۔ اس کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ جس نے نبی کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ رسم اور عادت کی غلامی سے انسان اسی وقت نکل سکتا ہے۔ جب وہ عرصہ دراز تک صادقوں کی صحبت اختیار کرے اور اُن کے نقش قدم پر چلے۔

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ماینفع النّاس فیمکث فی الارض[2] حقیقت یہی ہے کہ جو شخص دنیا کے لئے نفع رساں ہو۔ اس کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ اس پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر چھوٹی تھی۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اوّل اس لئے کہ انسانی زندگی کا اصل منشاء اور مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حاصل کر لیا۔ آپؐ دنیا میں اس وقت آئے جبکہ دنیا کی حالت بالطبع مصلح کو چاہتی تھی اور پھر آپؐ اُس وقت اُٹھے۔ جب پُوری کامیابی اپنی رسالت میں حاصل کر لی۔

[1] التوبة : ۱۱۹ [2] الرعد : ۱۸

الیوم اکملت لکم دینکم[1] کی صدا کسی دوسرے آدمی کو نہیں آئی اور اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت النّاس یدخلون فی دین اللہ افواجًا[2] پوری کامیابی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب جس حال میں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پورے طور پر کامیاب ہو کر اُٹھے، پھر یہ کہنا کہ آپ کی عمر تھوڑی تھی سخت غلطی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے برکات اور فیوض ابدی ہیں اور ہر زمانہ میں آپ کے فیوض کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ اس لئے آپ کو زندہ نبی کہا جاتا ہے۔ اور حقیقی حیات آپ کو حاصل ہے۔ طُولِ عمر کا جو مقصد تھا۔ وہ حاصل ہو گیا۔ اور اس آیت کے موافق آپ ابدالآباد کے لئے زندہ رہے۔

مسیح کی وفات کے دو گواہ

مسیح علیہ السّلام کی وفات پر دو زبردست گواہیاں علاوہ اَور گواہوں کی شہادت کے موجود ہیں جن کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اوّل خدا تعالیٰ کی شہادت جیسے یا عیسٰی انّی متوفّیك و رافعك الیّ[3] فرمایا ہے۔ اور پھر دُوسری شہادت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کی رؤیت کی ہے۔ آپ نے یحییٰ علیہ السّلام کے ساتھ حضرت مسیح کو دیکھا۔ اب ان دو گواہوں کے خلاف یہ کہنا کہ وہ زندہ ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

رجُوع کا لفظ صعُود کے بعد ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ مسیح کے معہ وجود عنصری آسمان پر چڑھنے کو ثابت کرتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ مسیح کا رجُوع ثابت کریں۔ کیونکہ نزول کیلئے صعود لازم نہیں ہے

حدیث میں آیا ہے کہ صوم وصلوٰۃ سے درجہ نہیں ملتا۔ بلکہ اُس بات سے جو انسان کے دل میں ہے یعنی صدق و وفا۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ عمل صالح ہو اور اس کا اخفا ہو ریا کاری نہ ہو۔

صدق بڑی چیز ہے۔ اس کے بغیر عمل صالحہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خدا تعالےٰ اپنی سُنّت نہیں چھوڑتا اور انسان اپنا طریق نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس لئے فرمایا ہے۔ والّذین جاھدوا فینا

[1] المائدۃ: ۴ [2] النصر: ۲-۳ [3] اٰل عمران: ۵۶

لنھدینّھم سبلنا[1]۔ خدا تعالےٰ میں ہو کر جو مجاہدہ کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالےٰ اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔

بُت پرست بھی وجُودیوں کی طرح اپنے بُتوں کو مظاہر ہی مانتے ہیں۔ قرآن شریف اِس مذہب کی تردید کرتا ہے۔ وہ شروع ہی میں یہ کہتا ہے۔ الحمد للہ ربّ العالمین۔ اگر مخلوق اور خالق میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ دونوں برابر اور ایک ہیں تو ربّ العالمین نہ کہتا۔ اب عالم تو خدا تعالےٰ میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ عالَم کے معنے ہیں مَا یُعْلَمُ بِہٖ اور خدا تعالیٰ کے لئے لاتدرکہ الابصار[2]۔

موجودات کو جو وہ عین اللہ کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف نے عین اور غیر کی کوئی بحث نہیں کی۔ محی الدین ابن عربی سے جو منسوب کرتے ہیں۔ کہ اس نے لکھا ہے کہ الحمد للہ الذی خلق الاشیاء وھو عینھا یہ بات صحیح ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تقف ما لیس لک بہٖ علمٌ[3] جب انسان کو کچھ بھی خبر نہیں۔ پھر بتاؤ کہ غیب کہاں رہی۔ یہ تو پکی بات ہے کہ صفات کسی چیز کے اس سے الگ نہیں ہوتے۔ خواہ وہ کہیں چلی جاوے۔ پانی کو خواہ لندن لیجاؤ۔ آخر وہ پانی رہے گا۔ جب انسان خدا ہو تو اس کی صفات اس سے کیوں الگ ہونے لگیں۔ خواہ کسی حالت میں ہو۔

استحالہ کے ساتھ اس کے صفات معدوم ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز کا بقا تو اس کے صفات ہی کے ساتھ ہے۔ اگر ایک پھُول کے صفات اُس کے ساتھ نہیں تو وہ پھُول کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس اگر انسان خدا ہے تو پھر اس کی خدائی کے صفات اس کے ساتھ ہونے ضروری ہیں۔ اگر صفات نہیں۔ تو پھر نادانی سے اُسے خدا بنایا جاتا ہے۔ انسان ایسی ایسی مصیبتوں اور مشکلات میں گرفتار ہوتا ہے کہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے۔ اور ایسا سرگرداں ہوتا ہے کہ کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ہزاروں آرزوئیں اور تمنائیں ایسی ہوتی ہیں کہ پُوری ہونے میں نہیں آتیں۔ کیا خدا تعالےٰ کے ارادے بھی اس قسم کے ہوتے ہیں۔

[1] العنکبوت: ۷۰ [2] الانعام: ۱۰۴ [3] بنی اسرائیل: ۳۷

کہ پُورے نہ ہوں۔ اس کی شان تو یہ ہے۔ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون[1]۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو انسان کو اپنے ارادوں میں نامُراد کرتا ہے۔ وہ کوئی الگ اور طاقتور ہستی ہے۔ اگر دونوں ایک ہوتے تو یہ نامرادی نہ ہونے پاتی۔ یہ باتیں قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہیں اور خدا تعالےٰ کے حضور خطرناک گُستاخی کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اعتراض کرنا کہ پھر دنیا کہاں سے بنائی۔ بے ادبی ہے۔ جب خدا تعالےٰ کو قادر مان لیا۔ پھر ایسے اعتراضات کیوں کئے جاویں۔ آریہ بھی اس قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالےٰ کو اپنی قوت اور طاقت کے پیمانہ سے ناپنا چاہتے ہیں۔

پھر دیکھو۔ وجودیوں کے بڑے بڑے صُوفی مَرے ہیں اور مَرتے ہیں۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو تو اس وقت خدائی کا کرشمہ دکھانا چاہیئے تھا۔ نہ یہ کہ عاجز انسان کی طرح تڑپ کر جان دیدی۔ یاد رکھو انسان کی سعادت یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں اپنا دخل نہ دے۔ بلکہ اپنی عبُودیت کا اعتراف کرے۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے اور مذہب ہے کہ ایک فوق الفوق قادر ہستی ہے۔ جو ہم پر کام کرتی ہے جدھر چاہتی ہے لے جاتی ہے۔ وہ خالق ہے ہم مخلوق ہیں۔ وہ حیّ قیوم ہے اور ہم ایک عاجز مخلوق قرآن شریف میں جو حضرت سلیمان اور بلقیس کا ذکر ہے کہ اس نے پانی کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے کپڑا اُٹھایا۔ اس میں بھی یہی تعلیم ہے جو حضرت سلیمان نے اس عورت کو دی تھی۔ وہ دراصل آفتاب پرستی کرتی تھی۔ اس کو اس طریق سے انہوں نے سمجھایا کہ جیسے یہ پانی شیشہ کے اندر چل رہا ہے۔ دراصل اُوپر شیشہ ہی ہے۔ اسی طرح پر آفتاب کو روشنی اور ضیا بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے

اور یہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف غیریّت اُٹھانے آیا تھا۔ اس کو وجُودیوں نے سمجھا نہیں۔ قرآن شریف ایک اتحاد عام مسلمانوں میں قائم کرتا ہے نہ یہ کہ خالق اور مخلوق کو متحد فی الذات کر دے۔ نظائر کے بغیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پس ایسی کوئی مثال وجودیوں کو پیش کرنی چاہیئے جس سے معلوم ہو جاوے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی ہیں۔ انسان گناہ سے محبّت کرتا ہے پھر وہ عین خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ وجودی کہتے ہیں کہ تم نے غیریت سے شریک بنا لیا۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے

[1] یٰس: ۸۳

ہم تو مخلوق مانتے ہیں۔ کوئی الگ خدا تو تجویز نہیں کرتے اور پھر مخلوق بھی ایسی مانتے ہیں جس پر سارا ہی تصرف خدا تعالیٰ کا ہے۔ کیونکہ وہ حیّ و قیّوم خدا ہے جس کے سہارے سے زندگی قائم ہے۔ خدا تعالیٰ اس قسم کا حیّ و قیّوم نہیں ہے کہ جیسے معمار کی عمارت کو ضرورت نہیں ہوتی کہ معمار اس کے ساتھ زندہ رہے یعنی اگر معمار مرجاوے تو عمارت کو اس کے مرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ مخلوق کسی صورت میں اس کے سہارے سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ اور مخلوق کی زندگی اور قیام کا اصلی ذریعہ وہی ہے۔ ہم عین غیر کی بحث میں ہرگز نہیں پڑتے۔ قرآن شریف نے ان اصطلاحوں کو کبھی بیان نہیں کیا۔ جو تعلقات خالق اور مخلوقات کے اُس نے بیان کئے ہیں۔ اُن سے باہر جانا گستاخی اور بے ادبی ہے۔

شیخ محی الدین سے پہلے اس وحدت وجود کا نام و نشان نہ تھا۔ ہاں وحدت شہودی تھی یعنی خدا تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو فانی سمجھنا۔ وحدت شہودی من تو شدم تو من شدی استیلائے محبت کا تقاضا تھا۔ وجودیوں نے اس سے تجاوز کر کے وہ کام کیا جو ڈاکٹر اور فلاسفر کرتے ہیں کہ وہ خدائی کے حصہ دار بنتے ہیں۔ اور دیکھا گیا ہے کہ یہ وحدت وجود والے عموماً اباحتی ہوتے ہیں اور نماز و روزہ کی ہرگز پروا نہیں کرتے۔ یہانتک کہ کنجروں (کنچنوں) کے ساتھ بھی تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی پرہیز اور عذر نہیں ہوتا۔ شہود کی حقیقت تو یہی ہے۔ کہ جیسے لوہے کو آگ میں ڈالا جاوے اور وہ اس قدر گرم ہو جاوے کہ سُرخ آگ کی طرح ہو جاوے۔ اس وقت اگرچہ آگ کے خواص اُس میں پائے جاتے ہیں تاہم وہ آگ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح جس شخص کو خدا تعالیٰ سے تعلقات قوی اور شدید ہوتے ہیں اور فنا فی اللہ کے درجہ پر ہوتا ہے تو اس سے بسا اوقات خارق عادت معجزات صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر ایک قسم کی اقتداری قوت کا نمونہ رکھتے ہیں۔ لوگ اپنی غلط فہمی اور کمزوری سے یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ خدا ہو۔ شہودی حالت میں اکثر امور اُن کی مرضی کے موافق ہو جاتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلوں کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور الیوم اکملت لکم دینکم[1] اور اذا جاء نصر اللہ[2] کی صدا آپ کو آگئی۔ (الحکم جلد ۶

[1] المائدۃ: ۴ [2] النصر: ۲

(نمبر ۲۸ صفحہ ۷۔۸ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء)

۴ر اگست ۱۹۰۲ء

۴ر اگست کی شام کو بعد نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ خدام پروانہ وار اردگرد تھے۔ ایک نوجوان نے عرض کی کہ میں اپنا خواب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا:-

کل صبح کو بیان کرو۔ مسنون طریق یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبح ہی کو خواب سُنا کرتے تھے۔

اثنائے کلام میں اس امر پر تذکرہ ہوا کہ فیضی ساکن بھین نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنا چاہا تھا۔ جو خدائے تعالیٰ کے وعدے کے موافق جو اعجاز المسیح کے ٹائٹل پیج پر درج ہے۔ بامُراد نہ ہو سکا۔ بلکہ اس دنیا سے اُٹھ گیا۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ

یہ کس قدر زبردست نشان ہے خدا کی طرف سے ہماری تصدیق اور تائید میں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ[1]۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سلسلہ جیسا کہ ہمارے مخالف مشہور کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ فیضی نے جو لوگوں کی نفع رسانی کا کام شروع کیا تھا۔ اس میں اس کی تائید کی جاتی۔ لیکن اِس طرح پر اس کا جوانا مرگ ہو جانا صاف ثابت کرتا ہے کہ اس سلسلہ کی مخالفت کے لئے قلم اُٹھانا لوگوں کی نفع رسانی کا کام نہ تھا۔ کم از کم ہمارے مخالفوں کو بھی اتنا تو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ اس کی نیّت نیک نہ تھی۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی تائید نہ کی اور اس کو مُہلت نہ ملی کہ اُس کو تمام کر لیتا۔

میرے اپنے الہام میں بھی یہ ہے۔ وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔ تیس[۳۰] برس سے زیادہ عرصہ ہوا جب میں تپ سے سخت بیمار ہوا۔ اس قدر شدید تپ مجھے چڑھی ہوئی تھی۔ کہ گویا بہت سے انگارے سینے پر رکھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اس اثنائے میں مجھے الہام ہوا۔

[1] الرعد : ۱۸

وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ[1]۔ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض مخالفِ اسلام بھی لمبی عمر حاصل کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے۔ کہ اُن کا وجود بھی بعض رنگ میں مفید ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل بدر کی جنگ تک زندہ رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر مخالف اعتراض نہ کرتے تو قرآن شریف کے تیس سپارے کہاں سے آتے۔ جس کے وجود کو اللہ تعالیٰ مفید سمجھتا ہے اسے مُہلت دیتا ہے۔ ہمارے مخالف بھی جو زندہ ہیں۔ وہ مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کے وجود سے بھی یہ فائدہ پہنچتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق و معارف عطا کرتا ہے۔ اب اگر مہر علیشاہ اتنا شور نہ مچاتا تو نزول مسیح کیسے لکھا جاتا۔

اس طرح پر جو دوسرے مذاہب باقی ہیں ان کے بقار کا بھی یہی باعث ہے تاکہ اسلام کے اصولوں کی خوبی اور حُسن ظاہر ہو۔ اب دیکھ لو کہ نیوگ اور کفارہ کے اعتقاد والے مذہب اگر موجود نہ ہوتے تو اسلام کی خوبیوں کا امتیاز کیسے ہوتا۔ غرض مخالف کا وجود اگر مفید ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے مُہلت دیتا ہے۔

چونکہ حضرت کی طبیعت آج کسی قدر ناساز تھی اور گرمی بھی زیادہ تھی اس کے بعد جلد نمازِ عشاء ادا کر لیگئی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۱ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

---

۶ اگست ۱۹۰۲ء

۶ اگست کی شام کو حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ پیر گولڑی کی اس پُرفن کارروائی کا ذکر تھا جو اس نے اپنی کتاب سیف چشتیائی کی تالیف میں کی ہے۔ اور جس کا راز اگلی اشاعت میں بالکل کھول دیا جاویگا اور دنیا کو دکھایا جاویگا کہ کفن کھسوٹ مصنّف بھی دنیا میں ہیں۔ اس کے بعد امریکہ کے مشہور مفتری مدعی الیاس ڈوئی کا اخبار پڑھا گیا جو مفتی محمد صادق صاحب ایک عرصہ سے سُنایا کرتے ہیں۔ ڈوئی نے اپنے مخالف قوموں بادشاہوں اور سلطنتوں کی نسبت پیشگوئی کی ہے۔ کہ وہ تباہ ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت اقدسؑ کی رگِ غیرت و حمیّت دینی جوش میں آئی اور فرمایا کہ

[1] الرعد: ۱۸

"مفتری کذاب اسلام کا خطرناک دشمن ہے۔ بہتر ہے اُس کے نام ایک کھلا خط چھاپ کر بھیجا جاوے اور اس کو مقابلہ کے لئے بُلایا جاوے۔ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی سچا مذہب نہیں ہے اور اسلام ہی کی تائید میں برکات اور نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر یہ مفتری میرا مقابلہ کرے گا۔ تو سخت شکست کھائے گا۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے افترا کی اس کو سزا دے۔"

غرض یہ قرار پایا کہ ۷ راگست کو حضرت اقدسؑ ایک خط اس مفتری کو لکھیں اور اسے نشان نمائی کے میدان میں آنے کی دعوت کریں۔ یہ خط انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر مختلف اخبارات میں بھی شائع ہوگا اور بھیجا جاوے گا۔

الہام

نزول المسیح جو آجکل لکھ رہے ہیں۔ اور پیر گولڑی کی کتاب سیف چشتیائی بھی زیر نظر ہے۔ اس پر کسی قدر توجہ کرنے سے یہ الہام ہوا۔

اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ الْقَدِیْرُ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ

۷ راگست سنہ ۱۹۰۲ء

۷ راگست کی صبح کو حسب معمول سیر کو نکلے۔ ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ حضور امسال شکاگو کی طرز پر ایک مذہبی کانفرنس جاپان میں ہونے والی ہے۔ جس میں مشرقی دنیا کے مذاہب کے سرکردہ ممبروں کا اجتماع ہوگا۔ اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں اور تائید پر لیکچر دیئے جائیں گے۔ کیا اچھا ہو اگر حضور کی طرف سے اس تقریب پر کوئی مضمون لکھا جائے اور اسلام کی خوبیاں اس جلسہ میں پیش کی جاویں۔ ہماری جماعت کی طرف سے کوئی صاحب جیسے مولوی محمد علی صاحب ہیں چلے جائیں۔ جاپان کے مصارف بھی بہت نہیں ہیں۔ اور جاپان والوں نے ہندوستانیوں کو دعوت کی ہے۔ بلکہ وہ ہندوستان سے جانے والوں

کے لئے اپنا الگ جہاز بھیجنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ

بیشک ہم تو ہر وقت تیار ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کب ہوگی اور اس کے قواعد کیا ہیں۔ تو ہم اسلام کی خوبیوں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کر کے دکھا سکتے ہیں اور اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہ ہر میدان میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ مذہب کے تین جزو ہیں۔ اوّل خداشناسی۔ مخلوق کے ساتھ تعلق اور اس کے حقوق اور اپنے نفس کے حقوق۔ جس قدر مذاہب اس وقت موجود ہیں بجز اسلام کے جو ہم پیش کرتے ہیں سب نے بے اعتدالی کی ہوئی ہے۔ پس اسلام ہی کامیاب ہوگا۔

ذکر کیا گیا کہ وہاں بدھ مذہب ہے اس کا ذکر بھی اس مضمون میں آجانا چاہیئے۔ فرمایا:۔

بدھ مذہب دراصل سناتن دھرم ہی کی شاخ ہے۔ بدھ نے جو اوائل میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور قطع تعلق کر لیا۔ شریعت اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض بیان نہیں کیا۔ بدھ نے اوّل ہی قدم پر غلطی کھائی ہے اور اس میں دہریت پائی جاتی ہے۔ مجھے اس بات سے کبھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک کتا مُردار کیوں کھاتا ہے جس قدر تعجب اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان انسان ہو کر پھر اپنی جیسی مخلوق کی پرستش کیوں کرتا ہے۔ اس لئے اس وقت جب خدا نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے تو سب سے اوّل میرا فرض ہے کہ خدا کی توحید قائم کرنے کے لئے تبلیغ و اشاعت میں کوشش کروں۔ پس مضمون تیار ہو سکتا ہے اور وہاں بھیجا جا سکتا ہے پہلے قواعد آنے چاہئیں۔

پھر فرمایا کہ

اس مضمون کے پڑھنے کے لئے اگر مولوی عبدالکریم صاحب جائیں تو خوب ہے۔ اُن کی آواز بڑی بارعب اور زبردست ہے اور وہ انگریزی لکھا ہوا ہو۔ تو اُسے خوب پڑھ سکتے ہیں اور ساتھ مولوی محمد علی صاحب بھی ہوں اور ایک اور شخص بھی چاہیئے۔ الرفیق ثم الطریق۔

پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا:۔

زمانہ میں باوجود استغراق دنیا کے مذہب کی طرف بھی توجہ ہوگئی ہے اور مذہبی چھیڑ چھاڑ کا ایسا سلسلہ جاری ہوگیا ہے کہ پہلے کبھی ایسا موقع نہیں ملا۔

پھر اس ذکر پر کہ انجمن حمایت اسلام کو بعض اخباروں نے توجہ دلائی ہے کہ وہ کوئی آدمی بھیجیں۔ فرمایا۔

ہمارے مخالف اسلام کو کیا پیش کریں گے جبکہ اسلام کی خوبیوں کا خود ان کو اعتراف نہیں ہے۔ اوّل خدا تعالیٰ کی توحید اسلام نے بڑے زور سے قائم کی۔ مگر جب یہ مسیح میں خدائی صفات کو قائم کرتے اور مانتے ہیں تو توحید کہاں رہی۔ پھر برکات اسلام کا فخر ہے مگر یہ لوگ اس سے بھی منکر ہیں اگر پچھلے قصے پیش کریں تو سناتن والے بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام تو اس پھل کی طرح تھا جو تازہ بتازہ ہو۔ جس کے کھانے سے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مگر اب ان لوگوں نے وہ حالت کر دینی چاہی ہے جیسے ایک سڑا ہوا پھل ہو جس کی عفونت دماغ کو خراب کر دے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اسلام کو تازہ ہی رکھا ہے۔ اور اس لئے بجز ہمارے کوئی دوسرا اس کو پیش نہیں کر سکتا آج اسلام کو وہی کامیاب کر سکتا ہے جو بیان کرتے کرتے مسیح کو قبر تک پہنچا دے۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے جو براہین میں وعدہ کیا تھا۔ ینصرک اللّٰہ فی مواطن۔ یعنی اللہ بہت سے میدانوں میں تیری مدد کرے گا۔ ابتک جس قدر میدان ہمارے سامنے آئے خدا تعالیٰ نے فتح دی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۴ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

---

۸ اگست ۱۹۰۲ء کی شام

امریکہ کے ڈاکٹر ڈوئی کے نام حضرت مسیح موعودؑ کی چٹھی کا خلاصہ

حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی محمد علی صاحب کو وہ چٹھی دی۔ جو ڈاکٹر ڈوئی امریکہ کے مشہور عیسائی مفتری کے نام لکھی ہے چنانچہ وہ چٹھی پڑھ کر سنائی گئی۔ اس چٹھی کو ہم انشاء اللہ اخیر ستمبر ۱۹۰۲ء تک الحکم میں شائع کرنے کے قابل ہو سکیں گے تاہم حاصل مطلب کے طور پر اتنا اب بھی لکھ دیتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اس چٹھی میں ایک

عظیم الشان فیصلہ کی بنیاد رکھدی ہے۔ ہمارے ناظرین اخبار کو غالباً معلوم ہوگا۔ کہ ڈاکٹر ڈوئی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عہد نامہ کا رسُول ہے۔ وہ الیاس پیغمبر ہے جس کا آنا مسیح سے پہلے ضروری تھا۔ اور اس نے اپنے اخبار میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ سلطنت وہ انسان وہ قوم ہلاک ہو جائے گی۔ جو اس کو رسُول نہیں مانتے اور مسلمانوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور اس پیشگوئی میں ہماری گورنمنٹ کو بھی داخل کر لیا ہے۔ اور تمام دنیا کی سلطنتوں کو شامل کیا ہے۔

حضرت اقدس نے اس چِٹھی کے ذریعہ ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت کی ہے کہ

اب فیصلہ کا طریق آسان ہے۔ اس قدر مسلمانوں کے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مسیح موعود جس کا ڈاکٹر ڈوئی انتظار کرتا ہے آگیا ہے وہ میں ہوں۔ پس میرے ساتھ مقابلہ کرکے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کون کاذب اور مفتری ہے۔ ڈاکٹر ڈوئی اپنے مریدوں میں سے ایک ہزار آدمی کے دستخط دے کر ایک قسم اس طرح شائع کر دے کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب اور مفتری ہے وہ راستباز اور صادق سے پہلے ہلاک ہو جاوے۔ پس پھر کاذب کی موت خود ایک نشان ہو جاوے گا۔

یہ خلاصہ اس چِٹھی کا جس میں اور بھی بہت سے حقائق ہیں حضرت اقدس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ ہمیشہ کے لئے ثابت کر دیا جاوے۔ کہ یہ غلط خیال ہے کہ تلوار کبھی مذہب کا فیصلہ نہیں کر سکتے ہے یعنی مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس کے ضمن میں حضرت مسیح کی موت اور آپ کی قبر پر بحث کی ہے۔ اور ان واقعات کی بناء پر جو انجیل میں درج ہوئے ہیں۔ ثابت کیا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرے بلکہ وہاں سے بچ کر نکل کھڑے ہوئے اور کشمیر میں آکر فوت ہوئے

اس چِٹھی کے ختم کرنے کے بعد مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے ایک فارسی نظم غازی دگولڑی کے جواب میں پڑھی جو دوسری جگہ درج ہے۔ پھر مولوی جمال الدین صاحب سیکھواں والے نے ایک پنجابی نظم تصدیق المسیح میں جو سوہل کے خیالوں کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے۔ پڑھ کر سُنائی جس میں حضرت حجۃ اللہ کی صداقت کا معیار آپ کی عظیم الشان کامیابیاں اور دشمنوں کی نامرادیاں مذکور تھیں۔ ان نظموں کے پڑھے جانے کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔ ؎

؎ نوٹ۔ اس سے آگے صفحہ ۳۲۷ پر ۹ اگست ۱۹۰۲ء کے ملفوظات ملاحظہ فرماویں۔

۹؍ اگست ۱۹۰۲ء کی شام

حضرت اقدس نماز مغرب سے فارغ ہو کر حسب معمول بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کپور تھلہ سے آئے ہوئے دو تین احباب نے بیعت کی بیعت کے بعد ایک صاحب کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ قاری ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ سناؤ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کے ارشاد کے موافق سورۂ مریم کا ایک رکوع نہایت ہی عمدہ طور پر پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد قاری صاحب سے حضرت اقدس معمولی امور دریافت فرماتے رہے۔ ازاں بعد قاری صاحب نے عرض کی کہ حضور بہت عرصہ سے مجھے اس امر کا اشتیاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مجھے ہو جاوے۔ اس لئے آپ کوئی وظیفہ مجھے بتا دیجئے کہ ایک جھلک ہو جاوے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ زیارتِ رسولؐ اصل مقصد نہیں۔

دیکھو۔ آپ نے میری بیعت کی۔ جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مدنظر رکھے جو بیعت سے ہیں۔ یہ امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے۔ اصل منشاء اور مدعا سے دور ہیں۔ انسان کا اصل منشاء یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ قرآن شریف میں بھی یہ اصل مقصد نہیں رکھا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1] اصل غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے جب انسان آپ کی اتباع میں کھویا جاتا ہے۔ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے ضمناً زیارت بھی ہو جاوے جیسے کوئی میزبان کسی کی دعوت کرتا ہے۔ تو وہ اس کے لئے عمدہ کھانے لاتا ہے لیکن ان کھانوں کے ساتھ وہ ایک دستر خوان بھی لے آتا ہے۔ ہاتھ بھی دھلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل مقصد تو کھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کرتا ہے۔ وہ اس کو اپنا مقصد ٹھہراتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی زیارت کا ہو جانا بھی کسی وقت ممکن ہے۔ دیکھو۔ بہت سے لوگ یہاں جو بیعت کرنے کے لئے آتے ہیں وہ مجھے دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں وہ تبدیلی جو میری اصل غرض ہے اور جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں، نہیں ہوتی تو میرے دیکھنے سے اُن کو کیا فائدہ ہوا۔

اس طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے۔ اور اس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ

[1] آل عمران: ۳۲

کے حضور نہیں جس نے گو سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو۔ مگر وہ سچا اخلاص و وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان خشیتہ اللہ اور تقویٰ اس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو نری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے جو پہلی دُعا سکھلائی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم[1] ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اھدنا کی جگہ ارنا صور الذین انعمت علیھم کی دعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہو جاوے گو آپ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہو گئی۔ پس یہ امر مقصود بالذات ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ اصل مقصد سچی اتباع ہے۔

چونکہ سُورہ فاتحہ کا ذکر تھا۔ آپؑ نے فرمایا۔ کہ

اس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ اوّل منعم علیہم۔ دوم مغضوب۔ سوم ضالین۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں۔ اور ضالین سے نصاریٰ۔ اب تو سیدھی بات ہے کہ کوئی دانشمند باپ بھی اپنی اولاد کو وہ تعلیم نہیں دیتا جو اس کے لئے کام آنے والی نہ ہو۔ پھر خدا تعالیٰ کی نسبت یہ کیونکر روا رکھ سکتے ہیں کہ اس نے ایسی دعا تعلیم کی ہے۔ کہ جو پیش آنے والے امور نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ امور سب واقعہ ہونیوالے تھے۔ مغضوب سے مراد یہود ہیں۔ اور دوسری طرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمت کے بعض لوگ یہودی صفت ہو جائیں گے۔ یہانتک کہ اُن سے تشبہ اختیار کریں گے۔ کہ اگر یہودی نے ماں سے زنا کیا ہو تو وہ بھی کریں گے۔ اب وہ یہودی جو خدا تعالیٰ کے عذاب کے نیچے آئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اُن پر لعنت پڑی تھی۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ وہ وقت اب آگیا ہے۔ میری مخالفت میں یہ لوگ ان سے یک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک سوال اکثر آدمی دریافت کرتے ہیں کہ اُن کو بعض وقت ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جبتک وہ کسی اہلکار وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ اُن کا کام نہیں

[1] الفاتحہ: ۶-۷

ہوتا اور وہ تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ فرمایا۔

رشوت کی تعریف

میرے نزدیک رشوت کی یہ تعریف ہے کہ کسی کے حقوق کو زائل کرنے کے واسطے یا ناجائز طور پر گورنمنٹ کے حقوق کو دبانے یا لینے کے لئے کوئی مابہ الاختلاط کسی کو دیا جائے۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کسی دوسرے کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کسی دوسرے کا کوئی حق ہو صرف اس لحاظ سے کہ اپنے حقوق کی حفاظت میں کچھ دیدیا جاوے تو کوئی حرج نہیں اور یہ رشوت نہیں بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم راستہ پر چلے جاویں اور سامنے کوئی کتا آجاوے تو اس کو ایک ٹکڑا روٹی کا ڈال کر اپنے طور پر جاویں اور اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ بعض معاملات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ اصل میں حق پر کون ہے۔ فرمایا

استفتاءِ قلب

ایسی صورتوں میں استفتاءِ قلب کافی ہے۔ اس میں شریعت کا حصہ رکھا گیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر اگر زیادہ غور کی جاوے تو امید ہے قرآن شریف سے بھی کوئی نص مل جاوے۔

بعد نماز عشا حضور تشریف لے گئے۔

۱۱؍ اگست ۱۹۰۲ء *

ایک قریشی صاحب کئی روز سے بیمار ہو کر دارالامان میں حضرت حکیم الامت کے علاج کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے متعدد مرتبہ حضرت حجۃ اللہ کے حضور دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے فرمایا

"ہم دُعا کریں گے"

۱۰؍ اگست کی شام کو اس نے بذریعہ حضرت حکیم الامت التماس کی کہ میں حضور مسیح موعود کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مگر پاؤں کے متورم ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے خود ۱۱؍ اگست کو

* نوٹ۔ اس سے پہلے صفحہ ۳۳۸ پر مندرجہ ملفوظات ۱۰؍ اگست ۱۹۰۲ء ملاحظہ فرما دیں۔

اُن کے مکان پر جا کر دیکھنے کا وعدہ فرمایا چنانچہ وعدہ کے ایفاء کے لئے آپ سیر کو نکلتے ہی خدام کے حلقہ میں اس مکان پر پہنچے جہاں وہ فروکش تھے۔ آپ کچھ دیر تک مرض کے عام حالات دریافت فرماتے رہے۔ زاں بعد بطور تبلیغ فرمایا۔ کہ

میں نے دُعا کی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ نری دعائیں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ جبتک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امر نہ ہو۔ دیکھو۔ اہل حاجت لوگوں کو کس قدر تکالیف ہوتی ہیں۔ مگر حاکم کے ذرا کہہ دینے اور توجہ کرنے سے وہ دُور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امر سے سب کچھ ہوتا ہے۔ میں دعا کی قبولیت کو اس وقت محسوس کرتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور اذن ہو۔ کیونکہ اس نے اُدْعُوْنِیْ تو کہا ہے مگر استجب لکم بھی ہے۔

یہ ضروری بات ہے کہ بندہ اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرے اور اندر ہی اندر خدا تعالیٰ سے صُلح کرلے اور یہ معلوم کرے کہ وہ دنیا میں کس غرض کے لئے آیا ہے۔ اور کہاں تک اس غرض کو پُورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبتک انسان اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض نہیں کرتا۔ اس وقت تک کِسی تکلیف میں مبتلا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انسان تبدیلی کرلے۔ تو خدا تعالیٰ پھر رجُوع برحمت کرتا ہے۔ اُس وقت طبیب کو بھی سُوجھ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر کوئی امر مشکل نہیں بلکہ اس کی تو شان ہے۔ انما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہٗ کن فیکون[1]۔

ایک بار میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک ڈپٹی انسپکٹر پنسل سے ناخن کا مَیل نکال رہا تھا جس سے اس کا ہاتھ ورم کر گیا۔ آخر ڈاکٹر نے ہاتھ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ اس نے معمولی بات سمجھی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح ایک دفعہ میں نے پنسل کو ناخن سے بنایا۔ دوسرے دِن جب میں سیر کو گیا تو مجھے اس ڈپٹی انسپکٹر کا خیال آیا اور ساتھ ہی میرا ہاتھ ورم کر گیا۔ میں نے اسی وقت دعا کی اور الہام ہوا۔ اور پھر دیکھا تو ہاتھ بالکل درست تھا۔ اور کوئی ورم یا تکلیف نہ تھی۔ غرض بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب اپنا فضل کرتا ہے۔ تو کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی۔ مگر اس کے لئے ضروری شرط ہے کہ انسان اپنے اندر تبدیلی کرے۔ پھر جس کو وہ دیکھتا ہے کہ یہ نافع وجود ہے

[1] یٰسٓ: ۸۳

تو اس کی زندگی میں ترقی دے دیتا ہے۔ہماری کتاب میں اس کی بابت صاف لکھا ہے۔ وَاَمّا مَا ینفع النّاس فیمکث فی الارض[1]۔ ایسا ہی پہلی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں بھی درج ہے۔

انسان بہت بڑے کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔لیکن جب وقت آتا ہے اور وہ اس کام کو پُورا نہیں کرتا۔ تو خدا اس کا تمام کام کر دیتا ہے۔خادم کو ہی دیکھ لو کہ جب وہ ٹھیک کام نہیں کرتا تو آقا اُس کو الگ کر دیتا ہے۔پھر خدا تعالیٰ اس وجود کو کیونکر قائم رکھے جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا۔

ہمارے مرزا صاحب٭ پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔اُن کا قول تھا کہ اُن کو کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔سچ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اِذن کے بغیر ہر ایک ذرّہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔توبہ و استغفار بہت کرنی چاہیئے۔تا خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔جب خدا تعالیٰ کا فضل آتا ہے تو دعا بھی قبول ہوتی ہے۔خدا نے یہی فرمایا ہے کہ دعا قبول کروں گا اور کبھی کہا کہ میری قضاء و قدر مانو۔اس لئے میں تو جب تک اِذن نہ ہو لے کم امید قبولیت کی کرتا ہوں بندہ نہایت ہی ناتواں اور بے بس ہے۔پس خدا کے فضل پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔

حُکّام اور برادری سے تعلق

چوہدری عبداللہ خاں صاحب نمبردار بہلول پور نے سوال کیا کہ حکّام اور برادری سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔فرمایا۔

ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔حکّام کی سچّی اطاعت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ حفاظت کرتے ہیں۔جان اور مال اُن کے ذریعہ امن میں ہیں اور برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیئے کیونکہ برادری کے بھی حقوق ہیں۔البتہ جو متقی نہیں اور بدعات و شرک میں گرفتار ہیں اور ہمارے مخالف ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔تاہم اُن سے نیک سلوک

٭ حضرت اقدسؑ کے والد مرحوم و مغفور۔

[1] الرعد: ۱۸

کرنا ضرور چاہیئے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ جو دنیا میں کسی سے نیکی نہیں کر سکتا وہ آخرت میں کیا اجر لیگا۔ اس لئے سب کے لئے نیک اندیش ہونا چاہیئے۔ ہاں مذہبی امور میں اپنے آپ کو بچانا چاہیئے جس طرح پر طبیب ہر مریض کی خواہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی ہو سب کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ اسی طرح پر نیکی کرنے میں عام اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار کو قتل کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے بہ سبب بلا وجہ قتل کرنے مسلمانوں کے مجرم ہو چکے تھے۔ اُن کو جو سزا ملی مجرم ہونے کی حیثیت سے تھی۔ محض انکار اگر سادگی سے ہو اور اس کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی نہ ہو۔ تو وہ اس دنیا میں عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔

رشوت

رشوت ہرگز نہیں دینی چاہیئے۔ یہ سخت گناہ ہے۔ مگر میں رشوت کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کئے جاویں۔ میں اس سے سخت منع کرتا ہوں لیکن ایسے طور پر کہ بطور نذرانہ یا ڈالی اگر کسی کو دی جاوے جس سے کسی کے حقوق کے اتلاف مدنظر نہ ہو۔ بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو۔ تو یہ میرے نزدیک منع نہیں۔ اور میں اس کا نام رشوت نہیں رکھتا کسی کے ظلم سے بچنے کو شریعت منع نہیں کرتی۔ بلکہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ[1] فرمایا ہے۔

نماز کی طرف توجہ

خانصاحب نواب خاں صاحب جاگیردار مالیر کوٹلہ نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ ارادت کا اظہار کرتا ہے مگر چاہتا ہے کہ اس کی توجہ نماز کی طرف ہو جاوے۔ فرمایا کہ

یہ لوگ خدا تعالٰے سے ایسی شرطیں کیوں کرتے ہیں۔ پہلے خود کوشش کرنی چاہیئے قرآن

[1] البقرۃ: ۱۹۶

میں ایاک نعبد مقدم ہے۔ خدا تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ اگر وہ خود کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ تو مہینے تک یہاں آکر رہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔ کونوا مع الصادقین[1]۔ یہاں وہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھیں گے۔ باتیں سُنیں گے۔

خدا تعالیٰ تو غنی ہے۔ اگر ساری دنیا اُس کی عبادت نہ کرے تو اس کو کیا پروا ہے۔ ہزار کی موتیں انسان قبول کرے تو خدا کو خوش کرسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرو یہ اچھا طریق نہیں۔

حدیث

حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ اوّل وہ جو صراحتاً بلا تاویل ہماری ممد اور مُعاون ہیں۔ جیسے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ۔ لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسیٰ۔ وغیرہ۔ اور دوم کچھ اس قسم کی ہیں جو ہمارے مخالف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا سی توجہ سے ان کا مضمون اور مفہوم ہمارے مطابق ہو جاتا ہے۔ اور بعض بالکل محرّف و مبدّل قرآن شریف کے منشار کے خلاف اقوال مردُودہ ہیں۔ ہم اُن کو رد کر دیں گے۔

خدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے۔ مگر مُردوں کی نہیں آتی۔ اگر کہیں کسی مُردے کی آواز آتی ہے تو خدا کی معرفت۔ یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر اُن کے متعلق دے دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی ہو خواہ نبی ہو یا صدّیق یہ حال ہے۔ کہ آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان اور اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے۔ وہ سب تعلق قطع ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا ہے۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ[2]۔

کہف والا قصہ ہماری راہ میں نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے اُن کو سُلایا ہو اور پھر جگایا ہو۔ تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ مسیح کی وفات سے اس کو کیا تعلق؟ مسیح کیلئے کہاں وجود آیا ہے۔

قرآن نے امام حسین کا نام نہیں لیا

امام حسین پر میری فضیلت کا ذکر سُنکر یونہی غصہ میں آتے ہیں۔ قرآن نے کہاں امام حسین

[1] التوبۃ: ۱۱۹ [2] المومنون: ۱۰۲

کا نام لیا ہے۔ زید کا ہی نام لیا ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چاہیئے تھا کہ حسین کا نام بھی لے دیا جاتا اور پھر مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُمْ کہہ کر اُن کی ابوت کا خاتمہ کر دیا۔ اگر اَلْحُسَیْن کہدیا ہوتا تو شیعہ کا ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے لاپروا ہوتے ہیں۔ اُن کی تمنا بھی یہ نہ تھی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تمنا بھی پوری کر دیتا ہے۔

مخالفین سے معانقہ

قبل نماز ظہر حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے۔ فرمایا:۔

میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں یہ غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ وہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔ قرآن شریف ایسی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں۔ اُن کے ساتھ کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی ماں بہن کو گالیاں دے۔ تو کیا وہ روا رکھے گا۔ کہ اس کے ساتھ مل کر بیٹھے۔ اور معانقہ کرے۔ پھر جب یہ بات نہیں اللہ اور رسولؐ کے دشمنوں اور گالیاں دینے والوں سے کیوں اس کو جائز رکھا ہے۔

۱۱ اگست ۱۹۰۲ء

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کی فضیلت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں پر

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام معمول کے موافق خدام کے حلقہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ

قرآن شریف کے ایک مقام پر غور کرتے کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت اور کامیابی معلوم ہوئی جس کے مقابل میں حضرت مسیح بہت ہی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں ہے کہ نزول مائدہ کی درخواست جب حواریوں نے کی تو وہاں صاف لکھا ہے کہ قالوا نرید ان ناکل منها وتطمئن

قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا ونکون علیھا من الشاھدین[1]۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس قدر معجزات مسیح کے بیان کئے جاتے ہیں اور جو حواریوں نے دیکھے تھے۔ ان سب کے بعد اُن کا یہ درخواست کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اُن کے قلوب پہلے مطمئن نہ ہوئے تھے۔ ورنہ یہ الفاظ کہنے کی اُن کو کیا ضرورت تھی۔ وتطمئن قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا۔ مسیح کی صداقت میں بھی اس سے پہلے کچھ شک ہی سا تھا۔ اور وہ اس جھاڑ پھونک کو معجزہ کی حد تک نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ ایسے مطمئن اور قوی الایمان تھے کہ قرآن شریف نے ان کی نسبت رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[2] فرمایا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ اُن پر سکینت نازل فرمائی۔ یہ آیت مسیح علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت کھولتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم کرتی ہے۔ صحابہ کا کہیں ذکر نہیں۔ کہ انہوں نے کہا کہ ہم اطمینان قلب چاہتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کا یہ حال کہ اُن پر سکینت نازل ہوئی۔ اور یہود کا یہ حال۔ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم[3] ان کی حالت بتائی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یہانتک کھُل گئی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کی طرح شناخت کرتے تھے اور نصاریٰ کا یہ حال کہ ان کی آنکھوں سے آپ کو دیکھیں تو آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہ مراتب مسیح کو کہاں نصیب!

اس پر عرض کیا گیا۔ کہ حضور! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی احیائے موتیٰ کی کیفیت کے متعلق اطمینان چاہا تھا۔ کیا اُن کو بھی پہلے اطمینان نہ تھا؟ فرمایا۔

انبیاءؑ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں
اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں۔ اور تلامیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے۔ کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلاً[4] پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی حالت کیسی ہوتی ہے۔ جس دن نبی

[1] المائدۃ: ۱۱۴ [2] البیّنۃ: ۹ [3] البقرۃ: ۱۴۷ [4] الفرقان: ۳۳

مامور ہوتا ہے اُس دن اور اُس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہو جاتا ہے۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کہا۔ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے۔ جس کی نسبت قرآن شریف نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ ابراھیم الذی وفّی[۱] و اذابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰتٍ فاتمھنّ[۲] پھر یہ اعتراض کس طرح پر ہو سکتا ہے۔

کیا ایک بچہ مثلاً مبارک (سلمہ ربہ) جو آج مکتب میں بٹھایا وہ ایم۔ اے یا بی۔ اے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی بھی حالت ہوتی ہے کہ ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ میں باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے وہ تمام آیات جو حضرت مسیح سے متعلق ہیں میرے لئے نازل کی ہیں اور میرا نام مسیح رکھا اور آدم۔ داؤد۔ سلیمان غرض تمام انبیاء کے نام رکھے۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جبتک خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت پر یہ راز نہ کھول دیا۔ حواریوں نے جو اطمینان قلب چاہا ہے وہ ان سب نشانات کے بعد ہے جو وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لئے وہ اعتراض کے نیچے ہیں کہ اُن کو ضرور شک تھا۔

فلما توفیتنی والی آیت نص ہے مسیحؑ کے عدم نزول پر

اس کے بعد امریکہ کے مشہور کاذب اور مفتری ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کا خلاصہ برادر مفتی محمد صادق صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ اُس کے سُننے کے بعد حضرت حجۃ اللہ نے پھر ذکر کیا کہ

فلما توفیتنی[۳] سورۂ مائدہ کی آیت پر آج پھر غور کرتے ہوئے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح سے یہ سوال ہوا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو الٰہ بنالو تو وہ اپنی بریت کے لئے جواب دیتے ہیں کہ میں نے تو وہی تعلیم دی تھی۔ جو تو نے مجھے دی تھی اور جبتک میں اُن میں رہا۔ ان کا نگران تھا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ تو تُو ان پر نگران تھا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح دوبارہ دنیا میں آئے تھے۔ اور یہ سوال ہوا تھا قیامت میں تو اس کا یہ جواب نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ بلکہ اُن کو تو یہ جواب دینا چاہیئے تھا

[۱] النجم: ۳۸ [۲] البقرۃ: ۱۲۵ [۳] المائدۃ: ۱۱۸

کہ ہاں بیشک میرے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اُن میں شرک پھیل گیا تھا۔ لیکن پھر دوبارہ جاکر تو میں نے صلیبوں کو توڑا۔ فُلاں کافر کو مارا۔ اُسے ہلاک کیا۔ اُسے تباہ کیا۔ نہ یہ کہ وہ یہ جواب دیتے وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم[1]۔ اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کو ہرگز ہرگز خود دنیا میں نہیں آنا ہے اور یہ نص ہے اُن کے عدم نزول پر۔

۲۱ر اگست ۱۹۰۲ء (بوقت شام)

حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ادائے نماز کے بعد جلوس فرما ہوئے۔ فرمایا کہ

چونکہ یہ کتاب نزول المسیح تمام مسائل کی جامع کتاب بنانی چاہتا ہوں۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ ہمارے چند احباب میری کتابوں کے مضامین کی ایک ایک فہرست بنادیں تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ کون کون سے مضامین اس میں آچکے ہیں۔

اس کے بعد ایڈیٹر الحکم نے الحکم کا وہ نمبر پیش کیا جو ۲۴ر جولائی ۱۹۰۱ء کا چھپا ہوا ہے اور جس میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک خط مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھوکے والے کے نام حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود کے ایماء سے لکھا تھا اور جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اگر تُو حضرت اقدس کے برخلاف نام لے کر کوئی مخالف الہام پیش کرے گا۔ تو ہلاک ہو جاوے گا۔ غرض وہ مضمون ناظرین الحکم پڑھ چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مولوی محمد حسین صاحب کا ایک رسالہ آیا ہے جس میں چینیاں والی مسجد میں قیامت کے عنوان سے آپ نے ایک مضمون لکھا ہے۔ جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف ہے۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہم اس کو پرافٹ آف قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں یعنی کُفر کا فتویٰ دیتے ہیں چنانچہ اس کے نیچے پھر کُفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔

اس پر حضرت اقدسؑ نے دریافت فرمایا کہ وجُوہ کُفر کیا ہیں

[1] المائدۃ: ۱۱۸

مولوی عبداللہ چکڑالوی کیخلاف وجوہ کفر

مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ کُتّے کو ہڈی کا چسکا ہوسکتا ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ قرآن لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں جیسا کہ ایک چپڑاسی یا مذکوری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

قرآن۔ سُنّت اور حدیث

ایسا کہنا کفر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔ احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کفار تو اپنے بُتوں کے جنتر منتر کو یاد رکھتے ہیں۔ تو کیا مسلمانوں نے اپنے رسُول کی باتوں کو یاد نہ رکھا۔ قرآن شریف کے پہلے سمجھنے والے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اور اس پر آپ عمل کرتے تھے۔ اور دوسروں کو عمل کراتے تھے۔ یہی سُنّت ہے اور اسی کو تعامل کہتے ہیں۔ اور بعد میں آئمہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اس سُنّت کو الفاظ میں لکھا اور جمع کیا اور اس کے متعلق تحقیقات اور چھان بین کی۔ پس وہ حدیث ہوئی۔ دیکھو بخاری اور مسلم کو۔ کیسی محنت کی ہے۔ آخر انہوں نے اپنے باپ دادوں کے اقوال تو نہیں لکھے۔ بلکہ جہانتک بس چلا صحت و صفائی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یعنی سُنّت کو جمع کیا۔ اور اکثر حدیثوں مثلاً بخاری کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برکت اور نُور ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہیں۔ مثلاً امامکم منکم کی حدیث کیسے صاف ظاہر کرتی ہے کہ مسیح تم میں سے ہوگا۔ اور یہ عیسائیوں کا ردّ ہے کیونکہ عیسائی فخر کرتے تھے کہ عیسٰی پھر آئے گا۔ اور دین عیسوی کو بڑھائے گا۔ لیکن آنحضرتؐ نے سُنایا کہ ہم نے اس کو آسمان پر دیگر فوت شدہ لوگوں میں دیکھا۔ اور پھر فرمایا کہ جو آنیوالا مسیح ہے وہ امامکم منکم ہوگا۔ غرض احادیث کے متعلق ایسا کلمہ نہیں بولنا چاہیئے۔ ہاں اس معاملہ میں غلو بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اس کو قرآن اور تعامل سے بڑھ کر سمجھا جائے۔ بلکہ جو کچھ قرآن اور سُنّت

کے مطابق حدیث میں لکھا ہو۔ اس کو ماننا چاہیئے کیونکہ جب حدیث کی کتابیں نہ تھیں۔ تب بھی لوگ نمازیں پڑھتے تھے۔ اور تمام شعائر اسلام بجالاتے تھے۔

پس قرآن شریف کے بعد تعامل یعنی سنت ہے۔ اور پھر حدیث ہے جو اُن کے مطابق ہو

مولوی محمد حسین نے پہلے اپنے رسالہ اشاعت السُّنہ میں ایسا ہی ظاہر کیا تھا کہ جو لوگ خدا سے وحی اور الہام پاتے ہیں وہ اپنے طور پر براہ راست احادیث کی صحت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت قواعد علم حدیث کی رُو سے ایک حدیث موضوع ہوتی ہے اور اُن کے نزدیک صحیح اور ایک حدیث صحیح قرار دی ہوئی اُن کے نزدیک موضوع۔ غرض بات یہ ہے کہ قرآن اور سُنّت اور حدیث تین مختلف چیزیں ہیں۔

مولوی محمد حسین کے متعلق حضرت اقدس کا ایک پُرانا خواب

اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنا پُرانا خواب مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق بیان فرمایا۔ جو کہ کتاب سراج منیر کے آخر میں درج ہے۔ اور فرمایا۔ کہ

یہ بات ۹۴ء یا ۹۵ء کی ہے جب ہم نے یہ رویا دیکھا تھا کہ ہم نے جماعت کرائی ہے اور نماز عصر کا وقت ہے۔ اور ہم نے قرأت پہلے بلند آواز سے کی ہے۔ پھر ہم کو یاد آیا۔ اور اس کے بعد ہم نے محمد حسین سے کہا کہ ہم خدا کے سامنے جائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں ہر بات میں صفائی ہو اگر ہم نے آپ کے متعلق کچھ سخت الفاظ کہے ہوں تو آپ معاف کر دیں۔ اس نے کہا میں معاف کرتا ہوں پھر ہم نے کہا ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے دعوت کی اور اس نے عذر خفیف کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور ایک شخص سلطان بیگ نام چبوترہ پر قریب الموت تھا۔ اور ہم نے کہا کہ ایسا ہی مقدر تھا کہ اس کے مرنے کے وقت یہ واقعہ ہو۔ اور ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ بہاؤالدین کے مرنے کے وقت یہ بات ہو۔

اس خواب کے بعد فرمایا۔

واللہ اعلم بالصّواب۔ خواب میں تعیّنات شخصیہ ضروری نہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے مولوی محمد حسین صاحب کے ان دنوں کی حالت کا ذکر کیا۔ جب وہ بات بات میں خاکساری دکھلاتے اور قدم قدم پر اخلاص رکھتے تھے اور جُوتے اُٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھتے تھے۔ اور وضو کراتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں مولویت کو نہیں چاہتا۔ مجھے اجازت دو تو میں قادیان میں آ رہوں اور فرمایا۔ کہ

کسی وقت کا اخلاص اور خدمت انسان کے کام آجاتا ہے۔ شاید ان وقتوں کا اخلاص ہی ہو جو بالآخر مولوی محمد حسین صاحب کو اس سلسلہ کی طرف رجُوع کرنے کی توفیق دے۔ کیونکہ وہ بہت ٹھوکریں کھا چکے ہیں۔ اور آخر دیکھ چکے ہیں کہ خدا کے کاموں میں کوئی حارج نہیں ہو سکتا۔

فرمایا۔ کہ

ایسا ہی اجتہادی طور پر ہمیں بعض لوگوں پر بھی حُسن ظن ہے کہ وہ کسی وقت رجُوع کریں۔ کیونکہ ایک دفعہ الہام ہوا تھا۔ کہ

"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں۔ وسوسہ پڑ گیا ہے پر مٹی نظیف ہے۔ وسوسہ نہیں رہے گا۔ مٹی رہے گی۔"

اس کے بعد چند مختلف باتیں ہو کر نماز عشا ادا کی گئی۔

۱۳؍ اگست ۱۹۰۲ء

نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس نے کل کی تجویز کی تکمیل کے لئے فرمایا:۔

مخالفین کے اہم اعتراضات جمع کر لینے کا ارشاد

بہت بہتر ہو کہ اگر مخالفین کی کُل کتابیں جمع کر کے اُن کے اہم اعتراضات کو یکجا کر لیا جاوے۔ تاکہ اُن کا جواب بھی ہماری اس کتاب میں آجاوے اور یہ کتاب تمام مسائل کی جامع ہو جاوے۔

اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے اس چِٹھی کے مضمون کا تتمہ پڑھ کر سُنایا جو امریکہ کے

مشہور کاذب مفتری الیاس ڈاکٹر ڈوئی کے نام مقابلہ کے لئے لکھی گئی ہے۔

خلاصہ تتمہ چیٹھی بنام الیاس ڈاکٹر ڈوئی

اس تتمہ کا خلاصہ یہ ہے۔حضرت اقدسؑ نے اس میں لکھا ہے۔کہ

صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار وہ امر کبھی نہیں ہو سکتا۔جو مختلف قوموں میں بطور امر مشترک ہو۔مثلاً سلب امراض کا طریق ہے۔جس پر ڈاکٹر ڈوئی لاف زنی کیا کرتا ہے کہ فلاں شخص اچھا ہو گیا۔اور فلاں نے صحت پائی۔یہ طریق اس قسم کا ہے کہ اس کے لئے راستباز اور متقی ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔چہ جائیکہ یہ کسی کے مامور ہونے پر گواہ ہو سکے کیونکہ سلب امراض کا طریق ہندوؤں یہودیوں عیسائیوں میں یکساں پایا جاتا ہے۔اور مسلمانوں میں بھی بعض لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں۔حضرت مسیح جب سلب امراض کے معجزات دکھاتے تھے۔اس وقت بعض یہودی بھی اس قسم کے کام کرتے تھے اور ایک تالاب بھی ایسا تھا۔جس میں غسل کرنے سے بعض مریض اچھے ہو جاتے تھے۔

غرض حضرت حجۃ اللہ نے پہلے اس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ جو امر مختلف قوموں میں مشترک ہے اور جس کے لئے نیک وبد کی کوئی تمیز نہیں۔صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار نہیں ہو سکتا۔پھر اس امر پر بحث کی ہے کہ اس کی ایک صورت ہے کہ کچھ بیمار لے کر بطور قرعہ اندازی صادق اور کاذب کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ایسی صورت میں صادق کے حصہ کے مریض بمقابلہ کاذب زیادہ اچھے ہوں گے۔اس امر کے بیان میں یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طریق کو اپنے ملک میں اپنے مخالفوں کے سامنے میں نے پیش کیا ہے۔مگر کوئی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔

پھر حضرت اقدس نے ڈوئی کی اس تحدی پر بحث کی ہے جو اس نے اپنے مخالفوں کے لئے کی ہے۔کہ میرے مخالف ہلاک ہو جائیں گے خصوصاً مسلمان۔حضرت حجۃ اللہ نے بڑے پُرزور اور پُرشوکت الفاظ میں لکھا ہے۔کہ:-

کُل مسلمانوں کو ہلاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اور علاوہ ازیں یہ امر مشکوک ہو سکتا ہے۔

اس کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ مسلمان ہلاک تو ہو ہی جائیں گے مگر پچاس یا ساٹھ سال کے اندر۔
اور وہ خود اس عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا۔ پھر کون اُس سے پوچھنے والا ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ سارے
مسلمانوں کو چھوڑ کر میرے مقابلہ میں آئے اور میں عیسائیوں کے خودساختہ خدا کی نسبت تمام
مسلمانوں سے زیادہ کراہت اور نفرت رکھتا ہوں۔ یہانتک کہ اگر کُل مسلمانوں کی نفرت عیسائیوں
کے خدا کی نسبت ترازو کے ایک پلہ میں رکھ دی جاوے اور میری نفرت ایک طرف تو میرا پلہ اس سے
بھاری ہوگا۔ اور میں ایسے شخص کو جو عورت کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے بہت
ہی بڑا گنہگار اور ناپاک انسان سمجھتا ہوں۔ مگر ہاں میرا یہ مذہب ہے کہ مسیح ابن مریم رسُول اس
الزام سے پاک ہے۔ اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ میں اُسے اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں۔ اگرچہ
خدا تعالیٰ کا فضل مجھ پر اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کے
کام سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔ تاہم میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں اور میں نے اُسے بارہا
دیکھا ہے۔ ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا۔ اس لئے میں
اور وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔

غرض اس طرح پر حضرت حجۃ اللہ نے بلحاظ اپنے کام اور ماموریت کے اور خدا تعالیٰ کے اُن
فضلوں اور احسانوں کے جو حضرت مسیح موعود کے شامل حال ہیں تحدیث بالنعمت اور تبلیغ کے طور پر ذکر
فرمایا اور یہاں تک کہا۔ کہ

مَیں خُدا سے ہُوں اور مسیح مجھ سے ہے،

ان امُور کے پیش کرنے کے بعد آپ نے پھر پُر شوکت اور تحدی کے ساتھ اس کو مقابلہ کیلئے
دعوت کی ہے۔ کہ

اگر وہ سچا ہے تو اُسے چاہیئے کہ میرے مقابلہ کے لئے نکلے اور یہ دُعا کرے کہ
ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ صادق کے سامنے ہلاک ہو۔

یہ خُلاصہ ہے اس تتمہ کا جو ہم نے اپنے طور پر لکھا ہے۔ اصل چٹھی ستمبر کے اخیر تک انشاءاللہ

شائع ہو سکے گی۔

عیسائیوں کا خُدا ذبح ہوتا اور کھایا جاتا ہے

آج کی ڈائری میں ایک امر ہم نے فروگذاشت کیا تھا۔ اسے یہاں درج کر دینا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے حضرت صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ الاحد کے ایک کبوتر کو بلّی نے پکڑا جو ذبح کر لیا گیا۔ فرمایا کہ

اس وقت میرے دل میں تحریک ہوئی کہ گویا عیسائیوں کے خُدا کو ہم نے ذبح کر کے کھا لیا ہے۔ پھر فرمایا کہ

انگریز بھی کبوتر کا شکار کرتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی قربانیوں میں بھی شاید اس کا تذکرہ ہے۔ بہرحال کبوتر ہمیشہ کھائے جاتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عیسائیوں کے خدا ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی کفّارہ تو نہیں ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ - ۱۲ پرچہ ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء)

۱۶ اگست ۱۹۰۲ء بوقت شام

رزق میں قبض و بسط

حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حلقۂ خدام میں بیٹھ گئے۔ کسی شخص نے ایک رُقعہ دیا۔ جو دفتر میگزین میں محرر کی اسامی کے لئے سفارش کی خواہش پر مشتمل تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ

قبض بسط رزق کا سِر ایسا ہے کہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک طرف تو مومنوں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وعدے کئے ہیں۔ مَن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ[1]۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے۔ اُس کے لئے اللہ کافی ہے۔ من یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب[2]۔ جو اللہ تعالیٰ کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے

[1] الطلاق: ۴ [2] الطلاق: ۳-۴

رزق دیتا ہے کہ اُس کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وفی السماء رزقکم وما توعدون[1]
اور پھر اللہ تعالےٰ اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے کہ فو ربّ السّماء والارض انّہٗ لحقٌّ[2]۔
آسمان اور زمین کے رب کی قسم ہے کہ یہ وعدہ سچ ہے۔ جیساکہ تم اپنی زبان سے بول کر انکار نہیں
کرسکتے جبکہ اس قسم کے وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ پھر باوجود ان وعدوں کے دیکھا
جاتا ہے کہ کئی آدمی ایسے دیکھے جاتے ہیں جو صالح اور متقی اور نیک بخت ہوتے ہیں اور ان کا
شعار اسلام صحیح ہوتا ہے۔ مگر وہ رزق سے تنگ ہیں۔ رات کو ہے تو دن کو نہیں۔ اور دن کو ہے
تو رات کو نہیں۔

جُملہ معترضہ | یہاں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ جب میں پہلے یہاں آیا۔ تو حضور
علامات المقربین ایک رسالہ لکھ رہے تھے۔ واپسی پر گجرات ٹھہرا۔ تو ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا
کہ آج کل مرزا صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ[3] کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔
اس نے کہا کہ یہ کفار آرام میں نہیں ؟ سارا دن بگھیاں چلتی رہتی ہیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ
آپ کے اس آیت کے پڑھنے سے ایک اور آیت یاد آگئی۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ[4]۔
غرض یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں۔ مگر تجربہ دلالت کرتا ہے کہ یہ
امور خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتے۔ ہمارا یہ مذہب کہ وہ وعدے جو خدا تعالیٰ نے کئے ہیں کہ
متقیوں کو خود اللہ تعالےٰ رزق دیتا ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔ یہ
سب سچے ہیں۔ اور سلسلہ اہل اللہ کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی ابرار میں سے ایسا نہیں ہے۔ کہ
بھوکا مرا ہو۔ مومنوں نے جن پر شہادت دی اور جن کو اتقیا مان لیا گیا۔ یہی نہیں کہ وہ فقر و فاقہ
سے بچے ہوئے تھے۔ گو اعلیٰ درجہ کی خوشحالیاں نہ ہوں۔ مگر اس قسم کا اضطراری فقر و فاقہ بھی
کبھی نہیں ہوا۔ کہ عذاب محسوس کریں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فقر اختیار کیا ہوا تھا۔ مگر
آپ کی سخاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود آپ نے اختیار کیا ہوا تھا نہ کہ بطور سزا تھا۔ غرض
اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں۔ کہ بظاہر متقی

[1] الذاریات: ۲۳ [2] الذاریات: ۲۴ [3] الانفطار: ۱۴ [4] الرحمٰن: ۴۷

اور صالح ہوتے ہیں مگر رزق سے تنگ ہوتے ہیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے تو سب سچے ہیں لیکن انسانی کمزوری ہی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے

کیا یورپ کے عیسائیوں کو جنت حاصل ہے؟ یا متقیوں کو

حکیم الامت اور لندن کا خط | حضرت مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب نے پھر ذکر کیا کہ لندن سے ایک شخص نے مجھے خط لکھا ہے کہ لندن آکر دیکھو کہ جنت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مسلمانوں کو۔ میں نے اس کو جواب لکھا کہ سچی عیسائیت مسیح اور اس کے حواریوں میں تھی اور سچا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں تھا۔ پس ان دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے بہ تسلسل کلام سابق پھر ارشاد فرمایا۔

اِن رُوحانی امور میں ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ نتیجہ نکال لے۔ یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں۔ وہ وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ بڑی آزادی ہے۔ شرابخوری کی اس قدر کثرت ہے کہ ساٹھ میل تک شراب کی دوکانیں چلی جاتی ہیں۔ زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟ بہشت سے یہ مُراد نہیں ہے۔ دیکھو۔ انسان کی بھی بیوی ہے اور وہ تعلقات زوجیت رکھتا ہے اور پرندوں اور حیوانوں میں بھی یہ تعلقات ہوتے ہیں۔ مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک نظافت اور ادراک بخشا ہے۔ انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ آیا ہے اُن کے ساتھ وہ ان تعلقات زوجیت میں زیادہ لُطف اور سرور حاصل کرتا ہے بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس اور ادراک نہیں رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے جیسے کُتّے۔

پس اگر انسان ان حواس کے ساتھ سرور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر اُن میں اور حیوانوں میں کیا فرق ہوا۔ یہ جو فرمایا ہے۔ کہ مومن کے لئے ہی جنت ہے۔ یہ اس لئے فرمایا ہے۔ کہ سچی راحت دنیا کی لذّات سے تب پیدا ہوتی ہے جب تقویٰ ساتھ ہو جو تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے اور حلال و حرام کی قید کو اُٹھا دیتا ہے وہ تو اپنے مقام سے نیچے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔

لندن میں جب ہائیڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں۔ اور کوئی شرم وحیا ایک

دوسرے سے نہیں کیا جاتا۔ تو پھر ایک شخص انسانیت کو ضبط رکھ کر دیکھے تو ایسی بہشت اور راحت سے ہزار توبہ کرے گا کہ ایسی دیُوث اور بے غیرت جماعت سے خدا بچائے۔ ایسی جماعت کو جو ایسی زندگی بسر کرتی ہے بہشت میں سمجھنا حماقت ہے۔ اصل یہی ہے کہ بہشت کی کلید تقویٰ ہے۔ جس کو خدا تعالےٰ پر بھروسہ نہیں۔ اسے سچی راحت کیونکر مل سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ جن کو خدا پر بھروسہ نہیں اور اُن کے پاس روپیہ تھا وہ چوری چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبان بند ہوگئی۔ اور اُن (کفّار) کو جو بہشت میں کہا جاتا ہے۔ اُن کی خودکشیوں کو دیکھو کہ کس قدر کثرت سے ہوتی ہیں۔ تھوڑی تھوڑی باتوں پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ضعیف القلب اور پست ہمّت ہوتے ہیں۔ کہ غم کی برداشت اُن میں نہیں ہے۔ جس کو غم کی برداشت اور مصیبت کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس کے پاس راحت کا سامان بھی نہیں ہے۔ خواہ ہم اس کو سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں اور کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ حقیقت الامر یہی ہے کہ لذائذ کا مزہ صرف تقویٰ ہی سے آتا ہے۔ جو متقی ہوتا ہے اس کے دل میں راحت ہوتی ہے۔ اور ابدی سرُور ہوتا ہے۔ دیکھو ایک دوست کے ساتھ تعلق ہو۔ تو کس قدر خوشی اور راحت ہوتی ہے لیکن جس کا خدا سے تعلق ہو اُسے کس قدر خوشی ہو گی۔ جس کا تعلق خدا سے نہیں ہے۔ اسے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اور امید ہی تو ایک چیز ہے جس سے بہشتی زندگی شروع ہوتی ہے۔

ان مہذّب ممالک میں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ جن سے پایا جاتا ہے کہ کوئی راحت نہیں۔ ذرا راحت کا میدان گم ہوا اور جھٹ خودکشی کر لی۔ لیکن جو تقویٰ رکھتا ہے اور خدا سے تعلق رکھتا ہے، اُسے وہ جاودانی خوشی حاصل ہے جو ایمان سے آتی ہے۔

دنیا کی تمام چیزیں معرضِ تغیر و تبدّل میں ہیں۔ مختلف آفات آتی رہتی ہیں۔ بیماریاں حملے کرتی ہیں۔ کبھی بچے مر جاتے ہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی دُکھ یا تکلیف رہتی ہے۔ اور دُنیا جائے آفات ہے۔ اور یہ امور سُکھ کی نیند انسان کو سونے نہیں دیتے۔ جس قدر تعلقات وسیع ہوتے ہیں اسی قدر آفتوں اور مصیبتوں کا میدان وسیع ہوتا ہے۔ اور یہ آفتیں اور بلائیں انسان کے منزلی

تعلقات میں ایک غم کو پچاس بنا دیتی ہیں۔کیونکہ اگر اکیلا ہو تو غم کم ہو۔مگر جب بچے ، بیوی، ماں باپ۔بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار رکھتا ہے۔تو پھر ذراسی تکلیف ہوئی اور یہ آفت میں پڑا۔اس قدر مجموعہ کے ساتھ تو اُس وقت راحت ہو سکتی ہے۔جب کسی کو کوئی بیماری اور آفت نہ ہو اور کوئی تکلیف میں نہ ہو۔

صرف مال مُوجب راحت نہیں ہے

یہ بات بھی غلط ہے کہ مال سے راحت ہو۔نرے مال سے راحت نہیں ہے۔اگر مال ہے صحت اچھی نہیں مثلاً معدہ خراب ہے۔تو وہ کیا بہشتی زندگی ہوگی۔اس سے معلوم ہوا کہ مال بھی راحت کا باعث نہیں۔سچی بات یہی ہے کہ جو خدا سے تعلق رکھتا ہے وہی ہر پہلو سے بہشتی زندگی رکھتا ہے۔کیونکہ اللہ قادر ہے کہ وہ بلائیں اور آفتیں نہ آئیں اور مالی اضطرار بھی نہ ہو۔یا آئیں تو دل میں ایسی قوت اور ہمت بخش دے کہ وہ اُن کا پورا مقابلہ کر سکے۔

جس قدر پہلو انسان کی عافیت کے لئے ضروری ہے وہ کسی بادشاہ کے بھی ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ وہ سب ایک ہی کے ہاتھ میں ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔جسے چاہے دیدے۔

بعض لوگ اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ روپیہ پیسہ سب کچھ موجود ہیں۔مگر مسلول مدقوق ہو جاتے ہیں۔اور زندگی انہیں تلخ معلوم ہوتی ہے۔پس ان کروڑوں آفات کا جو انسان کو لگی ہوئی ہیں۔کون بندوبست کر سکتا ہے۔اور اگر رنج بھی ہو تو صبرِ جمیل کون دے سکتا ہے؟ اللہ ہی ہے جو عطا کرے۔

صبر بھی بڑی چیز ہے۔جو بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت بھی غم کو پاس نہیں آنے دیتا۔بعض امیر ایسے ہوتے ہیں کہ عافیت اور راحت کے زمانہ میں بڑے مغرور اور متکبر ہوتے ہیں اور ذرا رنج آگیا تو بچوں کی طرح چلا اُٹھے۔اب ہم کس کا نام لے سکتے ہیں کہ اس پر حوادث نہ آئیں اور متعلقین کو رنج نہ پہنچے؟ کسی کا نام نہیں لے سکتے۔ یہ بہشتی زندگی کس کی ہو سکتی ہے۔ صرف اُس شخص کی جس پر خدا کا فضل ہو۔

اس لئے یہ بڑی غلطی ہے جو یونہی کسی کے سفید کپڑے دیکھ کر کہہ دیتے ہیں۔ کہ وہ بہشتی زندگی رکھتے ہیں۔ اُن سے جا کر پوچھو تو معلوم ہو کہ کتنی بلائیں سُناتے ہیں۔ صرف کپڑے دیکھ کر یا بگھیوں پر سوار ہوتے دیکھ کر شراب پیتے دیکھ کر ایسا خیال کر لینا غلط ہے۔ ماسوا اس کے اباحتی زندگی بجائے خود جہنم ہے۔ کوئی ادب اور تعلق خدا سے نہیں۔ اس سے بڑھ کر جہنمی زندگی کیا ہو گی۔ کتا خواہ مُردار کھالے خواہ بدکاری کرے۔ کیا وہ بہشتی زندگی ہو گی؟ اسی طرح پر جو شخص مُردار کھاتا ہے اور بدکاریوں میں مبتلا ہے۔ حرام و حلال کے مال کو نہیں سمجھتا۔ یہ لعنتی زندگی ہے۔ اس کو بہشتی زندگی سے کیا تعلق۔

یہ سچ ہے۔ کہ بہشتی زندگی یہیں ہوتی ہے مگر اُن کی جن کو خدا پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ھو یتولّی الصالحین[1] کے وعدہ کے موافق خدا تعالیٰ کی حفاظت اور تولی کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور جو خدا تعالیٰ سے دُور ہے۔ اس کا ہر دن ترساں و لرزاں ہی گذرتا ہے۔ وہ خوش نہیں ہو سکتا۔ سیالکوٹ میں ایک شخص رشوت لیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ میں ہر وقت زنجیر ہی دیکھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ بُرے کام کا انجام بَد ہی ہونا چاہیئے۔ اس لئے بدی ایسی چیز ہے کہ رُوح اس پر راضی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر بدی میں لذت کہاں۔ ہر بُرے کام پر آخر دل پر ٹھوکر لگتی ہے اور ایک کثافت انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ کیا حماقت کی اور اپنے اُوپر لعنت کرتا ہے۔ ایک شخص نے تو بارہ آنے کے عوض میں ایک بچہ مار دیا تھا۔

غرض زندگی بجز اس کے کوئی نہیں کہ بدی سے بچے۔ اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ مصیبت سے پہلے جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے مصیبت کے وقت خدا اس کی مدد کرتا ہے جو پہلے سویا ہوا ہے وہ مصیبت کے وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر

خیالِ زلفِ تو جستن نہ کارِ خاماں است
کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

خدا تعالیٰ غنی ہے۔ بیکانیر وغیرہ میں جو قحط پڑے تو لوگ بچوں تک کو کھا گئے۔

[1] الاعراف : ۱۹۷

یہ اسی لئے ہوا کہ وہ کسی کے ہو کر نہیں رہے۔ خدا کے ہو کر رہتے تو بچوں پر یہ بلا نہ آتی حدیث شریف اور قرآن مجید سے ثابت ہے اور ایسا ہی پہلی کتابوں سے بھی پایا جاتا ہے کہ والدین کی بدکاریاں بچوں پر بھی بعض وقت آفت لاتی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے وَلَا یَخَافُ عُقْبٰھَا[1]۔ جو لوگ لاابالی زندگی بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو دنیا میں جو اپنے آقا کو چند روز سلام نہ کرے تو اس کی نظر بگڑ جاتی ہے۔ تو جو خدا سے قطع کرے پھر خدا اس کی پرواہ کیوں کرے گا۔ اسی پر وہ فرماتا ہے کہ وہ اُن کو ہلاک کر کے اُن کی اولاد کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو متقی صالح مَر جاوے اس کی اولاد کی پروا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت سے بھی پتہ لگتا ہے۔ وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا[2] اس باپ کی نیکی اور صلاحیت کے لئے خضر اور موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو مزدور بنا دیا کہ وہ ان کی دیوار درست کر دیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا کیا درجہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے لڑکوں کا ذکر نہیں کیا چونکہ ستّار ہے۔ اس لئے پردہ پوشی کے لحاظ سے اور باپ کے محلِ مدح میں ذکر ہونے کی وجہ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

پہلی کتابوں میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ کہ سات پشت تک رعایت رکھتا ہوں حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی متقی کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ غرض نشاط خدا کا رزق ہے جو غیر کو نہیں ملتا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۷ مؤرخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء)

---

۹ راگست ۱۹۰۲ء (صفحہ ۴۱۴ پر تاریخ ہذا کے جو ملفوظات درج ہونے سے رہ گئے۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں)

قیصر کی تاجپوشی

سیر میں مختلف تذکروں کے بعد قیصر ہند کی تاجپوشی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ

رعیت کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ شاہ ایڈورڈ ہفتم ہندوستان کے سرپرست ہوئے

[1] الشمس: ۱۶ [2] الکہف: ۸۳

میری رائے تو یہ ہے کہ نوجوان بادشاہ کی نسبت بُوڑھا بادشاہ رعایا کے لئے بہت ہی مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ نوجوان اپنے جذبات اور جوش کے نیچے کبھی کبھی رعایا کے حقوق اور نگہداشت کے طریقوں میں فروگذاشت کر بیٹھتا ہے۔ مگر عمر رسیدہ بادشاہ اپنی عمر کے مختلف حصوں میں گذر جانے کے باعث تجربہ کار ہوتا ہے۔ اس کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ رعایا کے لئے بہت ہی مفید اور خیر خواہ ہوتا ہے۔

۱۰؍ اگست ۱۹۰۲ء (صفحہ ۳۱۷ پر تاریخ ہذا کے جو ملفوظات درج ہونے سے رہ گئے۔ وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں)

ایمان ہی سچا مسکّن ہے

۱۰؍ اگست کی سیر میں شیعوں کے لاہوری مجتہد سیّد علی حائری کے دوسرے اشتہار یا رسالہ کا تذکرہ تھا جس میں علی حائری نے لغو اور بے معنی طریق پر حضرت امام حسین کی فضیلت کو کُل انبیاءؑ پر ثابت کرنے کی بالکل بیہودہ کوشش کی ہے۔ اور ضمناً اس امر پر بھی ذکر ہوا۔ کہ ہمارے مخالفین مکذبین کا جو انجام ہوا ہے وہ ایک زبردست نشان ہے مثلاً غلام دستگیر کا اپنی کتاب میں مباہلہ کرنا اور پھر اس کے چند روز بعد مرجانا۔ یا مولوی اسمٰعیل علیگڈھی کا مباہلہ کرنا اور ہلاک ہونا۔ ایسا ہی لُدھیانہ کے اوّل المکذبین مولوی عبدالعزیز کا تباہ ہونا یا دوسرے مخالفوں کا مختلف اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور اس سلسلہ کا کامیاب اور بامُراد ہونا یہ عظیم الشّان نشان ہے۔

پھر باتوں ہی باتوں میں جناب نواب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ مومن ہی دنیا و آخرت میں سچا سکھ پاتا ہے۔ جس پر وہ شخص کہنے لگا۔ کہ پھر سب سے بڑے مومن تو انگریز ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ وہ عنوان ہے جو ہم نے اس نوٹ کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

یہ بات غلط ہے کہ سچا سکھ یا راحت کفّار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے

کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے ایسے غلام ہیں اور اُن کے حوصلے کیسے پست ہیں۔ اگر اطمینان اور سکینت ہو تو پھر خودکشیاں کیوں کرتے ہیں۔ ایک مومن کبھی خودکشی نہیں کرسکتا جیسے شراب اور دوسرے نشے بظاہر غم غلط کرنے والے مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنے والا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے۔ یہ مومن ہی کے لئے ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔[1]

مخلوق پرست دانشمند کہاں!

حضرت امام حسین کی فضیلت کے دلائل یا دعاوی جو سید علی حائری نے بیان کئے ہیں۔ اُن کے تذکرے پر حضرت اقدس نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ کہ

مخلوق پرست کبھی دانشمند نہیں ہوسکتے۔ اور اب تو زمانہ بھی ایسا آگیا ہے۔ علمی تحقیقات اور ایجادوں نے خود دلوں پر ایک اثر کیا ہے اور لوگ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ یہ خیالی امور ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ پرچہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء)

۱۸ر اگست ۱۹۰۲ء کی شام

بیعت کی حقیقت

مرزا اعظم بیگ کے پوتے مرزا احسن بیگ نے بیعت کی درخواست کی۔ اس پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:۔

بیعت اگلے جمعہ کو کرلینا۔ مگر یہ یاد رکھو کہ بیعت کے بعد تبدیلی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد اپنی حالت میں تبدیلی نہ کی جاوے۔ تو پھر یہ استخفاف ہے۔ بیعت بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ درحقیقت وہی بیعت کرتا ہے جس کی پہلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہر ایک امر میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تعلقات معدوم ہو کر نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ جب صحابہ مسلمان ہوتے تو بعض کو ایسے امور پیش آتے تھے

[1] الرحمٰن: ۴۷

کہ احباب رشتہ دار سب سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابو جہل کے ساتھ اسلام سے پہلے ملتے تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے منصوبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی بطور انعام مقرر کیا۔ حضرت عمر اس کام کے لئے منتخب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمر کو پتہ ملا۔ کہ آدھی رات کو آپ کعبہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں چنانچہ یہ کعبہ میں آکر چھپ رہے۔ اور انہوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی آواز آتی ہے اور وہ آواز قریب آتی گئی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں آ داخل ہوئے۔ اور آپؐ نے نماز پڑھی حضرت عمر کہتے ہیں کہ آپؐ نے سجدہ میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی جرأت نہ رہی چنانچہ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آپؐ آگے چلے۔ پیچھے پیچھے میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور آپؐ نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا کہ عمر۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمرؓ! نہ تو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ رات کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ آپ بد دعا کریں گے۔ اس لئے میں نے کہا کہ حضرت آج کے بعد میں آپ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ وعدہ کا لحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے یقین کر لیا۔ مگر دراصل حضرت عمر کا وقت آپہنچا تھا۔ آنحضرتؐ کے دل میں گذرا کہ اس کو خدا ضائع نہیں کرے گا چنانچہ آخر حضرت عمر مسلمان ہوئے اور پھر وہ دوستیاں وہ تعلقات جو ابو جہل اور دوسرے مخالفوں سے تھے۔ یکلخت ٹوٹ گئے اور ان کی جگہ ایک نئی اخوت قائم ہوئی۔ حضرت ابو بکر اور دوسرے صحابہ ملے اور پھر ان پہلے تعلقات کی طرف کبھی خیال تک نہ آیا۔

غرض اس سلسلہ میں جو ابتلاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور بہت سی موتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ ان انسانوں میں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان میں بعض بزدل بھی ہوتے ہیں۔ شجاع بھی ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بزدل ہوتے ہیں۔ کہ صرف قوم کی کثرت کو دیکھ کر ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان بات کو تو پورا کر لیتا ہے مگر ابتلا کے سامنے ٹھہرنا

مشکل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ[1] یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ایمان لائیں اور امتحان نہ ہو۔ غرض امتحان ضروری شئے ہے۔ اس سلسلہ میں جو داخل ہوتا ہے وہ ابتلا سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ ایک طرف ہیں اور باپ الگ۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء)

---

۱۹ اگست ۱۹۰۲ء کی شام

مخالف مولوی اور حضرت مسیح موعودؑ

متقی کا منہ تو ایسے بند ہوتا ہے جیسے منہ میں روڑے ڈالے ہوئے ہوں۔ متقی کبھی کفر کا دائرہ وسیع کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ ایمان کا دائرہ وسیع کرنا چاہتا ہے۔ ان مخالف مولویوں کی نسبت میرا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں صفائی نہیں ہے۔ اور ملونی سے ضرور بھرے ہوئے ہیں۔ مگر یہ میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ ان سے یہ کمینہ پن ظاہر ہوگا۔ جو انہوں نے اب میری مخالفت میں ظاہر کیا ہے

چونکہ عمر گذرتی جاتی ہے جیسے برف ڈھلتی ہے اس لئے ہر روز یہ خیال آتا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہو جو اُن کے پاس جاوے اور اُن کو فیصلہ کی راہ پر لاوے اور بتائے کہ ایک وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کی نقل فرماتا ہے۔ ربّ لا تذرنی فردًا[2] اور ربّ اَرِنِی کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی[3]۔ وہ زمانہ کہاں کہ دو آدمی ثابت کرنے مشکل ہیں۔ اور یا اب یہ زمانہ ہے کہ فوجوں کی فوجیں آ رہی ہیں قبل از وقت کہ جیسا کہا تھا وہ کر دیا اور کر رہا ہے اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ اگر کوئی سمجھنے والا ہو تو اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا نے اپنی سنت قدیمہ کے موافق کیا اور جس طرح رسل آتے ہیں وہ اسی طرح پہچانے جاتے ہیں۔ مجھے انہیں آثار اور نشانات کے ساتھ شناخت کرو جو خدا کی طرف سے آتے ہیں وہ خدا کی محکم ہدایات کے خلاف نہیں کرتے۔ ایسا نہیں کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیں۔ دوسرے وہ ایسے وقت میں آتے ہیں۔ کہ وہ ضرورت کا وقت ہوتا ہے تیسرے یہ کہ تائید الٰہی کے بدوں نہیں

[1] العنکبوت: ۳ [2] الانبیاء: ۹۰ [3] البقرۃ: ۲۶۱

ہوتے صریح نظر آتا ہے کہ خدا تائید کرتا ہے۔

سچائی معلوم کرنے کی تین راہیں

جہانتک میں خیال کرتا ہوں۔ سچائی کے تین ہی راہ ہیں۔ اوّل نصوص قرآنیہ وحدیثیہ۔ دوسرے عقل اور تیسرے خدا تعالےٰ کے تائیدات۔ ان تینوں ذریعوں سے جو چاہے ہم سے ثبوت لے مگر انسان بن کر نہ سفلہ پن کی طرح۔ ہم سب کو دعوت دیتے ہیں خواہ سو روپیہ روز خرچ ہو جاوے۔ آکر آدمیت سے پوچھ لیں۔ اب دُور بیٹھے ہیں۔ نہ کتاب ہے۔ نہ غور ہے۔ نہ فکر ہے۔ سفلہ لوگوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر کام کرتے ہیں۔ یہ طریق تو تقویٰ کے خلاف ہے۔ اگر کوئی انسان ایسا ہو جو اُن پر رعب داب رکھتا ہو وہ انہیں جا کر سمجھائے۔ دنیا دار لوگ اگر اُن کو کہیں تو اُن سے ڈرتے ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا دنیا دار ہو جس کو اس طرف توجہ ہو اور اُن کو سمجھائے اور یہی خیال کرے۔ کہ اسلام میں پھُوٹ پڑ رہی ہے۔ اس کو ہی دور کیا جاوے۔ غرض ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ راہ پر آویں۔ اور ہماری مخالفت کر کے تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ خدا تعالےٰ خود اپنی تائید کر رہا ہے۔ پرنالہ کا پانی تو ایک اینٹ سے بند کر سکتے ہیں مگر آسمان کا کون بند کر سکتا ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ چراغ کو تو پھُونک مار کر بجھا دیتے ہیں مگر چاند سورج کو تو کوئی پھُونک مار کر بجھا دے۔ خدا کے کام اُونچے ہیں۔ انسان کی پیش رفت نہیں جاتی۔ وہاں نہ غبارہ جاوے نہ ریل۔ یہ بھی عظمت الٰہی ہے۔ تعالےٰ شانہٗ کا مصداق ہے۔ آسمانی امور اُونچے ہیں۔ وہ تو آگے ہی آگے جاتے ہیں۔

عذاب سے متعلق خدا تعالیٰ کی سُنّت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے گاؤں سے آٹھ آدمیوں نے خط بھیجا ہے کہ اگر سچے ہو تو ہم پر عذاب نازل ہو جاوے۔ فرمایا:۔

خدا تعالےٰ کے کام میں جلدی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دُکھ دیئے گئے اور بعض ایسے بیباک اور شریر تھے جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر پتھر برسیں۔ مگر اسی وقت تو اُن پر پتھر نہ برسے۔ خدا تعالےٰ کی سنّت یہ نہیں کہ اسی وقت عذاب نازل کرے۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ

کو گالیاں دے تو کیا اسی وقت اس پر عذاب آجاوے گا۔ عذاب اپنے وقت پر آتا ہے جبکہ جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکھرام ایک آریہ تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت گالیاں دیا کرتا تھا۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس کی شرارتوں اور شوخیوں کے بدلے اس کو سزا دی۔ اور وہی زبان چھری ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوئی جس سے وہ ٹکڑے کیا گیا۔ پس خدا تعالےٰ کی یہ سُنّت نہیں ہے کہ وہ اسی وقت عذاب دے۔ یہ لوگ کیسے بیوقوف اور بدقسمت ہوتے ہیں۔ عذاب مانگتے ہیں۔ ہدایت نہیں مانگتے۔

قومیت جائے فخر نہیں اصل تقویٰ ہے

اسی شخص نے کہا کہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ سیّد ہو کر اُمتی کی بیعت کرتے ہو؟ فرمایا:۔

خدا تعالےٰ نہ محض جسم سے راضی ہوتا ہے نہ قوم سے۔ اس کی نظر ہمیشہ تقویٰ پر ہے۔ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ[1] یعنی اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ بزرگی رکھنے والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔ یہ بالکل جھُوٹی باتیں ہیں۔ کہ میں سیّد ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان اور شیخ ہوں۔ اگر بڑی قومیت پر فخر کرتا ہے تو یہ فخر فضول ہے۔ مرنے کے بعد سب قومیں جاتی رہتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور قومیت پر کوئی نظر نہیں اور کوئی شخص محض اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فاطمہ کو کہا ہے کہ اے فاطمہ تو اس بات پر ناز نہ کر کہ تو پیغمبر زادی ہے۔ خدا کے نزدیک قومیت کا لحاظ نہیں۔ وہاں جو مدارج ملتے ہیں وہ تقویٰ کے لحاظ سے ملتے ہیں۔ یہ قومیں اور قبائل دنیا کا عُرف اور انتظام ہیں۔ خدا تعالیٰ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ ہی مدارج عالیہ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر کوئی سیّد ہو اور وہ عیسائی ہو کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اور خدا کے احکام کی بیحُرمتی کرے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو آلِ رسُول ہونے کی وجہ سے نجات دے گا۔ اور وہ بہشت میں داخل ہو جاوے گا۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ[2]۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تو سچا دین جو نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اسلام ہے۔

[1] الحجرات: ۱۴ [2] آل عمران: ۲۰

اگر کوئی عیسائی ہو جاوے یا یہودی ہو۔ یا آریہ ہو وہ خدا کے نزدیک عزت پانے کے لائق نہیں خدا تعالےٰ نے ذاتوں اور قوموں کو اُڑا دیا ہے۔ یہ دنیا کے انتظام اور عُرف کے لئے قبائل ہیں۔ مگر ہم نے خوب غور کر لیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے حضور جو مدارج ملتے ہیں اُن کا اصل باعث تقویٰ ہی ہے۔ جو متقی ہے وہ جنّت میں جائے گا۔ خدا تعالےٰ اس کے لئے فیصلہ کر چکا ہے۔ خدا تعالےٰ کے نزدیک معزز متقی ہی ہے۔ پھر یہ جو فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ[1] کہ اعمال اور دعائیں متقیوں کی قبول ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ مِنَ السَّیِّدِین۔ پھر متقی کے لئے تو فرمایا۔ مَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ[2]۔ یعنی متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیا جاتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کہ یہ وعدہ سیّدوں سے ہوا ہے یا متقیوں سے۔ اور پھر یہ فرمایا ہے کہ متقی ہی اللہ تعالےٰ کے ولی ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ بھی سیّدوں سے نہیں ہوا۔ ولایت سے بڑھ کر اَور کیا رُتبہ ہوگا۔ یہ بھی متقی ہی کو ملا ہے۔ بعض نے ولایت کو نبوّت سے فضیلت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے بڑھ کر ہے۔ نبی کا وجود دراصل دو چیزوں سے مرکّب ہوتا ہے۔ نبوّت اور ولایت نبوّت کے ذریعہ وہ احکام اور شرائع مخلوق کو دیتا ہے اور ولایت اس کے تعلقات کو خدا سے قائم کرتی ہے۔

پھر فرمایا ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ[3] ھُدًی لِلسَّیِّدِیْن نہیں کہا۔ غرض خدا تعالےٰ تقویٰ چاہتا ہے۔ ہاں سیّد زیادہ محتاج ہیں۔ کہ وہ اس طرف آئیں کیونکہ وہ متقی کی اولاد ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے آئیں نہ یہ کہ خدا تعالےٰ سے لڑیں کہ یہ سادات کا حق تھا۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء ؕ واللّٰہ ذو الفضل العظیم[4]

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے یہودی کہتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل کو نبوّت کیوں ملی۔ وہ نہیں جانتے۔ تلک الایام نداولہا بین النّاس[5]۔ خدا تعالیٰ سے اگر کوئی مقابلہ کرتا ہے۔ تو وہ

[1] المائدۃ: ۲۸ [2] الطلاق: ۳،۴ [3] البقرۃ: ۳ [4] الجمعۃ: ۵ [5] اٰل عمران: ۱۴۱

مردود ہے۔ وہ ہر ایک سے پُوچھ سکتا ہے۔ اُس سے کوئی نہیں پُوچھ سکتا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹۔۱۰ پرچہ ۲۴ر اگست ۱۹۰۲ء)

اگست ۱۹۰۲ء [1]

اخلاق الٰہیہ کا ذکر سُورۃ فاتحہ میں

سُورۃ فاتحہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے۔ اور اُس میں سب سے پہلی صفت ربّ العالمین بیان کی ہے جس میں تمام مخلوقات شامل ہے اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہیئے کہ تمام چرند پرند اور کل مخلوق اس میں آجاوے۔ پھر دوسری صفت رحمٰن کی بیان کی ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام جاندار مخلوق سے ہمدردی خصوصاً کرنی چاہیئے۔ اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔ غرض اس سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حصّہ لینا چاہیئے۔ اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہیئے۔ اگر دوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے۔ خواہ کوئی ہے اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اس کے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے۔ اور اس کا کوئی حق ہے تو اس کو پُورا کرنا چاہیئے۔

اعلیٰ اخلاق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک اپنے اخلاق دکھائے ہیں کہ بعض وقت ایک بیٹے کے لحاظ سے جو سچّا مسلمان ہے منافق کا جنازہ پڑھ دیا ہے بلکہ اپنا مبارک کُرتہ بھی دے

[1] اخبار میں یہ مضمون بلا تاریخ لکھا گیا ہے۔ اس پرچہ میں آخری تاریخ جس کی ڈائری درج کی گئی ہے ۱۹ر اگست ۱۹۰۲ء ہے اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ تقریر ۱۹ر اگست اور ۲۴ر اگست کے مابین کسی تاریخ کو ہوئی ہوگی۔ شمس

دیا ہے۔ اخلاق کا درست کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جبتک انسان اپنا مطالعہ نہ کرتا رہے۔ یہ اصلاح نہیں ہوتی۔ زبان کی بداخلاقیاں دشمنی ڈال دیتی ہیں۔ اس لئے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہیئے دیکھو کوئی شخص ایسے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں کرسکتا جس کو وہ اپنا خیرخواہ سمجھتا ہے۔ پھر وہ شخص کیسا بیوقوف ہے جو اپنے نفس پر بھی رحم نہیں کرتا۔ اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے جبکہ وہ اپنے قویٰ سے عمدہ کام نہیں لیتا اور اخلاقی قوتوں کی تربیت نہیں کرتا۔ ہر شخص کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے۔ البتہ وہ شخص جو سلسلہ عالیہ یعنی دین اسلام سے علانیہ باہر ہوگیا ہے اور وہ گالیاں نکالتا اور خطرناک دشمنی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ اَور ہے۔ جیسے صحابہ کو مشکلات پیش آئے اور اسلام کی توہین انہوں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سُنی۔ تو پھر باوجود تعلقات شدیدہ کے اُن کو اسلام مقدم کرنا پڑا۔ اور ایسے واقعات پیش آئے جن میں باپ نے بیٹے کو یا بیٹے نے باپ کو قتل کردیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ مراتب کا لحاظ رکھا جاوے۔

ے گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

ایک شخص ہے جو اسلام کا سخت دشمن ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اُس سے بیزاری اور نفرت ظاہر کی جاوے لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کا ہو کہ وہ اپنے اعمال میں سُست ہے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کے قصور سے درگذر کیا جاوے اور اس سے ان تعلقات پر زد نہ پڑے جو وہ رکھتا ہے۔

جو لوگ بالجہر دشمن ہوگئے ہیں اُن سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستی نہیں کی بلکہ ابوجہل کا سر کٹنے پر سجدہ کیا۔ لیکن جو دوسرے عزیز تھے۔ جیسے امیر حمزہ جن پر ایک وحشی نے حربہ چلایا تھا۔ تو باوجودیکہ وہ مسلمان تھا آپ نے فرمایا کہ میری نظر سے الگ چلا جا۔ کیونکہ وہ قصہ آپ کو یاد آگیا۔ اس طرح پر دوست دشمن میں پوری تمیز کرلینی چاہیئے۔ اور پھر اُن سے علیٰ قدر مراتب نیکی کرنی چاہیئے۔

✤ ✤ ✤

افرادِ جماعت سے اُن کے مختلف مراتب کے مطابق سلوک کرنے کی نصیحت

اصل بات یہ ہے کہ اندرُونی طور پر ساری جماعت ایک درجہ پر نہیں ہوتی۔ کیا ساری گندم تخم ریزی سے ایک ہی طرح نکل آتی ہے۔ بہت سے دانے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو چڑیاں کھا جاتی ہیں بعض کسی اور طرح قابلِ ثمر نہیں رہتے۔ غرض اُن میں سے جو ہونہار ہوتے ہیں۔ اُن کو کوئی ضائع نہیں کرسکتا۔ خدا تعالیٰ کے لئے جو جماعت تیار ہوتی ہے وہ بھی کزرع ہوتی ہے۔ اسی لئے اس اصول پر اُس کی ترقی ضروری ہے۔ پس یہ دستور ہونا چاہیئے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور اُن کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں۔ ایک تیرنا جانتا ہے اور دوسرا نہیں۔ تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ دوسرے کو ڈوبنے سے بچاوے یا اُس کو ڈوبنے دے۔ اُس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔ اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے۔ تعاونوا علی البرّ والتقوٰی[1]۔ کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں ہوسکتی جبتک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اُن کی پردہ پوشی کی جاوے۔ صحابہ کو یہی تعلیم ہوئی کہ نئے مُسلموں کی کمزوریاں دیکھ کر نہ چڑو کیونکہ تم بھی ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اور محبت ملائمت کے ساتھ برتاؤ کرے۔ دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دوسرے کو کھائے۔ اور جب چار مِل کر بیٹھیں۔ تو ایک اپنے غریب بھائی کا گلہ کریں اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور اُن کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہیئے۔ بلکہ اجماع میں چاہیئے کہ قوت آجاوے اور وحدت پیدا ہو جاوے جس سے محبت آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرا ذرا

[1] المائدۃ : ۳

سی بات پر نظر رکھتے ہیں معمولی باتوں کو اخباروں میں بہت بڑی بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور خلق کو گمراہ کرتے ہیں لیکن اگر اندرونی کمزوریاں نہ ہوں تو کیوں کسی کو جرأت ہو کہ اس قسم کے مضامین شائع کرے اور ایسی خبروں کی اشاعت سے لوگوں کو دھوکا دے۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے۔ اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے۔ اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دلشکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے مطبع ہے مگر کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں۔ یا اصل امور اور مقاصد کے لئے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ لڑکے پڑھ کر نوکریاں کریں یا کتابیں بیچتے رہیں۔ یہ تو سفلی امور ہیں ان سے ہمیں کیا تعلق۔ یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے تب بھی بنظر ظاہر بیس برس تک بھی یہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا جو اس وقت علیگڈھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک دم میں اسے علیگڈھ کالج سے بھی بڑا بنا دے۔ مگر ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضروری نہیں ہیں۔

جماعت کو اخوت و ہمدردی کی نصیحت

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جبتک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جو پوری طاقت دی گئی ہے۔ وہ کمزور سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں۔ کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کے لئے دعا کرے۔ محبت کرے اور اُسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے۔ ہمدردی نہ کی جاوے۔ اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کرکے پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا

بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟ دنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے۔ میں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ ان کی اباحت کی زندگی ہے۔ مگر جب کوئی معاملہ ہو تو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فقیری بھی الگ رہ جاتی ہے۔ بعض وقت انسان جانور۔ بندر یا کتے سے بھی سیکھ لیتا ہے۔ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت ان کو نہ ملتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اُن کو ملی۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی امیدیں ہیں اُس نے وعدہ کیا ہے۔ جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة[1]۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسروں کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کرکے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔

نئی برادری اور نئی اخوت

اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے جس میں امیر غریب بچے جوان بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں ان کو فقیر اور ذلیل نہ سمجھیں کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں گو باپ جُدا جُدا ہوں مگر آخر تم سب کا رُوحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ بدکاری فسق و فجور سب گناہ ہیں۔ مگر یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ شیطان نے جو یہ جال پھینکا ہے اُس سے

[1] آل عمران: ۵۶

بجز خدا کے فضل کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ بعض وقت یُونہی جھوٹ بول دیتا ہے مثلاً بازیگر نے دس ہاتھ چھلانگ ماری ہو تو محض دوسروں کو خوش کرنے کے لئے یہ بیان کر دیتا ہے کہ چالیس ہاتھ کی ماری ہے۔ اس قسم کی شرارتیں شیطان نے پھیلا رکھی ہیں اس لئے چاہیئے کہ تمہاری زبانیں تمہارے قابُو میں ہوں۔ ہر قسم کے لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرنے والی ہوں۔ جھوٹ اس قدر عام ہو رہا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ درویش۔ مولوی۔ قِصّہ گو۔ واعظ اپنے بیانات کو سجانے کیلئے خُدا سے نہ ڈر کر جھُوٹ بول دیتے ہیں۔ اور اس قسم کے اور بہت سے گناہ ہیں جو ملک میں کثرت کے ساتھ پھیلے ہُوئے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء)

جھُوٹ کی مذمّت

قرآن شریف نے جھُوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[1] دیکھو یہاں جھُوٹ کو بُت کے مقابل رکھا ہے۔ اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے۔ ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہانتک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جائے تو جلدی سے دُور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں۔ تب جا کر سچ بولنے کی عادت اُن کو ہو گی۔

کثرت گناہ اور اُس کا عِلاج

اسی طرح پر اور قسم قسم کی بدکاریاں اور شرارتیں ہو رہی ہیں۔ غرض دنیا میں گناہ کے سیلاب کا طوفان آیا ہوا ہے اور اس دریا کا گویا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ گناہ جو کیڑوں کی طرح چل رہے ہیں کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ جس سے یہ بلا دُور ہو جائے اور دُنیا جو خباثت اور گناہ کے زہر اور لعنت سے بھر گئی ہے کسی طرح پر صاف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کو قریباً تمام مذہبوں اور ملتوں نے محسوس کیا۔ اور اپنی اپنی جگہ پر دہ کوئی نہ کوئی عِلاج

[1] الحج : ۳۱

بھی گُناہ کا بتلاتے ہیں۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اِس زہر کا تریاق کسی کے پاس نہیں۔ اُن کے علاج استعمال کر کے مرض بڑھا ہے گھٹا نہیں۔

کفّارہ گُناہ کا عِلاج نہیں ہے

مثال کے طور پر ہم عیسائی مذہب کا نام لیتے ہیں۔ اس مذہب نے گُناہ کا عِلاج مسیح کے خون پر ایمان لانا رکھا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے یہودیوں کے ہاتھوں صلیب لٹکایا جا کر جو ملعُون ہو چکا ہے۔ اُس کی لعنت نے ہم کو برکت دی۔ یہ عجیب فلاسفی ہے کہ جو کسی زمانہ اور عمر میں سمجھی نہیں جا سکتی۔ لعنت برکت کا موجب کیونکر ہو سکتی ہے اور ایک کی موت دوسرے کی زندگی کا ذریعہ کیونکر ٹھہرتی ہے؟ ہم عیسائیوں کے اس طریق علاج کو عقلی دلائل کے معیار پر بھی پرکھنے کی ضرورت نہ سمجھتے۔ اگر کم از کم عیسائی دنیا میں یہ نظر آتا کہ وہاں گناہ نہیں ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہاں حیوانوں سے بھی بڑھ کر ذلیل زندگی بسر کی جاتی ہے۔ تو ہم کو اس طریق انسداد گناہ پر اَور بھی حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ کفّارہ نہ ہوا ہوتا۔ جس نے اباحت کا دریا چلا دیا۔

اور پھر اس کو معافی گناہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اسی طرح پر دوسرے لوگوں نے جو طریقے نجات کے ایجاد کئے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن سے گناہ کی زندگی پر کبھی موت وارد ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شریر اور خطاکار قومیں معجزات دیکھ کر پیشگوئیاں دیکھ کر باز نہیں آئیں۔ حضرت مُوسٰے کے معجزات کیا کم تھے؟ کیا بنی اسرائیل نے کھلے کھلے نشان نہ دیکھے تھے۔ مگر بتاؤ کہ اُن میں وہ تقویٰ وہ خدا ترسی اور نیکی جو حضرت موسٰی چاہتے تھے کامل طور پر پیدا ہوئی۔ آخر ضربت علیھم الذّلۃ والمسکنۃ[1] کے مصداق وہ قوم ہو گئی۔ پھر حضرت مسیح کے معجزات دیکھنے والے لوگوں کو دیکھو کہ اُن میں کہاں تک نیکی اور پرہیزگاری اور وفاداری کے اصولوں کی رعایت تھی۔ اُن میں سے ہی ایک اُٹھا اور اے ربّی تجھ پر سلام کہتے ہوئے پکڑوا دیا۔ اور دوسرے نے سامنے لعنت کی۔ اِن ساری باتوں کو دیکھ کر پھر سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا شَے ہے

[1] البقرۃ : ۶۲

جو انسان کو واقعی گناہ سے روک سکتی ہے؟

گناہ کا صحیح علاج

میرے نزدیک خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت ایسی چیز ہے جو انسان کی گناہ کی زندگی پر موت وارد کرتی ہے۔ جب سچا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے تو پھر دعا کے لئے تحریک ہوتی ہے اور دعا وہ چیز ہے جو انسان کی کمزوریوں کا جبر نقصان کرتی ہے۔ اس لئے دعا کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے ادعونی استجب لکم۔[1] بعض وقت انسان کو ایک دھوکا لگتا ہے کہ وہ عرصہ دراز تک ایک مطلب کے لئے دعا کرتا ہے اور وہ مطلب پورا نہیں ہوتا تب وہ گھبرا جاتا ہے۔ حالانکہ گھبرانا نہ چاہیئے۔ بلکہ طلبگار باید صبور و حمول۔ دعا تو قبول ہو جاتی ہے لیکن انسان کو بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ اپنی دعا کے انجام اور نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب ہے اس کے لئے وہ کرتا ہے جو مفید ہوتا ہے۔ اس لئے نادان انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ اس کے لئے اللہ تعالےٰ کے علم میں یہی مفید تھا کہ وہ دعا اس طرح پر قبول نہ ہو بلکہ کسی اَور رنگ میں ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے آگ کا سُرخ انگارہ دیکھ کر مانگے تو کیا دانشمند ماں اُسے دیدے گی؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر دعا کے متعلق کبھی ہوتا ہے۔ غرض دعائیں کرنے سے کبھی تھکنا نہیں چاہیئے دعا ہی ایسی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ایک قوت اور نور عطا کرتی ہے۔ جس سے انسان بدی پر غالب آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جماعت کو بہت کچھ دکھایا

مجھے بارہا اس امر کا خیال آیا کہ ہماری جماعت یہ افسوس نہیں کر سکتی کہ ہمیں خدا تعالےٰ نے کچھ نہیں دکھایا ہے۔ بلکہ یہاں تو اس قدر ثبوت اور نشان اس نے جمع کر دیئے ہیں کہ سلسلہ نبوت میں اس کی نظیریں بہت تھوڑی ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی پہلو ثبوت کا خالی نہیں رکھا۔ نصوص قرآنیہ و حدیثیہ ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور عقل اور قانون قدرت ہمارے مؤید

[1] المومن : ۶۱

مُعاون ہیں۔ آسمانی تائیدات اور شواہد ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر کسی پہلو میں کمی نہیں ہیں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ اپنی جماعت کی سہولت اور آسانی کے لئے تین قسم کی ترتیبیں اپنے دعاوی دلائل کے متعلق دوں اور پھر وہ ترتیب شدہ نقشہ چھاپ دیا جائے۔ ایک نقشہ تو حروفِ تہجی کی ترتیب پر اُن نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کا ہو جو ہمارے مؤید ہیں۔ دوسرا نقشہ عقلی دلائل اور قانونِ قدرت کے شواہد کا ہو۔ یہ بھی حروف تہجیّ کی ترتیب سے ہو۔ ایسا ہی تیسرا نقشہ نشانات اور تائیدات سماویہ کا ہو۔ جو ہمارے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مقرر کئے تھے۔ یا خدا تعالےٰ نے ہمارے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ مثلاً اُن کی ترتیب یوں سمجھئے۔

الف

ابْرَاء۔ اس سے ابراء کا نشان لو۔ یہ وہ نشان ہے جو مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے سامنے پُورا ہوا۔ امرتسر کے ایک پادری ڈاکٹر کلارک نے مجھ پر اقدام قتل کا مقدمہ بنایا تھا۔ کہ عبدالحمید نام ایک شخص کو گویا میں نے اُس کے قتل کے لئے بھیجا ہے۔ یہ مقدمہ مسٹر ڈگلس کے سامنے پیش ہوا۔ اور خدا تعالےٰ کے وعدہ اور پیشگوئی کے موافق مجھے بَری کیا جیسا کہ پہلے الہام ابراء (بے قصور ٹھیرانا) ہو چکا تھا۔ جو لوگ اس وقت یہاں ہمارے پاس موجود تھے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگ بھی اس امر کے گواہ ہیں۔ کیونکہ مولوی عبدالکریم صاحب کی عادت ہے کہ جب کوئی الہام وہ سُنتے ہیں اسے فوراً بذریعہ خطوط پھیلا دیتے ہیں۔ اس طرح پر یہ الہامات جو اس مقدمہ کے نام ونشان سے بھی پہلے ہوئے تھے ہماری اپنی جماعت میں پُورے طور پر اشاعت پا چکے تھے۔ اور وہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مقدمہ سے پہلے ان ھٰذا الّا تھدید الحکّام اور صادق آں باشد کہ ایام بلا (الخ) وغیرہ الہام ہوئے تھے۔ اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تھی کہ ابراء (بیقصور ٹھیرانا)

ایک دانشمند اور سلیم الفطرت اس عظیم الشّان نشان سے بہت بڑا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں نہ ہو تو اَور بات ہے۔ مگر خدا ترس اور متقی آدمی سمجھ لیتا ہے

کہ یہ پیشگوئی اس طرز کی نہیں ہے جیسے راول ہاتھ دیکھ کر اناپ شناپ بتا دیتے ہیں۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو قبل از وقت ہزارہا انسانوں میں مشتہر ہوئیں اور آخر اسی طرح ہوا۔ ورنہ کیا کسی کے خیال اور وہم میں یہ بات آسکتی تھی۔ کہ مسل پورے طور پر مرتب ہو جاوے اور عبد الحمید اپنا اظہار بھی دے کر ہاں مجھے بھیجا ہے۔ آخری وقت پر جو فیصلہ لکھنے کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسٹر ڈگلس کے دل میں القاء کیا کہ یہ مقدمہ بناوٹی ہے اور اس کے دل کو غیر مطمئن کر دیا چنانچہ اس نے کپتان لیمار چنڈ کو (جو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا) کہا کہ میرا دل اس سے تسلی نہیں پاتا بہتر ہے کہ تم اس مقدمہ کی تفتیش کرو اور عبد الحمید سے اصل حالات معلوم کرو چنانچہ جب کپتان لیمار چنڈ نے اُس سے پوچھا تو اس نے پھر وہی پہلا بیان دیا مگر جب کپتان صاحب نے اُسے کہا کہ تُو سچ سچ بتا۔ عبد الحمید رو پڑا اور اقرار کیا کہ مجھے تو سکھایا گیا تھا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا کام ہے کیا ہر روز یہ لوگ مقدمات میں اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ واقعات پر فیصلے دیتے ہیں۔ یا دل کی تسلیوں کو دیکھتے ہیں۔ نہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو وہ وعدہ کر چکا تھا وہی ہونا تھا۔ پس ابراء کا نشان عظیم الشان نشان ہے جو الف کی مد میں ہے۔

اٰوی۔ اور پھر اسی طرح اس مد میں اٰوی کا نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے قادیان کو طاعون کی افراتفری سے محفوظ رکھنے کے متعلق دیا ہے۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ ملک میں طاعون کثرت سے پڑا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ قادیان کے انتشار اور موت الکلاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔ کہ اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے یعنی اس گاؤں پر خصوصیت سے فضل رہے گا۔ اٰوی کے اصل معنے یہ ہیں کہ اُسے منتشر نہ کیا جاوے اور جبکہ عام طور پر قانوناً یہ امر روا رکھا گیا ہے کہ کسی گاؤں کو جبراً باہر نہ نکالا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ افراتفری اور موت الکلاب جو دوسرے شہروں میں پڑی ہے اس سے خدا تعالیٰ قادیان کو محفوظ رکھے یعنی یہاں طاعون جارف نہ ہوگی۔

اَبْنَاء۔ پھر اسی طرح الف کے مد میں اَبْنَاء کا نشان ہے۔ کتابوں اور اشتہار دیا

کو پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ ہر ایک کی پیدائش سے پہلے ایک اشتہار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ لڑکا پیدا ہوگا چنانچہ ان اشتہاروں کے موافق یہ لڑکے پیدا ہوئے ہیں اور پھر یہانتک کہ تعداد بھی بتا دی کہ چار لڑکے ہوں گے اور چوتھے لڑکے کی بابت یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ عبدالحق نہ مرے گا جبتک چوتھا لڑکا پیدا ہونے کی خبر نہ سُن لے۔ ایسے ہی مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) کے بیٹے کی بابت جب سعد اللہ نے اعتراض کیا تو خدا تعالیٰ نے میری دعاؤں کے بعد مجھے بشارت دی کہ مولوی صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا یہانتک کہ اُس کے بدن پر پھوڑوں کے نشان کا بھی پتہ دیا گیا اور اس کا علاج بھی بتایا گیا۔ اب کیا اشتہار پہلے سے نہیں دیا گیا تھا؟ اب دیکھ لو کہ اس اشتہار کے موافق وہ بچہ عبدالحی نام مولوی صاحب کے گھر میں پیدا ہو گیا۔ اور اس کے پھوڑوں کے نشانات بھی ہیں۔ یہ وہی خصوصیتیں ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کے وقت ہوا کرتی ہیں

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ پھر اس کے ساتھ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا نشان ہے۔ یہ بہت پُرانا الہام ہے اور اُس وقت کا ہے جبکہ میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا۔ میں لاہور گیا ہوا تھا۔ مرزا صاحب کی بیماری کی خبر جو مجھے لاہور پہنچی میں جمعہ کو یہاں آگیا۔ تو درد گردہ کی شکایت تھی۔ پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔ اس وقت تخفیف تھی۔ ہفتہ کے دن دوپہر کو حُقّہ پی رہے تھے اور ایک خدمتگار پنکھا کر رہا تھا۔ مجھے کہا کہ اب آرام کا وقت ہے تم جا کر آرام کرو میں چوبارہ میں چلا گیا۔ ایک خدمتگار جمال نام میرے پاؤں دبا رہا تھا۔ تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ الہام ہوا۔ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ۔ اور معاً اس کے ساتھ یہ تفہیم ہوئی۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ لفظ پہلے آئے یا تفہیم۔ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو غروب آفتاب کے بعد ہونیوالا ہے۔ گویا خدا تعالےٰ عزا پُرسی کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مصیبت بھی آتی ہے اور خدا اُس کی عزا پُرسی بھی کرتا ہے۔ چونکہ ایک نیا عالم شروع ہونیوالا تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے قسم کھائی۔ مجھے یہ دیکھ کر خدا تعالےٰ کا عجیب احسان محسوس ہوا کہ میرے والد صاحب کے حادثہ انتقال کی وہ قسم کھاتا ہے۔ اس الہام کے ساتھ ہی پھر معاً

میرے دل میں بشریّت کے تقاضے کے موافق یہ خیال گزرا۔ اور میں اس کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہوں کہ چونکہ معاش کے بہت سے اسباب اُن کی زندگی سے وابستہ تھے۔ کچھ انعام انہیں ملتا تھا۔ اور کچھ اَور مختلف صورتیں آمدنی کی تھیں جس سے کوئی دو ہزار کے قریب آمدنی ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ اب وہ چونکہ ضبط ہو جائیں گے۔ اس لئے ہمیں ابتلا آئے گا۔ یہ خیال تکلّف کے طور پر نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے میرے دل میں گزرا۔ اور اس کے گزرنے کے ساتھ ہی پھر یہ الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ الہام میں نے ملاوامل اور شرمپت کی معرفت ایک انگشتری میں اسی وقت لکھوا لیا تھا جو حکیم محمد شریف کی معرفت امرتسر بنوائی تھی اور وہ انگشتری میں کھدا ہوا الہام موجود ہے۔

اب دیکھ لو کہ اس وقت سے لے کر آج تک کیسا تکفّل کیا۔ اگر کسی کو شک ہو تو ملاوامل اور شرمپت سے پوچھ لے۔ محمد شریف کی اولاد موجود ہے۔ شاید وہ مُہرکن بھی موجود ہو۔ تکفّل بڑھتا گیا ہے یا نہیں۔ جس جس قدر ضرورتیں پیش آتی گئی ہیں خود اس نے اپنے وعدہ کے موافق تکفّل کیا ہے اور کرتا ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ چھوٹا سا نشان ہے۔ اس طرح پر الف میں اور بہت سے نشان آسکتے ہیں۔

پھر اب (ب) کی مد میں دیکھو۔ بشیر ہے۔ یہ لڑکا بشیر جو اب موجود ہے اس کی بابت پہلے اشتہار ہوا تھا اور اس اشتہار کے موافق یہ پیدا ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں سے اس قدر پانی جاری تھا کہ آنکھیں بوٹی کی طرح سُرخ ہو گئی تھیں اور مجھے اندیشہ تھا کہ آنکھوں کو خطرناک نقصان نہ پہنچے۔ اس وقت میں نے دعا کی تب الہام ہوئی بَرَّقَ طِفْلِیْ بَشِیْرٌ۔ بہت سے لوگ اس الہام کے بھی گواہ موجود ہیں۔ کیونکہ میں الہام پوشیدہ تو رکھتا ہی نہیں ہوں۔ تبریق کے معنے ہیں آنکھوں کا اچھا ہونا چنانچہ ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ یہ بالکل اچھا ہو گیا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۲-۴ پرچہ ۳۱ راگست ۱۹۰۲ء)

بشمبر داس۔ اسی طرح ب کی مد میں بشمبر داس کو داخل کرتے ہیں۔ بشمبر داس قادیان کا رہنے والا ایک ہندو تھا اور ایک خوشحال برہمن جو اُس وقت پٹواری تھا۔ یہ دونوں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے۔ جس میں خوشحال کو دو سال اور بشمبر داس کو ایک سال کی قید کی سزا ہوئی شرمپت رائے نے آکر مجھے دعا کے واسطے کہا اور میں نے دعا کی تو میں نے کشف میں دیکھا۔ کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کی نصف قید کاٹ دی ہے۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ مسل واپس آکر نصف قید رہ جاوے گی اور خوشحال اپنی پوری سزا بھگتے گا۔ یہ خبر میں نے پہلے ہی شرمپت کو دیدی۔ وہ اب تک زندہ موجود ہے اور اگر اس کو قسم دیکر پوچھا جاوے تو وہ انکار نہ کرے گا۔ غرض آخر جس طرح پر میں نے خبر دی تھی اور مجھے دکھایا گیا تھا۔ وہی ظہور میں آیا یعنی مسل واپس آئی۔ اور اس میں بشمبر داس کی نصف سزا رہ گئی۔ وہ نصف قید بھگت کر رہا ہوا۔ اس پر شرمپت نے کہا کہ تم چونکہ متقی ہو۔ اس لئے دعا قبول ہو گئی۔ چونکہ اسلام کے ساتھ ان لوگوں کو بغض اور عداوت ہے اس لئے شرارت سے اسلام کی تعریف نہ کی۔ اس مقدمہ میں جب اپیل کیا گیا۔ تو رات کو علی محمد نام ایک شخص آیا اور اُس نے آکر خبر دی کہ وہ بری ہو گئے ہیں۔ مجھے یہ خبر سُنکر تعجب ہوا کیونکہ میں نے مذکورہ بالا پیشگوئی کی تھی۔ اس تردد میں جب میں نے نماز پڑھی تو نماز ہی میں الہام ہوا۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ وہ رات تو اسی طرح گذر گئی۔ اور میں نے مزید تحقیقات نہ کی لیکن صبح کو اصل حال معلوم ہو گیا۔ کہ اپیل لے گئے تھے جس سے یہ غلط نتیجہ نکال لیا گیا کہ وہ بری ہو گئے ہیں۔ آخر جیسا کہ میں نے کہا ہے اسی طرح پیشگوئی کے موافق مسل واپس آئی اور اس میں بشمبر کی قید نصف رہ گئی۔ اور خوشحال کو پوری سزا بھگتنی پڑی۔

اب بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسے زبردست نشان ہیں۔ ابتک ان واقعات کے زندہ گواہ موجود ہیں۔ اُن سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ کیا قبل از وقت ان کو بتایا گیا تھا یا نہیں اور پھر ٹھیک پیشگوئی کے موافق ان کا ظہور ہوا ہے یا نہیں؟ پھر اسی طرح جھنڈا سنگھ نامی ایک زمیندار کے ساتھ درخت کاٹنے کا مقدمہ تحصیل میں دائر تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم

ہوا کہ ڈگری ہو جائے گی جب کوئی دس بارہ دن ہوئے تو لوگوں نے جو بٹالہ سے آئے کہا کہ وہ مقدمہ خارج ہو گیا ہے اور خود اس نے بھی آ کر بطور تمسخر کہا کہ مقدمہ خارج ہو گیا۔ مجھے اس خبر کے سُننے سے اتنا غم ہوا کہ کبھی کسی ماتم سے بھی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈگری کی خبر دی تھی یہ کیا کہتے ہیں۔ وہ اسامی تھے اور ہم مالک تھے اور مالک کی اجازت کے بغیر وہ درخت کاٹنے کے مجاز نہ تھے مختلف قسم کے پندرہ یا سولہ آدمی اس مقدمہ میں تھے۔ مجھے بہت ہی غم محسوس ہوا۔ اور میں جیسے کوئی مبہوت ہو جاتا ہے۔ سراسیمہ ہو کر سجدہ میں گر پڑا۔ اور دعا کی تب ایک بلند آواز سے الہام ہوا۔

ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے

یعنی آیا باور نے کنی۔ صبح کو جب میں تحصیل میں گیا تو وہاں جا کر ایک شخص سے جو حاکم کا سررشتہ دار تھا میں نے دریافت کیا کہ کیا فلاں مقدمہ خارج ہو گیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اُس میں تو ڈگری ہوئی ہے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ انہوں نے گاؤں میں مشہور کیا ہے کہ وہ مقدمہ خارج ہو گیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس خبر میں وہ بھی سچے ہیں۔ جب حافظ ہدایت علی صاحب فیصلہ لکھنے لگے تو میں کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب باہر سے آیا تو انہوں نے روبکار مجھے دی کہ یہ مقدمہ خارج کر دیا ہے۔ سررشتہ دار کہتا ہے کہ تب میں نے اُن کو کہا کہ تم نے غلطی کی ہے اس نے کہا نہیں میں نے کمشنر کا فیصلہ جو انہوں نے پیش کیا تھا دیکھ لیا ہے۔ میں نے اُن کو کہا کہ فنانشل کمشنر کا فیصلہ بھی تو دیکھنا تھا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ جو اس نے کیا تھا وہ غلط ہے اس نے روبکار لیکر پھاڑ کر پھینک دی اور دوسری روبکار لکھی جس میں ڈگری کا فیصلہ دیا۔ اور اس طرح پر پیشگوئی جو خدا تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے بتلائی تھی۔ پوری ہوئی۔ اس پیشگوئی کے بھی بہت سے لوگ گواہ ہیں۔ اور اب تک موجود ہیں۔

ثَمَانِيْنَ حَوْلاً۔ پھر ث میں ثمانین حولاً کی پیشگوئی ہے۔ اس پیشگوئی پر ایک زمانہ گزر گیا۔ کوئی شخص ایک دم کے لئے بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں زندہ رہوں گا۔ لیکن ایک خاص تعداد سالوں تک کی خبر دے دینا کیا یہ انسانی طاقت کا کام ہے۔ اور پھر میرے

جیسے آدمی کے لئے تو یہ قیافہ سے بھی ممکن نہیں جس کو دو بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ باوجود ان بیماریوں اور ضعفوں کے خدا تعالےٰ کا یہ وعدہ دینا کہ تیری اسّی برس کے قریب عمر ہوگی۔ کیسا عجیب ہے اور حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے اس قسم کی خبر ہو سکتی ہے۔ ورنہ عاجز انسان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ پیشگوئی بھی پوری شدہ ہی سمجھ لیجئے۔ کیونکہ بہت عرصہ اس پر گزر گیا ہے اور میری عمر اب ساٹھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ۔ پھر ثؔ ہی کی مد میں ایک اور پیشگوئی ہے۔ جو اس سے بھی عجیب تر اور عظیم الشّان ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ثُلّۃ من الاوّلین وثُلّۃ من الاٰخرین۔ اس سے ایک عظیم الشّان جماعت کے قائم کرنے کی خبر دیتا ہے۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ اس وقت ایک آدمی بھی ہم کو نہیں جانتا تھا اور کوئی یہاں آتا جاتا نہ تھا۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے۔ لیکن اب دیکھ لو کہ ستّر ہزار سے زیادہ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ خاص قادیان میں ایک کثیر جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر کیا یہ کوئی جھوٹ بات ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ اور بھی ثؔ کی مد میں پیشگوئیاں ہیں مگر میں اس وقت صرف مثال کے طور پر ایک دو بیان کرتا ہوں

ج

جنازہ۔ اسی طرح جؔ کی مد میں جنازہ کا الہام ہے۔ جب ہمارے بڑے بھائی صاحب مرزا غلام قادر مرحوم فوت ہوئے تو ان کے مرنے سے پہلے جنازہ کا الہام ہوا تھا۔

جمال الدین۔ اور اسی طرح جمال الدین کے متعلق بھی الہام ہوا تھا۔ خواجہ جمال الدین صاحب جب اپنے امتحان منصفی میں فیل ہوئے۔ تو میں نے دعا کی۔ الہام ہوا۔ سیغفر لہٗ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ان کو جگہ دیدی۔

جمع بین الصلوٰتین۔ پھر جؔ ہی کی مد میں جمع بین الصّلوٰتین کی پیشگوئی ہے جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسیح موعود کے لئے ایک نشان ٹھہرایا ہے۔ اس

پیشگوئی کو پورا کرنا اختیاری امر نہیں ہے۔ موت سر پر ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ خود اس کی تکمیل کر رہا ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بھی نہیں کرتا ہے۔ اس پیشگوئی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ تجمع له الصّلٰوۃ۔ یعنی اس کے لئے نماز جمع کی جائیگی۔ ایسے امور جمع ہو جائیں گے کہ اس کے لئے نمازیں جمع کی جاویں گی یا ایسے امور جمع ہو جاویں گے۔ کہ اس کے لئے نمازیں جمع کرنی پڑیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو میں اپنا اعتقاد رکھتا ہوں۔ اس کو میں کسی کے دل میں نہیں ڈال سکتا۔ میں ایک سچے مسلمان کے لئے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان امور کے ساتھ جو آپ کی نبوت کے لئے بطور شہادت ہوں۔ محبت کی جاوے۔ ان میں سے یہ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کشفی کیسی تیز ہے۔ اور آپ کی نگاہ کیسی دور تک پہنچنے والی تھی کہ آپ نے سارا نقشہ اس زمانہ کا کھینچ کر دکھایا۔ ہم اس پیشگوئی کو جو تجمع له الصّلٰوۃ ہے۔ بہت ہی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کے پُورا ہونے پر ہمیں ایک راحت اور لذت آتی ہے جو دوسرے کے آگے بیان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ لذت خواہ جسمانی ہو۔ خواہ رُوحانی۔ ایک ایسی کیفیت اور اثر ہے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کمال درجہ کی عزت اور صداقت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ پُورا ہوا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ امور جو جمع نماز کے موجب ہوئے ہیں۔ خود ہم نے پیدا کر لئے ہیں یا خدا تعالیٰ نے یہ تقریب پیدا کر دی ہے ۔ صحابہ نے اس پیشگوئی کو سُنا مگر پُوری ہوتے نہیں دیکھا۔ اور اب جو پیشگوئی پُوری ہوئی اور انہیں اس کی خبر ملتی ہے تو انہیں کیسی لذت آتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسا اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے ہم ایک لطف اور لذت اُٹھا رہے ہیں آسمان پر بھی ایک لذت ہے۔ اس لئے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ بعض زمینی امور ایسے ہوتے ہیں کہ آسمان پر اُن کی خبر دی

جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں جو کچھ ہوتا ہے۔اس کی خبر دی جاتی ہے۔ اور اس کا انتشار ہوتا ہے۔ غرض یہ بڑی عظیم الشان پیشگوئی ہے جس سے ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کو حقیر سمجھنا کفر ہے۔ یہ دوہرا نشان ہے۔ایک طرف ہماری صداقت کے لئے کیونکہ ہمارے لئے یہ نشان رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ آپ کی فرمائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی۔ لوگ ناواقفی اور جہالت سے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ امر بہت ہی قابل غور ہے کیا ہم نے خود ایسے امر پیدا کر لئے ہیں کہ نمازیں جمع کی جائیں؟ پھر جب یہ امر سب خدا کی طرف سے ہیں تو پھر اعتراض کرنا ہی نری حماقت اور خُبث ہے۔ جو لوگ اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں وہ مجھ پر نہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر بلکہ خدا تعالےٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ نماز جمع نہ ہوگی۔ بلکہ ایک اچھی میعاد تک نماز جمع ہوتی رہے گی۔ کیونکہ ایک آدھ مرتبہ جمع کرنے کا اتفاق تو دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ پس یہ خدا کا زبردست نشان ہے جو ہماری اور ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زبردست گواہ ہے۔

ح

حیات خاں۔ ایسا ہی پھر ح کی مد میں حیات خاں کا مقدمہ ہے۔ بہت سے لوگ اس امر کے گواہ ہیں۔ یہانتک کہ اکثر ہندوؤں کو بھی معلوم ہے اور میرے لڑکے فضل احمد اور سلطان احمد بھی اس میں گواہ ہیں۔ سردار حیات خاں ایک دفعہ کسی مقدمہ میں معطل ہو گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر مرحوم نے مجھے کہا کہ ان کے لئے دعا کرو۔ میں نے دعا کی تو مجھے دکھایا گیا کہ یہ کرسی پر بیٹھا عدالت کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ تو معطل ہو گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس جہان میں معطل نہیں ہوا۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بحال ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی اطلاع دی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پھر بحال ہو گیا۔

حان ان تعان۔ ایسا ہی حان ان تعان و تعرف بین الناس

یہ پیشگوئی بھی وہیں موجود ہے۔ کوئی ثابت کرے کہ اس الہام کے وقت کتنی جماعت تھی۔ یا میں ہوتا تھا یا میاں شمس الدین جو براہین احمدیہ کے مسودے لکھا کرتا تھا۔ مگر اب خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق لاکھوں کروڑوں انسانوں میں اس کو پورا کیا اور کر رہا ہے۔ ہر نیا دن اس پیشگوئی کی شان اور عظمت کو بڑھا رہا ہے جوں جوں یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

خ

خسوف وکسوف۔ پھر خ ہے۔ اس میں خسوف کسوف کی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اس کو دیکھو کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا نشان مقرر کیا تھا کہ اُس کے وقت میں رمضان کے مہینہ خسوف اور کسوف ہوگا اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ نشان ابتدائے آفرینش سے لے کر کبھی نہیں ہوا۔ کس قدر عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مہدی کے وقت تک پائی نہیں جاتی۔ اب مجھے جو دجال اور کذاب کہا جاتا ہے کیا کاذب اور دجال کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ نشان مقرر کیا تھا۔ کیا خدا تعالےٰ کو بھی دھوکا لگ گیا۔ کہ ایک تو مجھے صدی کے سر پر بھیجا۔ اور پھر وہ تمام نشان اور علامات بھی قائم کر دیئے جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے وقت کے مقرر تھے۔ صلیب کا غلبہ بھی میرے وقت میں ہی ہوگیا۔ اور پھر خسوف وکسوف کا نشان بھی پورا کر دیا۔ اس قدر لمبا سلسلہ خدا نے دھوکے کا رکھا خدا تعالیٰ کی شان اس سے منزّہ ہے۔ کہ وہ کسی کو دھوکا دے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت تو چاہتی تھی کہ کسی راستباز اور صادق کے ساتھ ان کی تائید کی جاتی نہ کہ کاذب اور مفتری کو بھیجا جاتا۔ اور پھر یہ کہ کاذب کے وقت میں نشان وہ پورے کئے جو صادق کے لئے مقرر تھے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہ ہوگی؛ اصل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق جبکہ اسلام بہت کمزور ہو گیا تھا اور بالکل رسم پرستی اور نام کے طور پر رہ گیا تھا۔ اور جبکہ نصاریٰ کا فتنہ حد سے بڑھ گیا تھا۔ اور انہوں نے اسلام کے ذلیل کرنے کے لئے ہر قسم کے منصوبے کئے اور اپنی کوششوں

میں کامیاب ہونے کے لئے مل مل کر اور اکیلے اکیلے زور لگایا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی گئی۔ یہانتک کہ آپ کو معاذ اللہ جھوٹا نبی کہا گیا۔ اور خطرناک الزام آپؐ کی پاک ذات پر لگائے اور کوئی دقیقہ اسلام کی ہتک اور بیعزتی کا باقی نہ رکھا گیا۔ اور اپنے مذہب میں اس قدر غلو کیا۔ کہ ایک ضعیفہ عورت کے بچہ کو خدائی کے تخت پر بٹھایا۔ اور ایک انسان کو خدا بنا کر پھر اس کو ملعون قرار دے کر اس کی لعنت کو برکت کا ذریعہ بنایا تو خدا تعالےٰ نے جو غیور خدا ہے۔ ایک عاجز انسان کو اپنے وعدہ کے موافق قائم کیا اور اس کی تائید اور نصرت کی۔ اس کے لئے ان نشانوں کو پورا کیا جو اس وقت کے لئے مقرر تھے اور اسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین کا انتقام لینے والا ٹھیرایا۔ اور وہ اس طرح پر کہ جس عاجز انسان مسیح ابن مریم کو خدا ٹھیرایا گیا تھا۔ غیرت الٰہی نے اس کو مسیح ابن مریم سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا اور مسیح موعود اس کا نام رکھا۔ مسیح موعود کا مسیح ابن مریم سے افضل ہونا خود یہود و نصاریٰ کے مسلّمات سے ہے۔ عیسائی اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس کی آمد ثانی پہلی آمد کے مقابل میں جلالی ہوگی۔ پہلی آمد ناکامی کی تھی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیئے۔ غرض خدا نے مجھے مسیح موعود ٹھیرایا۔ اور میرے نشانات کو قوت اور تعداد میں مسیح کے نشانات سے بہت بڑھ کر ثابت کیا۔ اگر کسی عیسائی کو شک ہو۔ تو قوت ثبوت اور تعداد کے لحاظ سے میرے نشانوں کا اور مسیح کے نشانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لے ان نشانوں میں سے ہی یہ خسوف وکسوف کا نشان ہے۔ جو اپنے وقت پر میری صداقت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر مہر کرنے کے لئے پورا ہوا۔ میں نے سُنا ہے کہ پٹیالہ میں ایک مولوی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ خسُوف وکسوف کا نشان پورا ہوگیا۔ تو اس نے ہاتھ مار مار کر کہا کہ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ مگر اس احمق سے کوئی اتنا پوچھے کہ خدا تعالےٰ نے جب وہ نشان پورا کیا۔ جو صادق کے لئے مقرر تھا۔ پھر لوگ گمراہ ہوں گے یا ہدایت پائیں گے؟

خسُوف وکسُوف کا نشان

بہت بڑا نشان ہے۔

د

دیانند۔ پھر دؔ کے مد میں دیانند کے مَرنے کی خبر ہے۔اس کو زندگی میں مرنے سے پہلے یہ خبر بذریعہ ایک رجسٹری شدہ خط کے اس کو دی گئی تھی۔ اور شرمپت اور ملاوامل موجود ہیں۔ ان کو قسم دے کر پوچھا جاوے کہ کیا تین مہینے پہلے یہ خبر دی گئی تھی یا نہیں؟

دلیپ سنگھ۔ اور اسی مد میں دلیپ سنگھ کے ناکام ہونے کی پیشگوئی ہے۔ ابھی اُس کے آنے کی کوئی خبر بھی نہیں تھی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵-۷ پرچہ ۱۰ستمبر ۱۹۰۲ء)

بلا تاریخ

(ملفوظات میں سے کچھ)

آنحضرتؐ سب سے بڑھ کر معصوم ہیں

معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میسّر آئے تھے وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لئے عصمت کے مسئلہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام اور درجہ پر ہیں۔ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ خود کوئی کبھی معصوم نہیں بن سکتا بلکہ معصوم بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جس شخص کو کثیر التعداد مال مل گیا ہے۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ چوری کرتا پھرے۔ لیکن جس پر خدا کی مار ہے اور گویا روٹیوں کا محتاج ہے اس سے تو ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ اگر پاخانہ میں کوڑی پڑی ہوئی ہو تو وہ اس کے اُٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ اور دریغ نہ کرے گا۔ سو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کا بہت بڑا فضل تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا[1] اور اصل یہ ہے کہ انسان بچتا بھی فضل سے ہی ہے۔ پس جس شخص پر خدا تعالیٰ کا فضل عظیم ہو۔ اور جس کو کُل دنیا کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[2] ہو کر آیا ہو اُس کی عصمت کا اندازہ اسی

[1] النساء: ۱۱۴ [2] الانبیاء: ۱۰۸

سے ہو سکتا ہے۔ عظیم الشان بلندی پر جو شخص کھڑا ہے ایک نیچے کھڑا ہوا اس سے مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔ مسیح کی ہمت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں تک محدود ہے۔ پھر اس کی عصمت کا درجہ بھی اس حد تک ہونا چاہیئے۔ لیکن جو شخص کُل عالم کی نجات اور رُستگاری کے واسطے آیا ہے۔ ایک دانشمند خود سوچ سکتا ہے کہ اس کی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہوگی اور اسی لئے وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ میں کس درجہ کا معصوم ہوگا۔

آنحضرتؐ اور مسیح ناصریؑ کا مقابلہ

حضرت مسیح ایک بار چھوڑ ہزار بار کہیں کہ میں خدا ہوں۔ لیکن کون ان کی خدائی کا اعتراف کر سکتا ہے جبکہ انسانیت کا اقبال بھی اس کے وجود میں نظر نہیں آتا۔ دشمنوں کے نرغہ میں آپ پھنس جاتے ہیں اور اُن سے طمانچے کھاتے ہوئے صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں باوجودیکہ وہ طعن کرتے ہیں کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اُتر آ۔ مگر آپ خاموش ہیں اور کوئی خدائی کرشمہ نہیں دکھاتے۔ برخلاف اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خسرو پرویز نے منصوبہ کیا۔ اور آپؐ کو گرفتار کرکے قتل کرنا چاہا۔ مگر اس رات خود ہی ہلاک ہو گیا۔ اور ادھر حضرت مسیح کو ایک معمولی چپراسی پکڑ کر لے جاتا ہے۔ تائید الٰہی کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔

مسیح محمدی مسیح موسوی سے افضل ہے

غرض جس قدر ان امور کی تنقیح کی جاوے گی اسی قدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارج عالیہ معلوم ہوں گے اور آپؐ ایک بلند مینار پر کھڑے دکھائی دیں گے اور مسیح آپؐ سے مقابلہ کرنے میں بہت ہی نیچے کھڑے ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور فضیلت کیا ہوگی کہ تیرہ سو برس بعد اپنے انفاس قدسیہ سے وہ ایک انسان کو تیار کرتے ہیں۔ جو مسیح ابن مریم پر فضیلت پاتا ہے بلحاظ اپنے کام اور کامیابی کے یعنی مسیح موعود سے مقابلہ کرنے میں بھی۔ مسیح اپنی کامیابی اور بعثت کے لحاظ سے کم ہے کیونکہ محمدی مسیح محمدی کمالات کا جامع ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام نبیوں کے کمالات یکجا

جمع تھے۔ اس لئے مسیح موعود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ کا بروزی ظہور ہے۔ اُن کمالات کو اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی دعوت کی وجہ سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہے۔ شعر

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

مسیح ناصری آسمان پر نہیں گئے

مسیح کو جو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے تو سوال ہو سکتا ہے کہ وہ آسمان پر کیوں چڑھے کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ عقل اس کے لئے تین شقیں تجویز کرتی ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں مسیح کا صعود ثابت نہیں ہو سکتا۔

شق اوّل۔ صلیب کی لعنت سے بچنے کے لئے کیونکہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا جاوے وہ ملعون ہوتا ہے۔ اب اگر مسیح کے صعود الی السّماء سے یہ غرض تھی۔ کہ وہ لعنت سے بچے رہیں تو اس رفع کے لئے ضروری ہے کہ پہلے موت ہو۔ کیونکہ یہ رفع وہ ہے۔ جو قرب الٰہی کا مفہوم ہے۔ اور بعد موت ملتا ہے۔ اسی لئے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ[1] کہا گیا۔ اور یہ وہی رفع ہے جو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً[2] میں خدا نے بیان فرمایا ہے۔ اور مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ[3] سے پایا جاتا ہے۔ غرض اس رفع کے لئے جو لعنت سے بچنے کے لئے ہو اور جو قرب الٰہی کے معنوں میں ہو۔ کیونکہ لعنت کی ضد رفع تو وہی ہے۔ جس سے قرب الٰہی ہو۔ یہ تو بجز موت کے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ چونکہ موت کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کے اعتقاد کے موافق مسیح کو ابھی رفع نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ رفع انسان کی آخری زندگی کا نتیجہ ہے اور یہ ان کو حاصل نہیں ہوا۔ پس اس شق کے لحاظ سے تو ان کا آسمان پر چڑھنا باطل ہوا۔

دوسری غرض رفع سے یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت مسیح کوئی نشان دکھانا چاہتے تھے مگر یہودی جن کو نشان دکھانا مقصود تھا۔ وہ اب تک منکر ہی چلے آتے ہیں۔ انہوں نے علیٰ صلیب

[1] آل عمران: ۵۶ [2] الفجر: ۲۹ [3] صٓ: ۵۱

کے وقت نشان مانگا تو ان کو کوئی نشان دکھایا نہ گیا۔ پھر ایک نشان جو اُن کو دکھانا مقصود تھا وہ بجز شاگردوں کے کسی اَور کو نہ دکھایا گیا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ صلیب پر جب ان سے نشان مانگا گیا تھا تو اُس وقت نشان دکھاتے یا کہہ دیتے کہ میں آسمان پر اُڑ جانے کا نشان تم کو دکھاؤں گا۔ اور صعود کے دن سب کو پکار کر کہہ دیتے۔ کہ آؤ اب دیکھ لو میں آسمان پر جاتا ہوں۔ پھر جب اس قسم کا کوئی واقعہ یہودیوں نے نہیں دیکھا اور وہ اب تک ہنسی اُڑاتے ہیں اور خطرناک اعتراض کرتے ہیں تو یہ غرض بھی ثابت نہ ہوئی۔

مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نشانوں کو دیکھو کہ کیسے واضح اور صاف ہیں اور لاکھوں انسان اُن میں سے بعض کے گواہ ہیں۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام ۲۲ برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے درج ہے۔ یاتون من کلّ فجٍّ عمیق اور یاتیکَ من کلّ فجٍّ عمیق۔ اب اس کی بابت محمد حسین ہی سے پوچھو کہ جب اس نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا۔ کس قدر لوگ یہاں آتے تھے۔ اور کہاں سے آتے تھے۔ اور اب تو آنیوالے لوگوں کی بابت ہم سے دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس کا ایک کانسٹیبل یہاں رہتا ہے جو آنیوالے مہمانوں کی ایک فہرست تیار کر کے اپنے افسروں کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ ان کے کاغذات کو جا کر کوئی دیکھ لے تو اُسے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ پیشگوئی کس شان اور عظمت سے پوری ہو رہی ہے یہانتک کہ ہر شخص آنے والا اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ یاتیکَ من کلّ فجٍّ عمیق۔ دیکھ لو کہاں کہاں سے تحفے تحائف چلے آتے ہیں۔ اور روپیہ آتا ہے۔ اس کے لئے بھی ڈاک خانہ کے کاغذات —— —— اور محکمہ ریلوے کے رجسٹر شہادت کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ اب ان نشانوں کا ذرا مسیح کے نشانوں سے مقابلہ تو کر کے دکھاؤ۔ وہاں تو یہودی دُہائی دیتے ہیں کہ ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اگر یہودی دیکھتے تو کیوں انکار کرتے اور یہاں مخالف تک اس بات کے گواہ ہیں اور صدہا نشان اس قسم کے ہیں جن کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاوے تو کئی کتابوں کی ضرورت پڑے۔

تیسرا شق مسیح کے صعود کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی غرض فرار کی تھی۔ یہ بالبداہت

باطل ہے۔ کیا زمین پر کوئی جگہ نہ تھی۔ اور ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ[1] کے مصداق یہودیوں سے پھر اتنا خوف ہوا کہ پہلے آسمان پر بھی نہ ٹھیر سکے۔ غرض جس پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھا جاوے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک ہی صورت ہے کہ انہوں نے اپنی طبعی موت سے جان دی اور پھر دوسرے مقربوں کی طرح خدا نے اُن کا رفع کر دیا۔ بغیر اس کے اور کوئی صورت ایسی نہیں جو اعتراض سے خالی ہو۔

مسیح ناصری توجہ سے سلب امراض کرتے تھے

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے۔ غذا سے۔ عمل سے۔ پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی ہے جس سے سلب امراض ہوتا ہے وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اسی توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے۔ اور یہ سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی بلکہ اس کے لئے نیک چلن ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کسبی نہیں ہوتی۔ وہبی ہوتی ہے۔ آج کل ڈوئی جو بڑے بڑے دعویٰ کرتا ہے یہ بھی وہی سلب امراض ہے۔ توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہوجاتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور مسیح علیہ السلام کی توجہ میں یہ فرق ہے کہ مسیح کی توجہ سے تو سلب امراض ہوتا تھا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا اور اس وجہ سے آپ کی قوت قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ دعا بھی توجہ ہی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ ان کو اس فن میں مہارت پیدا کرنی چاہیئے۔ مسیح کی توجہ چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی۔ اس لئے سلبِ ذنوب میں وہ کامیابی نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔ کہ جو جماعت انہوں نے طیار کی وہ اپنی صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی جو جلیل الشان صحابہ کو ملی۔ اور یہانتک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی باثر تھی کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے بعد سلب ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے جو اس وقت میں رکھتی تھی۔ مسیح اس میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔

[1] البقرۃ: ۶۲

کافر اور مومن کی رؤیا میں فرق

اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے کیونکہ اگر یہ مادہ نہ رکھا ہوتا تو پھر حجت پوری نہ ہو سکتی۔ اس لئے جو نبی آتا ہے اس کی نبوت اور وحی و الہام کے سمجھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک ودلیعت رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ ودیعت خواب ہے اگر کسی کو کوئی خواب سچی کبھی نہ آئی ہو تو وہ کیونکر مان سکتا ہے کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ کی یہ صفت ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[1] اس لئے یہ مادہ اس نے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار اور فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی ہے اور کبھی کبھی کوئی الہام بھی ہو جاتا ہے گو وہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اُٹھا وے یا نہ اُٹھا دے۔ جبکہ کافر اور مومن دونوں کو سچی رؤیا آجاتی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ عظیم الشان فرق تو یہ ہے کہ کافر کی رؤیا بہت ہی کم سچی نکلتی ہے اور مومن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے۔ گویا پہلا فرق کثرت اور قلت کا ہے۔ دوسرے مومن کے لئے بشارت کا حصہ زیادہ ہے جو کافر کی رؤیا میں نہیں ہوتا۔ سوم مومن کی رؤیا مصفا اور روشن ہوتی ہے۔ بحالیکہ کافر کی رؤیا مصفا نہیں ہوتی۔ چہارم مومن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

ہماری جماعت کے واعظ

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں لیکن اگر دوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں۔ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کر کے دکھائیں۔ تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دوسروں پر پڑے عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ وہ دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے۔ بلکہ اُن کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ سُننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا۔ تو وہ

[1] البقرة: ۲۸۷

ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لئے سب سے اوّل جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وہ اُس کی عملی حالت ہے۔ دوسری بات جو اُن واعظوں کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو انہوں نے پہلے خود اچھی طرح پر سمجھ لیا ہو اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اور جب کسی نے کوئی اعتراض کیا تو گھبرا گئے کہ اب اس کا کیا جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو۔ کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف وہراس کے اظہار حق کے لئے بول سکیں اور حق گوئی کے لئے اُن کے دل پر کسی دولتمند کا تمول یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کر سکے۔ یہ تین چیزیں جب حاصل ہو جائیں۔ تب ہماری جماعت کے واعظ مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ شجاعت اور ہمت ایک کشش پیدا کرے گی کہ جس سے دل اس سلسلہ کی طرف کھچے چلے آئیں گے۔ مگر یہ کشش اور جذب دو چیزوں کو چاہتی ہے جن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اوّل پورا علم ہو۔ دوم تقویٰ ہو۔ کوئی علم بدُوں تقویٰ کے کام نہیں دیتا ہے۔ اور تقویٰ بدُوں علم کے نہیں ہو سکتا۔ سنّت اللہ یہی ہے۔ جب انسان پورا علم حاصل کرتا ہے تو اسے حیا اور شرم بھی دامنگیر ہو جاتی ہے۔ پس ان تینوں باتوں میں ہمارے واعظ کامل ہونے چاہئیں۔ اور یہ میں اس لئے چاہتا ہوں کہ اکثر ہمارے نام خطوط آتے ہیں۔ فلاں سوال کا جواب کیا ہے؟ فلاں اعتراض کرتے ہیں اس کا کیا جواب دیں؟ اب ان خطوط کے کس قدر جواب لکھے جاویں۔ اگر خود یہ لوگ علم صحیح اور پوری واقفیت حاصل کریں اور ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں تو وہ ان مشکلات میں نہ رہیں۔

ہماری جماعت کو عمل کی ضرورت ہے

یاد رکھو ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیا دار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی

سے مسلمانوں کا حال ہے۔ کہ پوچھو تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمد للہ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نکمی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور دنیا کی اس حالت نے ہی تقاضا کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کیلئے کھڑا کیا ہے۔ پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر بھی اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا۔ بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل سے میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سود ہے، تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض و مقاصد کو پورا کرو۔ اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا اور صحابہ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو۔ اور اس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے۔ یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ عمل کے بدوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدم کے وقت سے شروع ہوئی۔ کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے اس دعوت کی خبر نہ دی ہو پس اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کرکے دکھاؤ کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔

سچا ہادی خیانت نہیں کرسکتا

جو شخص خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی جماعت کی کمزوری کو دور کرے۔ سچا ہادی کبھی خیانت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس طرز اور چال پر کوئی چلے خواہ اس کی زندگی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف ہی ہو وہ پروا نہ کرے۔ تو سمجھ لو کہ وہ خدا کی طرف سے اصلاح کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ شیطان اس کا قرین ہے۔ سچا ہادی جو

دیکھتا ہے اس کی اصلاح کرتا ہے ہاں یہ درست ہے کہ وہ کسی کی ذلّت اور رسوائی نہیں کرنا چاہتا مگر مریض کے امراض کو شناخت کر کے ان کا علاج بتاتا ہے۔

خدمتِ دین بھی عمر بڑھاتی ہے

جو لوگ دین کے لئے سچا جوش رکھتے ہیں۔ اُن کی عمر بڑھائی جاوے گی اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت عمریں بڑھادی جاویں گی۔ اس کے معنی یہی مجھے سمجھائے گئے ہیں کہ جو لوگ خادمِ دین ہوں گے اُن کی عمریں بڑھائی جاویں گی۔ جو خادم نہیں ہو سکتا وہ بڈھے بیل کی مانند ہیں۔ کہ مالک جب چاہے اُسے ذبح کر ڈالے۔ اور جو سچے دل سے خادم ہے وہ خدا کا عزیز ٹھہرتا ہے اور اس کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کو تردّد ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ۔[1]

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۵-۸ پرچہ ۳۱ ؍اگست ۱۹۰۲ء)

---

۲۶ ؍اگست ۱۹۰۲ء

آپ حج کیوں نہیں کرتے

شیخ ابوسعید محمد حسین بٹالوی کے خط کا جواب الحکم کی گذشتہ اشاعت میں کسی قدر بسط سے شائع ہو چکا ہے لیکن اتمامِ حجت اور ایک نکتہ معرفت کے لئے اتنا اور عرض کرنا ضروری سمجھا ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب وہ خط پڑھا گیا۔ اور یہ اعتراض پیش کیا گیا کہ آپ کیوں حج نہیں کرتے؟ تو فرمایا کہ

میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے۔ ابھی تو میں خنزیروں کو قتل کر رہا ہوں۔ بہت سے خنزیر مر چکے ہیں۔ اور بہت سے سخت جان ابھی باقی ہیں۔ اُن سے فرصت اور فراغت تو ہو لے۔

شیخ بٹالوی صاحب اگر انصاف سے کام لیں گے تو امید ہے یہ لطیف جواب انہیں تسلیم ہی کرنا پڑیگا کیوں شیخ صاحب! ٹھیک ہے نا! پہلے خنزیروں کو قتل کر لیں؟

[1] الرعد: ۱۸

بلغیر تاریخ

خدا سے ابتلا کی حالت میں رُوٹھنا نہیں چاہیئے

ایک دوست کو دشمنوں نے سخت تکلیف دی اور ان کی شکائتیں بھی افسران بالا دست سے کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو وہاں سے تبدیل ہونا پڑا۔ انہوں نے اس کے متعلق دعا کے لئے عرض کیا کہ اس سے دشمن خوش ہوں گے یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے متعلق جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

خدا کے ساتھ رُوٹھنا نہیں چاہیئے اور خدا تعالےٰ کا شکوہ کرنا کہ اس نے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔ مومنوں پر ابتلا آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک کیسی تکلیفیں اُٹھاتے رہے۔ طائف میں گئے تو پتھر پڑے۔ اس وقت جبکہ آپ کے بدن سے خون جاری تھا آپ نے کیسا صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور کیا پاک الفاظ فرمائے کہ یا اللہ میں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اُٹھاتا رہوں گا جبتک تو راضی ہو۔ امتحان کا ہونا ضروری ہے نبیوں اور صادقوں پر ابتلا آتے ہیں حضرت مسیح کو دیکھو کہ کیسا ابتلا آیا ایلی ایلی لما سبقتنی۔ کہنا پڑا۔ یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ غرض مومن کو گھبرانا نہیں چاہیئے اور خدا سے رُوٹھنا نہیں چاہیئے

اس مضمون پر ایک لمبی تقریر حضرت اقدس نے فرمائی جس کا خلاصہ آپ ہی کے اشعار میں یہ ہے۔

صادق آں باشد کہ ایام بلا — مے گذارد با محبت باوفا (الہامی)
گر قضا را عاشقے گردد اسیر — بوسد آں زنجیر را کز آشنا

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۱۶ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء)

ڈائری کا اقتباس

تقویٰ سے اکرام ہوتا ہے

مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور سے تشریف لائے عند الملاقات حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ

"خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دلعزیز ہیں"
اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور تقویٰ اور رزق حلال ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو معزز بناتی ہیں۔حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا۔

حقیقت میں تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا اکرام ہوتا ہے۔

طاعون کا ٹیکہ اور اسباب پرستی سے منع کرنا

طاعون کے ٹیکہ کا ذکر تھا۔اس کے متعلق ایک مبسوط اشتہار تقویۃ الایمان کے نام سے عنقریب شائع ہوتا ہے جو چھپ رہا ہے۔وہ الحکم کی کسی اشاعت میں انشاء اللہ کامل طور پر چھپے گا۔اسی ذکر کے اثنا میں اور اسی کے متعلق ایک لطیف بات فرمائی۔کہ

دیکھو ایک زمیندار ہے اس کی زمین بارانی ہے اور ایک دوسرا ہے جس نے رات دن محنت کرکے کنوئیں سے آبپاشی کی ہے اور اپنے کھیتوں کو بھر لیا ہے۔مگر آسمان پر یکایک بادل ہوئے اور بارانی زمین والے تمام کھیت بھر گئے۔اب دونوں میں سے زیادہ شکر گزار کون ہوگا؟ کیا وہ جس نے رات دن ایک محنت کر کے اپنے کھیت بھرے ہیں یا وہ جو آسمان کی طرف دیکھتا رہا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ جو رات کو سویا ہوا تھا اور صبح اُٹھ کر دیکھا۔تو کھیتوں کو لبالب پایا۔

اس طرح پر ٹیکہ کے متعلق ایک تو ہم ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔اور ایک وہ ہیں جو اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

اسباب سے اللہ تعالیٰ نے منع تو نہیں فرمایا مگر اس قدر محو فی الاسباب نہ ہونا چاہیئے کہ شرک کی حد تک پہنچ جاوے۔اسباب سے جائز فائدہ اعتدال کی حد تک ضرور اُٹھانا چاہیئے مگر شرک فی الاسباب نہ ہونے پائے اور یہ شرک اسباب اسباب سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں ہزار مخلوق جانتی ہے کہ جب ٹیکا کرانے والوں کو فائدہ ہوگا۔ جیساکہ ظاہر کیا گیا ہے تو وہ شخص کس قدر خوش ہوگا اور کتنا بڑا نشان ہوگا جو یہ کہیگا کہ اَوروں کو ٹیکہ نے فائدہ کیا اور مجھ کو خدا نے۔ ولنعم ما قیل۔ تُرا کشتی آورد مارا خدا۔

جس راہ پر ہم چلتے ہیں۔ یہ مرحلہ دُور ہے۔ ہم اسباب کو چھوڑتے نہیں لیکن اُن کو پُوجتے بھی نہیں۔ خدا نے اپنے فضل سے ایک نشان دیا ہے۔ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ظاہر نہ کرتا تو کچھ بات نہ تھی۔ لیکن اب اس نشان کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اس کی قدر کریں۔ ہر ایک شخص اپنے صدق۔ ثبات اور قوت کو دیکھ لے۔ ہم کسی کو منع نہیں کرتے۔

اسباب پرستی، پتھر پرستی سے بڑھ کر ہے۔ پتھروں کی پُوجا اگر محرقہ ہے تو اسباب پرستی تپ دق ہے جس نے دنیا کو ہلاک کر دیا ہے۔ یاد رکھو جو اسباب میں دل لگاتا ہے وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

الدّار والوں کی حفاظت کا قوی ذمّہ خدا نے لے لیا ہے۔ مگر ایک دار تو وہ ہے جو خس و خاشاک و خاک کا بنا ہوا در و دیوار والا گھر ہے اور ایک وہ جو ہمارے منشا کے موافق رُوحانی طور پر اپنی تبدیلی کرتا ہے۔ وہ بھی ہمارے دار میں ہے۔

برکت کا نشان

میرے پاس ایک شیشی مُشک کی ہے جس میں سے میں کھایا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ جب کسی چیز کے سلسلہ کو منقطع کرنا نہیں چاہتا تو جس طرح چاہے اس کو برکت دیدے۔ میں نے گھر والوں سے کہا کہ لاؤ اس شیشی کو میں برکت دیتا ہوں چنانچہ میں نے اُس میں پھُونک ماردی۔

ڈاک کے وقت فضل الٰہی ایک شیشی لایا میں نے سمجھا کہ کوئی دوائی ہے اور رکھ دی۔ مگر فجر کو جب اسے کھول کر دیکھا تو وہ مُشک نکلا۔ میں نے اس کو بُلا کر پوچھا کہ کس نے بھیجی ہے اس نے کہا کہ وہ کاغذ گم ہوگیا۔ اس شیشی پر بھی مُرسل و فرستندہ کا نام نہیں۔ یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے برکت کا دیا ہے میں نے گھر میں خود پھونک ماری اور دوسرے دن وہ شیشی آگئی۔ یہ خدا کے عجیب کام ہیں۔ جو آج کل ظاہر ہو رہے ہیں۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۳ صفحہ ۱۵-۱۶ پرچہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۲ء)

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

صبح کی سیر

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول حلقہ خدام میں سیر کو نکلے۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے ایک مختصر سا انٹروڈکشن اپنی جدید تصنیف کا (جو سائیں مہر شاہ گولڑی کے متعلق آپ لکھ رہے ہیں) سُنانا شروع کیا۔ جس میں سائیں جی کے سرقہ مضمون گشتہ اعجاز المسیح محمد حسن بھیں اور اعجاز المسیح کا جواب باوجود سرقہ مضامین کے اردو زبان میں بشکل سیف چشتیائی لکھنے سے سائیں جی کی قلعی کھولی ہے کہ اس سے وہ الزام بھی سائیں جی پر قائم ہوگیا کہ عربی تفسیر نویسی کی دعوت میں واقعی لاجواب ہوگیا تھا۔ اور اُسے کوئی قوت اور قابلیت نہیں جو حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں آتا ورنہ کیا وجہ ہے کہ اعجاز المسیح کا جواب اُردو میں لکھا حالانکہ خانہ نشین ہو کر لکھا ہے۔ بہر حال یہ لطیف اور ملیح دیباچہ سُنایا گیا۔

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ[1]

شہر سے باہر نکلتے ہی اونٹوں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ آپؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ

یہ بعینہٖ ریل گاڑی کی طرح ایک سلسلہ ہے۔ اور کوئی جانور نہیں جس کو آگے پیچھے اس طرز سے باندھیں۔ گاڑیاں بھی اسی طرح باندھی جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس قدر فرمایا تھا۔ خاکسار ایڈیٹر اس کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر

[1] التکویر: ۵

بات کا سلسلہ اور نہ چلا دیا جاتا تو امید تھی کہ اس نقطہ پر بات آجاتی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ کی پیشگوئی پوری ہوگئی ہے خصوصاً یہ نظارہ عرب میں اور بھی زیادہ حیرت انگیز اور مسرت بخش ہوگا جبکہ ان جنگلوں اور ریگستانوں میں جہاں یہ جہاز بیابان چلا کرتا تھا۔ اب اس جگہ ریل گاڑی چلتی نظر آئے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دکھائی دے گی۔

دو دھاری تلوار

گولڑوی کی کتاب سیف چشتیائی کے متعلق فرمایا۔ کہ

اس نے دوہرا کام کیا۔ فیضی کی موت کا ہماری پیشگوئی کے موافق ہونا اس سے ثابت ہوگیا اور گولڑی کی پردہ دری ہوگئی۔ اگر فیضی زندہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اصلاح کرتا۔ یا اس ارادہ سے ہی باز آجاتا۔ مگر موت نے پیشگوئی کے موافق اُسے آلیا۔ اور گولڑی اس کی کچی ہانڈی کھانے بیٹھ گیا اور نہ خیال کیا کہ اس کی ہر بات کی خود بھی تو تحقیق کرلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی پردہ دری کرالی۔ اور محمد حسن کی بھی۔

مسیح بن باپ تھا

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے انبالہ سے آئے ہوئے ایک خط کا تذکرہ کیا۔ کہ کشتی نوح کے اس حصہ کو پڑھ کر جو الحکم میں شائع ہوا ہے۔ انبالہ سے ایک مخلص دوست لکھتے ہیں کہ مسیح کے بھائی بہنوں کا جو حضرت اقدس نے ذکر کیا ہے اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یوسف گویا مسیح کا باپ بھی تھا؟ فرمایا

ہم مسیح کو بن باپ پیدا ہوا مانتے ہیں اور ہماری کتابوں۔ رسالوں اور اخبار کی بہت سی تحریروں میں لکھا جا چکا ہے۔ اور ہم اس بات کو کیا کریں کہ یہ تاریخی غلطی مسلمانوں میں پیدا ہوئی ہے جو صحیح تاریخ سے ثابت ہے کہ مریم کا یوسف کے ساتھ نکاح ہوگیا تھا۔ اور پھر اس سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ہم نے تو اس اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی قسم کی غلطی واقعہ صلیب کے متعلق ہے۔ مسیح کو صلیب دیئے جانے کے دردناک قصے موجود ہیں۔ اور ان علماء کے نزدیک وہ چھت پھاڑ کر اُڑ گئے۔ اب اس

میں کس کا قصور ہے۔ یہ تو ان کو بالکل خدا بنانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بشریت ان کے پاس نہ آجاوے۔

اور ایسا ہی حضرت مریم کو ساری عمر بتول ٹھیرانا کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا۔ بڑی غلطی ہے۔ ان تاریخی امور سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ مسیح کی نسبت ہمارا یہی مذہب ہے۔ کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے۔

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَہَا

مولوی مبارک علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس امر کی تائید میں کہ مریم علیہا السلام نے ساری عمر نکاح نہیں کیا۔ یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ قرآن میں آیا ہے۔ والّتی احصنت فرجہا[1] فرمایا:۔

محصنات تو قرآن شریف میں خود نکاح والی عورتوں پر بولا گیا ہے۔ والمحصنات من النساء[2] اور الّتی احصنت فرجہا کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ اس نے زنا سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ یہ کہاں سے نکلا کہ اس نے ساری عمر نکاح ہی نہیں کیا۔

مسیح آیۃ اللہ تھا

مسیح کے آیۃ اللہ ہونے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آتا ہے وہ آیۃ اللہ ہی ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ لنجعلک ایۃً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت تھے۔ مسیح کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں عزیر بھی آیۃ اللہ تھے۔

مخالفوں کیطرف سے ہمارا حصّہ

ان مخالفوں کی طرف سے ہمارے حصہ میں تو گالیاں ہی آئی ہیں۔ اب اس رسالہ کشتی نوح کو پڑھ کر بھی بہت سی باتیں بنائیں گے اور گالیاں دیں گے۔ کوئی فریبی اور مکار کہیگا۔ کوئی کچھ۔

---

[1] الانبیاء: ۹۲ [2] النساء: ۲۵

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمدؑ ہے

ابن مریم پر فضیلت کے دعویٰ کو یہ لوگ بڑی بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی صریح وحی سے مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے اور غور کر کے دیکھ لو کہ ہر ایک بات اس سلسلہ کی موسوی سلسلہ سے بڑھی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام صرف بنی اسرائیل کے لئے آئے تھے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کُل دنیا کے لئے مبعوث ہوئے اور فرمایا گیا۔ ما ارسلنٰك الّا رحمةً للعالمين[1]۔ پھر آپ کی تائیدات موسیٰ علیہ السّلام کی تائیدات سے بہت بڑھ کر۔ آپ کے اعجازی نشان بڑھ کر۔ آپ کو جو کتاب دی گئی وہ موسیٰ کی کتاب سے بڑھ کر ہمیشہ کے لئے۔ غرض کُل سامان بڑھ کر کامیابیاں بڑھ کر۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر نہ ہو؟ ہم ایسے نبی کے وارث ہیں جو رحمة للعالمین اور کافة للنّاس[2] کے لئے رسُول ہو کر آیا جس کی کتاب کا خدا محافظ اور جس کے حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر ان معارف اور حقائق کو پانے والا کیوں کم ہے؟

پھر وَّ اٰخرین منھم لمّا یلحقوا بھم[3] جو فرمایا گیا ہے یہ مسیح موعود کے زمانہ کے لئے ہے اور اس کے منھم کے وہی معنی ہیں جو اِمامکم منکم میں منکم سے مراد ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ گروہ بھی صحابہ ہی کا گروہ ہے حضرت عیسیٰ کے لئے یہ کہاں؟

اور پھر حضرت عیسیٰ اگر اسی شان سے آتے جس شان سے وہ پہلے آئے تو وہ وہ کام نہ کر سکتے جو مسیح موعود کے لئے اللہ تعالیٰ نے ٹھیرایا ہے اُن کا دائرہ بہت تنگ اور چھوٹا تھا۔ اور مسیح موعود کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان سب امور پر جب نگاہ کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود (مسیح محمدی) ابن مریم (مسیح موسوی) سے بڑھا ہوا ہے۔ اور خود عیسائیوں نے

[1] الانبیاء: ۱۰۸ [2] سبا: ۲۹ [3] الجمعة: ۴

بھی مسیح کی آمد ثانی کو پہلی آمد کے مقابلہ میں بڑھ کر مانا ہے۔

انگریز سلطنت کی خوبیاں

خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ کہ انگریزوں کی سلطنت میں ہمیں پیدا کیا۔ ورنہ اگر اسلامی سلطنت ہوتی۔ تو ان مولویوں ہی کے قابو میں ہوتی جو قتل کے فتوے اور کفر کے فتوے دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انگریزوں کو بھیج دیا جنہوں نے کُل مذاہب کو آزادی دیدی۔ اور ہمارے لئے ملک بھی چُن کر مقرر کیا۔ کُل مذاہب کی کھچڑی جہاں موجود ہے۔ ہم یہاں وہ کام کر سکتے ہیں۔ جو مکہ مدینہ میں ہرگز نہ کر سکتے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کی خوشامد کرتے ہیں۔ بلکہ ہم ھل جزاء الاحسان الا الاحسان[1] پر عمل کرتے ہیں۔ خوشامد وہ کرتے ہیں جو الائمۃ من قریش مانتے اور سلطان روم کے لئے امیر المومنین ہونے کا فتویٰ دیتے اور پھر دل میں کچھ رکھتے اور زبان سے کچھ کہتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لئے اور وہ محض خوشامد اور نفاق ہے؛ (اس قدر بیان فرما کر پھر حضرت تشریف لے گئے)

نماز ظہر اور عصر کے وقت کوئی بات قابل نوٹ نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض تشریف لائے۔ اور بعد ادائے نماز تشریف لے گئے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

حسب معمول حضرت امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ خدام ایک دوسرے سے پہلے جگہ لینے کے لئے گرے پڑتے تھے۔ آخر جب سب اپنی اپنی جگہ جہاں

[1] الرحمٰن: ۶۱۔

کسی کو بلی بیٹھ گئے۔ تو حضرت حجۃ اللہ نے کشتی نوح کی اشاعت کے متعلق فرمایا۔ کہ

امید ہے جُمعہ تک اشاعت ہو جائیگی

اور پھر انگریزی سلطنت کے متعلق قریباً وہی گفتگو فرمائی جو صبح کی سیر میں فرمائی تھی۔ ہاں اتنا اضافہ اور کیا کہ

چونکہ مسیح ابن مریم کے ساتھ ہمیں مشابہت ہے۔ اُن کے لئے جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ[1] یعنی واقعہ صلیب کے بعد ان کو ایک اُونچے ٹیلہ پر جگہ دی جہاں آرام کی جگہ اور پانی کے چشمے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اس جگہ یعنی واقعاتِ مسیح ابن مریم میں تو صرف ظلّ تھا اور یہاں اصل ہے۔ ہم کو ایسی جگہ پناہ دی جہاں یہودیوں کا بس نہیں چل سکتا۔ یعنی سلطنت انگلشیہ کے ماتحت۔ اب یہاں یہودی حملہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے یہ پناہ کی جگہ ہے۔ اور حقائق و معارف کے چشمے یہاں بہ رہے ہیں۔

اتنے میں آسمان پر مغرب کی طرف سے ایک غبار سا اُٹھا۔ کبھی کبھی اس آندھی میں بجلی کے کوندے کی چمک بھی نظر آتی تھی۔ بعض احباب نے چاہا کہ نیچے چلیں۔ حضور نے فرمایا:۔

دیکھو جو امر آسمان پر ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

جناب میر صاحب نے عرض کی کہ حضور غور کر کے دیکھا جاوے تو پہلے زمانہ کی نسبت خدا کا فضل اب بہت زیادہ ہے۔ فرمایا:۔

وہ زمانہ اس آخری زمانہ کا نمونہ تھا اور بطور ارہاص تھا۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم عصائے موسیٰ کا قائمقام تھا جو مذاہب مخالفہ کو کھانے والا ہے اور حقیقت بھی یونہی ہے۔ قرآن شریف کے مقابل پر کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی ایک رؤیا سُنائی کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سیالکوٹ کے بازار میں ایک آریہ بڑے کھلے کھلے والا وعظ کرتا ہے۔ اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وید کی دعاؤں کی طرف توجہ کرو۔ مجھے یہ سُنکر جوش اور غیرت آئی اور میں نے کہا بیشک وید میں دعائیں تو ہیں مگر اُن کی قبولیت

[1] المومنون: ۵۱

اور مستجاب الدعوت لوگوں کی علامات کا کوئی نشان بتاؤ۔ وید میں کہاں ہے۔اس پر وہ بہت ہی چھوٹا سا ہوگیا۔ یہ خواب مبارک اور آریہ پر فتح کی دلیل ہے۔

فرمایا:۔

حقیقت میں خدا سے بے نصیب جانا ہی بڑا بھاری دوزخ ہے کسی نے کیا اچھا کہا ہے

حکایتے ست کہ از روزگار ہجران است

اصل یہ ہے کہ جب انسان دنیا کو مقدم کر لیتا ہے خواہ جان و مال کے لئے یا دولت و ملوک کیلئے۔ پھر اس کو دین کی طرف آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے دین کو طلب کیا ہے۔ وہ اس مقام پر اس وقت تک نہیں پہنچے جب تک انہوں نے اللہ تعالیٰ کو مقدم نہیں کر لیا اور منقطعین اور متبتلین میں داخل نہیں ہوئے۔ شعر

سخن اینست کہ ما بے تو نخواہیم حیات

بشنواے پیک سخن گیر و سخن باز رساں

قرآن شریف نے جو کہا ہے۔ اجیب دعوۃ الداع[1]۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا جواب ملتا ہے۔ پس وید کی دعائیں بے ثمر ہیں جن کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ بلکہ ساری دعائیں اُلٹی ہی پڑتی رہی ہیں۔

مسیح کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ آج میں تعبیر الرؤیا پڑھ رہا تھا۔ ایک مقام پر مجھے بہت ہی لطف آیا۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسیٰ کو خواب میں دیکھے۔ تو وہ دلالت کرتا ہے کہ نقل مکان کریگا (ایڈیٹر۔ علم تعبیر الرؤیا کی رُو سے یہ کیسا عجیب استدلال ہے۔ اس امر پر کہ مسیح اپنے ملک سے کشمیر میں ضرور آئے خصوصاً ایسی حالت میں کہ قرآن اور حدیث ان کی مؤید ہوں)

مفتی محمد صادق صاحب آج کل ایک کتاب سُنا رہے ہیں۔ جو داستان مسیح کہنی چاہیئے۔ اس میں واقعہ صلیب کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اور ان امرار سے پتہ لگتا ہے۔ جو مسیح کے صلیب

[1] البقرۃ: ۱۸۷

پر سے زندہ اُتار لئے جانے کے مؤید ہیں۔ مفتی صاحب نے عرض کی کہ حضور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ جب مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا حکم ہو چکا۔ اور پیلاطوس اور اس کی بیوی کے چھوڑ دینے کی تدابیر میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو پیلاطوس کی بیوی نے کہا کہ ہمیں عملی تدابیر میں لگ جانا چاہیئے اور اس کے بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اس کے بعد آندھی کا زور بڑھ گیا اور بارش کا اندیشہ ہوا۔ اس لئے نماز عشاء ادا کر لی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

۲؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

آج حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ کی بارات رڑکی کو قادیان سے علی الصباح روانہ ہوئی۔ اس بارات میں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب اور جناب مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب اور جناب سید السادات میر ناصر نواب صاحب اور آپ کے صاحبزادہ میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر نور محمد صاحب اور صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ راہ میں مسنون طریق پر جناب میر ناصر نواب صاحب کو امیر قافلہ بنایا گیا۔ اسی روز عشاء کی نماز رڑکی میں ادا کی گئی۔ جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جن کے ہاں بارات جانی تھی۔ اسٹیشن ریلوے رڑکی پر معہ اپنے دوستوں کے استقبال کے لئے تشریف لائے اور تمام لوازمات تواضع جو ہونے چاہیئے تھے۔ نہایت خندہ پیشانی اور شرح صدر سے ادا کئے۔

سیر

حضرت اقدس حسب معمول وقت مقررہ پر سیر کو نکلے۔ ابتدائے گفتگو میں فرمایا:-

ہزارہا بدبخت لوگوں سے قبریں بھری پڑی ہیں۔ ہزاروں نامراد بادشاہ ان میں ہیں۔ ہزاروں ہی بے نصیب اُن میں پڑے ہیں۔ انسان اگر اپنے ہی خاندان کی موت پر قیاس کرے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ عمر کا سلسلہ اپنے خاندان سے معلوم کر سکتا ہے۔ بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں

کہ اُن کی عمریں پچاس تک پہنچتی ہیں۔ ناگپور اور ممالک متوسطہ کی طرف عمریں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس طرف بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض خاندانوں کی عمریں چھوٹی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ بھید کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ انگریز محقق ناحق ٹکریں مارتے پھرتے ہیں کہ زمینداروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ یا دماغی محنت کرنیوالوں کی۔ یہ صرف خیالی باتیں ہیں۔

انسان اور حیوانات کی عُمریں

انسان کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بعض حیوانات کی عمریں بہت بڑی ہوتی ہیں مثلاً کچھوہ کی عمر پانچ ہزار برس تک ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو عربی میں غیلم کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ گویا ہمیشہ ہی جوان رہتا ہے۔ سانپ کی عمر بھی بڑی ہوتی ہے۔ ہزار ہزار برس تک۔

شعر

جس کام کو کہے کہ کروں گا اسے ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

خدا تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ چاروں طرف سے ایسے اسباب جمع ہوتے ہیں۔ اور ایسا زور اور دباؤ آکر پڑتا ہے کہ آخر وہ کام ہو ہی جاتا ہے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے جو بعض اوقات مسلمان ہوئے۔ خدا تعالےٰ کی مرضی اس طرح پر تھی۔ چاروں طرف سے ایسا زور آکر پڑا کہ بجز اسلام کے چارہ نہ رہا۔

اختلاف اور اتحاد

مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ مختلف مذہب کے لوگ یک جا جمع نہیں ہو سکتے۔

سُنّتہ اللہ کا نہ سمجھنا بھی ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ بعض وقت بلا کو ہم ٹلا دیتے ہیں۔ تو انسان بے باک ہو کر کہتا ہے کہ بلا ٹل گئی اور پھر شوخیاں

کرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔ پس اگر طاعون کم ہو جاوے تو اس سے دلیر نہیں ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کی مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے مسیح موعود کے وقت میں وبا کا پھیلنا عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک تو مسلّم ہی ہے ہندو بھی مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں ایک وبا ہوگی اور اس وقت آنیوالے کا نام رودر گوپال ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرقوں میں جیسے آخری دنوں میں ایک موعود کے آنے کا عقیدہ مشترک ہے ویسے ہی یہ بھی مانا گیا ہے کہ اس وقت وبا پڑے گی۔

پس دعاؤں سے کام لینا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کے حضور استغفار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں ہے۔ ایک شخص اگر عاجزی اور فروتنی سے اس کے حضور نہیں آتا وہ اس کی کیا پرواہ کر سکتا ہے۔ دیکھو اگر ایک سائل کسی کے پاس آجاوے اور اپنا عجز اور غربت ظاہر کرے تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک ہو۔ لیکن ایک شخص جو گھوڑی پر سوار ہو کر آوے اور سوال کرے اور یہ بھی کہے کہ اگر نہ دو گے تو ڈنڈے ماروں گا۔ تو بجز اس کے کہ خود اس کو ڈنڈے پڑیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ خدا تعالیٰ سے اَڑ کر مانگنا اور اپنے ایمان کو مشروط کرنا بڑی بھاری غلطی اور ٹھوکر کا موجب ہے۔ دعاؤں میں استقلال اور صبر ایک الگ چیز ہے اور اَڑ کر مانگنا اَور بات ہے۔ یہ کہنا کہ میرا فلاں کام اگر نہ ہوا تو میں انکار کر دوں گا۔ یا یہ کہہ دل کا یہ بڑی نادانی اور شرک ہے اور آداب الدعا سے ناواقفیت ہے۔ ایسے لوگ دعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں۔ قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ہر ایک دعا تمہاری مرضی کے موافق میں قبول کروں گا۔ بیشک یہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے ادعونی استجب لکم[1] لیکن ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اسی قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ ولنبلونّکم بشیئٍ من الخوف والجوع[2] الآیۃ۔ ادعونی استجب لکم میں اگر تمہاری مانتا ہے تو لَنَبْلُوَنَّکُمْ میں اپنی منوانی چاہتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا احسان اور اس کا کرم ہے۔ کہ وہ اپنے بندہ کی بھی مان لیتا ہے۔ ورنہ اس کی اُلوہیت اور ربوبیت کی شان

[1] المومن: ۶۱ [2] البقرۃ: ۱۵۶

کے یہ ہرگز خلاف نہیں کہ اپنی ہی منوائے۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف[۱] جو فرمایا۔ تو اس مقام پر وہ اپنی منوانا چاہتا ہے کبھی کسی قسم کا خوف آتا ہے اور کبھی بھوک آتی ہے۔ اور کبھی مالوں پر کمی واقع ہوتی ہے۔ تجارتوں میں خسارہ ہوتا ہے اور کبھی ثمرات میں کمی ہوتی ہے۔ اولاد ضائع ہوتی ہے اور ثمرات برباد ہو جاتے ہیں اور نتائج نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں خدا تعالےٰ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اُس وقت خدا اپنی شان حکومت دکھانا چاہتا ہے اور اپنی منوانا چاہتا ہے۔ اس وقت صادق اور مومن کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ نہایت اخلاص اور انشراح صدر کے ساتھ خدا کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے اور اس پر خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وبشر الصابرین۔[۲] پس صبر کرنے والوں کو بشارت دو۔ یہ نہیں فرمایا کہ دعا کرنے والوں کو بشارت دو بلکہ صبر کرنے والوں کو۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اگر بظاہر اپنی دعاؤں میں ناکامی دیکھے تو گھبرا نہ جاوے بلکہ صبر اور استقلال سے خدا تعالےٰ کی رضا کو مقدم کرے۔ اہل اللہ کو نظر آجاتا ہے کہ یہ کام ہونہار ہے۔ پس جب وہ یہ دیکھتے ہیں تو دعا کرتے ہیں۔ ورنہ قضاء و قدر پر راضی رہتے ہیں۔ اہل اللہ کے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں۔ تو دعا کرتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضاء و قدر اس طرح پر ہے تو صبر کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے بچوں کی وفات پر صبر کیا جن میں سے ایک بچہ ابراہیم بھی تھا۔

جبکہ خدا تعالےٰ نے یہ دو تقسیمیں رکھ دی ہیں اور یہ اس کی سُنّت ٹھہر چکی ہے۔ اور یہ بھی اس نے فرمایا ہے۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔[۳] پھر کس قدر غلطی ہے جو انسان اس کے خلاف چاہے۔ میں نے بارہا بتایا ہے کہ انسان کے ساتھ خدا نے دوستانہ معاملہ رکھا ہے۔ کبھی ایک دوست دوسرے کی مان لیتا ہے اور کبھی اپنی منواتا ہے۔ اور دعا بندہ اور خدا میں بھاجی کی طرح ہیں۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ خدا تعالےٰ کمزور رعایا کی طرح ہر بات مان لے۔ تو یہ نقص ہے۔ ماں بھی بچہ کی ہر بات نہیں مان سکتی۔ کبھی بچہ آگ کی انگاریاں مانگتا ہے۔ تو

[۱-۲] البقرۃ: ۱۵۶ [۳] الفتح: ۲۴

وہ کب دیتی ہے۔ یا مثلاً آنکھیں دکھتی ہوں تو اُسے زنک یا اور کوئی دوا ڈالنی ہی پڑتی ہے۔ اسی طرح پر بندہ چونکہ تکمیل کا محتاج ہے۔ اُسے ماروں کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ صدق و وفا اور ثبات قدم میں کامل ثابت ہو۔

پھر دعا کرانیوالے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صابر ہو۔ جلد باز نہ ہو۔ جو ذرا سی بات پر دجال کہنے کو تیار ہے پس وہ کیا فائدہ اُٹھائے گا۔ اسے تو چاہیئے کہ صبر کے ساتھ انتظار کرے اور حُسنِ ظن سے کام لے۔

جب خدا تعالیٰ نے لنبلونّکم فرمایا ہے۔ تو صبر کرنیوالوں کے لئے بشارت دی اور اولٰئک علیہم صلوات[1] بھی فرمایا۔ میرے نزدیک اس کے یہی معنی ہیں کہ قبولیت دعا کی ایک راہ نکال دیتا ہے۔ حکام کا بھی یہی حال ہے کہ جس پر ناراض ہوتے ہیں اگر وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتا اور شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا تو اسے ترقی دیدیتے ہیں۔ قرآن شریف سے صاف پایا جاتا ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ ابتلا آویں جیسے فرمایا۔ احسب النّاس ان یترکوا ان یقولوٓا اٰمنّا وھم لَایُفْتَنُوْنَ[2]۔ یعنی کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف اٰمنّا کہنے سے چھوڑے جائیں اور وہ فتنوں میں نہ پڑیں۔

انبیاء علیہم السّلام کو دیکھو۔ اوائل میں کس قدر دُکھ ملتے ہیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف دیکھو کہ آپ کو مکّی زندگی میں کس قدر دُکھ اُٹھانے پڑے۔ طائف میں جب آپ گئے تو اس قدر آپ کے پتھر مارے کہ خون جاری ہوگیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ کیسا وقت ہے میں کلام کرتا ہوں اور لوگ مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ اور پھر کہا کہ اے میرے رب! میں اس دُکھ پر صبر کروں گا جبتک کہ تو راضی ہو جاوے۔

اولیاء اور اہل اللہ کا یہی مسلک اور عقیدہ ہوتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ عشق کا خاصہ ہے کہ مصائب آتے ہیں۔

اُنہوں نے لکھا ہے۔ ؎

[1] البقرۃ: ۱۵۸ [2] العنکبوت: ۳

عشقا ! برآ ! تو مغز گرداں خوردی
با شیرولاں چہ رستمی ہا کردی
اکنوں کہ بما روئے نبرد آوردی
ہرحیلہ کہ داری نکنی نامردی

مصائب اور تکالیف پر اگر صبر کیا جاوے اور خدا تعالیٰ کی قضا کے ساتھ رضا ظاہر کی جاوے تو وہ مشکلکشائی کا مقدمہ ہوتی ہے۔

ہر بلاکیں قوم را او دادہ است
زیرآں یک گنج ہا بنہادہ است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکالیف کا نتیجہ تھا کہ مکہ فتح ہوگیا۔ دعا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ شرط باندھنا بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ جن مقدس لوگوں نے خدا کے فضل اور فیوض کو حاصل کیا۔ انہوں نے اس طرح حاصل کیا کہ خدا کی راہ میں مَر مَر کر فنا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو دس دن کے بعد گمراہ ہو جانیوالے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس پر خود گواہی دیتے ہیں جبکہ لوگوں سے شکوہ کرتے ہیں۔ کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔

ہم لوگوں کی شامت اعمال کو روک نہیں سکتے۔ وہ لوگ نامراد رہیں گے۔ جو ولی اور مامور کا یہ معیار ٹھہراتے ہیں۔ کہ اس کی ہر دعا اسی طرح قبول ہو جائے گی جس طرح وہ چاہتے ہیں۔ اور جو ولی یا مامور ہونے کا مدعی ایسا دعویٰ کرے وہ بھی کذاب ہے۔ حضرت یعقوبؑ چالیس برس تک دعا کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کی مکی زندگی میں مصائب بڑھتے رہے کیا آپ دعا نہ کرتے ہوں گے؟ جو لوگ آسمانی علوم سے ناواقف ہیں وہ ان اسرار کو نہیں سمجھ سکتے۔ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور وہ اندھا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اسلام میرے لئے مبارک نہیں اس لئے مُرتد ہو گیا۔ ایسے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ فتوحات کے لئے دعا کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

خواب میں دیکھا۔آپ نے فرمایا کہ تیرے لئے شہادت مقدر ہے اگر تو صبر نہ کرے گا تو اخیار ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائیگا۔

نماز بھی ظہر ہی سے شروع ہوتی ہے جو زوال کا وقت ہے۔یہانتک کہ غروب تک بالکل تاریکی میں جا پڑتا ہے اور رات میں دعائیں کرتا ہے۔یہانتک کہ صبح میں سے جا حصہ لیتا ہے۔ نماز کی تقسیم بھی بتاتی ہے کہ خدا نے اس تقسیم میں ایک صبح اور باقی چار ایسی رکھی ہیں جو تاریکی سے حصہ رکھتی ہیں ورنہ ممکن تھا کہ اقبال تک ختم ہو جائیں۔

ایسا ہی سُورۃ فاتحہ میں ایاک نعبد و ایاک نستعین ایسے لفظ رکھے ہیں جو اس منشار کو ظاہر کرتے ہیں۔ایاک نعبد سے صاف پایا جاتا ہے کہ کچھ نہیں چاہتے تیری عبادت کرتے ہیں اور ایاک نستعین سے دعا کرتے ہیں۔گویا ایاک نعبد اور ایاک نستعین میں ادعونی استجب لکم اور لنبلونکم کو ملایا ہے۔نعبد تو یہی ہے کہ بھلائی اور بُرائی کا خیال نہ رہے سلب امید و امانی ہو۔اور ایاک نستعین میں دعا کی تعلیم ہے۔

بوقت ظہر

خواجہ غلام فرید صاحب کا ذکر خیر

خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے کا ذکر ہوا۔ فرمایا:۔

اس نے اپنے خط میں بڑی صفائی سے لکھ دیا تھا کہ میں آپ کے دعویٰ کا مصدق ہوں۔ اور میں نے کبھی ساری عمر بدظنی نہیں کی۔یہ ایسا کام تھا جو دوسرے گدی نشینوں سے نہیں ہوا۔اور کسی نے خط کا جواب تک نہیں دیا۔اور کسی کو ایسی توفیق نہیں ملی۔میرے خیال میں وہ نیکی جو اس کی طبیعت میں سخاوت تھی اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ اس تصدیق کی یہ توفیق ملی۔حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا۔وہ اسلام لانے سے پہلے بڑا سخی تھا۔اس نے عرض کی کہ یا رسُول اللہ میں نے اسلام سے پہلے جو سخاوت کی ہے۔اس کا بھی کوئی اجر ملیگا۔ فرمایا۔وہی روپیہ تو تجھے اسلام

میں کھینچ لایا ہے۔

بوقت عصر
حافظ محمد یوسف ضلعدار کے اشتہار کا ذکر

حافظ محمد یوسف ضلعدار کی باسی کڑھی کو پھر اُبال آیا۔ تحفہ گولڑویہ کی اشاعت پر اس نے اشتہار دیا ہے۔ کہ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا[1] پر جو اس سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ کوئی ایسا مفتری پیش کرو جس نے خدا پر تقول کیا ہو اور اپنے ان مفتریات کو شائع کیا ہو اور پھر اس نے ۲۳ برس کی مہلت پائی ہو۔ تو پانچ سَو روپیہ انعام دیا جاوے گا۔ اس طرح پر قطع الوتین ایک لغو سا اشتہار کسی امرتسری عطار نے دیا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے اشتہار میں اسی کا حوالہ دے کر اس بوجھ کو گردن سے اتارا۔ اور ندوہ کے جلسہ میں حضرت کو بُلایا ہے۔ حضرت حجۃ اللہؑ نے تجویز فرمایا کہ اس کے متعلق ایک مختصر اشتہار ندوہ کو مخاطب کر کے لکھا جاوے۔ چونکہ وہ اشتہار الگ طبع ہونا ہے جو کسی وقت الحکم میں شائع ہو جاویگا انشاء اللہ العزیز اس لئے ضرورت نہیں کہ اس مضمون کا اعادہ یہاں اپنے لفظوں میں کیا جاوے۔

دربار شام
ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی عدالت کافی ہے

آج شیخ عبد الرشید صاحب زمیندار و تاجر میرٹھ جو آج ہی آئے تھے حضرت اقدسؑ سے نماز سے فارغ ہوتے ہی ملے۔ حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے ان کو حضرت سے انٹروڈیوس کرایا۔ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ کے متعلق ذکر آنے پر شیخ عبد الرشید صاحب نے عرض کی کہ میں نے تو ارادہ کیا تھا کہ بذریعہ عدالت اس کے سخت توہین آمیز پر نوٹس لوں۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا۔

"ہمارے لئے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لئے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں۔"

[1] الحاقۃ : ۴۵

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم سُنائی جو بہت لطیف اور مفید ہے خصوصاً عورتوں کے لئے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ عورتوں کے افادہ کے لئے اُس کو الگ چھاپ دیں۔

بعد نمازِ عشاء آج کا دربار ختم ہوا۔

۳؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ندوہ کے لئے ایک اشتہار

آج جُمعہ کا دن ہے۔ حضرت اقدس کا معمول ہے کہ جمعہ کو سیر کو تشریف نہیں لے جاتے۔ بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کے لئے مسنون طریق پر غسل، حجامت، تبدیلی لباس، حنا وغیرہ امور میں مصروف رہتے ہیں اس لئے سیر کو تشریف نہیں لے گئے۔ جمعہ سے پیشتر ندوہ کے لئے ایک اشتہار لکھا۔ جو کل ۲؍ اکتوبر کو عصر کے وقت تجویز کیا تھا۔ اگرچہ یہ اشتہار صرف ایک صفحہ کا تجویز کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم اور کلام میں وہ قوت اور روانگی دی ہے کہ جو اعجازی رنگ سے رنگین ہے اس لئے بجائے ایک صفحہ کے کئی صفحے ہو گئے۔

بین المغرب والعشاء

رسالہ اسلام النصاریٰ

شیخ عبدالحق صاحب نومسلم نے اپنے ایک جدید رسالہ کا کچھ حصہ سنایا۔ اس غرض سے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رسالہ کا کوئی نام تجویز کر دیں۔ یہ رسالہ شیخ صاحب نے ایک عیسائی کے ٹریکٹ سچا اسلام نام کے جواب میں لکھا ہے جس میں اس نے عیسائیت کو سچا اسلام قرار دیا ہے حضرت اقدس نام تجویز کرنا چاہتے تھے۔ کہ چند آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ

بیعت کے بعد اس کا نام تجویز کرتا ہوں۔

چنانچہ بیعت کے لئے وہ آدمی پیش ہوئے اور آپ نے اُن سے بیعت توبہ لی۔ اور پھر اس رسالہ کا نام اسلام نصاریٰ یا اسلام النصاریٰ تجویز فرمایا اور یہ تقریر فرمائی:۔

اسلام النصاریٰ

اس رسالہ کا نام اسلام النصاریٰ رکھو۔ اور اصل رسالہ سے پہلے ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھو کہ سچا اسلام تو یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً خدا تعالیٰ کو اپنی ساری طاقتیں سپرد کر دی جاویں اور اس کے احکام کے آگے گردن رکھی جاوے۔ کوئی اس کا شریک نہ ٹھیرایا جاوے اور ہر قسم کی بدراہی سے دُور رہیں۔ مگر یہ لوگ تو اس خدا سے دُور ہیں جو اسلام نے بتایا اور کُل نبیوں نے جس کی تعلیم دی۔ یہودی تو ابھی مَر نہیں گئے۔ اُن سے پوچھو کہ وہ کس خدا کو مانتے ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ توریت نے اس خدا کو بیان کیا ہے جو قرآن نے بتایا ہے۔ وہ انجیل کے خدا کو کب مانتے ہیں جو مریم کا بیٹا ہے جس کو عیسائیوں نے خدا بنایا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مقدمہ میں یہ بیان کیا جاوے کہ حقیقی اسلام کیا چیز ہے؟ عقل اور روشنی قلب کس کو تسلیم کرتی ہے۔ کیا عیسائیت یا اسلام کو؟

پھر اس میں عیسائی مذہب کی خرابیاں دکھاؤ کہ انجیل نے کیا تعلیم دی ہے۔ مثلاً طلاق ہی کا مسئلہ دیکھو کہ انجیل میں لکھا ہے کہ جو طلاق دیتا ہے وہ زنا کرتا اور زنا کراتا ہے۔ لیکن اب واقعات اور ضرورتوں نے اُن کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کریں۔ چنانچہ امریکہ میں قانون بنایا گیا۔ ایسا ہی شراب کا مسئلہ ہے جس کے بغیر عشاء ربانی کامل نہیں ہوتی۔ مگر اس کی خرابیاں دیکھو کیسی ہیں۔ اور ولایت کا یہ حال ہے کہ وہاں سادہ پانی پینے والے پر ہنسی ہوتی ہے اور پینے کے قابل صرف شراب سمجھی جاتی ہے۔ اور پانی کو تو کپڑے ہی دھونے کے قابل قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح پر اس کی تعلیم پر ایک مختصر سی نظر کرو۔ اُن کے کھانے کے دانت اَور ہیں اور دکھانے کے اَور۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ کھانے کے دانت بھی خراب ہیں۔ جب دکھانے کے دانتوں کا یہ حال ہے تو کھانے کے تو اَور بھی خراب ہوں گے۔ کوئی چیز بھی عمدہ نہیں۔ خدا بنایا تو ایسا اور اعتقاد تجویز کئے تو ایسے۔ تعلیم دی تو ایسی کہ اگر ایک ہفتہ اس تعلیم پر عمل کرنے

کے لئے عدالتیں بند کر دی جائیں تو پتہ لگ جاوے۔ اس شخص نے سچا اسلام نام رکھ کر دراصل اسلام کو گالی دی ہے کیونکہ اس نے اسلام کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کی نصرانیت کی قلعی کھولی جاوے۔ اباحتی زندگی کو اسلام ٹھیراتے ہیں۔ جو کچھ گند اس کتاب کے اندر ہے وہ اس نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس نصاریٰ کے اسلام کی حقیقت ضرور کھولنی چاہیئے۔ اسلام کا لفظ صرف قرآن نے ہی اختیار کیا ہے اور کسی نے یہ نام اختیار نہیں کیا۔

ایک خط اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے کسی مارکوئیس نام عیسائی نے بذریعہ خط دریافت کیا ہے۔ کہ اس کے کیا معنے ہیں جو متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ

اس کا جواب لکھ دیا جاوے اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ جو انجیل میں لکھا ہے۔ کہ چور کی طرح آؤں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مسیح کا نام منافق بھی ہے۔ کہیں دنوں میں آنا لکھا ہے اور کہیں چور کی طرح۔ ہم تو حکم ہو کر آئے ہیں۔ پہلے ان ساٹھ ستر اناجیل کا تو فیصلہ ہو لے کہ کون اُن میں سے سچی ہے اور کون جھوٹی۔ ہم تو ایسے وقت آئے ہیں کہ اس آیت کو پیش کرتے ہوئے بھی ان کو شرم آنی چاہیئے کیونکہ ان کے حساب کے موافق تو مسیح کی آمد پر بیس برس گزر گئے۔ اب تو قانونی میعاد بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہی - اس لئے بعض اب مایوس ہو کر کلیسیا ہی کو مسیح کی آمد ٹھیراتے ہیں اور اسی قسم کی بیجا اور رکیک تاویلیں کرتے ہیں۔ پس اب جبکہ ان کے حساب اور اعتقاد کے موافق اب سچے مسیح کو بھی قدم رکھنے کو جگہ نہیں تو پھر فرشتوں کے ساتھ آنا اور وہ جلالی آمد تو غلط ہی ٹھیری۔ چور کی طرح آنا ہی صحیح ثابت ہوا۔ پہلے اپنے گھر میں اناجیل کا فیصلہ کر لیں۔ جھوٹے مسیح جو لکھا ہے تو اب تو سچے کا وقت بھی گزر گیا۔ تم خود بتاؤ کہ یہ زمانہ سچے مسیح کا ہے یا جھوٹے مسیح کا۔ تمہارے بزرگوں نے مان لیا ہے۔

اس لئے جو عقلمند ہیں وہ اس مضمون کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اس صدی سے آگے نہ کوئی مسلمان گیا ہے۔ نہ عیسائی۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ تمام کشوف اور الہام جو مسیح کے متعلق ہیں وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے۔ لدھیانہ میں بھی ایک مرتبہ ایک عیسائی نے یہ سوال کیا تھا۔ مگر وہ ایسا لاجواب ہوا کہ آخر اس نے اعتراف کر لیا اور بعض عیسائی اس سے ناراض بھی ہو گئے۔

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم وفات مسیح پر پڑھی۔ بعد نماز عشا دربار ختم ہوا۔

---

۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء

سیر

آج کی سیر میں طاعون کے متعلق ادھر ادھر کی مختلف باتیں ہوتی رہیں۔

ظہر

تحفۃ الندوہ کے متعلق جو جدید اشتہار حضرت حجۃ اللہ نے لکھا ہے۔ وہ ایک جزو کے قریب ہو گیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ

اب اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کتاب میں ایک برکت ہوتی ہے۔ لوگ اشتہار کو اشتہار سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔ اس پر ٹائٹل پیج لگایا جاوے۔ برہنہ مرد کب اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ٹائٹل پیج اس کا لباس ہے۔ اور اس کا نام تحفۃ الندوہ رکھ دو۔

آج تحفہ غزنویہ بھی شائع ہو گیا۔ چونکہ ندوہ کا اجلاس قریب ہے۔ اور کشتی نوح کی اشاعت میں بھی جلدی ہے۔ کثرت کام کی وجہ سے جو چار پریسوں پر ہو رہا ہے۔ سب بھتر زکے پڑے تھے۔ عرض کیا گیا۔ کہ کشتی نوح کی اشاعت میں دیر نہ ہو جائے۔

بَین المغرب والعشاء

طاعُون کا ذکر

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ اور طاعون کے ذکر چلنے پر فرمایا
خواہ کچھ ہی ہو اگر کوئی چاہے کہ یہ بَلا ارضی تدابیر سے ٹل جاوے تو یہ محال ہے۔ خدا کا ایک قانون ہے کہ جس قدر کوئی قابل قدر ہے اُسی قدر اُسے بچایا جاتا ہے۔ دیکھو شہروں میں جو بکرے ذبح ہوتے ہیں۔ وہ ان کیڑوں مکوڑوں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ جو پاؤں کے نیچے آکر ہر روز مارے جاتے ہیں۔ اور بکروں کی نسبت گائے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتی ہیں۔ اور اُونٹ اس سے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر قابل قدر جانور ہے اسی قدر کم ذبح ہوتا ہے۔ انسان ان سب سے زیادہ قابل قدر ہے اس پر وہ چھُری نہیں چلتی جو اُن جانوروں پر چلائی جاتی ہے۔ پھر ان انسانوں میں سے بھی جو سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ اسے اللہ تعالٰے محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالٰے کے ساتھ اپنا سچا تعلق رکھتے اور اپنے اندرُونہ کو صاف رکھتے ہیں۔ اور نوع انسان کے ساتھ خیر اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ اور خدا کے سچے فرماں بردار ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم[1] اس کے مفہوم مخالف سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ دوسروں کی پرواہ کرتا ہے اور وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو سعادتمند ہوتے ہیں۔ وہ تمام کسریں اُن کے اندر سے نکل جاتی ہیں جو خدا سے دُور ڈال دیتی ہیں اور جب انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔ اور خدا سے صُلح کر لیتا ہے تو خدا اس کے عذاب کو بھی ٹلا دیتا ہے۔ خدا کو کوئی ضد تو نہیں چنانچہ اس کے متعلق بھی صاف طور پر فرمایا ہے۔ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم[2]
یعنی خدا نے تم کو عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ اگر تم دیندار ہو جاؤ۔ طاعون بڑا خطرناک عذاب ہے بیوی بچے ہی نہیں تباہ ہوتے۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ جنازہ کا بھی کوئی انتظام نہیں ہو سکتا۔ مرنیوالا تو مَر جاتا ہے دوسرے جو زندہ رہتے ہیں۔ وہ بھی مفقود العقل اور زندہ درگور

[1] الفرقان : ۷۸ [2] النساء : ۱۴۸

ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ کہ گھر والے مُردہ کو باہر پھینک آئے ہیں اور کتوں نے اس کو کھایا۔ اور وہ بھی طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ اس خوفناک مرض میں تعہد خدمت کا بھی نہیں ہو سکتا۔ تیمارداروں کو نفرت اور خوف ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے جو یہ فرمایا ہے۔ قل مایعبؤا بکم ربّی لولا دعاؤکم۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا منشا یہ ہے کہ جیسے تم نے میرے شعار کو چھوڑ دیا ہے۔ میں تمہاری بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تجہیز و تکفین بھی ایک شعار ہے۔ اور اب تو یہ رسم ہو گئی ہے اور اس سے بڑھ کر نہیں۔ مُلّا آتا ہے تو اس کی غرض چادر کا لینا ہوتا ہے جنازہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کا ایک لفظ آگے نہیں جاتا۔ بلکہ وہ تو یہی سوچتا رہتا ہے۔ کہ کچھ نمک۔ دانے اور پیسے ملیں گے۔ اور پھر دیکھتا ہے کہ مُردہ کے کپڑوں سے کوئی حصہ ملیگا۔ غرض یہ تو مال تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اپنے حقوق ہی جتاتے رہتے ہیں۔

ایک تار

حضرت اقدسؑ یہانتک بیان کر چکے تھے کہ ایک تار آگیا۔ یہ تار مولوی غلام علی صاحب رہتاسی کی طرف سے تھا۔ کہ میں بیمار ہو گیا ہوں۔ میرے لئے ڈولی نہ بھیجو۔ کچھ عرصہ تک حضرتؑ مولویصاحب کی بیماری کا ذکر کرتے رہے اور حالات پوچھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ

ہماری جماعت جو اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے سب آپس میں بھائی ہیں۔ اس لئے اتنے بڑے کنبہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نہ کوئی دردناک آواز نہ آتی ہو۔ جو گزر گئے وہ بھی بڑے ہی مخلص تھے جیسے ڈاکٹر بوڑیخاں۔ سیّد خصیلت علی شاہ۔ ایوب بیگ۔ منشی جلال الدین۔ خدا ان سب پر رحم کرے۔

طاعون بیدار کرنے والی ہے

طاعُون بھی ایک طرح اچھی ہی ہے۔ کیونکہ یہ غفلت سے بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ سر پر نہ ہو۔ تو اس زمانہ میں شاید خوف ہی نہ رہے۔ بڑے بڑے مُوذی طبع مفسد لوگوں کو بھی دیکھا ہے یہاں ہیضہ زور سے پڑتا ہے۔ تو اُن کے بھی خُون خشک ہو گئے ہیں اور اپنے اپنے

[1] الفرقان : ۷۸

طور پر ڈر گئے ہیں۔ بعض دانشمند کہتے ہیں کہ نفس چونکہ باز نہیں آتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی محرک ہی ہو۔ اس دنیا کا انجام کار خاتمہ ہونا ہے اور دوسرا عالم بھی یقینی ہے اور وہ زندگی کا عالم ہے۔ خواہ پہلی بار ہی اگر وہاں جا کر آنکھ کھلی اور بُرے آثار ہوں تو پھر بڑے مشکلات ہیں۔ یہ بھی خدا کا بڑا رحم ہے جو اس مردود ملک پر طاعون کا تازیانہ بھیجدیا جس سے غفلت دور ہوتی ہے۔ خدا کی سُنّت ہے کہ جب انسان بہت ہی سخت دل ہو جاوے تو ایسے عذاب بھیج دیتا ہے۔ انسان معمولی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر اب جیسے ایک بڈھا اپنے آپ کو قریب بہ قبر سمجھتا ہے۔ ویسے ہی بیس برس کا نوجوان بھی۔ غفلت اور شہوات کا نشہ ایسی چیز ہے۔ کہ جب معمولی موت سے انسان نے سبق نہ لیا تو طاعون بھیجدی جو عذاب کی شکل میں ہلاک کر رہی ہے۔

الاستفتاء من ندوة العلماء

اس کے بعد مولانا مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا عربی قصیدہ سُنایا جو مندرجہ حاشیہ عنوان سے انہوں نے دو تین گھنٹہ میں لکھا ہے۔ جب وہ قصیدہ پڑھ چکے تو مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے پنجابی نظم سُنائی اور بعد نماز عشاء دربار ختم ہوا۔

۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء

صُبح کی سَیر

نزول المسیح اور کشتی نوح کے متعلق تذکرہ پر فرمایا۔ کہ کشتی نوح الگ بھی تقسیم ہو اور نزول المسیح کے ہمراہ بھی۔ کیونکہ تقسیم کے وقت ہر ایک اپنی اپنی الگ سمت اختیار کرتا ہے۔

قوت جاذبہ مجذوبہ

دنیا میں یہ دو قوتیں جاذبہ اور مجذوبہ ہیں۔ اور ان کا اثر بھی برابر جاری ہے۔ اس لئے اس قسم کی تقسیم سے یہ فائدہ ہوگا۔ کہ جو روحیں صرف تعلیم کی تلاش میں ہیں۔ اُن کی سیری اس تعلیم کو پڑھ

کر ہوگی۔ اور بعض رُوحیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ثبوت کی تلاش میں ہیں۔ اُن کو نزول المسیح میں پُورا ثبوت ملے گا۔ اور اس سے فائدہ پہنچے گا۔ بعض صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ امام کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے لئے بھی یہ مفید ہوگی پس یہ دو قسم کی اشاعت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

المؤمن اور النّاس

ثبوت اس قسم کے دیئے ہیں کہ اللہ اکبر! یہانتک کہ مشہودات اور محسوسات سے ایمان کی تقویت ہوتی ہے لیکن جو لوگ ایمانی فراست سے حصہ رکھتے ہیں۔ وہ پہلے ہی سمجھ لیتے ہیں۔ جو لوگ حق قبول کرتے ہیں وہ اسی وقت فراست والے کہلاتے ہیں جب وہ اوّل ہی اوّل قبول کرتے ہیں۔ خدا جو مومنوں کی تعریف کرتا ہے اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[1] کہتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی فراست سے پہلے رسول اللہ کو مان لیا۔ لیکن جب کثرت سے لوگ داخل ہونے لگے۔ اور انکشاف ہوگیا۔ اس وقت داخل ہونے والے کا نام النّاس رکھا۔ اس حالت میں تو گویا منع کرتا ہے یہ کہہ کر قالت الاعراب اٰمنّا قل لّم تؤمنوا ولٰکن قولوا اسلمنا[2] یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ ایمان اس وقت ہوتا ہے جب ابتلا کے موقع آویں۔ جن پر ایمان لانے کے بعد ابتلا کے موقعے نہیں آئے۔ وہ اسلمنا میں داخل ہیں۔ انہوں نے تکلیف کا نشانہ ہو کر نہیں دیکھا بلکہ وہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں داخل ہوئے یہی وجہ ہے کہ فخر کا نام اور خطاب ان کو نہ ملا۔ بلکہ النّاس ان کا نام رکھا۔ کیونکہ وہ ایسے وقت داخل ہوئے جب کام چل پڑا۔ اور رسول اللہؐ نے اپنی صداقت کی روشنی دکھلائی۔ اس وقت دوسرے مذاہب حقیر نظر آئے۔ تو سب داخل ہوگئے۔

نبی کی ذمہ داری اور استغفار

نبی بہت بڑی ذمہ داری لے کر آتا ہے۔ اس لئے جب وہ اپنے کام کو کر چکتا ہے۔ اور تبلیغ کر کے رخصت ہونے کو ہوتا ہے۔ تو وہ وقت اس کا گویا خدا تعالےٰ کو چارج دینے کا

[1] البیّنۃ : ۹ [2] الحجرات : ۱۵

ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالےٰ جس پر اپنا فضل کرتا ہے اس پر استغفار کا لفظ بولتا ہے اسی طریق کے موافق رسُول اللہؐ کو بھی ارشاد الٰہی ہوتا ہے۔ فسبّح بحمد ربّك واستغفرہٗ انّہٗ کان توّابًا[1]۔ خدا تعالےٰ ہر ایک نقص سے پاک ہے اور جو کچھ سہو بشریّت کی رُو سے اس ذمہ داری کے کام میں ہوا ہے۔ . . . . . . تو اس سے استغفار چاہو۔ جس کے سپرد ہزاروں کام ہوں۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تو مقاصد عظیم الشان لے کر آئے تھے۔ غرض یہ ایک چارج تھا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ اور جس میں آپ کی پُوری کامیابی کی طرف پہلے اشارہ کر دیا۔ اور یہ سُورہ گویا آنحضرتؐ کی وفات کا ایک پروانہ تھا۔ یہ بھی یاد رکھو۔ کہ انبیاء کی زندگی اسی وقت تک ہوتی ہے جبتک مصائب کا زمانہ رہے۔ اس کے بعد جب فتح و نصرت کا وقت آتا ہے۔ تو وہ گویا اُن کی وفات کا پروانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کام کو کر چکے ہوتے ہیں جس کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ اور اصل تو یہ ہے کہ کام تو اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں۔ مُفت میں ثواب لینا ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں بھی خود غرضی۔ سُستی۔ ریا کی آمیزش کرے۔ وہ اصل ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کی تائید میں

ایک عرصہ ہوا میں نے خواب دیکھا تھا کہ گویا میر ناصر نواب ایک دیوار بنا رہے ہیں۔ جو فصیل شہر ہے۔ میں نے اس کو جو دیکھا تو خوف آیا کیونکہ وہ قد آدم بنی ہوئی تھی۔ خوف یہ ہوا۔ کہ اس پر آدمی چڑھ سکتا ہے۔ مگر جب دوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ قادیان بہت اونچی کی گئی ہے۔ اس لئے یہ دیوار دوسری طرف سے بہت اونچی ہے اور یہ دیوار گویا ریختہ کی بنی ہوئی ہے۔ فرش کی زمین بھی پختہ کی گئی ہے۔ اور غور سے جو دیکھا تو وہ دیوار ہمارے گھروں کے اردگرد ہے۔ اور ارادہ ہے کہ قادیان کے اردگرد بھی بنائی جاوے۔ شاید اللہ رحم کرکے ان بلاؤں میں تخفیف کر دے۔

[1] النصر: ۴

قادیان میں آج دو تین موتیں ہو گئیں۔ فرمایا:۔

تپ محرقہ سے بھی موتیں ہو جایا کرتی ہیں۔ طاعون کے تو حملے ہی الگ ہیں۔ کوئی جنازہ اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ بعض وقت ایک گھر میں جب ہوتی ہے تو پھر سارے گھر کا صفایا ہو جاتا ہے اور جانوروں تک کو ہو جاتی ہے۔ انسان کے ایمان کے پرکھے جانے کا اب اچھا موقعہ ہے۔ طاعون تو اب مان نہ مان میں ترا مہمان ہو کر آئی ہے۔ اگر طاعون نہ ہوتی۔ تو شاید سچے مسلمان کا پتہ نہ ملتا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۵-۱۶ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

۵ اکتوبر ۱۹۰۲ء (بقیہ صبح کی سیر)

قادیان میں چند موتیں

آج معمولی موسمی عوارض بخار وغیرہ سے یہاں کے چوڑھوں اور دوسری اقوام میں دو موتیں ہو گئی تھیں۔ اس کا ذکر آیا۔ فرمایا۔

ایسی موتیں محرقہ تپ سے بھی ہوتی ہیں۔ طاعون کے حملے ہی الگ ہوتے ہیں۔ کوئی جنازہ پڑھنے اور اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ بعض وقت ایک گھر میں جب یہ بلا داخل ہوتی ہے۔ تو اس گھر کے گھر کو صاف کر دیتی ہے۔ اور عورتوں بچوں تک کو تو ہوتی ہی ہے۔ جانوروں کو بھی ہو جاتی ہے۔

طاعون معیار ایمان ہے

طاعون بجائے خود انسان کے ایمان کے پرکھے جانے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اب طاعون تو مان نہ مان میں ترا مہمان ہو کر آئی ہے۔ اگر طاعون نہ ہوتی تو سچے مسلمان کا پتہ لگنا ہی مشکل ہوتا۔ جو خدا تعالےٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ اس وقت طاعون کو دیکھ کر جلد تبدیلی کرتے ہیں یہ دیکھا گیا ہے کہ معمولی موتیں جو ہر روز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ گو انسان کو بیدار کرنے کے لئے کافی

ہیں۔ اگر وہ ان سے عبرت حاصل کرے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں۔ اور وہ دنیا کے تعلقات پر موت وارد کرنے کے لئے اس قدر مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتی ہیں جس قدر کہ اب طاعون۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معمولی موتیں اب معمولی موتیں ہونے کی وجہ سے اس قدر خوفناک نہیں رہی ہیں۔ لیکن اب طاعون کے حملوں سے ایک عالمگیر خوف چھا گیا ہے۔ اور یہ وقت ہے کہ خدا تعالےٰ ہی کو اپنا ماویٰ و ملجا بنایا جاوے۔ غور کر کے دیکھو۔ کہ کس قدر وحشت ہو سکتی ہے۔ جب ایک گھر میں دو چار مُردے پڑے ہوں اور کوئی اُٹھانے والا بھی موجود نہ ہو۔ غرض طاعون اب انسان کا جوہر کھول کر دکھا دیتی ہے مصیبت اور مشکلات بھی انسان کے ایمان کے پرکھنے کا ایک ذریعہ ہیں چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَحسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون[1]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں جماعت کو بہت زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ موت سب سے بڑھ کر منذرات میں سے ہے جو تبدیلی اس نظارہ موت سے ہو سکتی ہے۔ وہ دوسری منذرات سے نہیں ہوتی۔

خدا تعالےٰ جو تبدیلی چاہتا ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ لوگ خدا کی طرف رجوع کریں۔ اور اس سے دعائیں مانگیں کہ ایک پاک تبدیلی انہیں عطا ہو۔ جن لوگوں کی پاک تبدیلی خدا تعالےٰ دعاؤں سے چاہتا ہے۔ ان کی تبدیلی اس طرح پر ہوتی ہے کہ اُن پر بلائیں اور خوف آتے ہیں۔ جیسے فرمایا۔ ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع[2]۔ الآیۃ

شیطان کی انسان سے جنگ

اگر انسان کے افعال سے گناہ دور ہو جاوے تو شیطان چاہتا ہے کہ آنکھ، کان، ناک تک ہی رہے اور جب وہاں بھی اُسے قابو نہیں ملتا۔ تو پھر وہ یہاں تک کوشش کرتا ہے۔ کہ اَور نہیں تو دل ہی میں گناہ رہے۔ گویا شیطان اپنی لڑائی کو اختتام تک پہنچاتا ہے۔ مگر جس دل میں خدا کا خوف ہے۔ وہاں شیطان کی حکومت نہیں چل سکتی۔ شیطان آخر اس سے مایوس ہو

[1] العنکبوت: ۳ [2] البقرۃ: ۱۵۶

جاتا ہے اور الگ ہوتا ہے اور اپنی بڑائی میں ناکام و نامُراد ہو کر اسے اپنا بوریا بستر باندھنا پڑتا ہے

ابتلا نفسانی لذتوں پر موت وارد کرتے ہیں

بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں کہ وہ نفسانی قیدوں اور ناجائز خیالات سے الگ ہونا نہیں چاہتے اور کوئی بات ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ آخر خدا تعالےٰ اُن پر یوں رحم کرتا ہے۔ کہ بعض ابتلا آجاتے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ اُن سے باز آجاتے ہیں۔

قوموں کا باہمی جدال

اس وقت عام طور پر قوموں کا مناظرہ خدا تعالےٰ کی طرف سے پیش آگیا ہے مگر اس میں فتح و نصرت اُسی کو ملے گی جو خدا کے نزدیک تقویٰ والی ہو اور زبان کو سنبھال کر رکھے۔ بندوں پر ظلم نہ کرے۔ اُن کے حقوق کی رعایت کرے۔ سفر میں، حضر میں بنی نوع انسان کی ہمدردی اور رعایت کرے تو خدا تعالےٰ اس کی رعایت کرتا ہے۔ جب وہ تقویٰ دیکھتا ہے۔ تو وہ خود اس کا ولی اور مددگار ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کا کسی کے ساتھ کوئی جسمانی رشتہ نہیں ہے۔ خدا تعالےٰ خود انصاف ہے اور انصاف کو دوست رکھتا ہے۔ وہ خود عدل ہے عدل کو دوست رکھتا ہے۔ اس لئے ظاہری رشتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو تقویٰ کی رعایت کرتا ہے۔ اسے وہ اپنے فضل سے بچاتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اسی لئے اُس نے فرمایا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[1]۔ پس اس مناظرہ میں متقی ہی کامیاب ہوگا

طائف عرب کے ریگستان میں بہشت کا نمونہ ہے

عرب کی تجارتی اشیاء کا تذکرہ ہوتا رہا۔ اور طائف کے ذکر پر فرمایا کہ

وہ گویا اس ریگستان میں بہشت کا نمونہ ہے۔

اسی ذکر میں یہ بھی کہا گیا۔ کہ

عرب میں بازاروں میں ہر ایک۔ چیز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہر وقت جس قدر چاہو۔ میسّر آسکتی ہے۔

[1] الحجرات : ۱۴

برات کے ساتھ باجا بجانا کیسا ہے

میاں اللہ بخش صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ حضور یہ جو براتوں کے ساتھ باجے بجائے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا۔

فقہاء نے اعلان بالدّف کو نکاح کے وقت جائز رکھا ہے اور یہ اس لئے کہ پیچھے جو مقدمات ہوتے ہیں تو اس سے گویا ایک قسم کی شہادت ہو جاتی ہے۔ ہم کو مقصود بالذات لینا چاہیئے۔ اعلان کے لئے یہ کام کیا جاتا ہے۔ یا کوئی اپنی شیخی اور تعلّی کا اظہار مقصود ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض چُپ چاپ شادیوں میں نقصان پیدا ہوئے ہیں یعنی جب مقدمات ہوئے ہیں تو اس قسم کے سوال اُٹھائے گئے ہیں۔ غرض ان خرابیوں کے روکنے کے لئے اور شہادت کے لئے اعلان بالدّف جائز ہے اور اس صورت میں باجا بجانا منع نہیں ہے بلکہ نسبتوں کی تقریب پر جو شکّر وغیرہ بانٹتے ہیں۔ دراصل یہ بھی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو خبر ہو جاوے اور پیچھے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ مگر اب یہ اصل مطلب مفقود ہو کر اس کی جگہ صرف رسم نے لے لی ہے اور اس میں بھی بہت سی باتیں اَور پیدا کی گئی ہیں پس ان کو رسُوم نہ قرار دیا جاوے۔ بلکہ یہ رشتہ ناطہ کو جائز کرنے کے لئے ضروری امور ہیں۔ یاد رکھو جن امور سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے۔ شرع اس پر ہرگز زد نہیں کرتی۔ کیونکہ شرع کی خود یہ غرض ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

آتشبازی اور تماشا وغیرہ یہ بالکل منع ہیں۔ کیونکہ اس سے مخلوق کو کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔ اور باجا بجانا بھی اسی صورت میں جائز ہے جبکہ یہ غرض ہو کہ اس نکاح کا عام اعلان ہو جاوے اور نسب محفوظ رہے۔ کیونکہ اگر نسب محفوظ نہ رہے تو زنا کا اندیشہ ہوتا ہے جس پر خدا نے بہت ناراضی ظاہر کی ہے یہاں تک کہ زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے اعلان کا انتظام ضروری ہے۔ البتہ ریاکاری، فسق فجور کے لئے یا صلاح و تقویٰ کے خلاف کوئی منشا ہو تو منع ہے۔

شریعت کا مدار نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا[1]
باجا کے متعلق حرمت کا کوئی نشان بجز اس کے کہ وہ صلاح و تقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق و فجور کے لئے ہے، پایا نہیں جاتا اور پھر اعلان بالدف کو فقہار نے جائز رکھا ہے اور اصل اشیاء حلت ہے۔ اس لئے شادی میں اعلان کے لئے جائز ہے۔

لڑکیوں کا گانا کیسا ہے

پھر یہ سوال کیا گیا کہ لڑکی یا لڑکے والوں کے ہاں جو جوان عورتیں مل کر گھر میں گاتی ہیں۔ وہ کیسا ہے؟ فرمایا:۔

اصل یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح پر ہے۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو لڑکیوں نے مل کر آپ کی تعریف میں گیت گائے تھے۔

مسجد میں ایک صحابی نے خوش الحانی سے شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے ہیں۔ تو آپؐ نے منع نہیں کیا۔ بلکہ آپؐ نے ایک بار اس کے شعر سنے تو آپؐ نے اس کے لئے رحمت اللہ فرمایا۔ اور جس کو آپؐ یہ فرمایا کرتے تھے وہ شہید ہو جایا کرتا تھا۔ غرض اس طرح پر اگر فسق و فجور کے گیت نہ ہوں۔ تو منع نہیں۔ مگر مردوں کو نہیں چاہیئے کہ عورتوں کی ایسی مجلسوں میں بیٹھیں۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں ذرا بھی مظنّۂ فسق و فجور کا ہو وہ منع ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان ان میں خود فتویٰ لے سکتا ہے جو امر تقویٰ اور خدا کی رضا کے خلاف ہے۔ مخلوق کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ منع ہے۔ اور پھر جو اسراف کرتا ہے۔ وہ سخت گناہ کرتا ہے۔ اگر ریاکاری کرتا ہے۔ تو گناہ ہے۔ غرض کوئی ایسا امر جس میں اسراف، ریا

[1] البقرۃ: ۲۸۷

فسق، ایذائے خلق کا شائبہ ہو وہ منع ہے اور جو اُن سے صاف ہو وہ منع نہیں، گناہ نہیں۔ کیونکہ اصل اشیاء کی حلّت ہے۔

ہر ایک کا کام نہیں کہ دین کے لئے بات کرے، پہلے خود متقی ہونا چاہیئے تاکہ

سُخن کز دل برُوں آید نشیند لاجَرم بردِل

کا مصداق ہو۔

منطقی بات بدبُودار ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں نرے داؤپیچ ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے منطقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ تقریر کا پہلو اختیار کرنا چاہیئے۔

۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

۱۔ آج بعد عصر حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ الاحد کی برات رڑکی سے واپس آئی تھی۔ اس موقعہ پر ایڈیٹر الحکم نے اپنی احمدی جماعت کی طرف سے ایک مبارکباد کا خاص پرچہ شائع کیا جو برات کے دارالامان پہنچتے ہی شائع کیا گیا تھا۔

۲۔ قبل نماز مغرب جب حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو رڑکی سے آئے ہوئے احباب ملے جو برات میں گئے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے (جو حضرت اقدس کے سلسلہ میں ایک درخشندہ گوہر ہیں۔ اور جو عیسائیوں کی کتابوں کو پڑھ کر ان میں سے سلسلہ عالیہ کے مفید مطلب مضامین کے اقتباس کرنے کا بیحد شوق اور جوش رکھتے ہیں) پطرس کے متعلق سُنایا۔ کہ رڑکی میں پادریوں سے مِل کر میں نے اس سوال کو حل کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر ۳۰ یا ۴۰ سال کے درمیان تھی۔ ناظرین کو اس سوال عمر پطرس کی ضرورت کے لئے ہم الحکم کا وہ نوٹ یاد دلاتے ہیں جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بعض کاغذات اس قسم کے ہیں۔ جن میں پطرس لکھتا ہے

کہ میں نے مسیح کی وفات کے تین سال بعد ان کو لکھا ہے۔ اور اب میری عمر ۹۰ سال کی ہے۔ گویا مسیح نے جب وفات پائی۔ تو پطرس کی عمر ۸۷ سال کی ہوئی اور واقعہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ تو اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد کم از کم ۴۷ سال تک بموجب اس تحریر کے زندہ رہا۔ اور پطرس ان کے ساتھ رہا۔ اور یہ ثابت ہوگیا کہ صلیب پر مسیح نہیں مرا۔ بلکہ طبعی موت سے مَرا ہے اور نہ آسمان پر اس جسم کے ساتھ اُٹھایا گیا۔ کیونکہ راس الحواریین پطرس اس کی موت کا اعتراف کرتا ہے اور موت کا وقت دیتا ہے۔

مفتی صاحب نے یہ عظیم الشان خوشخبری حضرت کو سُنائی۔ پھر نماز مغرب ادا ہوئی۔

بعد نماز مغرب

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین زیر کی اور نور فراست رکھتے ہیں

۴۔ بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ بیٹھتے ہی حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے مبارکباد دی اور عرض کیا کہ حضور ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی مخلص پایا ہے۔ کوئی بات انہوں نے نہیں کی۔ یہی کہا ہے کہ جو حکم دیا ہے وہ کرو۔ بھائیوں میں سے بھی کوئی شریک نہیں ہوا۔ فرمایا:-

خدا تعالےٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے اور یہ تقریب پیدا کر دی کہ مخالف بھائیوں سے قطع تعلق ہو جاوے۔

پھر مولوی صاحب نے عرض کی کہ باوجودیکہ کوئی تکلف کی بات نہ تھی مگر وہ بڑی ہی خاطر و تواضع سے پیش آئے اور اسی میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ فرمایا:-

اُن میں اہلیت اور زیر کی بہت ہے۔

اس پر حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور جب الحکم میں میرا ایک خطبہ فَلَا وَرَبِّكَ پر شائع ہوا تو انہوں نے بڑے ہی اخلاص اور صدق سے خط لکھا کہ اس کو پڑھ کر میرا ایمان بڑا

قوی اور تانہ ہوگیا ہے ۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا :-

میں نے دیکھا ہے کہ اُن میں نور فراست ہے ۔ وہ اپنے باپ سے بھی اس معاملہ میں گفتگو کیا کرتے تھے ۔

حافظ محمد یُوسف اور قطع الوتین

حافظ محمد یوسف کا ذکر آگیا کہ

اس نے اشتہار دیا ہے اور اس میں قطع الوتین کا حوالہ دیا ہے ۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی ہے کہ ایک مفتری کو بھی وہ تسلیم کرتا ہے کہ ۲۳ برس تک زندہ رہتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا یہ عملی زمانہ مقرر کیا ہے ۔ ایک انسان کو اگر لکھا جاوے کہ تیری شکل جانور جیسی ہے اس کی توہین ہے ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت نبوت کو کذاب کی طرح کہنا بے ادبی ہے ۔ آپ کی پاک زندگی کو مومن کبھی کسی ناپاک انسان کی زندگی سے مشابہت نہیں دے سکتا ۔ آپ کی آمد اس وقت ہوئی جب دنیا فسق و فجور اور فساد سے بھری ہوئی تھی اور آپ اس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے جب آپ پورے کامیاب ہو گئے اور سب کام کر لئے ۔ اس اشتہار کا جواب لکھنا ضروری تھا ۔ اس لئے میں نے ایک رسالہ مختصر سا بنا دیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر ٹائٹل پیج بھی لگا دیا جاوے ۔ بائیبل میں بھی چھوٹے چھوٹے صحیفے موجود ہیں ۔ اس میں چونکہ ندوہ کو تبلیغ ہے اس لئے اس کا نام **تحفۃ الندوۃ** رکھ دیا ہے ۔ اب بہتر ہے کہ اس کے پیچھے ایک مبارک بشارت لکھ دی جاوے کہ عیسائیوں کے محققین کی تحریروں سے ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت عیسٰی صلیب کے واقعہ کے بعد بھی زندہ رہے جیسا کہ پطرس کی اس تحریر سے جو ملی ہے معلوم ہوا ۔

اس تحقیقات سے ہر ایک محقق کو خوش ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ یہ ان کاغذات سے ثابت ہوئی ہے جو مسیح کے خاص حواری پطرس کے لکھے ہوئے ہیں ۔

خاتم النبیین

خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مُہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

ہماری تائید کی عام ہوا چل رہی ہے

دنیا میں اس وقت ایک عام تحریک ہو رہی ہے اور آئے دن ایک نہ ایک بات ہماری تصدیق اور تائید میں نکلتی آتی ہے۔ یہ خدا کا کام ہے۔ اب دیکھ لو کہ یہ کاغذ نکل آئے ہیں جو پطرس کے لکھے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت ان کو پڑھ کر خوش ہو گی۔ اور ان کا ایمان بڑھے گا۔

ہماری تعلیم

کشتی نوح میں میں نے اپنی تعلیم لکھ دی ہے اور اس سے ہر ایک شخص کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔ چاہیئے کہ ہر ایک شہر کی جماعت جلسے کر کے سب کو یہ سُنا دے۔ ایک مستعد اور فارغ شخص کو بھیجدی جاوے جو پڑھ کر سُنا دے اور اگر یُونہی تقسیم کرنے لگو تو خواہ پچاس ہزار ہو کافی نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس ترکیب سے اس کی اشاعت بھی ہو جائے گی۔ اور وہ وحدت جو ہم چاہتے ہیں جماعت میں پیدا ہونے لگے گی۔

دو گروہ

خدا تعالےٰ نے دو گروہ بنا دیئے ہیں۔ جیسے صدر اسلام میں تھے۔ ایک ضعفاء اور غرباء کا گروہ ہے اور دوسرے وہ جو نفسانیت رکھتے ہیں۔

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء ۔۔۔۔۔۔ دربار شام

بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ علی الارض حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔

میاں غلام رسول حجام امرتسر نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا۔ کہ مخالف کس طرح ہماں کو تکلیفیں دیتے ہیں۔ اور اس نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ غلام محمد لڑکا جس نے یہاں سے جا کر ایک گندہ اشتہار شائع کیا ہے وہ سخت تکلیف میں ہے۔

۲۔ ایک ہندو فقیر کوٹ کپورہ سے آیا ہوا تھا۔ جو آج صبح بھی ملا تھا۔ اس وقت پھر اس نے سلام کیا حضرت اقدس نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ

یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہیئے۔

چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا گیا اور وہ ایک ہندو کے گھر اُس کو کھانا کھلانے کے لئے لے گیا۔

۳۔ میاں غلام رسول نے پھر اپنی تکالیف کا ذکر کیا اور کہا کہ امرتسر کے مخالفوں نے باہم اتفاق کر کے یہ سازش کی ہے کہ جن گھروں میں مَیں کھانا پکانے جایا کرتا تھا۔ اُن کو بند کر دیا ہے کہ وہ مجھ سے کھانا نہ پکوائیں حضرت اقدس نے فرمایا۔

صبر کرنا چاہیئے خبر ہے کہ تمہارے لئے کتنے گھر خدا نے رکھے ہیں اور اُن سے دو چند سہ چند تم کو مل جائیں گے۔ طاعون شروع ہو گئی ہے اور وہ ابھی ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اس لئے تم ان باتوں کا ذکر ہی نہ کرو کہ گھر چھوٹ گئے ورنہ ثواب جاتا رہے گا۔

طاعون کی اقسام

۴۔ طاعون کے ذکر پر فرمایا:۔

تین قسم کی طاعون ہے۔ اوّل صرف تپ چڑھتا ہے اور گلٹی نکلتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ سخت تپ ہی ہوتا ہے۔ اور بعض ایسی ہوتی ہے کہ نہ تپ ہے نہ کچھ اور بس خاتمہ ہی ہو جاتا ہے

مچھلی کی ہڈی کا گلے میں پھنس جانے کا علاج

۵۔ جناب نواب صاحب کے لڑکے کے گلے میں ایک ہڈی کا تنکا پھنس گیا تھا۔ مولوی صاحب اس کے علاج کے لئے گئے ہوئے تھے۔ جب نواب صاحب کے ساتھ واپس آئے۔ تو انہوں نے ذکر کیا۔ کہ ہڈی پھنس گئی تھی اور شکر ہے کہ نکل گئی۔ فرمایا۔

مچھلی کی ہڈی کا علاج تو سہل ہے کہ دہی سرکہ ملا کر پلایا جاوے تو فوراً نکل جاتی ہے۔

اور فرمایا کہ

خدا کا فضل قدم قدم پر انسان کو مطلوب ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو یہ جی نہیں سکتا۔

ایک مباحثہ کا ذکر

۶۔ مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے دھرمکوٹ میں جو ان کا مباحثہ ہوا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ کیا اور مہر نبی بخش صاحب بٹالوی کا بھی ذکر کیا کہ وہ وہاں آئے تھے اور انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا نام قرآن سے نکال کر دکھاؤ۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

وہ احمق نہیں جانتے کہ اگر خدا تعالیٰ ایسے صاف طور پر کہتا تو اختلاف کیوں ہوتا؟ یہودی اسی طرح تو ہلاک ہو گئے۔ بات یہ ہے کہ اگر خدا اس طرح پر پردہ برانداز کلام کرے تو ایمان ایمان ہی نہ رہے۔ فراست سے دیکھنا چاہیئے کہ حق کیا ہے؟ ہماری تائید میں تو اس قدر دلائل ہیں کہ فراست والا سیر ہو کر کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

۷۔ یاد رکھو کہ گفتگو کرتے وقت ضروری ہے کہ پہلے مذہب متعین کر لو۔

اس پر حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامۃ نے عرض کیا کہ گورداسپور میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کچھ سوال کئے۔ میں نے کہا تم نے کسی راستباز کو دنیا میں مانا ہے یا نہیں۔ جن دلائل سے اس کو مانا ہے اسی دلیل سے حضرت اقدس سچے ہیں۔ پھر خاموش ہو گیا۔

مسیح موعود کا نام قرآن میں

۸۔ یہ لوگ جو بار بار پوچھتے ہیں کہ قرآن میں کہاں نام ہے؟ ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد رکھا ہے۔ یُبَارِکُ یَا احمد وغیرہ بہت سے الہام ہیں۔ میرا نام محمد رکھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ اور احمد نام پر ہی ہم بیعت لیتے ہیں۔ کیا یہ نام قرآن شریف میں نہیں ہیں؟ پھر جس قدر میرے نام آدم۔ عیسیٰ۔ داؤد۔ سلیمان وغیرہ رکھے ہیں۔ وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ ماسوا اس

کے یہ سلسلہ اپنے ساتھ ایک علمی ثبوت رکھتا ہے۔ اگر ان علمی امور کو یکجائی طور پر دیکھا جاوے۔ تو آفتاب کی طرح اس سلسلہ کی سچائی روشن نظر آتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے میرے سارے نبیوں کے نام رکھے ہیں اور آخر جری اللہ فی حلل الانبیاء کہہ دیا ہے۔ ہم جس طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔

ختم نبوت کے معنے

اور پھر یہ کہتے ہیں کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چشمۂ افادات مانتے ہیں۔ ایک چراغ اگر ایسا ہو جس سے کوئی دوسرا روشن نہ ہو۔ وہ قابل تعریف نہیں ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ایسا نور مانتے ہیں کہ آپ سے دوسرے روشنی پاتے ہیں

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین[1] یہ بالکل درست ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی جسمانی ابوت کی نفی کی۔ لیکن آپ کی روحانی ابوت کا استثناء کیا ہے۔ اگر یہ مانا جائے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے نہ روحانی تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپ کو ابتر ٹھیراتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ انّا اعطینٰک الکوثر فصل لربّک وانحر انّ شانئک ھو الابتر[2] اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی آیت میں فرمایا ہے کہ جسمانی طور پر آپ اَب نہیں مگر روحانی سلسلہ آپ کا جاری ہے۔ لکن ما فات کے لئے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ آپ خاتم ہیں۔ آپ کی مُہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے۔

ہم خود بخود نہیں بن گئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق جو بنایا وہ بن گئے۔ یہ اس کا فعل اور فضل ہے یفعل ما یشاء۔ خدا نے جو وعدے نبیوں سے کئے تھے ان کا ظہور ہوا ہے۔ براہین میں یہ الہام اس وقت سے درج ہے۔ وکان امرًا مقضیًّا۔ صدق اللہ و رسولہ وکان امرًا مفعولًا۔ وغیرہ اس قسم کے بیسیوں الہام ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ اس میں ہمارا کچھ تصرف نہیں۔ کیا

[1] الاحزاب: ۴۱ [2] الکوثر: ۲ تا ۴

جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ وعدے فرمائے ہم حاضر تھے جس طرح خدا تعالیٰ مرسل بھیجتا ہے اسی طرح اس نے یہاں اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ آئندہ کے لئے اگر اس قسم کے جلسے گفتگو کے ہوں۔ تو سوالات پہلے قلمبند ہونے چاہئیں تاکہ اُن کے جوابات دیکھ لئے جائیں۔ کیونکہ ہم تو ان بحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں۔

کیونکہ یہ کوئی بٹیر بازی نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے سے مرتب ہو جاوے۔

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور نے جو لکھا ہے کہ سورۂ نور سے نور حاصل کرو۔ یہ ایک لطیف نکتہ معرفت ہے۔

ایک شخص نے سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ میرے دادا نے مکان کے ایک حصہ ہی کو مسجد بنایا تھا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے تو کیا اس کو مکان میں ملا لیا جاوے؟ فرمایا

ہاں ۔ ملا لیا جاوے۔

زاں بعد نماز عشاء اجلاس ختم ہوا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (بعد نماز عصر)

مولوی کرم الدین کی دھمکی کا جواب

مولوی کرم الدین صاحب بھیں نے سائیں مہر علی شاہ گولڑوی کے پردہ دری والے مضمون کو پڑھ کر اور سُن کر ایک خط لکھا جس میں انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اب جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا میں کروں گا۔ فرمایا

اُن کو لکھ دو کہ تمہاری دھمکی تم پر ہی پڑے گی۔ جو دوسرے مولویوں پر پڑتا ہے۔ وہی تم پر پڑے گا۔ ہماری باتیں آسمانی ہیں۔ ہم منصوبہ نہیں سوچتے۔ یہ نامردی ہے۔ کہ تم نے نام تک نہیں لکھا۔

دربارِ شام

مختلف مسائل پر گفتگو

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت بعارضہ زکام ناساز تھی۔ بعد ادائے نماز مغرب جب آپ اجلاس فرما ہوئے۔ تو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب طبّی مشورہ عرض کرتے رہے۔ پھر مولانا مولوی محمد علی صاحب نے منشی مظہر علی صاحب کا خط سُنایا جو میگزین کو پڑھ کر اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزید اطمینان کے لئے چاہا تھا کہ ایک مقدمہ متدائرہ کے انجام کے متعلق حضرت اقدس جواب دیں۔ آپ نے سنّت انبیاء کے موافق جو اقتراحی معجزات مانگنے والوں کو جواب دینا چاہیئے۔ جواب دیا اور فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے

اس کے بعد مولانا مولوی سیّد محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے اپنا ایک لطیف مضمون سنایا۔

پھر ٹیکہ طاعون پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔

اور طاعون کے ذکر آنے پر آپ نے اپنی پیشگوئی کو دہرایا۔ کہ

براہین میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ اتیٰ امر اللہ فلا تستعجلون۔ اور پھر نذیر نام رکھا اور یہ کہا کہ زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ یہی زور آور حملے ہیں۔ انسان جب کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا۔ تو غافل ہوتا ہے لیکن جب زلزلہ کی طرح ہلایا جاتا ہے۔ پھر تبدیلی کرنا چاہتا ہے۔ جیسے فرعون کا حال ہوا۔

دوزخ

حدیث آتش دوزخ کہ گفت واعظ شیخ
حدیث آتش روزگار ہجران است

خدا تعالیٰ سے جب انسان جدائی لے کر جاتا ہے تو اس کے تمثلات دوزخ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں کذب نہیں ہے۔ من یأت ربہٗ مجرماً[1] سے فرمایا ہے۔ جب انسان عذاب اور درد میں مبتلا ہے۔ اگرچہ وہ زندہ ہے لیکن مُردوں سے بھی بدتر ہے وہ زندگی

[1] طٰہٰ: ۷۵

جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے وہ صلاح اور تقویٰ کے بدوں نہیں مل سکتی۔ جس کو تپ چڑھی ہوئی ہے اسے کیونکر زندہ کہہ سکتے ہیں۔ سخت تپ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ رات ہے یا دن ہے۔

شدھی اور شودر

مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے عرض کیا کہ رڑکی میں بعض مسلمان آریہ ہو گئے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ تمہیں کوئی نفع پہنچا۔ اور اب شدھ ہو کر تم کس ورن میں ہوئے۔ اُس نے کہا کہ شودر میں۔ پھر دوسرے آریہ سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اس نے بھی کہا کہ میں شودر ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ اپنی لڑکی ان کو دے سکتے ہیں۔ خاموش ہی ہو گیا۔

پگٹ اور ڈوئی

مسٹر پگٹ کے متعلق ایک نوٹ فری تھنکر سے سُنایا گیا کہ لوگوں نے اس پر حملہ کیا پولیس نے بچا دیا۔ اور پھر مسٹر ڈوئی کا اخبار سُنایا گیا۔ اس نے ایک فقرہ لکھا ہے کہ مسیح نے دو ہزار سُوروں کو شیطان میں ڈال دیا۔ تو گویا سُور کے لئے موزوں جگہ شیطان ہے اور پھر سُور کے لئے بہتر جگہ تمہارا پیٹ ہے۔ تو اس سے نتیجہ نکلا کہ شیطان کے لئے بہترین جگہ تمہارا پیٹ ہے۔

خمیر کی مثال

انجیل میں ایک خمیر کی مثال ہے۔ جس کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم انجیل متی کے ۱۳/۳۳ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مثال ڈوئی نے بیان کی ہے۔ اور اس پر حجۃ اللہ نے مختصر سی تقریر کی۔ وہ ذیل میں درج ہوگی۔ وہ مثال انجیل میں یُوں لکھی ہے۔

"اس نے ایک اور تمثیل انہیں سُنائی کہ آسمان کی بادشاہت اُس خمیر کی طرح ہے جسے کسی عورت نے لیکر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا۔ اور ہوتے ہوتے

سب خمیر ہوگیا ۔ فرمایا۔

اگر یہ صحیح ہے تو یہ پیشگوئی ہے۔ عورت سے مراد دنیا ہے اور مسیح سے لے کر اس وقت تک تین ہی پیمانے ہوتے ہیں۔ یعنی خود مسیح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت یہ سلسلہ۔ ہم نے جو تعلیم لکھی ہے اور کشتی نوح میں چھپی ہے۔ اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تین پیمانوں کو ایک کیا گیا ہے۔ عورت سے مراد دنیا ہے۔ گویا دنیا نے طبعاً تقاضا کیا کہ یہ سلسلے اس طرح پر قائم ہوں۔ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو پیش کر کے مسیح کی تعلیم کے نقائص کو نکال دیا ہے۔ براہین کے الہامات میں مجھے اور مسیح ابن مریم کو ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے کہا گیا ہے۔

اس کے بعد نماز عشاء کا دربار ختم ہوا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۱۱۔ ۱۲ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

یاجُوج ماجُوج

یاجُوج ماجُوج کے تذکرہ پر فرمایا کہ

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ[1] کے بعد وہ خدا سے جنگ کرینگے۔ اب گویا یہ خدا سے جنگ ہے۔ یہ استعارہ ہے کہ جب اقبال بہانتک پہنچ جاوے کہ کوئی سلطنت ان کے مقابل نہ ٹھیرے تو پھر خدا سے جنگ کرنی چاہیں گے۔

خدا سے جنگ یہی ہے کہ نہ ان میں تضرع اور زاری ہے اور نہ دعا کی حقیقت پر نظر ہو بلکہ اسباب اور تدابیر پر پورا بھروسہ ہو۔ اور قضاء و قدر کا مقابلہ کیا جاوے۔ ڈوئی کے سامنے جو ہمارا مقدمہ تھا اس میں بھی خدا نے یہی فرمایا کہ ہم گویا اتر کر لڑے۔ انا نجالد نافاقطع العدا و اسبابہ۔ اور اس میں دونوں دشمن ناکام اور نامراد رہے۔

[1] الانبیاء: ۹۷

جب قضاء قدر ٹل ہو تو پھر جو کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے تو گویا خدا سے لڑائی کرتا ہے۔
یورپ کی سلطنتوں اور خاص کر ہماری سلطنت کا بہت بڑا اقبال ہے۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت میں طاعون جاوے گی۔ ان کو خدا کے تصرف پر یقین نہیں پہلے بادشاہوں کا یہی حال تھا کہ جب کوئی آفت رعایا پر آتی تو خود اُن میں تضرع کی حالت پیدا ہوتی اور وہ دعائیں کرتے اور کراتے اور صدقات سے کام لیتے۔ مگر آج کل تدابیر اور اسباب ہی پر سارا بھروسا ہے۔ دعاؤں کو لغو اور بیہودہ شے سمجھا گیا ہے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ قضاء قدر کا سارا سلسلہ تو سچے خدا پر ایمان لانا تھا جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا مان لیا۔ پھر اس سلسلہ پر کیوں ایمان لاتے۔

افیون کی مضرت

فرمایا:-

جو لوگ افیون کھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موافق آگئی ہے۔ وہ موافق نہیں آتی۔ دراصل وہ اپنا کام کرتی رہتی ہے اور قویٰ کو نابود کر دیتی ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بشارت دی ہے یہ سچ ہے اور یہ ایک نشان ہے اس کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ شہد اور مشک وغیرہ کا خود ذکر کرتا ہے۔ اس لئے اگر ٹیکا ضروری ہوتا تو سب سے پہلے ہم کو حکم ہوتا۔ خود گورنمنٹ کو بھی اس پر پورا وثوق نہیں ہے۔ یہ الہام جو اِنّی احافظ کل من فی الدار ہے اس میں ٹیکا یا بھی ہے جبکہ اس نے فرمایا ہے اِلّا الذین علوا باستکبارٍ۔ جو لوگ فسق کی پرواہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے الگ ہیں اور جن لوگوں کی زندگی کا درجہ ختم ہو گیا ہے وہ بھی الگ ہیں۔ اللہ

سب سے آخر یہ بات ہے کہ نسبتاً جو اُن میں ہیں وہ محفوظ رہیں گے۔ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں میں ایک فرق رکھ دیتا ہے اور ان میں فاروق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اس زندگی پر کیا مزہ ہے جو حشائش پر ہاتھ مارتا ہے۔ رہی زندگی بہشتی زندگی اور قابل قدر زندگی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے تمسک ہو۔ ورنہ حشائش پر ہاتھ مارنے والوں کی زندگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے بلی کے بچہ کے پیچھے کتا ہو اور وہ چوہے کے بِل پر ہاتھ مارتا پھرے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے ان سے اس امر پر گفتگو کی۔ کہ انسان پہلے وحشی تھا اور وہ پھر ترقی کرتے کرتے تہذیب کے درجہ پر پہنچا ہے۔ فرمایا کہ

جب ہم انسان کو مہذب دیکھتے ہیں تو کیوں اس کی جڑ تہذیب نہ بتائیں۔ قرآن شریف سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ[۱] ۝ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے وحشی بن گئے۔ میں کہتا ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ کو پہلا عمدہ نمونہ دکھانا چاہیئے تھا یا خراب اور اول الدن درد کا مصداق۔ خدا نے بُرا بنایا تھا اور پھر گھِس گھِس کر خود عمدہ بن گیا۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور توہین ہے۔ اس کی تو وہی مثال ہے جو مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور خود ہی تجویز کر لیا کہ پہلے مزاج پوچھوں گا۔ وہ کہیگا۔ اچھا ہے۔ میں کہوں گا۔ الحمد للہ اور پھر میں پوچھوں گا۔ آپ کیا کھاتے ہیں۔ تو وہ چونکہ بیمار ہے یہی کہیگا کہ مونگ کی دال کھاتا ہوں میں کہوں گا بہت اچھا۔ اور پھر پوچھوں گا۔ طبیب کون ہے۔ وہ کہیگا کہ فلاں ہے۔ میں کہوں گا خوب ہے۔ دست شفا ہے۔ لیکن جب وہاں گئے۔ تو

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کا مزاج کیسا ہے؟

[۱] التین: ۵-۶

مریض۔ مَر رہا ہوں۔

بہرہ۔ الحمد للہ

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کی غذا کیا ہے؟

مریض۔ خونِ جگر۔

بہرہ۔ بہت اچھّی غذا ہے۔

بہرہ۔ (مریض سے) طبیب کون ہے؟

مریض۔ ملک الموت۔

بہرہ۔ طبیب اچھا ہے۔ دست شفا ہے۔

ان لوگوں کی بھی کچھ ویسی حالت ہے۔

کشتی نوح

قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے۔ کہ جب نوح کا بیٹا طوفان میں غرق ہونے لگا تو نوح نے کہا کہ تو آجا۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے تیرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ گویا وہ نادان اپنے اسباب اور تدابیر سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ آج تجھے خدا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اسی طرح پر میرے الہام میں بھی یہی ہے کہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون ۔ اور اس مسجد مبارک کے لئے فرمایا۔ من دخلہ کان امنًا یہ دلالت کرتے ہیں۔ کہ ایک طوفان عظیم آنے والا ہے۔ اور اس میں وہی لوگ بچیں گے۔ جو میری کشتی میں سوار ہوں گے۔ اور اب اِنّی احافظ (الخ) بھی اس کا مؤید ہے۔ اور وہ طاعون کا طوفان ہے اور براہین میں اس کی طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا۔ اتیٰ امر اللہ فلا تستعجلوہ۔ اس وقت جو اس میں سوار ہوتے ہیں اور اپنی تبدیلی کرتے ہیں وہ بچ جائیں گے۔

فرمایا۔

زمانہ کی رسم کے موافق اب لوگ طاعون کو کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے۔ یہ ایک قسم کا عام ارتداد ہے جو پھیل رہا ہے۔ جو لوگ ڈاکٹر ہوتے ہیں وہ نیم دہریہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے علاج اور اسباب پر اس قدر توکل اور تکیہ کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ خدا سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔

پنجاب میں طاعون کا حملہ بہت بڑھ کر ہے۔ بمبئی کراچی کا کوئی اوسط اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کھاتا۔ اور یہ بہت بڑھی ہوئی تعداد موت کی ہے۔

پنجاب پر طاعون کا حملہ کیوں ہو رہا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ خدا نے یہاں ایک سلسلہ قائم کیا ہے۔ تو اوّل المکذبین یہی لوگ ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے ہی کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ بعض آدمیوں نے کہا کہ یہ طاعون گویا ہماری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ آواز کوئی نئی آواز نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کہا گیا تھا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ[1]۔ مگر مجھے یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ طاعون کو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ بتاتے ہیں لیکن مبتلا خود ہوتے ہیں۔ حالانکہ اگر ہماری شامت اعمال تھی تو چاہیئے تھا کہ طاعون کی خبر تم کو دی جاتی۔ مگر یہ کیا ہوا کہ خبر بھی ہم کو دی گئی اور موتیں تم میں ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ ہماری حفاظت کا وعدہ کیا جاتا اور اسے ایک نشان ٹھہرایا جاتا ہے۔ کچھ تو خدا سے ڈرو۔

نذیر اور اس کے لئے زور آور حملے

خدا تعالیٰ کے نزدیک نذیر وہ ہوتا ہے جو خدا اس کے لئے تائیدی نشان جن میں اس کے مخالفوں کے لئے خوف ہو۔ اُوپر سے نازل کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زور آور حملے طاعون کے ہیں۔ جن سے ہر راہ بند کی جاتی ہے اور مُنہ سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا۔

[1] الاعراف: ۱۳۲

ندوہ

ندوہ کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا۔

اصل یہ ہے کہ متقی کے لئے تو بولنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ کہ واللہ مخرج ما کنتم تکتمون[1]۔ یہ لوگ جو امرتسر میں آئے ہیں۔ ان کی بھی جھوٹی تہذیب مدنظر ہے بلکہ اس کی حقیقت کھل جاوے۔ یاد رکھو مداہنہ سے حق نہیں پھیلتا۔ بلکہ رہی سہی برکت بھی جاتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص ڈر کر کہ یہ علماء کی جماعت ہے ان کے ساتھ ہو جاوے۔ ہم کو اس کی پرواہ نہیں۔ جن لوگوں کے لئے سعادت مقدر ہے۔ ان کا حرج نہیں۔ خدا تعالےٰ ان کا آپ محافظ ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض خبیث فطرت مرتد ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اور مسیح کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔

احمق نہیں جانتے کہ ہماری طرف سے بات ہوتی تو یہ شوکت کب رہتی۔ طاعون ہی کے ذریعہ سے دس ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ خود اس سلسلہ کو ہلاک کر دیتا۔ آخری حیلے ان لوگوں کے رشتوں ناطوں اور جنازوں کے متعلق ہوتے ہیں۔ مکّہ والوں نے بھی کئے تھے۔ مگر جیسے وہاں پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ ان سے الگ ہیں۔ ویسے ہی یہاں بھی۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ کیا گیا تھا۔ اس کا نام دارالندوہ تھا۔ وہ بھی آخری حیلہ تھا اور یہ بھی آخری حیلہ ہے۔

امرتسر مکّہ کی طرح ہو رہا ہے۔ گندے اشتہار وہاں ہی سے شائع ہوتے ہیں۔ ابوجہل کے اخوان و انصار وہاں موجود ہیں اور دارالندوہ کی کمی تھی۔ وہ بھی آگیا۔

بعد عصر

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت اقدسؑ اندر تشریف لے گئے۔ تو لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوا مل جو قادیان کے آریوں میں پرانے آریہ ہیں اور حضرت اقدسؑ کی اکثر پیشگوئیوں کے گواہ ہیں۔ اپنے اکثر احباب کو لے کر حضرت اقدس کی ملاقات کو آ گئے۔ آپ نے ان میں سے ایک شخص معمر سفید ریش کو

[1] البقرۃ : ۷۳

مخاطب کر کے فرمایا۔

دنیا کی کشمکش کی زندگی میں لذت نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو بیٹھے بٹھائے گذارہ دیدے تو کچھ ضرورت نہیں کہ انسان اہل حکومت کے پاس جاوے۔ ان لوگوں کے پاس جانا یہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہے۔ ان لوگوں کی حالت خارش کی طرح ہے۔ کہ جو ایک مرض ہے اور کھجلانے والوں کو اس میں ایک لذت ملتی ہے۔ لیکن وہ شخص احمق ہی ہوگا جو اس لذت کو پسند کرے اسی طرح حکّام کے دروازوں پر جانا ایسا ہی ہے۔ گوشہ نشینی کی زندگی ایک قسم کی بہشتی زندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

بچپن میں جو بچّوں کو مدرسہ میں بٹھاتے ہیں۔ اس کی کش مکش ساری عمر یاد رہتی ہے استاد کی حکومت کے نیچے ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اس وقت تک بھی یاد ہے کہ چھٹی کے دن کے بعد یعنی ہفتہ کو جو مدرسہ کا جانا ہوتا تھا تو سخت ناگوار گذرا کرتا تھا۔ اور تو کچھ یاد نہیں رہا مگر یہ درد ضرور یاد ہے کہ مدرسہ جانا ایک درد محسوس ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ مرض کے خلاف بھی ایک درد ہی ہوا کرتا ہے۔ اور جو لوگ حکّام کے دروازوں پر جاتے ہیں جیسے ذیلدار وغیرہ یا اور اسی قسم کے لوگ یہ عجیب عجیب قسم کے ابتلا میں پھنس جاتے ہیں بعض کو رشوت لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے اور اس کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے جو کسی حکومت کے نیچے نہیں اور جسے فکر نہیں کہ رات کو یا دن کو کوئی آواز آئے گی۔ بعض لوگ اسیسر ہونے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں مگر میں نے دیکھا ہے کہ وہ بڑے پابند ہوتے ہیں۔ ایک بار ایک اسیسر کو جو اپنے وقت پر نہیں آیا تھا۔ سزا ہوئی۔ اس نے کہا کہ میں شادی پر یا کہیں اَور گیا ہوا تھا۔ حاکم نے اُسے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہ تھا۔ کہ میں اسیسر ہوں اور سزا دے دی۔ آخر چیف کورٹ نے اس کو بری کر دیا۔ غرض اس قسم

کے مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں اور پھر ان بیچاروں کی حالت تا تریاق از عراق آوردہ شود
کی مصداق ہو جاتی ہے خواہ اپیل میں بری ہو جاویں۔ مگر وہ بے عزتی اور مصائب کا ایک بار
تو منہ دیکھ لیتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے سعدی نے ؎

کس نیاید بخانۂ درویش
کہ خراج بوم دباغ گذار

جس قدر انسان کش مکش سے بچا ہوا ہو اسی قدر اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں
کشمکش والے کے سینہ میں آگ ہوتی ہے اور وہ مصیبت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس دنیا کی
زندگی میں یہی آرام ہے کہ کشمکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا
جاتا تھا۔ راستہ میں ایک فقیر بیٹھا تھا جس نے بمشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ اُس نے اُس
سے پوچھا کہ سائیں جی کیا حال ہے؟ فقیر نے اُسے جواب دیا کہ جس کی ساری مرادیں پوری
ہو گئی ہوں۔ اس کا حال کیسا ہوتا ہے؟ اُسے تعجب ہوا کہ تمہاری ساری مرادیں کس طرح حاصل
ہو گئی ہیں۔ فقیر نے کہا جب ساری مرادیں ترک کر دیں تو گویا سب حاصل ہو گئیں۔ حاصل کلام
یہ ہے کہ جب یہ سب حاصل کرنا چاہتا ہے تو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ لیکن جب قناعت کر کے
سب کو چھوڑ دے تو گویا سب کچھ ملنا ہوتا ہے۔ نجات اور مکتی یہی ہے کہ لذت ہو دکھ نہ ہو۔
دکھ والی زندگی تو نہ اس جہان کی اچھی ہوتی ہے اور نہ اس جہان کی۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں
اور اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں وہ گویا اپنی کھال اُتارتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو بہرحال
ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے خواہ اس کو کیسی ہی صندوقوں اور کپڑوں
میں لپیٹ کر رکھو لیکن وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی
تدبیریں کی جاویں۔ لیکن یہ سچی بات ہے کہ وہ ختم ہوتی جاتی ہیں۔ اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق
آتا ہی جاتا ہے۔ دنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں۔ طبیب بھی ہیں۔ مگر کسی نے عمر کا نسخہ نہیں لکھا۔
جب لوگ بڈھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کو خوش کرنے کو بعض لوگ آجاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے

ہیں کہ ابھی تمہاری عمر کیا ہے ۹ ساٹھ برس کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔اس قسم کی باتیں کرتے ہیں رحمت علی ایک مذکوری تھا۔اس کا بیٹا فقیر علی منصف ہوگیا تھا اور لوگ اس وجہ سے اس کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔ڈپٹی قائم علی نے ایک دفعہ اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا عمر ہے ؟ اس نے کہا کہ ۵۵ سال کی ہوگی حالانکہ وہ ۶۵ سال کا تھا۔قائم علی نے اس کو کہا کہ کیا ہوا۔ابھی تو بچے ہو۔خود بھی وہ یہی عمر بتلایا کرتا تھا۔میں نے کہا کہ ۵۵ کا سال بڑا مشکل ہے۔یہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔غرض انسان عمر کا خواہشمند ہوکر نفس کے دھوکوں میں پھنسا رہتا ہے۔دنیا میں عمریں دیکھتے ہیں کہ ۶۰ کے بعد توقویٰ بالکل گداز ہونے لگتے ہیں۔بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے جو ۸۰ یا ۸۲ تک عمر پائے اور قویٰ بھی کسی حد تک اچھے رہیں ورنہ اکثر نیم سودائی سے ہوجاتے ہیں۔اُسے نہ تو پھر مشورہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ اس میں عقل اور دماغ کی کچھ روشنی باقی رہتی ہے۔بعض وقت ایسی عمر کے بڈھوں پر عورتیں بھی ظلم کرتی ہیں کہ کبھی کبھی روٹی دینی بھی بھول جاتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ درجوانی کار دوجہانی کن۔اور مشکل یہ ہے کہ انسان جوانی میں مست رہتا ہے اور مرنا یاد نہیں رہتا۔بُرے بُرے کام اختیار کرتا ہے۔اور آخر میں جب سمجھتا ہے تو پھر کچھ کر ہی نہیں سکتا۔غرض اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

نشان زندگانی تا بسی سال

چو چل آمد فرو ریزد پر و بال

انحطاط عمر کا ۴۰ سال سے شروع ہوجاتا ہے۔ ۳۰ یا ۳۵ برس تک جس قدر قد ہونا ہوتا ہے۔وہ پورا ہوجاتا ہے اور بعد اس کے بڈھے ہوکر پھولنا شروع ہوجاتا ہے۔اور پھولنے کا نتیجہ فالج ہوجاتا ہے۔

شریت اس وقت جانے لگا۔فرمایا۔

بیٹھو! ان کے ساتھ جانا۔یہ شرط وفا نہیں۔

پھر حضرت اقدس نے اسی سلسلہ سابقہ میں فرمایا کہ

جس قدر ارادے آپ نے اپنی عمر میں کئے ہیں۔ اُن میں سے بعض پُورے ہوئے ہونگے مگر اب سوچ کر دیکھو کہ وہ ایک بُلبلہ کی طرح تھے جو فوراً معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور ہاتھ پلّے کچھ نہیں پڑتا۔ گذشتہ آرام سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے تصور سے دُکھ بڑھتا ہے۔ اس سے عقلمند کے لئے یہ بات نکلتی ہے کہ انسان ابن الوقت ہو۔ رہی زندگی انسان کی جو اس کے پاس موجود ہے۔ جو گذر گیا۔ وہ وقت مرگیا۔ اس کے تصورات بیفائدہ ہیں۔ دیکھو۔ جب ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ اس وقت کیا خوش ہوتا ہے۔ سب اُٹھائے ہوئے پھرتے ہیں۔ وہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بہشت ہے۔ اور اب یاد کر کے دیکھو کہ وہ زمانہ کہاں؟ سعدی کہتا ہے ؎

من آنگہ سر تاجور داشتم
کہ بر فرق ظل پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستے مگس
پریشاں شد خاطرے چند کس

یہ زمانے پھر کہاں مل سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ چلا جاتا تھا۔ چند چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر رو پڑا۔ کہ جب سے اس صحبت کو چھوڑا۔ دُکھ پایا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بُرا ہے۔ اس وقت عزیز بھی چاہتے ہیں کہ مَر جاوے اور مَرنے سے پہلے قویٰ مر جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ آنکھیں جاتی رہتی ہیں۔ اور خواہ کچھ ہی ہو۔ آخر پتھر کا پُتلا ہو جاتا ہے۔ شکل تک بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہ آخر خودکشی کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات جن دکھوں سے بھاگنا چاہتا ہے۔ یکدفعہ ان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اولاد ٹھیک نہ ہو تو اَور بھی دُکھ اُٹھاتا ہے۔ اس وقت سمجھتا ہے کہ غلطی کی اور عمر یُونہی گذر گئی۔ مگر

دوہرا

آگے کے دن پاچھے گئے ہر خدا سے کیو نہ ہیت — اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

عقلمند وہی ہے جو خدا کی طرف توجہ کرے۔ خدا کو ایک سمجھے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔

ہم نے آزما کر دیکھا ہے۔ نہ کوئی دیوی نہ دیوتا کوئی کام نہیں آتا۔ اگر یہ صرف خدا کی طرف نہیں جھکتا۔ تو کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کوئی آفت آجاوے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ انسان پر ہزاروں بلائیں آتی ہیں۔ پس یاد رکھو کہ ایک پروردگار کے سوا کوئی نہیں۔ وہی ہے جو ماں کے دل میں بھی محبت ڈالتا ہے۔ اگر اس کے دل کو ایسا پیدا نہ کرتا تو وہ بھی پرورش نہ کر سکتی۔ اس لئے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۱۴-۱۵ پرچہ ۱۷/اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۰/اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم جمعہ

فرمایا:-

ندوہ میں لوگ اتمام حجت کی غرض سے ہم نے بھیجے ہیں۔ ورنہ کچھ بہتری کی امید ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان کے اغراض عوام سے وابستہ ہیں۔ یہاں تو ان کو تحفۃ الندوۃ دے کر بھیجا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو نزول المسیح دلّی میں بھیجیں گے۔

۱۱/اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم شنبہ

ایک صاحب نووارد کو جن کا نام مولوی حامد حسین صاحب تھا۔ مخاطب کر کے فرمایا۔

بہتر ہے۔ کہ آپ پانچ سات دن یہاں قیام کریں۔ اتنا عزم اور جلد واپس چلا جانا ٹھیک نہیں۔ دنیاوی کاموں میں لوگ کتنی تحقیقات اور چھان بین کرتے ہیں۔ حقیقت میں جو شخص جلدی رائے قائم کر لیتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی ابتلا میں ڈالتا ہے۔ پس خلاف واقعہ رائے ظاہر کرنا خون کرنے کے برابر ہے۔ بہت باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ جوں جوں انسان ان پر زیادہ غور کرتا ہے۔ اسی قدر نتیجہ عمدہ نظر آتا جاتا ہے۔

انسان کو سچائی تک پہنچنے کے واسطے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل خداداد عقل اور فہم

ہو۔ دوم۔ خداداد سمجھ اور سعادت ہو۔ جن لوگوں کو مناسبت نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں میں کراہت اور اعتراض ہی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ گذشتہ لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے راستبازوں کا انکار کیا۔

آپ دُور دراز سے آئے ہیں۔ اور آپ کو آتے ہی ایک روک بھی پیدا ہو گئی۔ اور ہم نے تو ایک ہی روک کا ذکر سُنا ہے۔ مخالفانہ گفتگو کے بجز احقاق حق نہیں ہوتا۔ بہت لوگ منافقانہ طور پر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں پس ایسے لوگ کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ تم خوب جی کھول کر اعتراض کرو۔ ہم پورے طور پر جواب دینے کو تیار ہیں۔

سچے مذہب کی شناخت کا ذریعہ

مولوی حامد حسین صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کو صحیح خیال کر رہے ہیں۔ ہم فیصلہ کس طور سے کریں۔ فرمایا:-

بات یہ ہے کہ آجکل بلکہ ہمیشہ سے سچے مذہب کی شناخت کے لئے ضروری ہے۔ کہ دو باتیں اُس میں موجود ہوں۔ اوّل کہ اس کی تعلیم پاک ہو۔ اور تعلیم پر انسان کی عقل اور کانشنس کا کوئی اعتراض نہ ہو کیونکہ ناممکن ہے کہ خدا کے امور ناپاک ہوں۔ دوم۔ اس کے ساتھ تائیدات سماویہ کا سلسلہ ایسا وابستہ ہو کہ جس کے ساتھ انسان خدا کو پہچان سکے اور اس کی تمام صفات کا مشاہدہ کرے تاکہ گناہ سے بچ سکے۔ گو انسان سچے مذہب میں ہی داخل ہو پر اگر اس کے ساتھ کشتی نہیں تو وہ ایسے چشمہ کی مثل ہے کہ جو ایسی جگہ واقعہ ہے جس کے اردگرد پہاڑ یا دیوار یا ایسا خارستان ہے کہ وہاں ہم کسی طرح پہنچ نہیں سکتے۔ پس ایسا چشمہ ہمارے لئے فضول ہے غرض ضروری شرط یہ ہے کہ اس قدر اسباب موجود ہوں جن سے پکی طرح پر معرفت الٰہی پیدا ہو جاوے یہ بات بھی بدیہی ہے کہ انسان کو زیادہ مصیبت اس بات کی ہے کہ طرح طرح کے مصائب شدائد کسل وغیرہ کیڑے ایسے لگے ہوئے ہیں کہ اس کو کھاتے اور خدا سے روکتے ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے انسان اور خدا کے درمیان ایک بُعد پڑا ہوا ہے۔

پس اس مذہب میں ایسے وسائل ہوں جو اس کو روز بروز کھینچتے جاویں اور کامل یقین پیدا کر کے خدا سے ملا دیں۔

دنیا تو یہی سمجھتی ہے کہ کیا ہم خدا کے منکر ہیں۔ لیکن اس کے اعمال کہتے ہیں کہ ضرور وہ منکر ہے۔ میں نے اس بات کا ذکر اکثر کتابوں میں بھی کیا ہے۔ دیکھو۔ اگر ایک سوراخ میں سانپ ہو۔ تو کیا ایک شخص اس بات کو جان کر کہ اس سوراخ کے قریب جاوے گا۔ یا اس میں ہاتھ ڈالے گا ایک بَن میں بہت درندے رہتے ہیں۔ کیا باوجود علم کے اس بَن میں کوئی جاوے گا۔ ایک زہریلے کھانے کو علم پا کر کھاوے گا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ امر یقین کے لوازم میں سے ہے کہ جس چیز کو وہ مہلک سمجھتا ہے۔ اس کے قریب نہ جاوے۔ پس ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر حقوق انسانی کو چھینتا ہے۔ تلف کرتا ہے۔ رشوت لیتا ہے۔ چوری کرتا ہے۔ بدمعاشی کرتا ہے۔ نہ غصہ اعتدال پر ہے وغیرہ وغیرہ پھر پیرانہ سالی اس کو ان گناہوں سے چھڑاتی ہے۔ پر جبتک جسمانی قویٰ اس کے ساتھ ہیں۔ ہر ایک قسم کی بدکاریاں کرتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خدا پر ایمان نہیں

ہر ایک شخص اپنے نفس سے گواہی لے سکتا ہے کہ جیسا اس کا حق ہے اعتدال پر چلنے کا۔ ویسا وہ نہیں چلتا۔ پس بڑا مقصود یہ ہے کہ یہ جو بے اعتدالیاں انسان سے ظہور میں آتی ہیں۔ اُن پر غور کرے کہ اُن کا کیا سبب ہے۔ تو آخر معلوم ہوگا کہ جیسا خدا سے ڈرنا چاہیئے وہ پُورا پُورا نہیں ہے۔

بعض دفعہ احسان سے اور بعض دفعہ خوف سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ جیسے نسبتاً شریر لوگ ایام امراض طاعون و ہیضہ میں نمازیں شروع کر دیتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ جہاں دُو باتیں پائی جاویں۔ تعلیم پاک اور رفتہ رفتہ خدا تک پہنچ جانا۔ وہی سچا مذہب ہے۔ اور یہ دونوں ذریعے ایسے ہیں کہ سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملیں گے۔ جس خدا کو اسلام پیش کرتا ہے۔ اس صفائی سے اَور کسی مذہب نے پیش نہیں کیا۔ ایک طرف تو اسلام کی تعلیم اعلیٰ ہے۔ دوسری طرف ایک شخص دس دن بھی تبدیلی کرے تو اس پر انوار و برکات نازل ہونے شروع ہو جاتے

ہیں۔ آج کل اسلام کے بہت فرقے ہو گئے ہیں۔ گویا گھر گھر ایک فرقہ بنا ہوا ہے۔ اس سے تشویش ہو گئی ہے۔ ایک طرف شیعہ ہیں کہ حسینؓ کو مثل لات کے بنا رکھا ہے۔ تو ایک شخص کہہ دے گا کہ کہاں جاؤں شیعہ حسین پرست بنے ہوئے ہیں۔ خوارج علی کو گالیاں دیتے ہیں۔ درمیان میں اہل سنّت ہیں۔ اگرچہ بظاہر اُن کا اعتدال نظر آتا تھا۔ مگر اب انہوں نے ایسے قابل شرم اعتقاد بنا رکھے ہیں کہ وہ شرک تک پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً مسیح کو خالق بنا رکھا ہے۔ احیائے موتے کرنیوالا مانا ہوا ہے۔

پس پاک مذہب وہی ہے جو قرآن کا معیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اگرچہ انسان بظاہر گھبراتا ہے کہ اس پاک مذہب کو مَیں کس طرح پاؤں۔ مگر یاد رکھو کہ جو بندہ پابندہ۔ صبر اور تقویٰ ہاتھ سے نہ دے ورنہ خدا تعالےٰ غنی ہے۔ اس کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ پس انسان خدا کے سامنے خاکسار بنے۔ تو اس پر لُطف اور احسان کرتا اور اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ توبہ، دُعا استغفار کرے اور کبھی نہ گھبراوے۔ ہر ایک شخص بیمار ہے۔ اور کبھی صحت نہیں پا سکتا جبتک خدا کو نہ دیکھ لے۔ پس ہر وقت اُداس اور دل برداشتہ رہے اور تمام تعلقات کو توڑ کر خدا سے تعلق پیدا کرے ورنہ اس وقت تک جبتک کہ خدا سے نہیں ملا یہ گندہ اور نجس ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی[1]۔ الآیۃ خدا پر یقین بڑی دولت ہے۔ پس اندھا وہی ہے جس کو اسی دنیا میں خدا پر پُورا یقین حاصل نہیں ہوا۔ پس جب اس کا حُسن، جمال، جلال اس پر ظاہر ہو گا تو خدا کی تجلی ہو گی۔ اور پھر یہ دیکھ کر ممکن نہیں کہ گناہ کی طرف انسان رجوع کر سکے پس گناہ بھی تبھی کرتا ہے جب اس کو خدا پر شک پڑ جاتا ہے۔ پس جو شخص نفس کا خیر خواہ ہے اس کو تو خدا پر یقین ہونا چاہیئے۔ مسیح کے زمانہ میں تو گناہ کی کمی تھی مگر کفارہ نے دنیا کو گناہ سے پُر کر دیا۔

انسان اپنی کوشش سے کچھ نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم سب اندھے ہو۔ مگر جس کو خدا آنکھیں دے۔ تم سب بہرے ہو مگر جس کو خدا کان دے وغیرہ وغیرہ۔ پس جب انسان

[1] بنی اسرائیل: ۷۳

کو خدا ہدایت دینے لگتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے پس جبتک دل کا واعظ نہ ہو تسلی نہیں ہو سکتی۔ پس دینی امور میں جبتک تقویٰ نہ ہو۔ رُوح القدس سے تائید نہیں ملیگی وہ شخص ضرور ٹھوکر کھا کر گرے گا۔

اس دین کی جڑ تقویٰ اور نیک بختی ہے اور یہ ممکن نہیں جبتک خدا پر یقین نہ ہو۔ اور یقین سوائے خدا کے اَور سے ملتا نہیں۔ اسی لئے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1]۔ پس انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی پر نظر ڈالے اور اپنی حالت پر رحم کرے کہ میں نے دنیا میں کیا بنایا۔ سوچے اور ظاہری الفاظ کی پیروی نہ کرے۔ اور دعا میں مشغول رہے تو امید ہے کہ خدا اس کو اپنی راہ دکھا دے گا۔ نیک دل لے کر خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ اور رو رو کر دعائیں مانگے۔ تضرع اور عاجزی کرے۔ تب ہدایت پاوے گا۔

ایک فرقہ وہ بھی ہے جو ہماری باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ اس سے ہماری بحث نہیں۔ اُن کی سرشت میں انکار ہے۔ وہ موت کے بعد اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

سعادت مند کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ پتھر پر لوہا مارنے سے آگ اس لئے نکلتی ہے کہ آگ پتھر میں موجود ہے اور وہ صرف ضرب کا محتاج تھا۔ مگر جس کے اندر موجود نہیں۔ اس میں سے کیا نکلے گا۔

ہر ایک نیکی تب قبول ہوتی ہے جب اس کے اندر تقویٰ ہو ورنہ قبول نہیں ہوتی۔ زندگی تو برف کے ٹکڑے کی مثال رکھتی ہے۔ ہزاروں پردوں میں رکھو۔ پگھلتی جاوے گی۔

اصل میں مخالف کی بات کا امتحان مخالف سے پوچھ کر ہوتا ہے۔ میں نے تو اپنا مسلک بیان کر دیا ہے۔ میرے پاس بہت سے عیسائی آیا کرتے تھے۔ اب نہیں آتے۔ میں تو ان کو ایسا بھی کہتا ہوں کہ زندہ مذہب ثابت کرو۔ مُردہ تو ہمیں اُٹھانا پڑے گا اور زندہ ہم کو اُٹھا دے گا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ یورپ۔ امریکہ میں سولہ ہزار اشتہار رجسٹری کرا کر بھیجا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

[1] العنکبوت : ۷۰

ہمارا خدا زندہ ہے ہماری آواز سُنتا ہے۔ ہمیں جواب دیتا ہے۔ پس ہم صلیب پر چڑھے ہوئے خدا کو کیوں مانیں۔ یہ لوگ شریر ہوتے ہیں اور ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ میں پندرہ برس کا تھا جب سے اُن کے اور میرے درمیان مباحثات شروع ہیں۔ اُن کے پاس فقط اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اور ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور جاہلوں اور بدنصیبوں کو ان اعتراضات سے شک پڑ جاتے ہیں۔ دوسری طرف سے یہ لوگ اس کو طمع دُنیاوی دے کر ابتلا میں ڈال کر مُرتد کر لیتے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ ۲۹ لاکھ آدمی کو انہوں نے ہند میں مُرتد کیا ہے۔ پس اسلام کا سخت دشمن یہی مذہب ہے۔

آریہ لوگ ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ تو زمینی سلطنت بھی یاور نہیں۔ وہ کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایک اخبار نے اپنی تحقیقات لکھی ہے۔ کہ آریہ مذہب کے ہونے سے ہندو بہت مسلمان ہو رہے ہیں۔ مرتے بھی بہت ہیں اور مذہب بھی بہت چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ مذہب تو کچھ چیز نہیں۔

طاعون کو دیکھا ہے کہ پہلے ہنود میں آتی ہے بمبئی، سیالکوٹ، جالندھر وغیرہ میں پہلے ہنود سے شروع ہوئی اور جب مسلمانوں میں گئی۔ تو بھی ہنود کو شامل کر لیا۔

وجودی اور شہودی فرقے

نووارد صاحب نے وجودی فرقہ کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:۔

میرے نزدیک یہ بات بھی تدبّر کرنے کے لائق ہے۔ یہی وجود اور شہود۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ وہاں قدم رکھنا غلطی اور جُرأت ہے جہاں انسان قدم رکھنے کا مستحق نہیں۔

وجودی فلسفی رنگ کا دعویٰ کرتا اور کہتا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر مُردہ پھاڑ کر اس کا اندر دیکھ لیتا ہے میں نے اسی طرح خدا کو دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا ہے۔ الحمد للہ الذی خلق الاشیاء وھو عینھا۔ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ شہودی مذہب استیلاءِ محبت کا نام ہے جیسے لوہا اگر آگ میں نہایت سُرخ کیا جاوے تو اس صورت میں کوئی دیکھنے والا اگر اس کو آگ کہدے تو ایک صورت سے معذور ٹھیر سکتا ہے۔ کیونکہ آگ اس پر مستولی ہوئی ہوتی ہے۔

کسی کا شعر ہے۔ ؎

من تو شُدم تو من شُدی من تن شُدم تو جاں شُدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

غرض شہودی مذہب کی یہ بنا ہے کہ انسان خدا کے وجود سے بہت بہرہ ور ہو سکتا ہے جب خدا اور مخلوق کی محبت ایک دل میں آکر جمع ہوتی ہے تو انسان پر ایک نیا رنگ چڑھتا ہے اور اس حالت میں وہ اپنے آپ دیکھتا ہے کہ گویا بالکل خدا میں کھویا گیا ہے اور اپنے تئیں محو دیکھتا ہے اور خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ وجودی ایک حقیقت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس کو محبت سے کچھ تعلق نہیں۔ جیسے آج کل کے وجودیوں کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے کہ میں خدا ہوں۔

شہود والا کہتا ہے کہ انسان انسان ہے اور خدا خدا یعنی شہود کے طور پر اپنے تئیں حالت اور خدا میں کھویا ہوا پاتا ہے۔

اگر انسان کو خدا بننا تھا تو یا تو اس جہان میں خدا بنتا یا آخرت میں خدا بنتا۔ مگر ثابت ہے کہ یہاں بھی انسان ہے اور وہاں بھی۔ یہ جامہ تو اس کے اُوپر سے اُترتا نظر نہیں آتا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنا رنگ رکھتا ہے۔ بہت لوگ قوالی میں ہی لذت اُٹھاتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ عارفانہ مشرب نہیں۔ پس اگر اس کی کوئی دلیل دنیا میں ہوتی۔ تو چاہیئے تھا کہ کوئی آدمی تو ایسا نظر آتا جس میں خدائی کے صفات ہوتے۔

دنیاوی لوگوں کے منگھڑت خدا اور خدا کے مُرسل بندہ کا مقابلہ یُوں ہو سکتا ہے کہ مسیح کو تو خدا مانا اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک مُرسل تھے۔ پس مقابلتًا دیکھو کہ مسیح کو تو پکڑ لیا گیا اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے والا خود مر گیا۔ پس انصاف کرو کہ ایک شخص انسان کہلاتا اور اپنا کام خدا پر چھوڑتا۔ اس کا پکڑنے والا خود مارا جاتا۔ یہودی جس کی صفت میں آیا ہے۔ ضربت علیھم الذّلۃ والمسکنۃ[1]۔ وہ اس خدا کہنے والے کو ایک ہی گھنٹہ میں گرفتار کر لیتے اور مارنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار +

[1] البقرۃ : ۶۲

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ محض خدائی تھی تو اس کو جانے دو یہاں تک ہم دیکھتے ہیں خدا ہم سے باتیں کرتا ہے اور خوارق اور معجزات دکھلاتا ہے۔ پر پھر بھی ہم انسان ہیں۔ دیوار کا وجود ایک الگ چیز ہے۔ اور دھوپ کا وجود الگ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ[1] الیٰ آخر السّورۃ۔ یہ ساری باتیں چاہتی ہیں کہ کوئی رب ہے اور کوئی چیز مخلوق بھی ہے۔ پس ہم کو اپنی خدائی کا ثبوت دیں۔ خدا نے انسان کو مخلوق پیدا کیا ہے اور دنیا میں بھی مخلوق بنایا ہے پھر ہم چاند سورج وغیرہ کو کس طرح خدا مان لیں۔

تمام انبیاء سے خوف ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں کچھ بھی خدائی کا رنگ ہوتا تو خوف کیوں آتا۔

میری جماعت میں بھی ایک شخص مولوی احمد جان صاحب وجودی تھے۔ کبھی انہوں نے مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور ساری عمر اسی میں گذار دی۔

ہم کسی کے زرخرید نہیں۔ ہم تو اسلم اور روشن تر راہ اختیار کرتے ہیں۔ وجودیوں کے کوئی دشمن نہیں۔ ہم تو ان کو قابل رحم سمجھتے ہیں۔

اس پر نووارد صاحب نے آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ[2] الآیہ وحدت وجود کے ثبوت میں پیش کی۔ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے کہ اس کی تفصیل بعض آیت کی بعض آیت سے ہوتی ہے اوّل کی تفسیر یہ ہے کہ کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ آخر کے معنے کئے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ[3]۔ ہم تو انہیں معنوں کو پسند کریں گے جو خدا نے بتلائے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ کے یہودی صوم وصلوٰۃ کے تو پابند ہی نہیں اور قرآن کو کبھی کھول کر دیکھا ہی نہیں۔ ہاں میں اپنے اس ملک کی بات کرتا ہوں جس میں جالندھر۔ بٹالہ

[1] الفاتحۃ: ۲-۴ [2] الحدید: ۴ [3] الرحمٰن: ۲۷

ہوشیارپور۔ سیالکوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کو میں نے شراب خوروں، بھنگیوں اور دہریوں کی مجلس میں اکثر دیکھا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ وجودی وہ ہے کہ جو خدا کا نام بھی نہ لے بلکہ جو کچھ ہے مخلوق ہے۔ پس یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ وجودی وہ ہے جس کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنے قول وفعل کا خود ذمہ دار ہے۔

دکان اللہ ولم یکن معہ شیئ حدیث ہے۔ اور حدیث اور توریت سے ثابت ہے کہ خدا تھا اور زمین اور آسمان وغیرہ میں سے کچھ نہ تھا۔ یہ مسلّم مسئلہ ہے تمام اہل کتاب کا پس ہمارا اختیار نہیں کہ مروڑ کر اور معنی کرلیں۔ بعض آدمی مذاق کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ مگر مذاق بھی ایک قسم کا زہر ہے۔ ہمیں مذاقی معنے پسند نہیں کرنا چاہئیں۔ بلکہ توریت قرآن اور حدیث کو دیکھنا چاہیئے وہ یہی کہتی ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا۔ کہ ان موجودہ چیزوں میں سے ایک بھی نہ تھی۔

میرے خیال میں وحدت وجود بھی مذاق سے پیدا ہوا ہے۔ کُل کتب گذشتہ سے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل قرآن اور توریت میں موجود ہے۔ اول تو ان بحثوں کی حاجت نہیں۔ انسان کے واسطے پہلے تو یہی امر ضروری ہے کہ اجمالی طور پر خدا پر ایمان لاوے۔ جب اس کا ایمان پیدا ہوگا تو خود بخود اس پر حقائق کھلتے جاویں گے۔

دیکھو۔ ایک مرض میں قوت ذائقہ جاتی رہتی ہے۔ ترشی، میٹھا، کڑوا، نمکین وغیرہ سب کچھ بے مزہ معلوم دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قوت حاسہ بھی کام دے رہی ہے۔ ایک قوت ناک میں ہوتی ہے جس کے وہ نہیں رہتی اس کو اَخشَم کہتے ہیں۔ بعض کے کانوں کی قوت ماری جاتی ہے۔ پس جب اس طرح بعض قوتیں جاتی رہتی ہیں۔ تو اسی طرح بعض اوقات دینی قوتیں بھی بے حس ہو جاتی ہیں۔ اور انسان سید احمد خاں کی طرح دعا کا قبول ہونا اور ایسی باتیں ناممکن خیال کر بیٹھتا ہے۔

◆ ◆ ◆

قبولیت دعا کا ثبوت

دعا کے قبول ہونے پر ہمارا کامل ایمان ہے۔ اور ہم نے اس کا نتیجہ بھی دیکھا ہے۔ کہ لیکھرام کے قتل سے پہلے پانچ سال مَیں نے خبر دی تھی۔

میں نے سید احمد خاں کو لکھا تھا کہ میں نے لیکھرام کے واسطے دعا کی ہے تو مجھے خبر دی گئی ہے کہ تیری دعا قبول ہو گئی ہے اور خدا تعالیٰ اس کو ہیبت ناک موت سے مارے گا یہی نمونہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ تو تمہارے دعویٰ کا ثبوت ہوا۔ اور اگر قبول ہو گئی تو تم اس عقیدہ سے توبہ کرنا۔ اور وہ لیکھرام کی موت کو دیکھ کر فوت ہوا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ[1] آنکھیں تو اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔ جب وجودی ہو گیا۔ تو پھر باقی کیا رہ گیا۔

اصل میں یہ سب مذاقی باتیں ہیں۔ ثبوت تو وہ ہے جس کا نمونہ انسان دکھلا دیوے آنحضرتؐ۔ موسیٰ۔ عیسیٰ کے مصائب پر ذرا غور کرو۔

ان باتوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اوّل خدا سے تعلق پیدا کرو۔ جب انسان کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اندر کے حالات کا آپ ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ جب تک گھر سے ہزاروں کوس دُور ہے تو اندر کے حالات کس طرح بتلا سکے گا۔ یہ مناسب ہے کہ چند روز ہمارے پاس رہیں اور خاص ہمارے سلسلہ کے متعلق جو اعتراض ہوں وہ بیان کریں۔

تو کارے زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ہم نے بعض آدمی ایسے دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ ابھی اس جھگڑے کو جانے دو۔ رفع یدین اور اُنگلی کے اُٹھانے کا فیصلہ کرو۔ مگر یہ اپنا اپنا مذاق ہوتا ہے۔

[1] الانعام: ۱۰۴

نو وارد صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ سایہ کا وجود ہے کہ نہیں یعنی اس کی ذات ہے کہ نہیں
فرمایا۔ وجود کے معنی ہیں مَا یُوجَدُ یعنی جو چیز پائی جاوے اس کی ہویت ہو یا نہ ہو۔
آپ آئینہ دیکھتے ہیں اس میں چہرہ نظر آتا ہے۔ ہویت تو نہیں یعنی ایک مستقل شے قائم بالذات
پس ہویت تو نہیں لیکن وجود ہے۔ وجود اَور ہے ہویت اَور ہے۔

آفتاب نے جہاں ظل ہے وہاں بھی دھوپ ڈالنی ہے۔ مگر ایک چیز نے درمیان آکر ظل پیدا کر دیا ہے۔ آفتاب اور ظل کے درمیان جب تک اوٹ نہ ہو سایہ نہیں ہو سکتا۔

خیر آپ کو بھی اس وجودیت سے کچھ مذاق ہے اور ہم آپ کے مذاق کے خلاف ہیں۔

کُنْ کے اطلاق کا محل

پھر سوال ہوا کہ کُنْ کا اطلاق کہاں آتا ہے۔ فرمایا۔

بات یہ ہے کہ آپ کئی مرتبہ خوابوں میں طرح طرح کے تمثلات دیکھا کرتے ہوں گے اور بظاہر آپ جانتے ہیں کہ ان کا وجود کچھ نہیں حکماء نے بھی لکھا ہے پس جس طرح ہمارے تصورات ہوتے ہیں اسی طرح خدائی صفات میں سے اس کے تصورات بھی ہیں۔ پس جو تصور آتا ہے اگر انسانی ہے تو وہ ہیچ ہے اور اگر خدا کا ہے تو اس سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خدا کی کُنہ میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔ اسلم طریق یہی ہے۔ کہ انسان لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ[1] پر ایمان رکھے۔ کہ میرا منصب نہیں کہ خدا کی کل صفات کو میں دیکھ لُوں اور اُن کی تحقیقات کر لُوں۔

طبیب بیان کرتے ہیں کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے۔ مگر یہ نہیں بتلا سکتے کہ پانی سرد کیوں ہے اور آگ گرم کیوں ہے۔ فلاسفر بھی یہاں کُنہ اشیاء میں آکر عاجز رہ گئے ہیں۔ یہاں اُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ[2] پر چلے۔ کہ ہم خدا پر چھوڑ دیں۔

بعض اکابر محی الدین العربی وغیرہ کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ یہ بحث فضول ہے۔ بہت امور مرنے کے بعد معلوم ہوں گے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی نہیں معلوم ہوں گے۔

[1] الانعام: ۱۰۴ [2] المؤمن: ۴۵

محی الدین بھی قائل ہیں کہ انسان متقی ہو۔ اور خدا پر ایمان لانے والا ہو تو نجات پائے گا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۲ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سلمہ الرحیم نے شحنہ ہند کے ایڈیٹر کا ایک کارڈ سُنایا۔ جس میں اس نے اپنا ایک خواب لکھا تھا۔ کہ گویا وہ قادیان آیا ہے اور حضرت اقدس کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ سر پاؤں سے لگا ہوا ہے۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا۔ کہ

مامور ایک آئینہ ہے

تعبیر الرؤیا میں یہ صاف لکھا ہے۔ کہ جو لوگ مامورین کو بری صورت میں دیکھتے ہیں وہ لوگ اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب کے والد مرحوم نے ایک بار مجھ سے ذکر کیا۔ کہ ایک ہندو اُن کے پاس آیا کرتا تھا جو رغبت اسلام رکھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کشمیر سے آیا اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب میں پکا ہندو ہو گیا ہوں لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد جو اس کو دیکھا۔ تو وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی۔ تو اس نے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تاریک کوٹھڑی میں دیکھا اور اس میں آگ جل رہی تھی۔ (لعنۃ اللہ علیہ) گویا خبیث نے اس کو دوزخ سمجھا۔ اور اس کے گرد پادریوں کو دیکھا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ پادری حق پر ہیں۔ اور آپ (معاذ اللہ) مغلوب ہو رہے ہیں۔ مولوی صاحب کو تعبیر کا علم نہ تھا۔ مجھ سے جب انہوں نے کہا۔ تو میں نے کہا کہ اس کی یہی تعبیر ہے جو حالت اس شخص کی ہوئی۔ چنانچہ تعطیر الانام میں ایسا ہی لکھا ہے کہ

کہ جب کسی نبی مامور و مُرسل کو ردّی حالت میں دیکھتا ہے مثلاً مجذوم دیکھتا ہے یا برہنہ دیکھتا ہے یا یہ کہ وہ بُری غذا کھاتے ہیں تو یہ سب اس کے اپنے ہی حالات ہوتے ہیں۔ انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں اور اس کی اصلی صورت دکھا دیتے ہیں۔ اور یہ بات ہماری اپنی تجربہ کردہ ہے۔ کہ جب کوئی آدمی کسی مامور و مُرسل کو بُری حالت میں دیکھتے ہیں تو جلدی ہی ان کی وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی عقوبت کے دن قریب ہوتے ہیں۔ یہ میرے مجربات سے ہے۔

نووارد مولوی حامد حسین صاحب نے کہا کہ میں نے مکہ معظمہ میں لقا حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک شخص نے ایسا ہی کہا کہ میں نے ایسی شکل پر دیکھا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ یہ تمہاری اپنی شکل ہے۔

اس کے بعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نے جلسہ ندوۃ العلماء پر جو کارروائی کی تھی اس کا تذکرہ کیا جس کو سُنکر حضرت حجۃ اللہ محظوظ ہوئے۔

پھر مولوی عبداللہ صاحب نے اس روئداد کے تتمہ کے طور پر مولوی محمد حسین صاحب کا کچھ ذکر کیا اور مولوی مبارک علی صاحب نے اپنا ایک واقعہ سُنایا۔ یہ سب امور غلسندوہ کے متعلق ہمارے اپنے مضامین میں آئیں گے۔ زاں بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے آبزرور میں سے پائنیر کا نقل کیا ہوا ایک مذہب نئے عنوان سے پڑھا جس میں ڈاکٹر ڈوئی کو جو دعوت کی گئی ہے۔ اس پر ریمارک تھا۔ پھر بعد نماز عشاء اجلاس ختم ہوا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۸-۹ پرچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء

صبح کی سیر

۱۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض حسب معمول سیر کو نکلے۔ چند آدمیوں نے اپنے خواب سُنائے۔ آپ نے فرمایا:۔

باطل میں جو تیاریاں حق کی طرف آنے کے لئے ہو رہی ہیں۔ اس کے نظارے دکھلائے جاتے

ہیں۔ رؤیا کا بھی عجیب عالم ہوتا ہے۔ جن باتوں کا نام و نشان نہیں ہوتا وہ وجود میں لائی جاتی ہیں معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم دکھایا جاتا ہے اور عجیب عجیب قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ آدمی کا جانور اور جانور کے آدمی دکھائے جاتے ہیں۔

۲۔ ہمارے موجودہ مخالفوں اور دس برس پہلے کے مخالفوں میں بہت بڑا فرق ہوگیا ہے پہلے تو اپنے عقیدوں کو سچے ہی سمجھتے تھے۔ مگر اب صرف نفاق سے کہتے ہیں جو کہتے ہیں۔ ورنہ ان عقائد کی غلطیوں کو دل میں تسلیم کر چکے ہیں (جحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم[1])

ایک شخص جو اپنے تئیں سچا سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ مگر اب یہ بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اور اسی لئے اگر خواہ کئی ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جاوے۔ یہ اپنے آپ کو مدمقابل ہو کر نشانہ نہ بنائیں گے۔

۳۔ مخالفوں کی کمی اور اپنی روز افزوں ترقی پر فرمایا۔

یہ فوق العادۃ ترقی نہ ہو اگر تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ اُن کا خزانہ کم ہو رہا ہے اور ہمارا بڑھ رہا ہے۔ اگر اُن کے پاس اپنی سچائی کے دلائل ہیں۔ تو یہ لوگوں کو روک لیں۔ اگر کوئی بڑا سیلاب آیا ہوا ہو اور کسی کا گھر تباہ ہو رہا ہو اور اس کے پاس سامان بھی ہو۔ تو کیا وہ اس کے روکنے کی سعی نہ کرے گا۔

ہمارے پاس جو ہر روز بیعت کے لئے آتے ہیں ان میں سے ہی آتے ہیں۔ آسمان سے تو نہیں آتے۔

۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسہ کی تقریب پر فرمایا۔ کہ

اشاعت رسالوں کی خوب ہوگئی۔ بہت اچھا ہوا۔ بہت سے لوگ واقف ہو جائیں گے اور ان کو پڑھ لیں گے۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے نزول المسیح بھی تیار ہو جاوے تو اچھا ہے۔

۵۔ ایڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

میاں نبی بخش صاحب عُرف عبد العزیز صاحب نمبردار بٹالہ کا توبہ نامہ جو اُس نے

[1] النمل : ۱۵

بھیجا ہے۔ الحکم میں چھاپ دیا جاوے

اور ساتھ اپنا ایک رویا بھی جسے بارہا آپ نے فرمایا ہے۔ سُنایا کہ

میں نے ایک بار اس کے متعلق دیکھا تھا کہ گویا اسی راستہ ہم سیر کو نکلے ہیں تو اس بڑ کے درخت کے نیچے جو میراں بخش حجام کی حویلی کے پاس ہے۔ نبی بخش سامنے سے آکر ملا ہے اور اس نے مصافحہ کیا ہے۔ یہ رویا، ان دنوں کی ہے جب وہ مخالفت کے اشتہار چھپواتا پھرتا تھا۔

جماعت کی ترقی اور اس کے متعلق براہین احمدیہ میں پیشگوئیاں

۶۔ جماعت کی ترقی پر اور مولوی محمد حسین کے ابھی تین سو تیرہ ہی کہتے رہنے پر فرمایا کہ

بڑے زور سے ترقی ہو رہی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا قادر ہے کہ ایک دم میں تین سو تیرہ سے تین لاکھ تیرہ ہزار کر دے۔ یہ ترقی محمد حسین کے لئے تو اعجاز ہے۔ اگر وہ سوچے اور سمجھے براہین احمدیہ کو پڑھے۔ یہ کتاب میں نے اب تو نہیں بنا لی جس میں لکھا ہوا ہے کہ تیرے ساتھ فوجیں ہوں گی۔ باوجود مولویوں کی اس قدر مخالفت کے پھر اس قوم کا ترقی کرنا کیا یہ معجزہ نہیں جبکہ وہ اپنے ارادوں میں عاجز آگئے۔ کس قدر جد و جہد ان لوگوں نے ہمارے نابود کرنے کے لئے کی۔ گورنمنٹ تک سے چاہا کہ کسی نہ کسی طرح سے ہم کو پھنسائیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسی زور شور سے ترقی کی جس قدر زور انہوں نے مخالفت میں لگایا۔ اب تو بات صاف ہو گئی ہے۔ مردم شماری کے کاغذات سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری جماعت تین سو تیرہ ہے یا ایک لاکھ کے قریب۔

طاعون نے ان کو دو طرح گھٹایا ہے۔ کچھ مرتے ہیں اور اکثروں کو ادھر ملایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو بیج اچھی طرح بویا جاوے اور وقت پر بارش بھی ہو وہ دیکھتے ہی دیکھتے نشو و نما پاتا اور ترقی کرتا ہے۔ دلوں کا کھینچنا اور قائم رکھنا یہ خدا کا کام ہے۔ ان مخالفوں کو اگر اب ابو سفیان کی طرح نظارہ کرایا جاوے تو حیران ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنی فوج دکھائی اور عباس کو کہا کہ ان کے پاس ٹھیر کر دکھاؤ اور جب اس نے وہ نظارہ کیا تو اس نے

کہا کہ تیرا بھتیجا بڑا بادشاہ ہو گیا ہے مگر اُس کو جواب دیا گیا کہ بادشاہی نہیں نبوت ہے۔

براہین احمدیہ کے زمانہ پر غور کیا جاوے۔ جب وہ چھپ رہی تھی۔ اب تو نہیں بنائی گئی۔ اس وقت کے الہامات اس میں درج ہیں۔ جو انگریزی میں بھی ہیں اور عربی میں بھی۔

اذا جاء نصر اللہ والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا الیس ھٰذا بالحق۔ ایک مخلوق ہماری طرف رجُوع کرے گی۔ تو کہا جائے گا۔ الیس ھٰذا بالحق۔ وانتھیٰ امر الزمان الینا عربی میں بڑا عجیب فقرہ ہے کہ زمانہ کا رجوع ہماری طرف ہوگا۔ اور آخری فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہوگا۔ غرض بڑی بڑی پیشگوئیاں ہیں۔ جیسے یہ کہ

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملوک کو بھی اس طرف توجہ ہو گی۔ اور ان میں بھی اس سلسلہ کی اشاعت ہو گی۔ ملوک اور رؤسا کے کان حق کے سُننے سے بہرے ہوتے ہیں۔ نہ خود ان کو عادت ہوتی ہے اور نہ ان کے پاس والے ایسے ہوتے ہیں۔ ان کے مصاحب اور پاس رہنے والے بدوضع لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنی سد دنیا کا باعث سمجھتے ہیں۔ اگر وہ دین کی طرف توجہ کریں۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ **بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے**۔ یہ برکت ڈھونڈنے والے بیعت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کے بیعت میں داخل ہونے سے گویا سلطنت بھی اس قوم کی ہو گی۔

پھر مجھے کشفی رنگ میں وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور چھ سات سے کم نہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ خدا کے کام تدریجی ہوتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی گلیوں میں تکلیف اُٹھاتے پھرتے تھے۔ اس وقت کون خیال کر سکتا تھا اس شخص کا مذہب دنیا میں پھیل جائے گا۔

علم خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کا دائرہ بھی اشاعت اسلام کے متعلق اتنا نہ تھا۔ جتنا اب ہے۔ وہ تو یقین کرتے تھے کہ ہم فتح

پائیں گے۔ میرا مذہب تو یہ ہے۔ خدا تعالےٰ ہی علیم و خبیر ہے۔ ضروری نہیں کہ پیغمبروں پر بھی تفصیلی حالات ظاہر کئے جائیں۔ وہ جتنا علم چاہتا ہے دیتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اگر اس وقت آئیں تو اسلام کی اس قدر وسیع اشاعت اور ترقی کو دیکھ کر حیران ہو جائیں

صداقت کے چار قسم کے ثبوت

۷۔ اپنے تائیدی ثبوتوں کے متعلق فرمایا۔ کہ

اب وہ اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ گنے بھی نہیں جاتے۔ ہر روز زیادتی رہتی ہے یہ خدا کا کلام ہے۔ مجھے بارہا خیال آیا ہے کہ اگر کسی رئیس کو یہ خیال پیدا ہو تو جس ترتیب سے خدا تعالےٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔ وہ ایک جلسہ کر کے اس ثبوت کو ہم سے لے یہ ثبوت چار قسم کے ہیں۔ اگر عقل کو بھی اس میں داخل کر لیا جاوے۔

(۱) نصوص قرآنیہ و حدیثیہ۔ (۲) آیات ارضیہ و سماویہ۔ (۳) ضرورت مشہودہ محسوسہ (۴) دلائل عقلیہ۔ اس ترتیب سے اگر عیسائیوں کے اس جلسہ کی طرح (جو ۱۵ دن تک امریکہ میں ہوتا رہا) ایک جلسہ کیا جاوے اور قیصر روم کی طرح جس نے ایک مذہبی جلسہ کیا تھا مذہب کی تحقیقات کے لحاظ سے نہ سہی بطور تماشا ہی کوئی کر کے دیکھے۔ اس طرح پر آہستگی سے منہاج نبوت پر ہمارے ثبوت سن لئے جاویں تو بہت بڑا مفید نتیجہ نکلے بے شک جس طریق پر حضرت موسےٰ کی نبوت یا حضرت عیسےٰ اور دوسرے نبیوں کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کو پرکھا جاوے۔

۸۔ ایک بار حضرت نے پیشگوئیوں کے نقشہ کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ پھر وہ نقشہ تیار ہوا۔ اس کے متعلق یاددہانی کرائی گئی تو فرمایا کہ

وہ پیشگوئیاں اب نزول المسیح میں چھپ رہی ہیں۔ ان کی عبارات کا چست کرنا بھی ضروری تھا۔ اب اس سے نقشہ بھی مرتب ہو سکتا ہے۔

آتھم کا رجوع الی الحق

۹۔ آتھم کی پیشگوئی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

ہماری جماعت کو یہ مسائل مستحضر ہونے چاہئیں۔ آتھم کے رجوع کے متعلق یاد رہے کہ پیشگوئی سنتے ہی اس نے اپنی زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھا اور کانپا اور زرد ہو گیا۔ ایک جماعت کثیر کے سامنے اس کا یہ رجوع دیکھا گیا۔ پھر اس پر خوف غالب ہوا۔ اور وہ شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اس نے اپنی مخالفت کو چھوڑ دیا اور کبھی اسلام کے مخالف کوئی تحریر شائع نہ کی۔ جب انعامی اشتہار دے کر قسم کے لئے بلایا گیا۔ تو وہ قسم کھانے کو نہ آیا۔ اخفائے شہادت حقہ کی پاداش میں اس پیشگوئی کے موافق جو اس کے حق میں کی گئی تھی۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ باتیں اگر عیسائی منصف مزاج کے سامنے پیش کی جاویں تو اس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ غرض اس طرح پر مسائل کو یاد رکھنا ایک فرض ہے۔ اور کتابوں کا دیکھنا ایک ضروری ہوتا ہے۔

رفع کے معنے

۱۰۔ رفع کے متعلق جو اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے لئے یہ سمجھنا چاہیئے کہ رفع سے یہودی تو یہی معنے سمجھے ہوئے تھے کہ جس پر لعنت پڑے اس کا روح آسمان پر نہیں جاتا۔ اُن کا یہ مذہب کب تھا کہ نجات کے لئے آسمان پر جانا ضروری ہے۔ پس یہودیوں کی اصل غرض مسیح کو صلیب دینے سے یہ تھی۔ اُن کے جسم سے ان کو کیا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اسی اختلاف کا رفع کرنا اور ان کی غلط فہمی کو رفع کرنا مقصود تھا۔ اب اگر رفع سے جسمانی مراد ہے تو یہودیوں کے اس الزام کی بریت کہاں ہے؟ اس طرح پر ہر قسم کے اعتراضوں کا جواب پہاڑوں کی طرح یاد ہونا چاہیئے۔ مستحضر جواب دینا ہر ایک کا کام نہیں۔ اگر بر محل جواب نہ ہو تو

؎ عذر نامعقول ثابت میکند الزام را۔ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کے تو ایسے دلائل دے دیئے ہیں۔ کہ اگر یاد ہوں تو پھر کوئی مشکل نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے بعد پھر امتحان کی صورت رکھی

جاوے۔ رؤسا میں سے کسی کو خیال آوے کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے اور وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے اور ایک جلسہ کر کے فیصلہ کر لے۔

۱۱۔ فرمایا۔

طاعون کے متعلق سارے نبی پیشگوئی کرتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون شدت سے پھیلے گی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۰۰۹ پرچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

۱۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(دربار شام)

دعا بعد نماز

مولوی سید محمود شاہ صاحب نے جو سہارنپور سے تشریف لائے ہوئے ہیں۔ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب آپ نماز مغرب سے فارغ ہو کر شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے یہ عرض کیا کہ میں نے آج تحفہ گولڑویہ اور کشتی نوح کے بعض مقامات پڑھے ہیں۔ میں ایک امر جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ فروعی ہے لیکن پوچھنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ عموماً بعد نماز دعا مانگتے ہیں۔ لیکن یہاں نوافل تو خیر دعا بعد نماز نہیں مانگتے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:۔

اصل یہ ہے کہ ہم دعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے اور ہم خود بھی دعا مانگتے ہیں۔ اور صلوٰۃ بجائے خود دعا ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے۔ کہ ہندوستان میں یہ عام بدعت پھیلی ہوئی ہے۔ کہ تعدیل ارکان پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے اور ٹھونگے دار نماز پڑھتے ہیں۔ گویا وہ نماز ایک ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ایک بوجھ ہے۔ اس لئے اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے۔ جس میں کراہت پائی جاتی ہے۔ حالانکہ نماز ایسی شے ہے۔ کہ جس سے ایک ذوق۔ اُنس اور سرور بڑھتا ہے۔ مگر جس طرز پر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے حضور قلب نہیں ہوتا اور بے ذوقی اور بے لُطفی پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت

کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں۔ بلکہ حضور قلب کی کوشش کریں جس سے اُن کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔ عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں کہ جس میں حضور قلب کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دعا کے لئے کرتے ہیں۔ اور دیر تک دعا مانگتے رہتے ہیں۔ حالانکہ نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دعا کی جاوے اور اسی لئے اُمُّ الْاَدْعِیَۃ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دعا مانگی جاتی ہے۔ انسان کبھی خدا تعالٰے کا قُرب حاصل نہیں کرتا جبتک کہ اقام الصلوٰۃ نہ کرے۔ اقیموا الصلوٰۃ اس لئے فرمایا کہ نماز گِری پڑتی ہے مگر جو شخص اقام الصلوٰۃ کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی رُوحانی صورت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تو پھر وہ دعا کی محویت میں ہو جاتے ہیں۔ نماز ایک ایسا شربت ہے کہ جو ایک بار اُسے پی لے اُسے فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ فارغ ہی نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔ اس سے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھتا ہے تو پھر اس کا اثر نہیں جاتا۔

مومن کو ہمیشہ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت دعائیں کرنی چاہئیں۔ مگر نماز کے بعد جو دعاؤں کا طریق اس ملک میں جاری ہے وہ عجیب ہے۔ بعض مساجد میں اتنی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں۔ کہ آدھ میل کا سفر ایک آدمی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو بہت نصیحت کی ہے کہ اپنی نماز کو سنوارو یہ بھی دعا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔ کوئی اثر روحانیت اور خشوع وخضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالٰی لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی نمازوں کے لئے ویل آیا ہے۔ دیکھو جس کے پاس اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو تو کیا کوڑیوں اور پیسوں کے لئے اسے پھینک دینا چاہیئے۔ ہرگز نہیں۔ اوّل اس جوہر کی حفاظت کا اہتمام کرے اور پھر

پیسوں کو بھی سنبھالے۔ اس لئے نماز کو سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے۔

سائل۔ الحمد شریف بیشک دعا ہے مگر جن کو عربی کا علم نہیں۔ اُن کو تو دعا مانگنی چاہیئے۔

حضرت اقدسؑ۔ ہم نے اپنی جماعت کو کہا ہوا ہے کہ طوطے کی طرح مت پڑھو۔ سوائے قرآن شریف کے جو رب جلیل کا کلام ہے اور سوائے ادعیہ ماثورہ کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھیں۔ نماز بابرکت نہ ہوگی جب تک اپنی زبان میں اپنے مطالب بیان نہ کرو۔ اس لئے ہر شخص کو جو عربی زبان نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ اپنی زبان میں اپنی دعاؤں کو پیش کرے اور رکوع میں سجود میں مسنون تسبیحوں کے بعد اپنی حاجات کو عرض کرے۔ ایسا ہی التحیات میں اور قیام اور جلسہ میں۔ اس لئے میری جماعت کے لوگ اس تعلیم کے موافق نماز کے اندر اپنی زبان میں دعائیں کر لیتے ہیں۔ اور ہم بھی کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں تو عربی اور پنجابی یکساں ہی ہیں۔ مگر مادری زبان کے ساتھ انسان کو ایک ذوق ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی زبان میں نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنے مطالب اور مقاصد کو بارگاہ ربّ العزّت میں عرض کرنا چاہیئے۔ میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ نماز کا تعہد کرو۔ جس سے حضور اور ذوق پیدا ہو۔ فریضہ تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نوافل اور سُنن کو جیسا چاہو طُول دو۔ اور چاہیئے کہ اس میں گریہ و بکا ہو۔ تاکہ وہ حالت پیدا ہو جاوے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔ نماز ایسی شئے ہے کہ سیئات کو دور کر دیتی ہے۔ جیسے فرمایا۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ[1] نماز کُل بدیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ حسنات سے مراد نماز ہے۔ مگر آج کل یہ حالت ہو رہی ہے کہ عام طور پر نمازی کو مکار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں۔ یہ اسی قسم کی ہے جس پر خدا نے واویلا کیا ہے کیونکہ اس کا کوئی نیک اثر اور نیک نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ نرے الفاظ کی بحث میں پسند نہیں کرتا۔ آخر مر کر خدا تعالیٰ کے حضور جاتا ہے۔ دیکھو ایک مریض جو طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا

[1] هود : ۱۱۵

علاج میں کوئی غلطی ہے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو پچاس پچاس برس تک نماز پڑھنے والے دیکھے گئے ہیں کہ بدستور رُو بدنیا اور سفلی زندگی میں نگونسار ہیں۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں اور استغفار کیا چیز ہے۔ اس کے معنوں پر بھی انہیں اطلاع نہیں ہے طبیعتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو عادت پسند ہوتی ہیں۔ جیسے اگر ہندو کا کسی مسلمان کے ساتھ کپڑا بھی چھو جائے تو وہ اپنا کھانا پھینک دیتا ہے۔ حالانکہ اس کھانے میں مسلمان کا کوئی اثر سرایت نہیں کر گیا۔ زیادہ تر اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال ہو رہا ہے کہ عادت اور رسم کے پابند ہیں۔ اور حقیقت سے واقف اور آشنا نہیں ہیں۔ جو شخص دل میں یہ خیال کرے کہ یہ بدعت ہے کہ نماز کے پیچھے دعا نہیں مانگتے بلکہ نمازوں میں دعائیں کرتے ہیں۔ یہ بدعت نہیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ادعیہ عربی میں سکھائی تھیں جو اُن لوگوں کی اپنی مادری زبان تھی اسی لئے ان کی ترقیات جلدی ہوئیں۔ لیکن جب دوسرے ممالک میں اسلام پھیلا تو وہ ترقی نہ رہی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اعمال رسم و عادت کے طور پر رہ گئے۔ ان کے نیچے جو حقیقت اور مغز تھا وہ نکل گیا۔ اب دیکھ لو مثلاً ایک افغان نماز تو پڑھتا ہے لیکن وہ اثر نماز سے بالکل بے خبر ہے۔ یاد رکھو رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز۔ صلوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھکر اللہ تعالےٰ کے قُرب کا کوئی قریب ذریعہ نہیں۔ یہ قرب کی کُنجی ہے۔ اسی سے کشوف ہوتے ہیں۔ اسی سے الہامات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر کوئی اس کو اچھی طرح سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ تو وہ رسم اور عادت کا پابند ہے اور اس سے پیار کرتا ہے جیسے ہندو گنگا سے پیار کرتے ہیں۔ ہم دعاؤں سے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا تو سب سے بڑھ کر دعاؤں کی قبولیت پر ایمان ہے جبکہ خدا تعالےٰ نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ

لَکُمۡ[1] فرمایا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نماز کے بعد دعا کرنا فرض نہیں ٹھیرایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی التزامی طور پر مسنون نہیں ہے۔ آپ سے التزام ثابت نہیں ہے۔ اگر التزام ہوتا اور پھر کوئی ترک کرتا۔ تو یہ معصیت ہوتی۔ تقاضائے وقت پر آپ نے خارج نماز میں بھی دعا کر لی۔ اور ہمارا تو یہ ایمان ہے۔ کہ آپ کا سارا ہی وقت دعاؤں میں گزرتا تھا۔ لیکن نماز خاص خزینہ دعاؤں کا ہے جو مومن کو دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا فرض ہے کہ جبتک اس کو درست نہ کرے اور طرف توجہ نہ کرے کیونکہ جب نفل سے فرض جاتا رہے تو فرض کو مقدم کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ذوق اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر خارج نماز بے شک دعائیں کرے ہم منع نہیں کرتے۔ ہم تقدیم نماز کی چاہتے ہیں اور یہی ہماری غرض ہے۔ مگر لوگ آج کل نماز کی قدر نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے بہت بُعد ہو گیا۔ مومن کے لئے نماز معراج ہے اور وہ اس سے ہی اطمینان قلب پاتا ہے کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنی عبودیت کا اقرار، استغفار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔ غرض وہ سب امور جو رُوحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ موجود ہیں۔ ہمارے دل میں اس کے متعلق بہت سی باتیں ہیں۔ جن کو الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ بعض سمجھ لیتے ہیں اور بعض رہ جاتے ہیں۔ مگر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تھکتے نہیں۔ کہتے جاتے ہیں۔ جو سعید ہوتے ہیں اور جن کو فراست دی گئی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں۔

عربی کی بجائے اپنی زبان میں نماز پڑھنا

سائل۔ ایک شخص نے رسالہ لکھا تھا کہ ساری نماز اپنی ہی زبان میں پڑھنی چاہیئے۔

حضرت اقدسؑ۔ وہ اَور طریق ہو گا۔ جس سے ہم متفق نہیں۔ قرآن شریف بابرکت کتاب ہے۔ اور رب جلیل کا کلام ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ ہم نے تو ان لوگوں کے لئے دعاؤں کے واسطے کہا ہے۔ جو اُمّی ہیں۔ اور پورے طور پر اپنے مقاصد عرض نہیں کر سکتے ان کو چاہیئے۔ کہ اپنی زبان میں دعا کر لیں۔ ان لوگوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے۔ کہ

[1] المومن: ۶۱

مجھے معلوم ہے کہ فتح محمد ایک شخص تھا۔ اس کی چچی بہت بڈھی ہو گئی تھی۔ اس نے کلمہ کے معنے پوچھے تو اس کو کیا معلوم تھا کہ کیا ہیں۔ اس نے بتائے تو اس عورت نے پوچھا کہ محمدؐ مرد تھا یا عورت تھی۔ جب اس کو بتایا گیا کہ وہ مرد تھا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی۔ کہ پھر کیا میں اتنی عمر تک بیگانے مرد ہی کا نام لیتی رہی؟

یہ حالت مسلمانوں کی ہو گئی ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۱-۱۲ پرچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت امام الزمان کی ڈائری

مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے جب حضرت حجۃ اللہ تقریر ختم کر چکے تو مستفسر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب سفرالسعادت نے تو یہانتک لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا کی حدیث ثابت نہیں۔

حدیث کا مقام

حدیث پر میرا مذہب

اس پر پھر حضرت اقدس نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا کہ

میرا مذہب یہ ہے کہ حدیث کی بڑی تعظیم کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ آنحضرتؐ سے منسوب ہے۔ جب تک قرآن شریف سے متعارض نہ ہو۔ تو مستحسن یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے مگر نماز کے بعد دعا کے متعلق حدیث سے التزام ثابت نہیں۔ ہمارا تو یہ اصول ہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاوے۔ جو قرآن شریف کے مخالف نہ ہو۔

بیعت

اس کے بعد دو تین آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی اور آپ نے بیعت میں داخل کیا۔

مسٹر پگٹ اور ڈوئی

مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے مسٹر پگٹ اور فرانس کے ایک جدید مدعی مسیحیت کے متعلق ولایت کے اخبار فری تھنکر سے دو نوٹ پڑھ کر سُنائے۔ اور مفتی محمد صادق صاحب نے ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کے بعض پیراگراف سُنائے۔

ڈوئی کے ذکر پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

یہ وہ شخص ہے جس نے الیاس ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو عہدنامہ کا رسُول کہتا ہے۔ ہم نے اس کو دعوت کی ہے کہ اگر تو یسُوع مسیح کو خدا سمجھتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ پس تو اس قسم کی دُعا کر۔ کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ یہ جوش مجھے زیادہ اس لئے آیا ہے کہ اس نے تمام مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن ہے۔

مذہبی دنگل

یہ زمانہ اس قسم کا آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایسے وسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ[1] کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ اب سب مذاہب میدان میں نکل آئے ہیں۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ ان کا مقابلہ ہو۔ اور ان میں ایک ہی سچا ہوگا اور غالب آئے گا۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[2] اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ مقابلہ مذاہب کا شروع ہو گیا ہے۔ اور اس مذہبی کُشتی کا سلسلہ نری زبان تک ہی نہیں رہا بلکہ قلم نے اس میں سے سب سے بڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ لاکھوں مذہبی رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت مختلف مذاہب خصوصاً نصاریٰ کے جو حملے اسلام پر ہو رہے ہیں۔ جو شخص ان حالات سے واقفیت رکھتا ہے اور اسے ان پر سوچنے کا موقع ملا ہے تو وہ ان ضرورتوں کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر

[1] التکویر: ۸ [2] الصف: ۱۰

اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ وقت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اسلام کی طرف زیادہ توجہ کرے۔ جو شخص اسلام پر ان حملوں کی رفتار کو دیکھتا ہے تو وہ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن جس کو کوئی خبر ہی نہیں ہے وہ ان نقصانوں کی بابت کیا کہہ سکتا ہے جو اسلام کو پہنچائے گئے ہیں۔ مسلمانوں نے نادان دوست کے رنگ میں اور غیر مذاہب والوں خصوصاً عیسائیوں نے دشمنی کے لباس میں، وہ تو یہی کہتا ہے۔ کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے؟ مگر اسے معلوم نہیں کہ اسلام کی ظاہری اور جسمانی صورت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ وہ قوت اور شوکت اسلامی سلطنت کو نہیں۔ اور دینی طور پر یہی وہ بات جو مخلصین لہ الدّین[1] میں سکھائی گئی تھی اس کا نمونہ نظر نہیں آتا ہے۔

اندرونی طور پر اسلام کی حالت بہت ضعیف ہو گئی ہے اور بیرونی حملہ آور چاہتے ہیں کہ اسلام کو نابود کر دیں۔ اُن کے نزدیک مسلمان کتّوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں۔ ان کی غرض اور ارادے یہی ہیں کہ وہ اسلام کو تباہ کر دیں اور مسلمانوں کو ہلاک کریں۔ اگر ایک سچے مسلمان کو ان ارادوں پر اطلاع ملے جو یہ لوگ اسلام کے خلاف کہتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ ان کے تصور کے صدمہ ہی سے مر جاوے۔ اب خدا کی کتاب کے بغیر اور اس کی تائید اور روشن نشانوں کے سوا اُن کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اور اسی غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

عیسائیت کا فتنہ ہی دجّال کا فتنہ ہے

دجّال بھی کتاب ہی کا پیرو ہونا چاہیئے۔ ورنہ دجل کیا کیا۔ یہ تحریف کرتے ہیں پہلے حاشیہ پر لکھتے ہیں پھر ان مطالب کو متن میں داخل کرتے ہیں۔ اور اس طرح پر آئے دن ان کی تحریف کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں۔ جس میں انہوں نے انجیل کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور اپنے باطل عقیدوں کی اشاعت نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور رسالوں کے ذریعہ بہت بڑی خباثت اور گند کو پھیلایا ہے

[1] البیّنۃ: ۶

ان کی نیتیں اسلام کے لئے ہرگز بخیر نہیں ہیں۔ آدم سے لے کر اس وقت تک ایسے مغوی اور مضل پیدا نہیں ہوئے جیسی کہ یہ قوم ہے۔ روپیہ۔ قوت۔ شوکت جو آج ان کو ملا ہے اور کسی کو نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ قوم اسلام کے معدوم کرنے میں کس قدر کوشش کرتی ہے۔ اور کیا کیا طریقے انہوں نے اختیار کئے ہیں ؟ اور اپنے ارادوں اور کوششوں میں کہاں تک کامیابی اس نے حاصل کی ہے ؟ اب اس سوال کا جواب سوچ کر ہمیں بتائے کہ جب یہ عظیم الشان فتنہ اور اسلام کے لئے دشمن ہے تو پھر اس کی پیش گوئی بھی تو ضرور ہونی چاہیئے تھی۔ پھر وہ کہاں ہے ؟

قرآن شریف میں وَ لَا الضَّآلِّیْن تو کہا۔ اگر دجّال کوئی الگ چیز تھی تو چاہیئے تھا وَ لَا الدَّجَّال بھی کہا ہوتا۔ غیر المغضوب اور و لا الضّالین کے متعلق تمام مفسر متفق ہیں کہ ان سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ جب پانچ وقت نمازوں میں ان فتنوں سے بچنے کے لئے دعا تعلیم کی گئی ہے کہ الضّالین سے نہ کرنا۔ اور نہ مغضوب قوم میں سے بنانا تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے بڑا اور اہم فتنہ یہی تھا۔ جو اُمّ الفتن کہنا چاہیئے۔

مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی ثابت ہوتا ہے

اور باتوں کو جانے دو۔ واقعات بھی تو کچھ چیز ہیں۔ متشابہات کی بحث میں نہ پڑو مگر یہ تو ماننا ہی پڑے گا۔ کہ پیشگوئیوں کے وہ معنے ہوتے ہیں جو واقعات کی رُو سے صحیح ثابت ہو جائیں۔ اب تیرہ سو برس گذر گئے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ کوئی کشف اور الہام چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتا۔ سب گویا بالاتفاق یہی مانتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی سے آگے نہیں۔ خود عیسائی قوموں میں مسیح موعود کی بعثت کا وقت یہی سمجھا اور مانا جاتا ہے اور ضروریات مشہودہ محسوسہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آنے والے کے لئے یہی وقت ہے۔ وہ علامات اور

نشانات جو مقرر کئے گئے تھے۔ سب اپنے اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔ یاجوج ماجوج بھی من کل حدب ینسلون[1] کا نظارہ دکھا رہے ہیں۔ اور دجّال بھی اپنے دجل اور فریب سے ایک عالم کو ہلاک کر رہا ہے۔ مگر فرضی دجّال جو مسلمانوں کے تخیل میں ہے۔ اس کا ابھی نام و نشان نہیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں تو لکھا ہوا ہے۔ کہ وجاعل الّذین اتبعوك فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ[2] ۔ فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ[3] ۔ والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ[4] ۔

یعنی قیامت تک عیسائیوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود آکر عیسائیوں سے لڑائی کرے گا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر وہ دجّال کہاں گیا۔ جس کی بابت کہتے ہیں کہ حرمین کے سوا اس کا دخل ساری جگہ ہوگا۔ اس تناقض کا جواب ان کے پاس کیا ہے۔ دجّال تو کھوٹ کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کے معنے تاجر کے بھی ہیں۔ سونے کا نام بھی دجّال ہے اور شیطان کا بھی اصل یہی ہے کہ نصاریٰ کی قوم جو اسلام کی تخریب کے درپے ہے اور طرح طرح کے مشن قائم کرکے اسلام کو نابود کرنا چاہتی ہے۔ اور حق و باطل میں التباس کرتی ہے اور اپنی کتابوں میں تحریف کرتی ہے۔ یہی وہ گروہ ہے۔ جس پر دجّال کا اطلاق ہوا ہے۔ کیونکہ دجّال تو گروہ کا نام ہے۔ اور جو فتور اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ عام طور پر محسوس ہو چکا ہے۔ جو بازار ارتداد کا یہاں گرم ہے وہ مصر اور دوسرے ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔ تو اب ایک دانشمند سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرضی دجّال سے بچایا تو اس قریب تر آنے والی آفت کا کوئی سامان نہیں کیا؟ اور اس کا ذکر تک بھی نہ کیا؟ یہ غلط ہے۔ خدا نے ذکر کیا اور اس سے بچایا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی گروہ دجّال ہے۔ لغت میں گروہ ہی کے معنے ہیں۔ یہی تحریف و تبدیل کرتے ہیں

[1] الانبیاء: ۹۷ [2] آل عمران: ۵۶ [3] المائدۃ: ۱۵ [4] المائدۃ: ۶۵

قرآن شریف کا اگر ترجمہ کرتے ہیں وہ بھی ایسا۔ اسلام کو معدوم کرنا اپنا فرض اور مدعا رکھتے ہیں۔ اور یہ گروہ نرے پادریانہ رنگ میں ہی اسلام پر حملہ آور نہیں بلکہ فلسفیانہ رنگ میں بھی حملہ کرتا ہے اور اپنی ذریت کو ایسی طرز پر تعلیم دینا چاہتا ہے۔ کہ اعمال میں سُست ہو جاویں۔ ناول ہیں تو اس طریق پر بھی اُن کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتا ہے۔ اور فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور تاریخ ہے تو اس رنگ میں بھی بداعتقادی اور بدظنی پھیلانے کا خواہشمند ہے۔ غرض ہر پہلو سے اسلام سے بیزار کرانا چاہتا ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ جو لوگ ان کی پالیسی سے آگاہ ہیں اور اُن کے مکائد اور اغراض کا علم رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ شفاخانوں کے اجرا سے بھی یہی غرض ہے۔ غرض جو پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ اس میں اسلام کی مخالفت اصل مدعا ہوتا ہے۔ اور ارتداد علت غائی ہوتی ہے۔ یہ اس قدر طریق لئے پھرتے ہیں۔ کہ فرضی دجال کے وہم و خیال میں بھی نہ ہوں گے۔

پھر بڑی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا میں بھی ان کا ہی ذکر کیا جیسے کہ ولا الضالین پر سورۃ فاتحہ کو ختم کیا۔ اور پھر قرآن شریف کو بھی اسی پر تمام کیا کہ قل ھو اللہ سے لے کر قل اعوذ برب الناس[1] تک غور کرو۔ اور وسط قرآن میں بھی ان کا ہی ذکر کیا۔ اور تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ[2] کہا۔ بتاؤ اس دجال کا بھی کہیں ذکر کیا۔ جس کا ایک خیالی نقشہ اپنے دلوں میں بنائے بیٹھے ہیں۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دجال کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو۔ اس میں بھی ان کا ہی ذکر ہے اور احادیث میں ریل کا بھی ذکر ہے۔ غرض جہاں تک غور کیا جاوے۔ بڑی وضاحت کے ساتھ یہ امر ذہن میں آجاتا ہے کہ دجال سے مراد یہی نصاریٰ کا گروہ ہے۔

دَابَّۃُ الْاَرْض

دابۃ الارض کے دو معنے ہیں۔ ایک تو وہ علماء جن کو آسمان سے حصہ نہیں ملا۔ وہ

[1] الناس: ۲ [2] مریم: ۹۱

زمین کے کیڑے ہیں۔ دوسرے دابتہ الارض سے مراد طاعون ہے۔ دابۃ الارض تاکل منساتہٗ[1]۔ قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ جبتک انسان میں رُوحانیت پیدا نہ ہو۔ یہ زمین کا کیڑا ہے۔ اور طاعون کی نسبت بھی سب نبیوں نے پیشگوئی کی تھی۔ کہ مسیح کے وقت پھیلے گی۔ تکلمھم[2] تکلیم کاٹنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور خود قرآن شریف نے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اس سے آگے لکھ دیا ہے کہ وہ اس لئے لوگوں کو کاٹے گی۔ کہ ہمارے مامور پر ایمان نہیں لائے۔

یہ غور کرنے کے مقام ہیں۔ اب زمانہ قریب آگیا ہے اور لوگ سمجھ لیں گے۔ طاعون بڑا بھاری کتب مقدسہ اور احادیث میں مسیح موعود کا نشان ہے۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے وقت میں بھی ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے مجھے جو کچھ طاعون کی نسبت فرمایا ہے۔ اُسے میں نے مفصل لکھ دیا ہے۔ یہ میرا نشان ہے۔ جس قدر اس کا تعلق پنجاب سے ہے دوسرے حصہ ملک سے نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ اصل جڑ اس کی پنجاب میں مخفی ہے۔ سہارنپور وغیرہ میں جو لوگ اس سلسلہ کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ پنجاب کی طرف سے تکفیر کا فتویٰ تیار ہوا ہے اور پنجاب والوں نے پیش دستی کی ہے اور تہمتیں لگا کر بدنام کیا ہے۔ مگر اب جو یہ بلا آئی ہے۔ سوچکر دیکھو تو دشمن اسی طریق سے مانے گا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو یہ خیال کرتے ہو کہ وہ زمین میں دفن ہوئے اور حضرت عیسٰے کی نسبت یہ عقیدہ کہ وہ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور پھر یہ کہ مسیح مُردے زندہ کرتے تھے۔ اور وہ خالق تھے اور اُنہوں نے پرندے بنائے یہاں تک کہ لاکھوں کروڑوں پرندے اب بھی موجود ہیں۔ میں نے ایک اہل حدیث سے پوچھا کہ اگر دو جانور پیش کئے جاویں تو کیا آپ فرق کر سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں۔ کہ یہ مسیح کا ہے اور وہ خدا کا ہے۔ اس نے یہی کہا کہ اب رَل مِل گئے ہیں اس لئے تمیز نہیں ہو سکتی۔ پھر جب حضرت عیسٰی کو خالق مانتے ہیں۔ محی مانتے ہیں۔ عالم الغیب مانتے

[1] سبا: ۱۵ [2] النمل: ۸۳

ہیں۔ اور بقول اُن کے قرآن میں اُن کی موت کا بھی کہیں ذکر نہیں تو پھر خدا بنانے میں کیا شک رہا۔ تعجب کی بات ہے کہ وہی متوفیك کا لفظ حضرت مسیح کی نسبت آئے۔ تو اس کے معنے ہوں جسم سمیت آسمان پر اُٹھانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آئے تو کہہ دیا جائے کہ اس کے معنے ہیں مرنا۔ اب غور کر کے بتاؤ کہ عیسائیوں کو کتنا بڑا موقع اور ہتھیار حملہ کرنے کا آپ دے دیا ہے۔ اگر عیسائی سوال کریں تو پھر ان کے پاس کیا جواب ہے۔ آپ نہ پڑھ سکیں گے کہ اِنِّیْ متوفیكَ[1] یا فلمّا توفیتنی[2]۔ کیونکہ اس کے معنے انہوں نے آسمان پر زندہ اُٹھانے کے کئے ہیں۔ پھر کس آیت سے ان کی وفات ثابت کریں گے اور خدائی کو باطل کریں گے۔

یقیناً سمجھو کہ ان ہتھیاروں سے ان پر فتح نہیں پا سکتے۔ ان پر فتح اور کسرِ صلیب کے لئے وہی ہتھیار اور حربہ ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ بیشک مسلمانوں کو اس کی پروا نہیں کہ اسلام پر کیا آفت آ رہی ہے مگر خدا تعالیٰ کو پروا ہے جس کا باغ ہے اس کو پروا ہے۔ اس کا باغ کاٹا جاتا ہے اور جلایا جاتا ہے برباد کیا جاتا ہے۔ اس کی غیرت نے اس کی حفاظت کے لئے تقاضا کیا ہے۔ اور اب ایک سلسلہ خود اس نے قائم کیا ہے اور کوئی نہیں ہے جو اس کو روک سکے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[1] آل عمران: ۵۶ [2] المائدۃ: ۱۱۸

Published by Mubarak A. Saqi, Additional Nazir Isha'at,
16, Gressenhall Road, London SW18 5QL

Printed by Unwin Brothers Limited, The Gresham Press, Old Woking, Surrey